تاریخ سلاطین درۂ (پیچ) کنڑ۔ افغانستان

پاک افغان شمالی علاقہ جات پر مشتمل پہلی اسلامی ریاست
مملکت گبر (سوات) ۱۱۹۰۔۱۵۲۰ کی اولین جامع تاریخ

تاجک سواتی و مملکت گبر
تاریخ کے آئینہ میں

پروفیسر محمد اختر ایڈیشنل سیکرٹری (ریٹائرڈ)

۱۔ نام کتاب: تاجک سواتی و مملکت گبر (تاریخ کے آئینہ میں)

۲۔ نام مصنف: پروفیسر محمد اختر (ایڈیشنل سیکٹری ریٹائرڈ)

۳۔ اشاعت/تعداد: باراول/ ایک ہزار

۴۔ کمپوزیشن: رحیم تیجانی۔ الرحیم گرافکس۔ کراچی۔ فون:2210462

۵۔ تاریخ اشاعت: ذی الحج ۱۴۲۲۔ مارچ 2002

۶۔ مطبع: ایس۔ ایم۔ پرنٹرز۔ کراچی

۷۔ پیش کش: سرحد اردو اکیڈمی اردو نگر، قلندر آباد۔ ایبٹ آباد
زیر سرپرستی پروفیسر ڈاکٹر صابری کلوروی
صدر شعبۂ اردو جامعہ پشاور

۸۔ قیمت: ۳۵۰ روپے

DEDICATION / ACKNOWLEDGEMENT

1. To Syed Raja Diwan,.a great saint of 17th Century Pakhli, whose spiritual guidance motivated me to write this book on Tajik Sawatis, the first of its kind and a unique production.

2. To my deceased parents whom Allah may grant eternal bliss of Heaven.

3. And my acknowledgement to my wife, sons & daughters each of whom has rehdered their assistance, one way or the other in the complition of this book.

Prof: Muhammad Akhtar
Addl: Secretary (Retired)
Village Malak Pur
Distt. Mansehra
Ph: 0987-350039

فہرست مطالب

باب	فصل	عنوان	صفحہ
		۱) فہرست مطالب	I
		۲) فہرست ماخذ	VI
		۳) پیش گفتار	IX
		۴) فہرست نقشہ جات (i) نقشہ تخمینی مملکت گبر (۱۱۹۰۔۱۵۲۰ء) بانی سلطان پکھل و سلطان بہرام (ii) نقشہ دولت ایران (ہخامنشی) و دولت مقدونی و راہ اسکندر (iii) عکس کتبۂ کورش کبیر (ذوالقرنین)	
اول	اول	حضرت میر سید علی ہمدانی" پیدائش و خاندان ۔ تعلیم و تربیت ۔ کشمیر کی ہجرت کے اسباب ۔ کشمیر اور اسلامی تہذیب۔ علی ہمدانی اور سلاطین کشمیر۔ سید علی ہمدانی و سلاطین سوات۔ علی ہمدانی بحیثیت مبلغ و صوفی	۱
	دوم	حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو)"۔ حسب و نسب۔ تبصرہ از عبدالحلیم اثر افغانی ۔ راقم الحروف کی رائے اور تبصرہ۔ سلطان ارغش کے نسب پر تبصرہ۔ اخون پنجو کا نسب دور حاضر کے مورخین کی نظر میں۔ دینی و مذہبی خدمات	۱۴
	سوم	حضرت اخون درویزہ" ابتدائی حالات و نسب۔ سید علی ترمذی کی خدمت میں حاضری۔ اخون درویزہ و یوسف زئی افغان۔ تصنیفات	۴۳

	چہارم	حضرت اخوند سالاک کا بلگرامیؒ ابتدائی حالات ونسب۔ شیوخ اور علماء کے دو گروہ۔ اخوند سالاک اور یوسف زئی۔ موضع کا بلگرام میں قیام ڈوما کفار کے خلاف جہاد۔ اخوند سالاک اور تنولی۔ اخوند سالاک اور سواتی۔ قلعہ چھانجل پر حملہ اور شالی پکھلی پر سواتیوں کا قبضہ۔	۵۰
	پنجم	سید راجا دیوان یا شاہ راجا دیوانؒ (المعروف دیوان راجا بابا) تاریخی بیانات کا جائزہ۔ حسب ونسب۔ پروفیسر ارشاد شاکر اعوان کا تبصرہ اور راقم الحروف کی رائے۔ دیوان راجا بابا بحیثیت صوفی شاعر	۶۸
	ششم	حضرت سید جلال الدین ترمذی (المعروف سید جلال باباؒ) حسب ونسب۔ پکھلی میں آمد۔ تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس اور ہزارا گزیٹیرز کے مندرجات کا تجزیہ۔ ترک حکومت کا پکھلی سرکار سے خاتمہ۔ مسئلہ قیادت کا تاریخی پس منظر	۸۳
دوم	اول	پکھلی کی وجہ تسمیہ (تاریخ کے آئینہ میں)	۱۰۹
	دوم	سوات کی وجہ تسمیہ (تاریخی پس منظر میں)	۱۳۳
سوم		افغانستان قبل از اسلام ویدی، اوستائی اور پیش دادی دور۔ پیش دادی اور اوستائی پہلوانوں کا دور۔ کیانی دور۔ خاندان رستم دار وسیستان۔ سیستان کی قدیم مدنیت	۱۴۵

چہارم	اول	مدنیت اوستائی اور تاجک سواتی (تاریخ کے آئینہ میں) میجر راورٹی کا بیان۔ عبدالحی حبیبی کا بیان۔ طبقات ناصری کے باب پنجم کا مکمل متن۔ مولف کا تبصرہ۔ عماد الدین بلخی۔ گبر اور کبری کی وجہ تسمیہ۔ خلاصۂ بحث۔ تاجک اور افغانوں میں نسبی تمیز۔	۱۶۴
	دوم	ظہور زردشت و دین زردشت ذکر احوال زردشت موافق اخبار زردشتیاں۔ انگریز مورخین کی رائے۔ زردشت کی دینی کتب (اوستا و ژند)۔ خلاصہ بحث	۱۹۹
پنجم		تاجک سواتی کے متعلق مختلف تاریخی بیانات اخوند درویزہ کا بیان۔ آئین اکبری کا بیان۔ عالمگیر نامہ کا بیان۔ سیر المتاخرین کا بیان۔ تاریخ افغانستان (عبدالحی حبیبی) کا بیان۔ میجر راورٹی اور میجر بلیو کا بیان۔ مذکورہ بیانات پر تبصرہ۔ شجرہ نسب خاندان ہخامنشی۔ ایلامی تہذیب اور مشرقی ایران۔ ماد کے حکمرانوں کی فہرست اور دور۔ کورش کبیر (سائرس) کے ابتدائی حالات۔	۲۲۰
ششم		ذوالقرنین (کورش بزرگ) در عہد عتیق و قرآن مجید۔ تاریخ ملی یہود و تصور ذوالقرنین۔ دانیال، یشعیا اور یرمیا انبیاء کی پیش گوئیاں۔ مجسمۂ کورش کی دریافت۔ ظہور کورش و فتوحات۔	۲۳۷
ہفتم		اسکندر مقدونی: مقدونیہ۔ فلپ دوم۔ جنگ خیرونہ و جنگ مقدس۔ اوضاع دربار فلپ و افسانہائے پیدائش اسکندر۔ اسکندر بحیثیت فاتح۔ ایران پر لشکر کشی۔ جنگ گرانیک۔ از کیلیکیہ تا مصر۔ جنگ ایسوس۔ صور و غزہ کا محاصرہ۔ ایمن تاس کا انجام۔ داریوش کی	۲۵۹

باب	فصل	عنوان	صفحہ
		پیش کش ۔ جنگ گوگمل وفتح بابل۔ بابلیوں کی تہذیب۔ شوش کی طرف روانگی۔ تخت جمشید کی تباہی۔ تسخیر ممالکت شرقی (گرگان۔ باختر۔رخج)۔ اسکندر کا دعوٰی الوہیت۔ ہندوستان کوروانگی۔مراجعت۔وفات۔خاتمہ بحث	
ہشتم		**تاجک سواتی کے نسب نامے اور اسکندر مقدونی:۔** مختلف نسب ناموں کا تنقیدی جائزہ۔ سواتیوں میں (سلطان) اور (دہگان) کے لقب کا تاریخی پس منظر۔ دہگان کی وضاحت	۲۹۵
نہم	اول	**تاجک سواتی کے تاریخی حالات:۔** پس منظر (کوشانی، ساسانی دور۔ دوراسلام اور رتبیلان زابلستان) قیس عبدالرشید اور اسکے بیٹے۔صفاری دور۔دور سامانی۔ غوری عہد۔ بہاؤالدین سام حکمران بامیان اور سلطان پکھل وسلطان بہرام۔	۳۲۰
	دوم	**قبیلہ تاجک سواتی کا تاریخی دور:۔** تاریخی بیانات اوران کا تجزیہ۔ مملکت گبر کا قیام۔ عمادالدین بلخی اور (اعظم ملک)۔ پکھلی ہزارہ میں ترکوں کی آبادکاری۔ سوات پر سلطان پکھل کے حملے کی روئیداد۔ سلطان ارغش کے حالات۔ تیموری حملے کے اثرات	۳۳۶
	سوم	**سواتی گبری سلاطین کا کشمیر میں ورود وقیام سلطنت اسلامی:۔** کشمیر میں اسلامی دور کا آغاز۔ شاہ میر گبری الملقب سلطان شمش الدین۔ حکمرانانِ کشمیر و سید علی ہمدانی۔ حکمرانانِ سوات و سید علی ہمدانی۔	۳۵۶

باب	فصل	عنوان	صفحہ
	چہارم	**آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے سلاطین سوات** یوسف زئیوں کا اشنغر پر حملہ۔ میر ہندہ دو دال کا اشنغر سے اخراج۔ ملکہ سوات کا قتل اور یوسف زئیوں کا حملہ۔ علاقہ خار پر قبضہ۔ جنگ تھانہ۔ قلعہ منگلور پر یورش۔ متراویون کی غیر جانبداری۔ بابر بادشاہ کا باجوڑ اور سوات پر حملہ (تزک بابری کا اقتباس اور تجزیہ)۔ منگلور پر یوسف زئیوں کا حملہ اور سلطان اولیس کا درّہ نیاگ کو فرار۔ قزان شاہ ابن سلطان اولیس کا انجام۔ سواتیوں کا میدانی علاقے سے اخراج۔ سترہ جنگوں کے مختصر حالات۔	۳۶۳
	پنجم	**سواتی کا دور ابتلاء (۱۵۱۹ تا ۱۶۴۷ء) اور حیات نو** پہاڑی درّوں میں قیام ۔ الائی بالا کے سواتی اور بابر کا حکم۔ قبیلہ سواتی کی حیات نو اور اخوند سالاک ۔ پکھلی سرکار کی فتح (قلعہ چھانجل پر حملہ اور تاریخی حقائق)۔ گلی باغ پر حملہ۔ مسئلہ قیادت تاریخ پس منظر میں۔اختتام۔	۳۸۱

فہرست ماخذ

۱۔ کتاب مقدس (پرانا عہدنامہ وبائیبل) بائبل سوسائٹی انارکلی لاہور

۲۔ کشف المحجوب (انگلش ایڈیشن)

۳۔ میر سید علی ہمدانی تصنیف ڈاکٹر محمد ریاض (فارسی) مرکز ترقی فارسی ایران وپاکستان اسلام آباد

۴۔ سیر المتاخرین (فارسی)

۵۔ طبقات ناصری تالیف منہاج سراج جوز جانی (اردو) مترجم غلام رسول مہر (مرحوم)

۶۔ تاریخ افغانستان (بعداز اسلام) تالیف عبدالحئی حبیبی مرحوم (فارسی)

۷۔ تاریخ مختصر افغانستان تالیف عبدالحئی حبیبی مرحوم (فارسی)

۸۔ تاریخ مختصر غور تالیف غوث الدین مستمند غوری (فارسی)

۹۔ افغانستان در پرتو تاریخ تالیف محمد علی کہزاد (فارسی)

۱۰۔ تزک تیموری (اردو) ترجمہ سید ابوالہاشم ندوی۔ سنگ میل پبلیکیشن لاہور

۱۱۔ تزک بابری (اردو) ترجمہ رسید احمد ندوی

۱۲۔ آئین اکبری (فارسی)

۱۳۔ شاہجان نامہ (اردو) از محمد صالح کمبوہ (ترجمہ ڈاکٹر ناصر حسن زیدی) مرکز اردو بورڈ لاہور

۱۴۔ تزک جہانگیری (انگلش)

۱۵۔ عالمگیر نامہ (فارسی)۔ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

۱۶۔ ماثر عالمگیری تصنیف محمد ساقی مستعد خان ترجمہ مولوی محمد نداعلی جامعہ عثمانیہ

۱۷۔ حیات افغانی تصنیف محمد حیات خان (۱۸۷۶) مطبع کوہ نور لاہور

۱۸۔ تذکرۃ الابرار والاشرار تصنیف حضرت اخون درویزہ (۱۰۲۱ھ)

۱۹۔ حدود العالم (انگلش ایڈیشن) کمنٹری از MNORSKY وتعارف BARTHOLD

۲۰۔ جزیرۃ العرب تالیف مولانا محمد رابع حسن ندوی مجلس تحقیقات ونشریات لکھنو

۲۱۔ ایران باستان (فارسی) تصنیف حسن پیرنیا (سابقہ مشیر الدولہ)

۲۲۔ فتوح البلدان تصنیف البلاذری ترجمہ سید ابوالخیری مودودی۔ نفیس اکیڈمی کراچی

۲۳۔ تاریخ سیستان بہ تصحیح ملک الشعرا بہار (فارسی)

۲۴۔ ریاض السیاحہ تالیف قطب العارفین مولانا مرزا زین العابدین شروانی

۲۵۔ لغت نامہ تالیف علی اکبر دہخدا (فارسی) بہ سلسلہ اسکندر ذوالقرنین
واسکندر مقدونی اردشیر اول، دوم وسوم، ابن البلخی، عمادالدین بلخی وارغش۔

۲۶۔ تاریخ خانجہانی ومخزن افغانی تالیف خواجہ نعمت اللہ ہروی

۲۷۔ تاریخ گھکواں (ترجمہ گیگو ہرنامہ) ترجمہ از محمد یعقوب طارق

۲۸۔ یوسف زئی پٹھان تالیف اللہ بخش یوسفی

۲۹۔ تاریخ پشاور از ہیٹنگو (گلوب پبلشرز لاہور)

۳۰۔ تاریخ خورشید جہاں تصنیف جناب شیر محمد خان گنڈاپور

۳۱۔ تاریخ طبرستان (فارسی) تالیف بہاؤالدین محمد بن حسن بن اسفندریار کاتب.

۳۲۔ کورش کبیر در قرآن مجید وعہد عتیق (فارسی) از فریدون بدرہ ای

۳۳۔ واقعات کشمیر (تاریخ اعظمی کشمیر) تصنیف خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔ اقبال اکیدمی لاہور

۳۴۔ تاریخ بڈھ شاہی از محمد الدین فوق

۳۵۔ شباب کشمیر (از محمد الدین فوق)

۳۶۔ تحفۃ الاولیاء تالیف میر احمد شاہ رضوانی

۳۷۔ حیات پیر بابا از محمد شفیع صابر نقشبندی (پیش کش انجمن خدام اہلسنت)

۳۸۔ تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر رانا محمد بہاؤالحق اشک

۳۹۔ تواریخ حافظ رحمت خانی تالیف پیر معظم شاہ (پستو)۔ پشتو اکیڈمی پشاور

۴۰۔ حواشی تواریخ حافظ رحمت خانی از خان روشن خان

۴۱۔ روحانی رابطہ وروحانی تڑون (پشتو) مقالہ اخون پنجو تالیف قاضی عبدالحلیم اثر افغانی

۴۲۔ تذکرہ علماء ومشائخ سرحد تالیف محمد صابر شاہ قادری

۴۳۔ تاریخ ریاست سوات از محمد آصف خان

۴۴۔ نسب نامہ وتاریخ قبیلہ سواتی (خطی) مملوکہ لال خان مرحوم جاگیردار گلی باغ

۴۵۔ نسب نامہ خطی مملوکہ علی گوہر خان مرحوم آف تاتار

۴۶۔نسب نامہ وتاریخ (خطی) سادات (کوری والے) راولپنڈی
۴۷۔تاریخ ہزارہ مولفہ کیپٹن ولیس
۴۸۔تاریخ ہزارہ مولفہ ڈاکٹر شیر بہادر خان مرحوم
۴۹۔تاریخ ہزارہ مصنفہ راجا محمد ارشاد خان
۵۰۔تاریخ تناولیاں مولفہ سید مراد علی شاہ
۵۱۔تحقیق الافغان تصنیف سمیع اللہ جان مرحوم
۵۲۔فرہنگ فارسی از ڈاکٹر محمد معین
۵۳۔پشتون تاریخ کے آئنہ میں تالیف سید بہادر شاہ ظفر کاکا خیل
۵۴۔اردو دائرہ معارف اسلام
۵۵۔افغانستان کی قدیم تاریخ (بہ زبان پشتو) از محمد علی کہزاد
۵۶۔تاریخ کشمیر حصہ دوم از محمد الدین فوق
۵۷۔بخش بلخ (از تاریخ بحر الاسرار) تصنیف محمود ابن امیر ولی (شائع کنندہ مائل ہراوی)

58. History of Indai Vol. I & II by Eliot & Dawson
59. Gazetteers (NWFP Seris) Compiled by Lt.Col A.L.E Holm
60. Central Asia by Lt. Col. Mc Gragor
61. Notes on Afghanistan & Baluchistan by Maj. Raverty
62. Hazara Gazetteers 1983-84 & 1907
63. Races of Afghanistan by Maj Bellew
64. Zoroaster and Zoroastrianism by R.H. Mistry
65. Imperial Gazetteer of India (Provincial Series) NWFP
66. History of the Arabs by Phillip K. Hitti
67. Encyclopadia Britinica (Micropaedia Ready Reference)
68. Gates of India by Col: Thomus Holdich
69. Encyclopadia Britinica Macropaedia .
70. Cambridge History of Iran (Ch. on Cyrus & Alexander)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش گفتار

زیر نظر کتاب کا تعارف لکھنے کی سوچ میں پڑا تھا کہ تکان کے باعث نیند آ گئی اور سو گیا سوتے میں خواب دیکھتا ہوں کہ میں چار پانچ ساتھیوں کے ساتھ ایک فراخ کنویں پر کھڑا ہوں جھانک کر دیکھا تو تہہ میں ایک چمکدار وجود دکھائی دیا جس کی کوئی واضح شکل وصورت نہ تھی۔ وہ پانی کی طرح بے ثبات تھا مگر پانی نہ تھا۔ اسے قریب سے دیکھنے کی خواہش ہوئی چنانچہ دوستوں نے ایک مضبوط رسہ میری کمر کے گرد باندھ کر مجھے کنویں میں اتار دیا۔ جونہی اس وجود کے قریب پہنچا تو اُس نے پوری قوت سے مجھے دبوچ لیا۔ وحشت اور خوف سے چیخیں نکل گئیں اور دوستوں کو آواز دی مجھے باہر نکالو۔ چنانچہ اُنہوں نے رسہ اوپر کھینچا اور میں کنویں سے باہر نکل آیا۔ میری وحشت سے دوست بھانپ گئے کہ کوئی غیر معمولی (شے) دیکھ آیا ہوں چنانچہ وہ استفسار کرنے لگے، مجھ سے بات بن نہ پڑتی تھی، ٹالنے کی کوشش کی مگر ان کا مطالبہ اور استفسار جاری تھا۔ چنانچہ میں نے بالآخر لب کشائی کی اور بولا: دوستو! میں نے کنویں کی تہہ میں ایک مضبوط اور طاقتور (شے) دیکھی ہے جس کی کوئی واضح شکل وصورت نہ تھی اس لئے میں اسکے خدو خال بیان کرنے سے قاصر ہوں البتہ اُسکی قوت کا مجھے اندازہ ہے۔ وہ جان بخش بھی ہے اور جان لیوا بھی۔ میرے اس دو غلے جواب پر وہ مزید حیران ہوئے اور اصرار کرتے رہے کہ میں اس شے کی قوت کے متعلق اُنہیں بتاؤں چنانچہ میں نے تقریر جاری رکھتے کہا: دوستو! اس (شے) کو (شے) ہی رہنے دو مجھے اس کے وجود کا احساس ہے مگر اُسی کی مادی صورت نہیں جو میں بیان کرسکوں۔ البتہ (ایک دوست کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا) جیسے یہ شاہجہان کرچ پڑچ۔ دوستوں نے پھر مجھے متجسس نگاہوں سے گورنا شروع کیا۔ کیونکہ شاہجہان تو شاہجہان تھا ہی مگر (کرچ پڑچ) کچھ بے معنی اضافہ نظر آ رہا تھا۔ میں ان کے اشتیاق کو بھانپ گیا اور تقریر دوبارہ شروع کر دی:۔

دوستو! انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ایک (حس) عطا کی ہے۔ اس کے دو رخ ہیں۔ ایک (حس ذات) اور دوسری (گروہی حس)۔ اور یہ حس آدمی کو اپنا آپ پہنچاننے میں مدد دیتی ہے۔ اگر اُس پر (حس ذات) کا غلبہ ہو تو وہ اپنی تمام تر توجہ اپنے وجود کے مرکزی نقطہ پر مرکوز کرتا ہے اور جوں

جوں اُسکی توجہ کی شدت بڑھتی ہے توں توں وہ اپنے وجود کے مرکز سے دور ہر دوسرے وجود کو نفی کرتا ہے حتیٰ کہ اُسے اپنے اردگرد ایک نقطہ واحد گھومتا دکھائی دیتا ہے جو اُسکے وجود کے مرکزی نقطہ کا محیط ہے۔ گویا اب وہ اپنے آپ کو دیکھتا ہے یا اپنے محیط کو اور اس کے سوا باقی ہر وجود اُسکے لئے عدم محض ہے یہ اسکی خودشناسی کی معراج ہے اور اُس پر (ھوالاول، ھوالآخر، ھوالظاہر، ھوالباطن) کے (رموز اشکارہ ہوتے ہیں۔ اب وہ ہے اور اسکا محیط۔ اُسے خودشناسی کے لئے کسی دوسرے سہارے کی ضرورت نہین۔ مگر اس درجے کی خودشناسی یا عرفان صرف انبیائے علیہم السلام اور اولیاء کرام کا حصہ ہے اس لئے عامتہ الناس اسکے متحمل نہیں۔ مگر انسان کو خودشناسی کی حس فطری طور پر ودیعت ہے اس لئے وہ اور ذرائع سے خود کو پہنچاننے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور یہ دوسرے ذرائع (حس گروہی) سے تعلق رکھتے ہیں (حس گروہی) کے بھی دو رخ ہیں۔ ایک (نسبی) اور دوسرا (کسبی)۔ حس گروہی کے نسبی عمل میں انسان (خودتلاشی) کو بیرونی عوامل میں دیکھتا ہے یعنی یہ (خودتلاشی) یا (خودشناسی) بلاواسطہ نہیں بلکہ بالواسطہ ذرائع سے حاصل ہوتی ہے اور وہ اپنے آپ کو گروہی تعلق سے منسوب کرتا ہے۔ اگر یہ تعلق نسبی ہے تو وہ اپنے نام کے ساتھ غوری، غزنوی، مغل، اعوان، ترک اور ان کی ذیلی شاخوں کے نام از قسم خٹک، آفریدی، لودی و برلاس کا استعمال کرتا ہے اور یہ لاحقے اُسکی نسبی پہچان کی نشاندہی کرتے ہیں۔ مگر اکثر لوگ ان نسبی لاحقوں کے بجائے کسبی لاحقے کو اپنی پہچان کا طرہ امتیاز گردانتے ہیں اور اپنے ناموں کے ساتھ صوفی، چشتی، صابری، مجددی، بریلوی، فاروقی اور صدیقی جیسے لاحقوں کا استعمال کرتے ہیں۔ اور اگر ان کو عوام کی محبت کا روگ لگ جائے تو پھر (وطن دوست۔ وطن یار حکمت یار یا کارمل جیسے لاحقے بھی استعمال کرتے ہیں۔

المختصر اگر انسان (خودشناسی) اور خودتلاشی) کے عمل میں (حس ذات) سے کام لے تو اُسکی شخصیت آفاقی ہو جاتی ہے کیونکہ اُسکی تمام تر توجہ اپنے نفس کے ارتقاء پر مرکوز ہوتی ہے اور وہ اپنے ذاتی کردار کی وسعت و بلندی کو ہی اپنی پہچان کا معیار بناتا ہے۔ غالباً دیندار لوگ اسے تقویٰ کا نام دیتے ہیں جو ذاتی اوصاف کا مرقع ہے۔ اگر انسان اپنی شخصیت کے اس ذاتی آفاقی معیار کو نہیں پا سکتا تو پھر وہ اپنی شناخت کے بالواسطہ ذرائع کا سہارا لیتا ہے اور (نسب) اور (کسب) میں اپنے وجود کو پیوست کرتا ہے تا کہ نسبی اور کسبی گروہ اُسکے تحفظ کی ضمانت دیں۔

(حس ذات) ہو یا (حس گروہی) یہ دونوں رخ انسان کی منفعت کے تحفظات ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ ایک منفعت روحانی ہے جبکہ دوسری مادی اول الذکر صورت میں وہ اپنے نفع و نقصان کا مبدا

خدا کو گردانتا ہے اور غیر اللہ کسی دوسری قوت کا احتیاج قبول نہیں کرتا۔ اسکا تکیہ ذاتی اوصاف و کمالات پر ہے جبکہ موخر الذکر صورت میں وہ قوم، قبیلے کے نسبی گرہوں یا کسبی گرہوں کے تحفظ میں ہوتا ہے اور چونکہ یہ بالواسطہ گروہ اسکی منفعت کے پاسبان ہوتے ہیں اس لئے وہ ان گروہوں کا آلہ کار ہوتا ہے۔ وہ ان گروہوں کے عزائم کی تکمیل کا متحرک ایجنٹ ہوتا ہے۔ اور اسی سبب سے ظلم و تعدی کی ابتداء ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ انصاف نام کی چیز باقی نہیں رہتی۔ انسانی معاشرہ ان گروہی تفرقات سے اپنی انسانی حقیت سے محروم ہو جاتا ہے اور حیوانی جذبات کا تابع ہو جاتا ہے۔ مگر یہ بھی مشیت ایزدی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو گروہوں میں تقسیم کیا تا کہ وہ ایک دوسرے کی پہچان کر سکیں اور اچھے برے کی تمیز سے پختہ کار بنیں۔ دوستوں کے چہرے پر ہویدا آثار سے مجھے احساس ہوا کہ وہ (حس ذات) اور (حس گروہی) کے مضمرات کو سمجھ گئے ہیں۔ میں نے اپنی تقریر ختم کی اور جاگ اٹھا۔ گھڑی رات کے چار بجا رہی تھی اور میں اپنے خواب کی تعبیر کے سوچ میں گم ہو گیا اور یکا یک یہ خیال آیا۔ میرا کام تو خواب دیکھنا ہے۔ تعبیر تو قارئین کا کام ہے۔ لہٰذا میں نے معاملہ قارئین کے سپرد کر دیا۔

قارئین کرام قبیلہ سواتی کا تاریخی محل دو اہم ستونوں پر استوار تھا۔ ایک (گبری = زردشتی) اور دوسرا (ذوالقرنین)۔ مشیت ایذدی سے دوسرا ستون (یعنی ذوالقرنینی ستون) اخفا میں تھا۔ کچھ بدبختوں نے حضور ﷺ سے اسکی تشریح چاہی اور سورۃ کہف کا نزول ہوا۔ خدا کی باتیں خدا ہی جانے یا پھر اسکا رسول۔ مگر کچھ بزرگوں نے (یومنون بالغیب) کا اقرار تو کیا مگر ذوالقرنین کی تجسس میں معاملہ خدا پر نہ چھوڑا اور عقلی استدلال سے اسکندر مقدونی کو اس خلاء کو پر کرنے کے لئے پیش کر دیا۔ اور یہ بھی نہ سوچا کہ ایک بت پرست خدا کا منکر اور خود کو خدا کہلانے والا سفاک اپنے محبوب ہمفس تیون کی روح کو ثواب پہچانے کے لئے ہزاروں انسانوں کی قربانی دینے والا کیسے خدا کی ستائش کا مدعی بن سکتا ہے۔ جس نے اپنے آپ کو خدا کے مقابل کھڑا کر کے اپنی الوہیت کا دعٰوی بھی کر دیا اُسے ہم کس وجہ سے قرآنی ذوالقرنین کا مصداق سمجھتے ہیں؟ اور پھر یہ غلطی میری طرح کسی کم علم انسان کی نہ تھی۔ یہ ابن البلخی، رازی اور سینا کی غلطی تھی۔ جنہوں نے قبیلہ سواتی کے استوار اور مستقیم ڈھانچے میں اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین بنا کر کھڑا کر دیا۔ جو ان کی معماری کا مبدا ہے نہ استواری کا سبب۔ لہٰذا میں نے اپنی کم علمی اور کم فہمی کا اعتراف کرتے ہوئے۔ گبری (زردشتی)، ذوالقرنینی اور مقدونی پہلوؤں کا الگ الگ تذکرہ کیا ہے تا کہ قارئین از خود فیصلہ کر سکیں۔ اگر مجھ سے قبیلہ سواتی کی تاریخ کا کوئی گوشہ بیان کرنے سے رہ گیا ہو تو میری

رہنمائی فرمائیں۔موضوعی (مشہور کردہ) روایات سے نہیں بلکہ مستند تاریخی حوالوں سے کیونکہ موضوعی اور مشہور کردہ روایات نے سواتیوں کو پہلے ہی اپنی اصل پہچان سے دور رکھا ہوا ہے۔

ہزارہ گزیٹرز ۱۸۸۳۔۱۸۸۴ اور ۱۹۰۷ میں درج روایات پر انگریز مورخین نے بھی مہر تصدیق ثبت نہیں کی اور لکھا ہے:۔

"All these events appear to have taken place in the seventeenth or in the beginning of eighteenth century. In the absence of all written record it is impossible to place them in the correct order or describe exactly how they came about. Nor is it necessary to repeat the exaggerated traditions of each tribe."

لیکن ہم ہیں کہ ان لغویات سے سر مو انحراف جرم سمجھتے ہیں۔خدا کا شکر ہے کہ زیر نظر کتاب لکھتے وقت ان روایات کے بجائے تحریری اور تاریخی ماخذ کا سہارا لیا گیا ہے اور ایسی کتابیں جن میں روایات درج کی گئی ہیں ان کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیا گیا ہے۔

قارئین کرام اس کتاب کے مطالب کی ترتیب آپ کو ضرور انوکھی محسوس ہوگی مگر باب اول میں چند مشائخ عظام اور اولیائے کرام کا ذکر اس لئے کیا گیا تا کہ ان سے منسوب روایات کا تاریخی جائزہ لیا جا سکے اور تاجک سواتی کے ماضی کے آئینہ میں جھانک کر ان کے اسلاف کی صحیح صورت کا مشاہدہ کیا جا سکے جو اپنے اخلاف سے کہہ رہے ہیں: دیکھو! یہ ہمارے دم خم سے ہی ممکن ہوا کہ کابل سے کشمیر تک دشت و کوہسار میں کفر کی ظلمت کے بادل چھٹ گئے اور اللہ اکبر کی اذان بلند ہوئی اور یہ تمام مفتوحہ علاقہ اسلام کی روشنی سے جگمگا اٹھا ورنہ یہاں کے سابقہ باسی تو روز ازل سے (قشقہ کھینچے۔دیر میں بیٹھے) اپنے خود تراش (خدایان چشم دیدی) کے سامنے سجدہ ریز تھے۔والسلام

طالب خیر

پروفیسر محمد اختر ایڈیشنل سیکرٹری (ریٹائرڈ)

ملک پور۔مانسہرہ۔فون 0987/350039

ایڈووکیٹ،مانسہرہ بار

باب اول　　　　فصل اول

میر سیّد علی ہمدانی

ولادت ۱۲ رجب ۷۱۴ھ　　　　وفات ۶ ذی الحجہ ۷۸۶ھ

پیدائش اور خاندان:۔

میر سید علی ہمدانی ۱۲ رجب ۷۱۴ھ کو ہمدان میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد بزرگوار سید شہاب الدین سادات علوی کے مشہور خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ہمدان کے بلند مرتبہ بزرگوں میں شمار ہوتے تھے اور امراء اور سلاطین کے ساتھ روابط رکھتے تھے۔سید علی ہمدانی کو ظاہری جاہ و جلال کی زندگی پسند نہ تھی چنانچہ اپنے ایک مرید سے فرمایا:۔

"در امور والد التفات نمی کردم بداں سبب کہ او حاکم بود در ہمدان و ملتفت بہ سلاطین و امرا"۔ [1]

سید شہاب الدین اگرچہ دنیاداری کے کام میں مصروف تھے مگر فقراء، درویشوں، علماء اور فضلاء سے بھی ان کے روابط دوستانہ تھے اور وہ ان کو بڑے احترام سے دیکھتے تھے۔سید علی ہمدانی سترہ واسطوں سے حضرت علیؓ کی اولاد سے ہیں۔شجرۂ نسب یوں درج ہے:۔

سید علی ہمدانی بن سید شہاب الدین بن محمد بن علی بن یوسف بن محمد بن محمد بن جعفر بن عبداللہ بن محمد بن علی بن حسن بن حسین بن علی زین العابدین بن الحسین الشہیدؓ۔" [2]

آپ کا خاندان سلجوقیوں کے عہد میں صاحب اقتدار رہا ہے۔اور ہمدان کی حکومت آپ کے خاندان کے افراد کے پاس رہی ہے۔آپ کے والد حاکم ہمدان اور ماموں علاؤالدین سمنانی روحانی دنیا میں قدم رکھنے سے قبل حاکم ناحیہ سمنان تھے۔

۱۔ میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۷، ۸

آپ کے والد ماجد سید شہاب الدین ہمدان کے حاکم و امیر تھے۔ ۱؎ اسی سبب سے آپ کو بھی "امیر" کے لقب سے مخاطب کیا جاتا تھا جو بعد میں آپ کی اپنی شہرت کے سبب آپ کو "امیر کبیر" کے لقب سے مخاطب کیا گیا۔ ویسے بھی سادات کو احتراماً "میر" اور "مرزا" یا "میرزادہ" کے القابات سے پکارا جاتا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ آپ کو بھی اس عمومی لقب کی مناسبت سے "امیر کبیر" پکارا جاتا تھا۔ آپ کو اپنے مرشد شیخ سعید حبشی نے "علی ثانی" کا خطاب دیا۔ آپ کے مرید حضرت شیخ یعقوب صرفی (۹۲۸ھ - ۱۰۰۳ھ) نے اپنے اشعار میں بھی آپ کو "علی ثانی" لکھا ہے:۔

ہمچو علی دانش ربانیش — زآں لقب آمد "علی ثانیش"
چوں بہ علی نسبتش آمد تمام — ہم بہ حسب ہم بہ نسب ہم بنام
از رہ تعظیم بنا شد عجب — گر "علی ثانیش" آمد لقب

اس کے علاوہ جیسا کہ عموماً صوفیائے کرام کے ناموں کے ساتھ گوناگوں القابات لکھنے کا رواج ہے آپ کے نام کے ساتھ بھی لکھے جاتے رہے۔ مثلاً:
" قطب زمان، شیخ سالکان، قطب الاقطاب، افضل المحققین، الشیخ الکامل، العارف بالمعروف وسلطان السادات والعرفا" وغیرہ۔

تعلیم و تربیت:۔

آپ کے والدین نے آپ کو دنیاوی و دینوی تعلیم سے آراستہ کرنے کے لئے ہر قسم کی سہولت بہم پہنچائی۔ ابتدائی تعلیم اپنے ماموں حضرت سید علاؤ الدولہ سمنانی سے حاصل کی جنہوں نے قرآن شریف حفظ کرایا اور علوم مروجہ و متداولہ میں آپ کی تربیت فرمائی۔ اس کے بعد آپ شیخ شرف الدین مزدقانی کے مرید ہوئے۔ مگر سلوک کی تربیت تقی الدین علی دوستی سے پائی۔ (۲)

۱۔ دائرۃ المعارف آریانہ، کابل جلد ۲، ص ۸۹۳ - ۸۹۵، بحوالہ ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۳

۲۔ ریاض الاخیار، ص ۸، ترجمہ اسرار الابرار، شعبہ نشر و اشاعت سرینگر

ان کی وفات کے بعد شیخ شرف الدین محمود مزدقانیؒ کی طرف رجوع فرمایا اور انہی کے فرمان کے مطابق آپ نے دور دراز کے شہروں کا سفر شروع کیا۔ چنانچہ آپ نے تین بار دنیا کی سیر کی اور بے شمار اولیائے کرام کی صحبت سے فیضیات ہوئے۔

کشمیر کی مہاجرت کے اسباب:۔

آپ ۷۳۰ھ میں پہلی بار کشمیر میں وارد ہوئے۔ میر سید علی ہمدانی کی نطۂ کشمیر میں مہاجرت کے سلسلے میں مورخین نے دو الگ الگ رائے کا اظہار کیا۔ ایک نظریہ یہ ہے کہ سید ہمدانی نے اپنی میلانِ طبع اور تائید غیبی کے تحت کشمیر میں دین اسلام کی اشاعت کی غرض سے وارد ہوئے اور دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ امیر تیمور گورگان سے اختلاف کے باعث آپ ہمدان سے کشمیر تشریف لائے اور تبلیغ دین کا کام کیا۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے اپنی محققانہ تصنیف میں "رسالۂ مستورات" کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت سید علی ہمدانی کو ایک رات خواب میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "یا ولدی در کشمیر رو و مردم آنجا را مسلمان کن" (اے فرزند کشمیر کو جا اور وہاں کے لوگوں کو مسلمان کر) لیکن دوسری جگہ پر صاحب "مستورات" سید علی ہمدانی کی ہجرت کشمیر کو بہ سبب فتنہ و آشوب قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ اس شورش کی پیش گوئی سید علی ہمدانی نے بیس سال قبل کی تھی۔ (۱) ڈاکٹر محمد ریاض فرماتے ہیں:۔

"خلاصۂ بحث ما اینست کہ اگرچہ علی ہمدانی برائے تبلیغ در خطہ کشمیر علاقۂ وافر داشتہ و بقول بعضے ہا از طرف خداوند متعال و رسول اکرمؐ برائے ایں کار مامور شدہ، ولی از روئے علل ظاہری در نتیجہ برخورد بہ امیر تیمور گورکانی بہ کشمیر مہاجرت کردہ است" (۲)

مفہوم:۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اگرچہ سید علی ہمدانی خداوند تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کے حکم کے

---

(۱) میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۳۸، ۳۹

(۲) میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۴۲

مطابق (کشمیر میں دین اسلام کی اشاعت پر مامور ہوا) لیکن اُس کی ہجرت کے ظاہری اسباب امیر تیمور کی مخالفت تھی۔ اور اسی صفحہ پر آگے چل کر ڈاکٹر محمد ریاض صاحب لکھتے ہیں:

"ولی امیر شاہرخ بن امیر تیمور (۸۱۲ھ-۸۵۰ھ) ہم نسبت بہ مریدانِ علی ہمدانی خشونت وسختی تمام روا داشتہ و مرید عزیز و خلیفہ سید خواجہ اسحاق علی شاہی ختلانی با مرہمیں سلطان در سال ۸۲۶ھ بقتل رسیدہ است و کیفیت برخورد نوربخشی ہا باوے ہم معروف است"۔

مفہوم:-

مگر امیر شاہرخ بن تیمور (۸۱۲ھ-۸۵۰ھ) بھی سید علی ہمدانی کے مریدوں سے سختی سے پیش آئے تھے چنانچہ اُسی کے حکم سے ۸۲۶ھ میں سید علی ہمدانی کے مرید اور خلیفۂ اسحاق علی شاہی ختلانی کو قتل کر دیا گیا۔ اور (سید علی ہمدانی) کے خلاف نوربخشیوں (شیعہ) کا اختلاف بھی مشہور ہے۔

المختصر سید علی ہمدانی کا کشمیر میں ورود دعوت اسلام کے پھیلاؤ اور قبولیت کا باعث ہوا اور ہزاروں لوگ جوق در جوق حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ سے قبل سید عبدالرحمٰن المعروف بہ بلبل شاہ نے ایک خانقاہ کا قیام کر دیا تھا اور کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران رینچن شاہ تبتی الملقب بہ صدرالدین، بلبل شاہ کے ہاتھوں مسلمان ہوا تھا۔ (۱) مگر اسلامی تعلیمات کا چراغ سید علی ہمدانی کے ہاتھوں روشن ہوا۔ سید علی ہمدانی نے کشمیر میں قیام کے دوران دیگر مذاہب کے علماء اور کاہنوں سے مناظرے کئے اور بہتوں کو اسلامی تعلیمات کی عظمت سے روشناس کیا۔ تقریباً سینتیس ہزار (۳۷۰۰۰) افراد کو مسلمان کیا اور اس طرح خطۂ کشمیر میں اسلامی نظام کا نفوذ بھی اُنہی کے رہین منت ہے۔ کشمیر کے ہر دو سلاطین (شہاب الدین و قطب الدین) آپ کے معاصرین میں تھے۔ اور آپ سے والہانہ اعتقاد رکھتے تھے۔ اور آپ کے دینی دستورات کو مکمل طور پر نافذ کیا۔ فارسی زبان اور لغت اور بعض ایرانی مصنوعات اور کاریگری سید علی ہمدانی کی وجہ سے کشمیر میں

---

(۱) "میر سید علی ہمدانی" از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۴۶ و تاریخ کشمیر از محمد الدین فوق ص

عام ہوئیں۔

کشمیر اور اسلامی تہذیب:-

کشمیر ہزاروں سال سے ہندو مذہب اور بدھ مذہب کا گہوارہ رہ چکا تھا اگرچہ پہلی صدی ہجری سے کشمیر میں محدود تعداد میں مسلمانوں کے ورود کے آثار پائے جاتے ہیں مگر دینِ اسلام کی تبلیغ صحیح معنوں میں نہ ہو سکی تھی۔ دینِ اسلام ہندوستان اور پاکستان میں بہت پہلے پھیل چکا تھا مگر خطۂ کشمیر میں آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں وارد ہوا۔ لیکن بہت جلد پوری وادی میں پھیل گیا۔

محمد بن قاسم نے ۹۳ھ (مطابق ۷۱۲ء) میں سندھ کے راجا داہر پر حملہ کیا۔ راجا داہر مارا گیا مگر اُس کا بیٹا فرار ہو کر کشمیر چلا آیا تھا، چند عرب سپاہیوں نے اس کا تعاقب کشمیر میں بھی کیا جن میں ایک حمیم بن سامہ شامی بھی تھے مگر کشمیر میں اُن کے قیام کی مدت کا کچھ پتہ نہیں۔ تاریخ حسن کے مطابق کشمیر کے راجا تارا پیڈیا نے کئی بار کابل، ہرات اور خراسان پر حملے کئے اور فتح پانے کے بعد ان ممالک سے فضلا اور علماء کو کشمیر لایا جن میں مسلمان بھی تھے، جنھوں نے کشمیر میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔

محمود غزنوی نے ۴۰۴ھ میں لاہور (صوابی) کے راجہ انند پال سے جنگ کر کے اُسے شکست دی۔ کشمیر کے راجا سانگارامانے انند پال کی مدد کی تھی۔ اسلئے محمود نے اُسی سال کشمیر پر حملہ کیا اور تری لوچن پال پسر انند پال کے تعاقب میں براستہ راجوری کشمیر میں داخل ہوا۔ راجا راجوری نے محمود کی خدمت میں تحائف پیش کئے اور خراج دینا منظور کیا۔ محمود نے اُسے حکومت واپس بخش دی مگر بعد ازاں اُس نے خراج دینے سے انکار کر دیا محمود نے دوبارہ حملہ کیا مگر سردیوں کے موسم اور برف باری کی وجہ سے کامیاب نہ ہوا۔ پہلی مرتبہ محمود غزنوی نے جنوبی کشمیر (جموں) کا علاقہ فتح کیا تھا اور اس کے چند سپاہی کشمیر میں رہ گئے تھے۔ اسی طرح اسماعیلیہ فرقہ کے مسلمان بھی قلعہ الموت سے چل کر کشمیر میں وارد ہوئے لیکن یہ لوگ بوجہ بدامنی اور شورش آٹھویں صدی ہجری کے ابتدا تک کشمیر سے نکل گئے تھے۔ جبکہ آٹھویں صدی ہجری کی ابتداء میں ایک مرد مجاہد شاہ

میر گبری جو سوات کے گبری سلاطین کی نسل سے تھا کشمیر میں وارد ہوا اور راجا سہد یو کا مشیر اور وکیل مطلق مقرر ہوا۔ (۱) سلطان شاہ میر (ملقب بہ سلطان شمس الدین) کا ذکر آئندہ اوراق میں تفصیل سے کیا جائے گا۔ اسنے ۱۳۴۲ء میں کشمیر پر قبضہ کر کے صحیح معنوں میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔

سید علی ہمدانی اور سلاطین کشمیر:۔

سلطان علاؤ الدین (۷۴۸ھ - ۷۵۵ھ) سلطان شہاب الدین (۷۵۵ھ - ۷۷۵ھ) سلطان قطب الدین (۷۷۵ھ - ۷۹۶ھ) اور سلطان سکندر بت شکن (۷۹۴ھ - ۸۲۰ھ) یکے بعد دیگرے کشمیر کے حکمران رہے ہیں۔ سید علی ہمدانی اور اُن کے فرزند میر سید محمد ہمدانی کے معاصرین رہے ہیں۔ اول الذکر دو بادشاہان سید علی ہمدانی کے دور میں گذرے ہیں جبکہ دوسرے ان کے فرزندار جمند کے دور میں رہے ہیں۔ کشمیر کے بادشاہ سید علی ہمدانی کے معتقد خاص تھے۔

سلطان شہاب الدین نے ۷۶۰ھ میں او ہند (وے ہند) یا ہنڈ نزد اٹک میں فیروز تغلق (۷۵۲ھ - ۷۹۲ھ) کے گورنر گندھارا گونداخان کو شکست دے کر علاقے سے بھگا دیا تھا۔ (۲) اور بعد میں فیروز تغلق کے ساتھ مقابلہ کر رہا تھا کہ سید علی ہمدانی بہ نفسِ نفیس میدانِ جنگ میں پہنچ گئے اور دونوں میں جنگ بند کرا کے صلح کرادی اور گندھارا اور اُس کے نواحی علاقے سلطان شہاب الدین کو دلوادئے اور اُن کی صلح کو استوار رکھنے کے لئے فیروز شاہ کی تین بیٹیوں کو شہاب الدین کے بھائی' بیٹے اور سپہ سالار سے منسوب کر دیا اور بعد ازاں اُن کی شادیاں ہوگئیں (۳) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید علی ہمدانی کشمیر' ہندوستان' خراسان کے حکمرانوں میں

---

(۱) تاریخ واقعات کشمیر (تاریخ کشمیر اعظمی) ص ۶۰ مولفہ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری

(۲) امپیریل گزیٹر آف انڈیا (N.W.F.P Series) ص ۱۲۵ اور کشمیر جلد اول، ص ۸۳-۹۲ اور میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر ریاض، ص ۵۴،۵۵

(۳) تاریخ حسن جلد دوم، ص ۱۷۱،۱۷۲ و تاریخ کشمیر محمد دین فوق در باب سلطان شہاب الدین وڈاکٹر محمد ریاض ص ۱۵

نہایت محترم تھے۔

سید علی ہمدانی وسلاطین سوات:۔

بنیر' سوات اور باجوڑ کی تینوں ولایتوں کو یکجا کر کے سرکار پکھلی بنایا گیا تھا۔ (۱) اور ان کا الحاق کشمیر سے کر دیا گیا تھا۔ سرکاری کاغذات و مکتوبات میں سرکار پکھلی سے مراد سوات' باجوڑ اور بنیر کی حکومت ہوا کرتی تھی۔ ان تینوں ولایتوں پر سواتی سلاطین جو سلطان بہرام اور سلطان پکھل کی نسل سے تھے، حکمران تھے۔ سید علی ہمدانی باجوڑ کے راستے کشمیر آیا کرتے تھے اور کوہ پیر پنجال سے پکھلی سرکار (سوات وغیرہ) میں داخل ہوا کرتے تھے۔ اس لئے جب سرکار پکھلی کا ذکر آئے تو اسے سوات' باجوڑ اور بُنیر تصور کیا جائے۔

سوات کے سلطان غیاث الدین اور علاؤ الدین (علی الدین) اور باجوڑ کے ملک خضر میر سید علی ہمدانی کے معاصرین تھے اور آپ کے مریدوں اور معتقدین میں تھے۔ سید علی ہمدانی نے اپنی کتاب (ذخیرۃ الملوک) کا باب سوم پکھلی (سوات) کے حکمران سلطان علی الدین کے نام منسوب کیا ہے جس کا خلاصہ حاکم پکھلی (سوات) علی الدین نے یوں کیا ہے کہ بادشاہ اور حاکم اسلام کو خلفائے راشدین اور اسلام کے نیک دل اور متقی بادشاہوں کا پیروکار ہونا چاہیئے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی کوشش کرنی چاہیئے۔ سید علی ہمدانی نے اسی طرح کے پند ونصائح سے پُر خطوط دیگر بادشاہوں کے نام بھی لکھے ہیں جن میں بڑی بے باکی سے اسلامی شعار اپنانے کی نصیحت کی گئی ہے۔ سلطان غیاث الدین حاکم پکھلی (سوات) کی استدعا پر سوات میں تبلیغ کے سلسلے میں کافی عرصہ قیام فرمایا۔ وہاں کی رعایا کی اکثریت کفار تھی۔ کفاروں' اشوب گروں کے ہاتھوں سید صاحب کو کافی تکلیف اٹھانی پڑی مگر اُن کے حوصلے میں کمی واقع نہیں ہوئی چنانچہ واپسی کے بعد اُنہوں نے سلطان غیاث الدین کو خط لکھا۔

---

(۱) شباب کشمیر از محمد دین فوق، ص ۲۶، اور سیر المتاخرین، ص ۶۴ و میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۴۲، ۱۷ (حاشیہ ۱۲)

"مردم ایں ناحیہ نسبت بہ اہل بیت رسول ﷺ وسادات احترام نمیگذارندو ایں امر فساد نیت ایشاں وضعف ایمان آناں رانشاں میدہد۔ البتہ اگر ایشاں برروش سفاکی یزید عمل بکنند علی ہمدانی ہم بروش حسین بن علی متمسک است واگر جملہ زمین آتش گیرد واز آسمان شمشیر بارد آنچہ حق باشد نہ پوشد۔" (۱)

مفہوم:۔

"اس علاقے (سوات کے لوگ) اہل بیت رسول ﷺ اور سادات کا احترام نہیں کرتے اور یہ امران کی نیت کے فساد اور ایمان کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ البتہ اگر یہ لوگ یزید کی روش پر چل کر سفاک بنیں تو علی ہمدانی بھی حسینؓ بن علی کی روش پر چلے گا۔ اگر تمام زمین آگ بن جائے اور آسمان سے شمشیر برسنے لگیں تو تب بھی جو حق ہے وہ چھپ نہیں سکتا۔"

سیدعلی کے اس مکتوب سے سوات اور باجوڑ کے لوگوں کے ضعف ایمان کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر ریاض نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۳ پر ذیل عبارت درج کی ہے:۔

"حاکمان پاخلی (بنیر سوات باجوڑ) یکے بعد دیگرے برائے علی ہمدانی احترام زیادہ قائل بودہ وطبق راہنمائی سید شرع اسلام رادر قلمرو خود رواج دادہ اند درآخر زندگانی سید رادر قلمرو پاخلی (سوات) می بنیم۔ سید طبق اصرار سلطان چندروز مہمانش بودہ وقضارادر نزدیکی دارالحکومت اووفوت کردہ است۔ خلاصہ روابط سید باحکام آں ناحیہ تا آخر ایام اوادامہ داشتہ است۔" (۲)

مفہوم:۔

"حاکمان پکھلی (بنیر سوات باجوڑ) یکے بعد دیگرے سید علی ہمدانی کا احترام کرتے تھے اور اپنی مملکت میں شرع اسلامی کا نفاذ بہ رہنمائی سیدعلی ہمدانی کرتے تھے۔ ہم زندگی کے آخری

---

(۱) میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض مرکز تحقیق فارسی ایران وپاکستان، ص ۵۳

(۲) میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض مرکز تحقیق فارسی ایران وپاکستان، ص ۵۳

ایام میں سیدعلی ہمدانی کو پکھلی (سوات) کے دارالخلافہ کے قریب (قلعہ گبر باجوڑ) دیکھتے ہیں جہاں اُنہوں نے چندروز سلطان کے اصرار پر قیام کیا اور دارالخلافہ کے قریب فوت ہوئے۔ سید علی ہمدانی کا سلاطین سوات کے ساتھ آخری ایام تک رابطہ اور تعلق رہا۔"

سوات اور کشمیر کے سلاطین کے علاوہ بلخ بدخشاں کنڑ اور خراسان کے فرمانروا بھی سیدعلی ہمدانی کے معتقد تھے اور ان کے نام سیدعلی ہمدانی کے خطوط موجود ہیں جن میں ان کو اسلامی شعار اپنانے کی تلقین کی گئی ہے ان امراء میں مرزا (میرکا) محمد شاہ حاکم بلخ سلطان غیاث الدین حاکم پکھلی (سوات) سلطان قطب الدین بادشاہ کشمیر سلطان تغان شاہ حاکم کونار (کنڑ) اور سلطان علاالدین (علی الدین) حکمران پکھلی (سوات) قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کے خطوط سلطان بہرم شاہ (بدخشی) کے نام بھی موجود ہیں جو سیدعلی ہمدانی کا مرید رہا ہے، بہرام شاہ بعض اوقات بلخ اور بدخشاں کا حکمران ہوتا تھا اور بعض اوقات محض بدخشاں کا حکمران ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس سے بدخشاں کی حکومت چلی گئی تھی مگر میر سیدعلی ہمدانی نے فرمایا کہ وہ دوبارہ بدخشاں کا حکمران بنے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ (۱)

سیدعلی ہمدانی باجوڑ کے حکمران ملک خضر کی درخواست پر ٹھہرے تھے وہیں بیمار پڑ گئے اور پانچ دن کی مسلسل بیماری کے بعد رحلت فرمائی اور ان کے جسد خاکی کو ختلان لیجا کر دفن کر دیا گیا۔ (بابر نامہ ترجمہ عبدالرحیم خانِ خاناں) ص ۸۴ کے مطابق واضح ہوجاتا ہے کہ "جائے درگزشت علی ہمدانی ہمانا درنزدیک کونار (کونڑ) بودہ یعنی در گبر سواد ایں جائے است کہ جزوے از پاخلی قرارمی گیرد (یعنی سیدعلی ہمدانی کی جائے وفات کونڑ کے قریب واقع ہوئی یعنی گبر سواد کے علاقے میں جو پکھلی کا ایک حصہ ہے۔ آئین اکبری میں بھی سیدعلی ہمدانی کی وفات قلعہ گبر (باجوڑ) کے قریب دکھائی گئی ہے۔ اور اس کا ذکر درضمن تذکرۂ سرکار سواد میں کیا گیا ہے۔ بعض مورخین نے موضع نوکوٹ جو پکھلی (مانسہرہ) کا حصہ ہے' میں آپ کی وفات لکھی ہے جو غلط ہے۔

---

(۱) میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۵۲ بحوالہ رسالہ مستورات۔

اُس زمانے میں دو علاقے پکھلی کے نام سے منسوب تھے۔ایک پکھلی از حدود مانسہرہ اور دوسری پکھلی سرکار جس میں سواد، بنیر اور باجوڑ کی تین ولایتیں شامل تھیں۔ (میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض) میں جس پکھلی کا ذکر ہے وہ سوات' باجوڑ کی پکھلی سرکار ہے۔اس کی تشریح ڈاکٹر ریاض نے اپنی کتاب کے صفحہ ۷۱ پر حاشیہ نمبر ۱۲ میں ذیل الفاظ میں کی ہے۔ملاحظہ ہو:۔

"غیر از پاخلی (پکھلی) کہ بخشے از فرمانروائی مانسہرہ است" (۱)

یعنی یہ اس پکھلی کے علاوہ ہے جو مانسہرہ کی حدود میں ہے۔سید علی ہمدانی ؒ نے ۶ ذی الحج ۷۸۶ھ کو بوقت خفتن اس جہان فانی سے رحلت فرمائی اور ان کے جسد خاکی کو ان کی وصیت کے مطابق ختلان لے جایا گیا۔سرکار پکھلی (سواد وغیرہ) کا نام اکبر نے بدل کر سرکار سواد رکھا جبکہ پکھلی (مانسہرہ) کو بھی سرکار کا درجہ دیکر' سرکار کشمیر سرکار پکھلی (مانسہرہ) اور سرکار سواد (سابقہ سرکار پکھلی) کو صوبہ کابل میں شامل کر دیا گیا۔آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں سوات' باجوڑ اور بنیر کی تین ولایتوں کو یکجا کر کے پکھلی سرکار کا نام دیا گیا۔اور اس کا الحاق کشمیر سے کر دیا گیا کیونکہ کشمیر کے سلاطین بھی گبری سواتی تھے۔اس کی محض ایک ہی وجہ تھی کہ اس علاقہ کا فاتح اور پہلا مسلمان حکمران سلطان پکھل تھا جس نے سوات کے ہندو راجا گیرا سے یہ علاقہ فتح کیا تھا۔

سید علی ہمدانی بحیثیت مبلغ وصوفی:۔

آپ نے اپنی تمام زندگی اشاعت اور تبلیغ اسلام کے لئے وقف کر دی تھی۔آپ سات سو (۷۰۰) ایرانی ہنرمندوں کے ساتھ کشمیر میں وارد ہوئے۔خانقاہ معلیٰ جو مسجد شاہ ہمدان کے نام سے بھی مشہور ہے' تعمیر کروائی۔اور دین کی درس وتدریس میں مشغول ہوئے۔آپ فارسی زبان میں وعظ وتبلیغ کرتے تھے کیونکہ آپ کے زمانے میں کشمیر میں فارسی بولی اور سمجھی جاتی تھی اگرچہ عوامی سطح پر اس کا رواج کم تھا۔

دین کی تبلیغ کے سلسلے میں آپ نے کشمیر کے علاوہ جموں بلتستان' گلگت کا دورہ بھی کیا اور

۱۔ میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض، ص ۷۱

ان لوگوں کو اسلام سے روشناس کرایا۔ان علاقوں میں خانقاہیں اور مساجد تعمیر کرائیں اور اپنے مدرسے سے فارغ التحصیل علماء اور شاگردوں کو کشمیر میں پھیلا دیا۔آپ سے قبل سید بلبل شاہ نے رینچن شاہ الملقب بہ صدرالدین بادشاہ کشمیر کو مسلمان بنا کر اسلامی تعلیمات کی اشاعت وتبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا تھا۔جس کی تکمیل سید علی ہمدانی کے ہاتھوں ہوئی۔آپ حنفی عقیدے کے قائل تھے۔شاید یہی وجہ تھی کہ نوربخشی (شیعہ) مسلک کے پیروکار آپ کے مخالف تھے۔آپ کئی کتابوں کے مصنف تھے جن میں شرح اسمائے اللہ "اسرار نقط" ' "نصوص الحکم" اور "ذخیرۃ الملوک" بہت مشہور ہیں۔ذخیرۃ الملوک میں بادشاہوں اور ملوک کو پند ونصائح لکھے گئے ہیں۔اس کے علاوہ اوراد فتحیہ مشہور ہیں۔آپ کے معتقدین آج بھی آپ کے اوراد کو صبح شام پڑھتے ہیں۔آپ نے پیر ومرشد کے حکم سے اکیس سال دنیا کا سفر کیا آپ کے نزدیک سفر سے انسان میں پختگی آجاتی ہے۔وہ مختلف انسانوں اور ممالک کو دیکھ کر خدا کی قدرت اور کاریگری کا مشاہدہ کرتا ہے۔آپ کے نزدیک سفر کی غرض وغایت نیک لوگوں کی صحبت پانا اور برے لوگوں کی پہچان کر کے اُن سے اجتناب کرنا ہے۔آپ کے نزدیک حصولِ علم کی غرض سے سفر فرض ہے جبکہ سیر وسیاحت کے لئے محدود طور پر جائز ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ انسان کو دوسرے حیوانات پر شرف' علم کے ذریعہ ہے اور علوم میں برتری علم توحید کی ہے۔ (۱) آپ نے فرمایا کہ وجود کو اہلِ کشف وتحقیق (غیب حق) اور (حقیقت الحقائق) کہتے ہیں۔کیونکہ اس کے سمجھنے کے لئے وہ کسی قید کا اعتبار نہیں کرتے اور عالم اسماء میں اسے اللہ کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔"قل ھو اللہ احد" اس کا ثبوت ہے۔اس وجود میں ظہور ہے اور یہ کبھی قیود کے لباس میں آشکار ہوتا ہے اور کبھی قیود سے مبرّا۔کشف وشہود والوں کے عقیدے میں وجود صرف ایک ہے۔اور وہ وجود اللہ کا وجود ہے۔اور وہی تمام مخلوق کا منتہی بھی ہے۔آپ نے فرمایا دین محمدی تمام دینوں میں سے مکمل ترین دین ہے۔اسی لئے حضور

۱۔ ریاض الاخیار، ترجمہ (اسرار الابرار)، شعبۂ نشر واشاعت بقۂ عالم حضرت محبوب العالم قدس سرہ' سری نگر۔

کے جلوے کا فیض اسم جامع سے مخصوص ہوا۔ کیونکہ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی (بیشک اللہ اور اس کے فرشتے حضور پُر نور پر درود بھیجتے ہیں) فرمایا جو لوگ پیغمبروں کی تقلید نہیں کرتے اُن کو حقیقی عرفان حاصل نہیں ہوتا کیونکہ جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی اور فرمایا عارف ایسا عابد ہے جس کا حساب نہیں۔ دلوں میں دو طرح کا القا ہوتا ہے۔ ایک شیطانی القاء اور دوسرا رحمانی القا ہے۔ صاحبِ دل اُسی کو کہتے ہیں جو انوار الوہیت کی تحقیق کرے اور انوارِ الوہیت میں ڈھل جائے۔ مقام جمع تک پہنچے اور پھر لوٹے۔ جب یہ عمل کمال تک پہنچے تو اس کو ولادت ثانیہ کہتے ہیں۔ ظاہری علماء کی قسمت میں پیغمبروں کی وراثت میں سے نیکیاں اور درجات حاصل کرنا ہے مگر علماء باطن کا حصہ فنافی اللہ اور بقاباللہ کی منزل کا حصول ہے اور فرمایا کہ خدا کا اپنے آپ کو احدیت کے عالم میں دیکھنا' بلاواسطہ دیکھنا ہے اور واحدیت کے عالم میں دیکھنا مظاہر کے آئینے میں دیکھنا' یعنی بالواسطہ دیکھنا ہے۔ اس کے مختلف مراتب ہیں۔ ایک مرتبہ میں یکتائی صفت سے موصوف اور دوسرے مرتبہ میں کثرت کے وصف میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ وہ ہمارا آئینہ ہے اور ہم اس کے حتیٰ کہ اگر ہم اُس کو دیکھیں تو اپنے آپ ہی کو دیکھتے ہیں اور اگر وہ ہمیں دیکھے تو اپنے آپ کو ہی دیکھتا ہے۔

سید علی ہمدانی فرماتے تھے عالم ظاہری خدا کے اسم ظاہری کا ظہور ہے اور بہ اعتبار حقیقت روح اسم باطن کا مظہر ہے۔ ذات حق خود سمیع بھی ہے اور بصیر بھی اور دونوں صفات میں وحدت میں کثرت اور کثرت میں وحدت کا ظہور ہے۔ عارف ہی جانتا ہے کہ وجود میں سوائے ذات باری اور کوئی نہیں ہے۔ اگر ظاہر ہے تو اپنی ذات سے جیسا کہ اُس کا ظہور عارف پر ہے اور اگر باطن ہے تو اپنی ذات میں پوشیدہ ہے جس طرح وہ غافلوں سے پوشیدہ ہے۔ عارف کی سعادت مندی اس کی معرفت کی وجہ سے اور جاہل کی بدبختی اُس کی جہالت کی وجہ سے ہے۔ عارف ظاہری صورت میں دنیا میں ہوتا ہے مگر باطنی صورت میں آخرت میں ہوتا ہے۔

کشمیر میں آپ کا آخری قیام ٦ ماہ تھا اور پھر رخت سفر باندھا۔ کہا جاتا ہے کہ اورادِ فتحیہ کشمیر میں کسی دوستِ کے پاس چھوڑ گئے تا کہ ان کو ہمیشہ اس ملک میں پڑھا جائے۔ جب حضرت

امیر کبیر نے رخت سفر باندھا تو ولایت گبر وسواد (سوات باجوڑ) میں پہنچے تو یہ آیت پڑھی " کہ کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کس سرزمین میں رحلت فرمائے گا" اور چھ ذی الحج ٧٨٦ھ کو وہیں رحلت فرمائی اور ان کے جسد خاکی کو وہاں سے ختلان لے جایا گیا۔ (١)

---

١ ریاض الاخبار، ترجمہ (اسرار الابرار)، شعبۂ نشر واشاعت بقعہ عالم حضرت محبوب العالم قدس السرہ، سری نگر

باب اول — فصل دوم

حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف اخون پنجو باباؒ

ولادت موضع ترکئی ضلع مردان ۹۳۷ھ   وفات اکبر پورہ ضلع پشاور ۱۰۴۰ھ

حسب ونسب:۔

حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف بہ پیر پنجو باباؒ وادئ پشاور کے ایک مشہور اور روحانی شخصیت تھے۔ شمال مغربی پاکستان کے اولیاء کرام میں آپ کا علمی اور روحانی اعتبار سے نہایت بلند مقام اور مرتبہ تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام گرامی سلطان غازی بابا تھا اور اُن کو شیخ نوسلجامی کے نام سے بھی پکارا جاتا تھا۔ بعض مورخین نے آپ کے حسب ونسب کے متعلق مختلف آراء قائم کی ہیں۔ قاضی میر احمد شاہ رضوانی نے اپنی تصنیف "تحفۃ الاولیا" میں آپ کو حسینی سید لکھا ہے جبکہ عبدالحلیم اثرؔ نے اپنی کتاب (روحانی رابطہ وروحانی تڑون بہ زبان پشتو) میں آپ کو وصلی طور پر افغانوں کے قبیلہ تارن سے ثابت کیا ہے اور نسباً حسینی سید تسلیم کیا ہے۔ مگر خان روشن خان کی تحقیق کے مطابق آپ افغان ہیں۔ آپ کے حسب نسب کے متعلق ان ہر سہ آرا کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

عبدالحلیم اثر نے اپنی کتاب کے صفحہ۴۶۲ - ۵۰۶ پر ایک طویل اور مدلل تذکرہ لکھا ہے جس میں مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف بہ پیر پنجو بابا کی زندگی، حسب ونسب اور دینی وروحانی خدمات پر تفصیلی تنقیدی تبصرہ کیا گیا ہے۔ اثر مرحوم نے رضوانی صاحب کی "تحفۃ الاولیاء" میں لکھے گئے تذکرہ کا محققانہ جائزہ پیش کرتے ہوئے ان تمام غلط بیانیوں کی تصحیح کی ہے جو انہیں رضوانی صاحب کے تذکرہ میں دکھائی دی ہیں۔ (۱)   مولانا عبدالوہابؒ کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کتابوں میں تذکرہ موجود ہے:۔

۱۔ تذکرہ الابرار والاشرار مصنفہ اخون درویزہ (تالیف ۱۰۲۱ھ) یہ معاصرانہ تبصرہ ہے

۱۔ روحانی رابطہ وروحانی تڑون از قاضی عبدالحلیم اثر افغانی مرحوم۔ص ۵۰۶۔۴۶۲

۲۔ آئین اکبری تالیف ابوالفضل۔

۳۔ مناقب شیخ عبدالوہاب تالیف اخوند سالاک متوفی ۱۰۶۷ھ۔ اخوند سالاک اخون پنجو کے مشہور مرید تھے (اب ناپید ہے)۔

۴۔ سلوک الغزات تالیف ملامست، جو اخون سالاک کے مرید تھے (اسکا ایک نسخہ افغانستان میں "پښتو ټولنه" کی لائبریری میں ہے۔

۵۔ مناقب شیخ عبدالوہاب تالیف شیخ عبدالغفور عباسی المعروف بہ بوڈا بابا جو پنجو بابا کے مرید تھے۔ (یہ کتاب بھی ناپید ہے)۔

۶۔ مناقب شیخ عبدالوہاب تالیف میاں شیخ علی مامون زی (یہ بھی اب ناپید ہے)۔

۷۔ مناقب شیخ تالیف ملا خاکیؒ (بہ ۱۱۹۸ھ) منظوم فارسی جو شیخ میاں علی کے مناقب فارسی نثر کا منظوم ترجمہ ہے۔

۸۔ مناقب شیخ تالیف میاں بادشاہ جس نے ملا خاکی کے فارسی منظوم کو پشتو نظم میں لکھا ہے

۹۔ آئینہ تصوف تالیف حضرت شاہ محمد حسن رامپوری (۱۲۳۲ھ)۔

۱۰۔ بیاض از میاں غلام صدیق (قلمی) (۱۲۸۴ھ)۔

۱۱۔ بیاض از میاں ابو حامد (قلمی) (۱۳۰۰ھ)۔

۱۲۔ تحفۃ الاولیاء تالیف قاضی میر احمد رضوانی ساکن اکبر پورہ (۱۳۲۱ھ) جس کے ماخذ میاں خاکی اور میاں بادشاہ کے فارسی اور پشتو منظوم مناقب ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ذاتی روایات ہیں۔ رضوانی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ میاں بادشاہ کے منظوم مناقب کے اکثر واقعات غلط ہیں۔

۱۳۔ پشتو ادب کی تاریخ تالیف صدیق اللہ رشتینؔ۔

۱۴۔ پښتانه مورخان او پښتانه شعراء تالیف عبدالحلیم اثرؔ۔

۱۵۔ تذکرہ شیخ رحمکار تالیف میاں سیاح الدین کاکاخیل۔

١٦۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد تالیف سید امیر شاہ گیلانی۔

تبصرہ از عبدالحلیم اثر افغانی:۔

عبدالحلیم اثر کے مطابق اکثر تذکرے مریدوں اور معتقدین نے لکھے ہیں جو بنیادی طور پر مورخ نہ تھے اس لئے اکثر واقعات کے بیان میں تاریخی تسلسل موجود نہیں جس سے کافی غلط فہمیاں پیدا ہوئی ہیں۔ ان غلطیوں کی نشاندہی تاریخی پس منظر میں بہت ضروری ہے۔ رضوانی صاحب کی کتاب "تحفۃ الاولیاء" کو بنیاد بنا کر عبدالحلیم اثر نے مندرجہ ذیل تبصرہ کیا ہے:۔

(الف):۔

لکھتے ہیں کہ رضوانی صاحب نے اپنی تالیف میں لکھا ہے کہ مولانا عبدالوہاب کے والد ماجد کا نام سید غازی بابا نوسلجامی تھا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ غازی بابا سید عبدالوہاب بابا کے والد کا لقب ہے اور یہ اسم محضہ نہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ان کا اصل نام کیا ہے۔

(ب):۔

رضوانی مرحوم نے لکھا ہے کہ سید غازی بابا نسب کے اعتبار سے حسینی سید ہے۔ ان کے بزرگ عرب سے آکر روہیلکھنڈ کے شہر سنبھل میں آباد ہو گئے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ سید غازی بابا حسینی سادات کے کون سے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ کونسی پشت میں عرب سے آئے ہیں اور روہیلکھنڈ کب گئے تھے اور کیوں گئے تھے۔ ان سوالوں کا جواب تلاش کرنا اس لئے ضروری ہے کہ کس مناسبت سے وہ روہیلکھنڈ تشریف لے گئے تھے اور پھر کیونکر وہ سنبھل سے ہجرت کر کے یوسف زئیوں کے علاقہ میں آگئے اور پھر وہاں بھی قرار نہ پا کر کس وجہ سے پشاور ہجرت کر گئے۔ اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ سادات کے مخصوص گھرانے افغانوں کے مخصوص گھرانوں سے متعلق رہے ہیں۔ اس سے سید غازی بابا کے خاندان کا بھی صحیح تعین ہو جائے گا۔

(ج):۔

رضوانی نے تحفۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ سید عبدالوہاب کو پیر پنجو اس لئے کہا جاتا تھا کہ وہ

پانچ بنائے اسلام پر زور دیتے تھے۔ آخر کون سے ایسے روحانی بزرگ اور پیشوا ہیں جنہوں نے پانچ بنائے اسلام پر زور نہیں دیا؟ پیر پنجو کہلانے کی وجہ تسمیہ کچھ اور ہو سکتی ہے۔

مذکورہ بالا نکات جو عبدالحلیم اثر نے اپنے تذکرہ میں اٹھائے ہیں اُن کی تفصیل اس طرح بیان کی ہے:۔

١۔ اخوند درویزہ نے اپنی کتاب "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں صفحہ ۱۵۹ پر لکھا ہے کہ پشاور، سمہ اور سوات کے علاقوں میں سلاطین سوات کا قبضہ تھا۔ پشاور کے علاقے میں اس کے بعد شلمانی قوم آئی اور اُس کے بعد دلازاک آئے اور بعد ازاں خشی قبیلے کے یوسف زئی وغیرہ آکر متصرف ہو گئے۔ اخون درویزہ کا یہ بیان تاریخی لحاظ سے بڑا اہم ہے کیونکہ آج تک جن مورخوں نے وادیٔ پشاور کی تاریخ لکھی ہے کسی نے بھی سلاطین کے خاندان اور قوم پر تبصرہ نہیں کیا۔ آیا یہ سلاطین ایک قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ اخون درویزہ نے اپنی کتاب "تذکرہ" میں مختلف مقامات پر ان سلاطین کا ذکر کیا ہے۔ مثال کے طور پر صفحہ ۱۰۷ پر لکھتے ہیں کہ سلطان بہرام اور سلطان فکھل (پکھل جس کے نام سے ضلع ہزارہ کا پکھلی کا علاقہ منسوب ہے) دونوں بھائی تھے اور "سلطانان پنج" کے خاندان سے تھے۔ اُس کے بعد صفحہ ۱۱۳ پر اپنی والدہ ماجدہ کا شجرہ لکھتے وقت یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ سلطان بہرام اور سلطان فکھل دونوں ۷۰۰ھ کے سلاطین ہیں۔

٢۔ مذکورہ بالا "سلاطین پنج" کے دو گھرانوں (بہرام، فکھل) کا پتہ تو چلتا ہے مگر باقی تین گھرانے کون ہیں۔ وادیٔ پشاور میں یوسف زئیوں کی آمد کے تذکروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ اُس وقت پشاور شہر، چارسدہ، چکدرہ، سوات پر چند سلاطین کی حکومت تھی مثلاً سلطان ہندہ اور سلطان اویس جن کو قوم کے لحاظ سے تاجک لکھا گیا ہے۔ اس سے سلطانان (پنج) کے ایک اور گھرانے کا پتہ چلتا ہے۔

٣۔ بلوچستان کی پرانی تاریخوں میں ایک سلطان ارغون کا ذکر موجود ہے جو انہی سلاطین پنج میں سے ایک تھا اور ۸۰۰ھ کے لگ بھگ قندھار کا حکمران تھا اور کوئٹہ ڈویژن کے

علاقہ سبی پر حملہ بھی کیا تھا۔ اس سلطان ارغون کے متعلق جب مزید معلومات کی گئیں تو پتہ چلا کہ غلام صدیق مرحوم کی بیاض کے مطالعے سے جو معلومات سامنے آئیں وہ یہ ہیں:۔

غلام صدیق ایک بہت بڑے عالم فاضل شخص تھے جو ۱۲۸۲ھ کے لگ بھگ پشاور شہر کے محلّہ بھانہ ماڑی میں رہتے تھے۔ ایک عربی کتاب (حصن حصین) تالیف محمد ابن جزریؒ الشافعی کے آخری صفحہ پر اپنا شجرہ نسب یوں تحریر کیا ہے:۔

سلطان ارغش (ارغوش) کے تین بیٹے تھے۔ جان شاہ، طوغا شاہ، عبداللہ (اودل شاہ) ان میں اودل شاہ (عبداللہ) کے دو بیٹے تھے۔ بوڈا بابا اور مصحف خان (صفخان خان)۔ ان میں مصحف خان کے چھ بیٹے تھے:۔ ایاز خان، خواص خان، احسن خان، بنی خان، اجا خان اور سلطان غازی بابا۔ ان میں سے سلطان غازی کے دو فرزند تھے۔ عبدالرحیم اور عبدالوہاب (اخون پنجو بابا)

اس کے بعد غلام صدیق نے اپنا شجرہ یوں لکھا ہے۔ غلام صدیق ولد محمد جی ولد محمد عظیم ولد نشان بابا ولد عبدالرحمان بابا ولد تختی بابا ولد جان بیگ بابا ولد احسن خان بابا۔

عبدالحلیم اثر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ جب غلام صدیق کے شجرے پر غور کیا اور بلوچستان کی تاریخ کے سلطان ارغون پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ سلطان ارغون، سلطان ارغش (ارغوش) یہ تینوں نام ایک ہی شخصیت کے ہیں جو تاریخی لحاظ سے ۸۰۰ھ کی شخصیت ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ارغش (ارغوش) اسم معرفہ نہیں بلکہ اسم نسبتی ہے۔ بلوچستان میں یہ ایک گاؤں علاقے اور پہاڑ کا نام ہے۔ ارغش قندھار کے صوبہ میں ۵۵ کلومیٹر کے فاصلہ پر قلات غلزی کے جنوب مشرق کی طرف واقع ہے۔ اور قندھار میں علاقہ دہلہ میں ایک پہاڑ کا نام بھی ارغش ہے اور ارغون یا ارغوان بھی خاشرود اور بکوا کے علاقے کے درمیان ایک پہاڑی علاقے کا نام ہے۔ اس اعتبار سے سلطان ارغش کا مطلب یہ ہوا کہ ارغش نامی علاقے کا سلطان۔

راقم الحروف کی رائے:۔

قاضی عبدالحلیم اثر کے دلائل اپنی جگہ مگر جیسا کہ کتب تاریخ سے معلوم ہے، قبیلہ تاجک

گبری سوادی کے حکمران اکثر مفتوحہ علاقوں کو اپنے نام سے منسوب کیا کرتے تھے۔ اس لئے جغرافیائی محل وقوع کے اعتبار سے یہ مخصوص علاقے گبری سلاطین کے نام سے منسوب ہو کر مشہور ہوئے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ گبری سلاطین کے نام اسم معرفہ تھے نہ کہ اسم نسبتی۔ مثلاً بیٹنی ایف آر کا علاقہ گبر، اور گردیز کی وادی "گبر مینگل" اور باجوڑ میں قلعہ گبر، سلطان گبر (رتبیل نہم) حکمران زابلستان کے نام سے یا قبیلے سے منسوب کئے گئے اور اس طرح سواد، باجوڑ اور بنیر کی ریاستوں کو ملا کر پکلی سرکار بنایا گیا۔ (۱) اور سلطان فکہل (پکھل) کے نام سے منسوب کیا گیا یا اسی طرح پکھلی (مانسہرہ) کا علاقہ بھی سلطان پکھل کے نام سے منسوب ہو کر مشہور ہوا۔ اس طرح پکھلی نام سے دو الگ علاقے مشہور ہوئے ایک پکھلی دریائے سندھ کے مشرق میں تا بحدے بارہ مولا اور دوسری پکھلی دریائے سندھ کے مغرب میں (بنیر، سوات اور باجوڑ) پر مشتمل تھی۔ اس پہلو پر تفصیلی بحث پکھلی کی وجہ تسمیہ کے باب میں ہوگی۔ اگرچہ سید علی ہمدانی کے باب میں بھی پکھلی (سوات) کا ذکر ہو چکا ہے۔

قاضی عبدالحلیم اثر افغانی مرحوم کی کتاب "روحانی رابطہ و روحانی تڑون" کے صفحہ ۴۷ پر مندرجہ ذیل عبارت قابلِ غور ہے:۔

(پنځه) سلطانانو په کورنۍ کس د سلطانانو یوه بله کورنۍ ده۔ چه د سنه ۸۰۰ھ په شاؤ خوا کس د فراه، قندهار او بلوچستان په علاقه کس ئیے حکومت کؤلو۔ او بله دا چه حضرت مولانا عبدالوهاب هر کله چه د دغه "سلطانان پنج" د خاندان ځنے وو۔ ځکه ورته "اخون پنجو بابا" وائی۔ او ددے لقب کومه وجه تسمیه چه رضوانی مرحوم بیان کړے ده هغه صحیح نه ده۔

د میان غلام صدیق ددے بیان نه دا خو معلومه شوه چه د حضرت اخون پنجو بابا د والد ماجد نوم سلطان غازی باباوو۔ او په

---

(۱) سیر المتاخرین، ص ۶۴، اور شبابِ کشمیر از محمد الدین فوق ص ۶۸۔

پنځمه پیړۍ کس د نیکه نوم ئیے سلطان ارغش وو۔ لیکن څرنگ چه مونږه مخکښ هم ورته اشاره کړی ده۔ ظاهره ده۔ چه دا د دوئ القاب دی۔ اصلی نومونه ئیے نه شی کیدلے۔ سوال دا پاتے کیده چه اصلی نومونه ئے څه دی۔ او بله دا چه د سلطانانو دا خاندان په اصل باندے په قام خوک دی۔ څکه چه رضوانی مرحوم تصریح کړی ده چه حضرت اخون پنجو باباؒ په قام حسینی سید دے۔ نو چه څمونږ دے پورته ذکر شوؤ معلوماتو سره د رضوانی مرحوم د بیان تطبیق څرنگ راتللے شی۔ که فکر او کړو دا یو اهم سوال دے۔ لیکن د میاں ابو حامد مرحوم د قلمی بیاض نه چه کوم معلومات ماته په لاس راغلی دی۔ د هغے په ذریعه حل کیدے شی۔ موصوف د حضرت مولانا عبدالوهاب شجره داسے بیان کړی ده۔

مولانا عبدالوهاب ابن مولانا سید برهان الدین ابن سید عبدالمالك ابن سید شمس الدین عبدالله ابن سید ابراهیم ابن سید جلال الدین ابن سید محمد حسن ابن اسحاق ابن احمد ابن محمود ابن اسعد ابن علی ابن هرمز ابن مروان ابن قرا ابن سید محمد طاهر الملقب په تارن علیهم الرحمة ابن سید ناصر ابن علاء الدین ابن قطب الدین ابن داؤد ابن سلطان کبیر ابن شمس الدین ابن احمد ابن سیدعلی رفاعی ابن حسن ابن محمد ابن سید جواد ابن سید امام علی رضا ابن سید امام موسیٰ کاظم ابن الامام الهمام جعفر صادق ابن امام محمد باقر ابن امام زین العابدین علی ابن الامام سید الشهداء حسین رضی الله عنهم۔

عبدالحلیم آثر صاحب آگے لکھتے ہیں کہ جب میاں ابو حامد کے شجرے سے میاں غلام صدیق مرحوم کا شجرہ ملا کر مقابلہ کیا تو اس نتیجہ پر پہنچے کہ مولانا عبدالوهاب (اخون پنجو) کے والد

ماجد کا نام سید برهان الدین لقب سلطان غازی بابا ہے اور اُن کے والد ماجد سید عبدالمالک کا لقب سلطان مصحف خان اور اُن کے والد ماجد سید شمس الدین عبداللہ کا لقب اودل شاہ اور اُن کے والد ماجد کا نام سید ابراہیم لقب سلطان ارغش تھا جو ارغش اور ارغون کے علاقوں کا حکمران بھی رہا ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ گھرانا قوم کے اعتبار سے تارن سادات ہیں۔

تبصرہ از راقم الحروف:۔

عبدالحلیم آثر مرحوم نے گزشتہ بیان میں خود بھی تسلیم کیا ہے کہ میاں غلام صدیق ایک جید عالم و فاضل شخص تھے۔ اُن کے لکھے ہوئے شجرہ کو تسلیم کرتے ہوئے ناموں کو القابی نام قرار دے کر میاں ابو حامد کی قلمی بیاض میں لکھے ناموں کو اسم محضہ قرار دے کر مذکورہ بالا شجرہ مرتب کرنے کے نتیجہ میں حلیم آثر صاحب نے مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) کو تارن سادات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے حالانکہ وہ خود بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ تاریخ پشاور صفحہ ۳۴۲ کے مطابق اخوند پنجو کو "تارن افغان" لکھا گیا ہے۔ میاں غلام صدیق ایک عالم ہونے کے علاوہ اخون پنجو کے ہم نسب بھی ہیں اس لئے اُن کا لکھا ہوا شجرہ کسی دوسرے شجرہ سے تطبیق کا محتاج نہ تھا اور اُسے اصلی شکل میں قبول کر لینا چاہیئے تھا کیونکہ یہ شجرہ درست ہے اور اُس کے تاریخی ثبوت موجود ہیں۔
میاں غلام صدیق کا لکھا شجرہ درج ذیل کرسی پر منتج ہوتا ہے:۔

سلطان ارغش

اودل شاہ (عبداللہ شاہ)	جان شاہ (جانشال ارغشال ڈھوڈیال)	طوغا شاہ (طوغا تال ارغشال ڈھوڈیال وغیرہ)

بوڈا بابا	مصحف خان (صفخان)

سفحان خان

ایاز خان	خواص خان (امیر الامرا اسکندر لودھی) بادشاہ دھلی	احسن خان (مولانا غلام صدیق کا آٹھواں جد	بنی خان	اجاخان (اجاخیل ڈھوڈیال وغیرہ)	سلطان غازی بابا شیخ نوملجامی

ملاعبدالرحیم (جسے اخون درویزہ نے ملاعبدالرحیم مانکراوی لکھا ہے (صفحہ ۲۱۳ تذکرۃ الابرار والاشرار)	مولانا عبدالوہاب (اخوند پنجو جسے اخوند درویزہ نے ملا عبدالوہاب مانکراوی لکھا ہے (صفحہ ۲۱۳ تذکرۃ الابرار والاشرار)

میاں غلام صدیق کا مذکورہ بالا شجرہ " تحقیق الافغان " کے صفحہ ۱۴۷ پر درج شجرہ سے مکمل مطابقت رکھتا ہے اور یہ قبیلہ سواتی کی شاخ ارغشال کا شجرہ ہے۔ جس میں جان شاہ اور طوغا شاہ کی اولاد کو جان شال اور طوغانال ارغشال سے ظاہر کیا گیا ہے۔ اُس کے علاوہ اخون پنجو کے چچا احسن خان (جدامجد میاں غلام صدیق) اور اجاخان کی اولاد کو اجاخیل ارغشال لکھا گیا ہے۔ اجاخیل کے علاوہ ارغشالوں میں ملک خیل، یاراخیل اور اس کی ذیلی شاخیں بھی لکھی گئی ہیں۔ تحقیق الافغان صفحہ ۱۳۷ از سمیع اللہ جان میں شجرہ درج ذیل ہے:-

سلطان ارغش

جان شاہ جانشال ارغشال جانشال کی ذیلی شاخوں میں اجاخیل (اجاخان اور احسن خان (حسن خان) کی اولاد شامل ہیں	طوغانال شاہ طوغانال ارغشال	اودل شاہ ان کا نام شجرہ میں نہیں دیا گیا کیونکہ بعض افراد کو لفظ دریدہ سے ظاہر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ قبیلہ سے جدا ہو گئے تھے۔

" تحقیق الافغان " کے صفحہ ۱۳۲ پر ارغشال قبیلہ کو مندرجہ ذیل، ذیلی شاخوں میں لکھا گیا ہے:-

ارغشال

اجاخیل	ملک خیل	ملاخیل	یاراخیل	طوغانال	جانشال	جبارخیل

ان ذیلی شاخوں میں تین شاخیں (اجاخیل، جانشال، طوغانال) وہ شاخیں ہیں جن کا ذکر میاں غلام صدیق کے شجرہ میں ملتا ہے جبکہ اودل شاہ کے صلب سے احسن خان، اجاخان کی اولاد کو اجاخیل میں یکجا کیا گیا ہے۔ اگرچہ " تحقیق الافغان " میں لکھے ہوئے بعض ناموں کی ترتیب میاں غلام صدیق کے لکھے ہوئے شجرہ کی ترتیب کے مطابق نہیں کیونکہ تقسیم اراضی کے سلسلے میں سواتیوں کے ہاتھوں پکھلی (مانسہرہ) کی فتح کے بعد بھائیوں، بھتیجوں اور پوتوں کو اکھٹا کر کے ایک خیل میں ظاہر کر کے تقسیم اراضی کی گئی ہے مگر اس سے شجرہ نسب کی مجموعی صورت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ سلطان ارغش کے دو بیٹوں (جہان شاہ، طوغا شاہ) کی اولاد بالتصریح مواضعات ڈھوڈیال شنی بالا اہل اور تھاکوٹ میں موجود ہے جبکہ اودل شاہ کی اولاد میں سے اجاخیل اور اُس کی ذیلی شاخیں یاراخیل، جبارخیل، ملاخیل، ملک خیل موجود ہیں۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ سلطان ارغش تارن سادات سے نہیں بلکہ گبری سواتی ہیں اور ان کا شجرہ " تحقیق الافغان " کے صفحہ ۶۶ پر اس طرح درج ہے۔

سلطان ارغش بن سلطان دشرا بن سلطان فلکہل برادر سلطان بہرام جن کا ذکر اخون درویزہ کی کتاب " تذکرۃ الابرار والاشرار " کے صفحہ ۱۰۷ پر موجود ہے اور سلطان بہرام کا ذکر میجر راورٹی نے اپنی تصنیف "Notes on Afghanistan and Baluchistan" کے صفحہ ۵۱-۵۲ پر کیا ہے جس پر آئندہ اوراق میں بحث کی جائے گی۔

تارن افغانوں کا ایک مشہور قبیلہ ہے جس کو نسب نگاروں نے کاکڑ کی ذیلی شاخ لکھا

ہے مگر معلومات کی کمی کی باعث ان کو "سید محمد طاہر" تک محدود کر کے "تارن سادات" لکھا ہے جو درست نہیں۔ "تواریخ خورشید جہاں" کے مولف نے صفحہ ۲۰۰ پر سید محمد طاہر کو تارن سید بحوالہ "مخزن افغانی" لکھا ہے مگر خلاصۃ الانساب کے مولف حافظ رحمت خان نے اپنی تالیف کے صفحہ ۱۵۰ پر اُن سادات کا ذکر کیا ہے جو افغانوں میں شمار ہوتے ہیں مگر سید محمد طاہر کا کوئی تذکرہ موجود نہیں حالانکہ خلاصۃ الانساب بھی مخزن افغانی سے اخذ کی گئی ہے۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ سید محمد طاہر کو کاکڑ بن دانی بن غور غشت نے بحیثیت متبنٰی پالا تھا اور اس کی شادی تارن قبیلہ میں کرا کر اس کو شامل جائیداد کر دیا تھا تو تب بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ سید محمد طاہر کو تارن افغانوں میں شامل کیا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تارن محض سید محمد طاہر کی اولاد ہیں۔ درحقیقت تارن افغانوں کا ایک الگ قبیلہ ہے جسے کاکڑ کی شاخ میں شمار کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اخوند درویزہؒ نے اپنی تصنیف "تذکرہ" کے صفحہ ۲۷ پر خواجہ خضر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"خواجہ خضر افغان از افغانان تارن کنیزک خود بہ حجامے از حجامان افغانان لودی نسبت کردہ بود" (خواجہ خضر جو افغان تارن تھے، نے اپنی کنیز کو لودی افغانوں کے ایک حجام سے منسوب کیا تھا)

اور اسی خواجہ خضر کو خان روشن خان نے اپنی تالیف "حواشی۔ تاریخ حافظ رحمت خانی" کے صفحہ ۳۲۶ سلسلہ نمبر ۴۶ پر کاکڑ لکھا ہے۔ بہ الفاظ دیگر تارن افغان اور کاکڑ افغان ایک ہی قبیلہ ہے جسے "مخزن افغانی" کے مطابق غور غشت بن قیس عبدالرشید کی اولاد سے ظاہر کیا گیا ہے۔

خان روشن خان نے اپنی تصنیف "تذکرہ ۔ افغانوں کی اصلیت اور ان کی تاریخ" کے صفحہ ۱۴۶ - ۱۵۲ پر مدلل بحث کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ اخون پنجو افغان ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

''ان کو گجر یا سید کہنا صرف مضحکہ خیز ہی نہیں بلکہ سراسر بے انصافی ہے"۔

اخون پنجو کو کاغذات مال میں (۱۸۷۰ء کے بندوبست کے ریکارڈ میں) بھی افغان لکھا گیا ہے اور ان کے پانچ بیٹوں (عثمان، سلیمان، لقمان، بہاء الدین اور فرید الدین) کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے خان روشن خان نے لکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو میانگان اور اخونزادگان یا

صاحبزادگان کے نام سے پکارتے ہیں مگر اپنے آپ کو سید نہیں کہتے۔ اخون پنجو کی اولاد کا ذکر کرتے لکھتے ہیں کہ وہ مواضعات گجرات، ہمزہ کوٹ، آدینہ، اسماعیلیہ، دوبیان، مردان طورو، اکبر پورہ، ملوگو، بیر پیائی، اتمان زئی، ترنگزئی، ڈھیری اشغر، تھانہ، سوات، چمکنی، ماشو، خوش مقام اور کالش تپہ چغر زئی (بنیر) اوراوگئی کے پاس بلند کوٹ کے مغرب میں آباد ہیں۔

قاضی عبدالحلیم اثر افغانی مرحوم کی نظر سے سمیع اللہ جان کی تصنیف "تحقیق الافغان" نہیں گذری اور نہ ہی ان کو قبیلہ سواتی کے تاریخی حالات کا پورا علم تھا۔ ان کی معلومات اخون درویزہ کی کتاب "تذکرۃ الابرار والاشرار" تک محدود تھیں جس کا تجزیہ انہوں نے اپنی معلومات کے مطابق بڑی دیانت داری سے کیا اور اخون پنجو کو "سلاطین پنج" کے گھرانے کا فرد ثابت کیا اور اگرچہ میاں غلام صدیق کے لکھے ہوئے شجرہ کو درست تسلیم کیا مگر ان ناموں کو اسم محضہ کے بجائے اسمائے نسبتی تصور کر کے میاں ابو حامد کی قلمی بیاض میں لکھے ہوئے شجرہ نسب سے تطبیق کے طور پر اخون پنجو کو حسینی سید ثابت کرنے کی کوشش کی گئی جو غلط استدلال پر منتج ہوئی۔ حالانکہ موصوف نے خود بھی اپنے مقالے میں تسلیم کیا ہے کہ اخون پنجو کے تذکرہ نویسوں میں اکثریت اُن اصحاب کی ہے جو مرید تھے مگر مورخ نہ تھے اور از راہِ عقیدت اُن کے بیانات میں مبالغہ بھی ہے اور تاریخی پس منظر سے کم آگہی بھی موصوف نے میر احمد شاہ رضوانی کی تالیف "تحفۃ الاولیاء" کو بنیاد بنا کر اخون پنجو پر ایک مدلل اور پُر مغز مقالہ تحریر فرمایا ہے مگر اخون پنجو کو سید گردانے کی سعی درست نہ تھی۔

قاضی عبدالحلیم اثر مرحوم نے اخون پنجو کو سید ثابت کرنے کے علاوہ "سلطانانِ پنج" کے گھرانے کا فرد بھی قرار دیا ہے۔ اس لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ "سلطانان پنج" کا پس منظر بھی واضح کر دیا جائے۔ اخون درویزہؒ نے اپنی تصنیف "تذکرۃ الابرار والاشرار" کے صفحہ ۱۰۷ پر سلطان بہرام اور سلطان فکہل کا ذکر کرتے لکھا ہے:۔

"سلطان بہرام و سلطان فکہل ہر دو برادران بودند از سلطانان (پخ) لفظ (پچ) میں ما سوائے "پ" کے دیگر حروف پر نقاط نہیں۔ عام طور پر مورخین نے اس لفظ کو "بلخ" پڑھا ہے کیونکہ اخون درویزہؒ نے اس جملے سے قبل اور مابعد سلطان بہرام اور سلطان فکہل کو از اولاد سلاطین بلخ

لکھا ہے۔ حلیم آثر صاحب نے اس لفظ کو "بلخ" کے بجائے "پیچ" پڑھا ہے اور سلاطین کے پانچ الگ الگ گھرانے تصور کر کے لکھا ہے کہ اخون پنجو کے جد امجد سلطان ارغش (تارن سید) تھے۔ لفظ (پیخ) دراصل (پیچ) ہے اور درہ پیچ صوبہ کنڑ (افغانستان) کا ایک مشہور درّہ ہے اس غلطی کے سبب حلیم اثر مرحوم کا سارا استدلال بے نتیجہ اور بے معنی ثابت ہوا۔ سلاطین سوات کے سلسلے میں ان کی معلومات درست نہ تھیں۔ یہ ایک ہی گھرانہ ہے اور ان کی کوئی شاخ (تارن سید) نہیں یہ تاجک (کیانی) ہیں اور سائرس (ذوالقرنین) کی نسل سے ہیں۔ مدنیت کے اعتبار سے گبری تھے اس لئے ان کو تاجک گبری بھی لکھا گیا ہے۔

میاں غلام صدیق کی بیاض میں لکھا ہوا نسب نامہ درست ہے وہ خود بھی اخون پنجو کے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اس نسب نامے کی مزید تطبیق کی ضرورت نہ تھی۔ میاں ابو حامد کے لکھے گئے نسب نامے میں ایک نام ہرمز بن مروان بن قرا لکھا ہے جو سادات کے نسب ناموں میں کہیں دکھائی نہیں دیتا البتہ ابن البلخی نے اسکندر اعظم مقدونی کا جو نسب نامہ مرتب کیا تھا اس میں ہرمس بن ہردس درج ہے اور یہ نسب نامہ منہاج سراج جوزجانی نے بے اصل قرار دیا ہے۔

اب رہا سوال یہ کہ سلاطین (بلخ) ہیں یا سلاطین (پیچ)۔ اس میں شک نہیں کہ سلطان بہرام اور سلطان فلہل سلاطین بلخ کی اولاد ہیں مگر ان کے آبا و اجداد کچھ عرصہ سے کونڑ کے درہ پیچ (Pich) کے حکمران تھے۔ اخوند درویزہؒ کا صفحہ ۱۰۷ پر لکھا لفظ "پیخ" دراصل "پیچ" ہے۔ جس میں (ی) اور (چ) بغیر نقطہ رہ گئے ہیں۔ صوبہ کونڑ دو اہم درّوں پر مشتمل ہے ایک کا نام درّہ نور ہے اور دوسرے کا نام درہ پیچ ہے۔ سلطان بہرام کے متعلق میجر راورٹی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۵۱ پر ذیل الفاظ لکھے ہیں۔

"This place (Nangnahar) Sultan Behram, a decendant of the Sultans of Pich who claimed descent from a son of Alexander of Macedon, took possession of and conquerrd the tract as far as Sufaid

Koh of Nangnahar.

میجر راورٹی نے "پیچ" درست لکھا ہے جو اخوند درویزہ کی عبارت میں بے نقطہ رہ کر غلط فہمی کا باعث بنا ہے۔ البتہ لغمان اور ننگرر کی فتح کے سلسلے میں سلطان بہرام کو عماد الدین بلخی کی معاونت حاصل رہی ہے کیونکہ ننگنہار کی فتح کے بعد سلطان بہرام نے اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی کو وادی سنکوران (شلوزان) اور کرمان کا علاقہ فوجی خدمات کے صلہ میں بطورِ تعلقہ (Fief) دیا تھا۔ اس کا تذکرہ بھی راورٹی نے اپنی (یاداشتوں) کے صفحہ ۵۲ پر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"These disloyal chiefs Proceeded into Nangarhar which was the fief of Azam Malik." (i.e. Shalozan & Karman area).

راورٹی نے یہ تذکرہ چنگیز خان اور جلال الدین خوارزم کے مابین جنگ کے سلسلے میں کیا ہے۔ جس سے ظاہر ہوا کہ سلطان بہرام نے لغمان اور ننگنہار میں گبری سلطنت کا قیام چنگیز کے حملے سے کافی پہلے کیا تھا۔ چنگیز نے ۱۲۲۱-۶۲۰ھ کا موسم سرما سوات میں گذارا تھا جسے اُس وقت مملکت گبر کہتے تھے۔ منہاج سراج جوزجانی نے بھی (طبقات ناصری) میں چنگیز خان کے ولایت گبر میں قیام کے متعلق ذکر کیا ہے۔ المختصر سلطان ارغش، سلطان بہرام کے بھائی سلطان فلہل کا پوتا تھا اور اسی گبری گھرانے کا چشم و چراغ تھا اور یہ سلاطین (فلہل، بہرام، ارغش، میر ہندہ اور سوات کا آخری حکمران سلطان اویس ایک ہی گھرانے سے متعلق تھے اور یہ پانچ الگ الگ گھرانے نہ تھے جیسا کہ قاضی عبدالحلیم آثر نے تصور کیا ہے۔ یہ ذوالقرنین کی نسل سے تاجک ہیں جسے راورٹی نے اسکندر مقدونی تصور کیا ہے۔ (۱)

قبیلہ سواتی گبری کے خاندان کے افراد پہلی صدی ہجری تا تیسری صدی ہجری زابلستان کے حکمران تھے اور ان کا قدیم خاندانی لقب رتبیل تھا۔ رتبیل اول سے رتبیل ہشتم کا ذکر تاریخ افغانستان از عبدالحئی حبیبی میں درج ہے۔ رتبیل ہشتم یعقوب لیث کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔ مگر اُس کا بیٹا رتبیل نہم جس کا نام گبر تھا قید سے بھاگ کر کابل چلا گیا تھا اور کابل شاہ کی مدد سے رخد

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی صفحہ ۱۹۲۔

(قندھار) اور بعد میں پورے زابلستان پر قابض ہوگیا تھا۔ یعقوب لیث نے دوبارہ اُس پر
چڑھائی کردی اور گبر شکست کھا کر قید ہوگیا اور عبدالحئی حبیبیؔ کے مطابق اس قدیم تاریخی خاندان کا
پھر تاریخ میں نام نہیں سنا گیا۔ گبری سوادی اسی رتبیل نہم (گبر) کی نسل سے ہیں یعنی گبر مذنیت بھی
ہے اور مورث کا نام بھی۔ ۲۵۸ھ کے بعد یہ خاندان تتر بتر ہوکر بلخ اور بدخشان کی طرف چلا گیا
جہاں ان کے سرداروں نے چھوٹی چھوٹی راجدھانیاں قائم کیں اور بالآخر چھٹی صدی ہجری کے
آخری دور میں جب غوری تاجکوں کو عروج حاصل ہوا تو سلطان فکہل اور سلطان بہرام جو اُس
وقت کونڑ کے درّہ پیچ کے حکمرانوں کی اولاد تھے' نے ننگرہار، لغمان، سوات، باجوڑ، بنیر، اشغر کا
علاقہ فتح کر کے مملکت گبر کا قیام عمل میں لایا۔ میجر راورٹی نے سکندر ذوالقرنین کو سکندر مقدونی سمجھ
کر سلطان بہرام کو اسکندر مقدونی کی اولاد ظاہر کیا ہے جو غلط ہے۔ اس موضوع پر آئندہ اوراق
میں ایک الگ باب میں تفصیل بیان کی جائے گی۔ ذوالقرنین یونانی نہیں بلکہ ایرانی ہے اور ہخامنشی
خاندان کا پہلا شہنشاہ ہے جسے یورپین مورخین نے سائرس دوم (Cyrus II) یہود نے اخسو برس
یا خورس' ایرانیوں نے کورش یا کوروش اور عربوں نے کیخسرو لکھا ہے۔ اس خاندان کے حکمرانوں کا
لقب (سلطان) تھا جسکی تصدیق عبدالحئی حبیبی نے اپنی تصنیف (تاریخ مختصر افغانستان) کے صفحہ
۱۹۲ پر بھی کی ہے۔ اخوند پنجو کے بزرگوں نے پشاور کے قریب ایک گاؤں بھی بسایا تھا جس کا نام
سلطان پور رکھا گیا تھا۔ اس کا تذکرہ حلیم اثر مرحوم نے خود بھی کیا ہے۔

اخوند پنجو کے نسب نامے میں غلطی کی ابتداء میر احمد رضوانی مرحوم کی کتاب
" تحفۃ الاولیاء" سے ہوئی جس میں اُنہوں نے ایسی بیاضوں پر تکیہ کیا جن میں بہت سے
واقعات بقول رضوانی صاحب بھی غلط درج تھے۔ مگر عقیدت مندی کے طور پر رضوانی صاحب نے
اخون پنجو کو حسینی سید لکھ دیا۔

مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف بہ "اخون پنجو" کے جدامجد سلطان ارغش کا ذکر تاریخ
طبرستان میں موجود ہے۔ اس نوجوان جرنیل کو سلطان سنجر نے طبرستان کے حکمران اصفہبد کے
خلاف جنگ کے لئے بھیجا تھا۔ اس کا تذکرہ زیرِ عنوان " تغیر مزاج سلطان سنجر بہ اصفہبد و

فرستادن ارغش را" کیا گیا ہے جس کا تذکرہ سواتیوں کے تاریخی حالات میں کیا جائے گا۔ البتہ "
لغت نامہ" از علی اکبر دھخدا میں ارغش کو ملک " از خاندان رستمدار لکھا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا
ہے کہ زابلستان' طبرستان اور الجبال کے حکمران سب گبری اور ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے
تھے۔ طبرستان کے حکمرانوں کا لقب اصفہبد تھا جبکہ زابلستان کے حکمرانوں کا لقب رتبیل تھا جس کو
جمع مکسر میں عرب مورخین نے رتابلہ بھی لکھا ہے۔

رضوانی صاحب نے اپنی کتاب " تحفۃ الاولیاء" میں اخون پنجو کا نسب نامہ تو نہیں
لکھا مگر حسینی سید لکھ کر ابہام پیدا کر دیا ہے۔ اُنہوں نے اپنی کتاب (۱۳۲۱ھ) میں لکھی اور سبب
تالیف یوں لکھتے ہیں کہ وہ ایک دن اجمیر شریف میں شیخ معین الدین چشتیؒ کے مزار پر اعتکاف
میں تھا کہ خواب میں اخون پنجو کا دیدار ہوا۔ اور جب بیدار ہوا تو تعجب کیا کہ اخون پنجو کا خواجہ معین
الدین چشتیؒ سے کیا تعلق ہے۔ اس بارے میں مولانا محمد غفران کو خط لکھا۔ معلوم ہوا کہ اخون پنجوؒ
پندرہ واسطوں سے خواجہ معین الدین چشتیؒ کے مرید ہیں۔ رضوانی صاحب نے اخون پنجو کے
مناقب لکھنے کا تہیہ کیا اور ماخذ کی تلاش کی گئی۔ مگر اخون پنجو پر لکھے گئے مناقب از اخوند سالاک کا
بلگرامی (جو اخون پنجو کے مرید خاص تھے) ناپید تھے۔ اسی طرح مناقب از شیخ عبدالغفور چل گزی
بھی ناپید تھے۔ اور صرف میاں بادشاہ کا منظوم فارسی اور پشتو مناقب دستیاب ہوئے جن کے متعلق
رضوانی صاحب نے خود بھی لکھا ہے کہ ان مناقب میں اکثر حالات و واقعات کو درست نہیں لکھا گیا
جن کو رضوانی صاحب نے تحقیق و تفتیش کے بعد " تحفۃ الاولیاء" لکھی۔ رضوانی صاحب کی کوشش
اپنی جگہ قابلِ ستائش ہے مگر مستند مواد کی عدم موجودگی میں اُن کو روایات کا سہارا لینا پڑا اور اسی سبب
سے رضوانی مرحوم نے مولانا شیخ عبدالوہاب کی ولادت باسعادت کا ذکر کرتے وقت صفحہ ۹ پر لکھا
ہے:-

"چوں از عہد سلطان شہاب الدین غوری و تشریف آوریٔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ
بزرگوار معین الدین چشتیؒ اجمیری بہ سبب سلطنت اسلامیہ و شرفائے بلاد اسلام از عرب و ترک و
تاژک و افغان بہ ہندوستان آمدہ جا بجا آباد شدہ بودند اسلاف عظام آنحضرت نیز بہ تقریبی از

عربستان بہ ہندوستان آمدہ در حدود ممالک شمالیہ آں توطن داشتند۔ قبلہ گاہ ایشاں الموسوم بہ سید غازی کہ اہل صلاح وتقویٰ بود درایام زوال سلطنت خاندان لودھیہ از ہندوستان برآمدہ از راہ ہزارہ بہ ملک یوسف زئی رسیدہ در موضع بانڈہ ترکئی کہ سمت جنوبی موضع یار حسین واقع بہ ڈھیری گجوان مشہور بود اقامت اختیار کردہ بہ عزلت وقناعت اوقات بسرمی کرد و چنانچہ منقول است باخالۂ حضرت صالح محمد صاحب المعروف دیوانہ بابا صاحب بنیر المدفون بہ موضع شِل بانڈیٔ من مضافات بنیر ۔۔۔۔کتخدائی کرد۔"

مفہوم:۔

چونکہ سلطان شہاب الدین غوری کے عہد سے اور حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کی آمد کے بعد ہندوستان میں اسلامی سلطنت کی بنیاد پڑنے سے بلاد اسلام سے مختلف قومیں جن میں عرب، ترک، تاجک افغان شامل تھے ہندوستان میں آکر جابجا آباد ہوگئے تھے۔ آنحضرت (اخون پنجو) کے اسلاف بھی اسی سبب سے عربستان سے ہندوستان آئے اور (ہندوستان) کے شمالی علاقوں میں آباد ہوگئے۔ آپ کے والد بزرگوار سید غازی خاندان لودھی کے زوال کے زمانے میں ہندوستان سے نکل کر براستہ ہزارہ (چھچھ) علاقہ یوسف زئی میں پہنچ کر بانڈہ ترکئی داخلی موضع یار حسین (گجوان ڈھیری) میں مقیم ہوئے اور جیسا کہ نقل ہے کہ آپ (سلطان غازی) نے حضرت صالح محمد صاحب المعروف بہ دیوانہ بابا صاحب بنیر جن کا مزار موضع شِل بانڈی (بنیر) میں ہے کی خالہ سے شادی کی۔

مذکورہ بالا عبارت میں کچھ پہلو حل طلب ہیں جن پر عبدالحلیم اثر مرحوم نے بھی بحث کی ہے، مگر ان پر مزید بحث کی ضرورت پیش آرہی ہے۔ یہ نکات ذیل ہیں:۔

۱۔ مولانا شیخ عبدالوہاب کے اسلاف عربستان سے کب آئے۔

۲۔ ہندوستان کے شمالی علاقوں میں کہاں قیام کیا۔

۳۔ ہندوستان (روہیلکھنڈ) کیوں گئے اور پھر وہاں سے واپس یوسف زئی علاقے میں کیوں اور کب آئے۔

۴۔ یوسف زئی علاقے سے پشاور موضع چوہا گجر اور بعد ازاں اللہ ڈھنڈ کیوں منتقل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔

مولانا شیخ عبدالوہاب چونکہ سید نہیں اس لئے ان کے اسلاف کا عربستان سے ہندوستان کے شمالی علاقوں میں آکر آباد ہونا خارج از بحث ہے۔ البتہ تاجک گبری ہونے کے ناطے اُن کے اسلاف سے سلطان پکھل اور سلطان بہرام (جو سلاطین درہ پیچ کنڑ کی نسل سے تھے) نے کابل سے کشمیر تک مملکت گبر قائم کی تھی جس کا تذکرہ میجر راورٹی عبدالحئی حبیبی اور اخوند درویزہ نے اپنی تصانیف میں کیا ہے اس پر مزید بحث سواتیوں کے تاریخی حالات کے باب میں ہوگی۔ اخوند پنجو کے پانچویں پشت کے دادا سلطان ارغش نے سلجوقیوں کی ملازمت اختیار کر لی تھی اور سلطان سنجر کے سپہ سالار تھے۔ جب کہ آپ کے چچا خواص خان سکندر لودی کے امیر الامراء تھے اور آپ کے والد سلطان غازی بابا کو سلطان بہلول لودی ہندوستان لے گیا تھا اور روہیل کھنڈ کے موضع سنبھل میں نوسلجامی افغانوں کے درمیان سکونت اختیار کی اور دین کی درس و تدریس میں مشغول ہوگئے تھے مگر ابراہیم لودی کی شکست کے بعد مغلوں کے معاندانہ رویے کے باعث آپ کو ہندوستان سے صوبہ سرحد آنا پڑا چنانچہ آپ نے موضع ترکئی (مردان) میں سکونت اختیار کی مگر خان کجو کے رویے نے وہاں سے بھی آپ کو پشاور منتقل ہونے پر مجبور کر دیا کیونکہ خان کجو مغلوں کا بہی خواہ اور لودیوں کا مخالف تھا۔

سلطان غازی بابا کی ہندوستان سے واپسی اور موضع ترکئی مردان سے پشاور آنے کے اسباب پر عبدالحلیم اثر مرحوم نے تفصیل سے اپنے مقالہ (اخوند پنجو میں تذکرہ کیا ہے)۔ آپ کے والد سلطان غازی بابا کا ہندوستان سے مردان اور پھر مردان سے پشاور جانا سیاسی وجوہات کی بنا پر تھا۔ اور اس کا سبب بچے کی پیدائش پر کجو خان کا عائد کردہ پانچ روپے ٹیکس نہ تھا جیسا کہ اللہ بخش یوسفی نے اپنی تصنیف (یوسف زئی پٹھان) میں لکھا ہے۔

عبدالحلیم اثر کا یہ تجزیہ کہ سلطان ارغش اسم محضہ نہیں بلکہ اسم نسبتی ہے اور چونکہ وہ قندھار اور بلوچستان کے اُن علاقوں کا حکمران تھا جو ارغش اور ارگون کہلاتے تھے کسی حد تک درست ہے۔

مگر یہ بھی زیرِ نظر ہو کہ سوادی سلاطین نے اپنے نام کی مناسبت سے علاقوں کو نام دیئے ہیں مثلاً سلطان پکھل کی مناسبت سے پکھلی سرکار (سوات، باجوڑ اور بنیر) اور پکھلی (مانسہرہ) مشہور ہوئے۔ اس لئے یہ بھی قوی امکان ہے کہ سلطان ارغش نے اپنے نام سے قندھار اور بلوچستان کے بعض علاقے جن کا حلیم اثر مرحوم نے ذکر کیا ہے، منسوب کیے ہوں اور ارغش اس لحاظ سے اسم نسبتی کے بجائے اسم محضہ ہو۔ البتہ قبیلہ سواتی کے نسب ناموں میں سلطان ارغش اور اُن کے دو بھائی سلطان جہانگیر (جہانگیری) اور سلطان ملک (ملکال) اسم محضہ کے طور لکھے گئے ہیں۔

شمالی علاقوں سے ہندوستان جانے کی وجہ کافی حد تک قاضی عبدالحلیم اثر مرحوم نے واضح کردی ہے۔ سلطان غازی (پدر اخون پنجو) کے بڑے بھائی خواص خان سکندر لودھی کے امیر الامرا تھے اور غازی بابا کو بہلول لودھی نے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کے سلسلے میں بلایا تھا اور وہ روہیلکھنڈ کے موضع سنبھل میں جہاں نوسلجامی افغان آباد تھے، رہنے لگے۔ مگر جب ابراہیم لودھی کو پانی پت میں شکست ہوئی اور بابر کے آدمیوں نے پانی پت سے شیخ عبدالقدوس گنگوہی کو گرفتار کر کے ان کی سیاہ پگڑی اتار کر اُن کے گلے میں ڈال کر پانی پت سے پیادہ دہلی تک بابر کے حضور پیش کیا تو اُن کے مریدان جن میں حضرت سلطان غازی بابا بھی شامل تھے فرار ہو کر اپنے وطن واپس آئے۔ (۱) ان شیوخ اور علماء میں حضرت بایزید المعروف بہ پیر روشن (بمطابق اخون درویزہ پیر تاریک) کے والد مولانا شیخ عبداللہ انصاری اور سید کپور شاہ (غفور شاہ) کا نیگرم اور سری کوٹ اپنے علاقہ کو واپس آگئے۔ علماء اور مشائخ و دیگر سرداروں کا سیاسی وجوہ پر ہندوستان سے واپسی کا سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ جب ہمایوں شیر شاہ کے ہاتھوں فرار ہو کر ایران چلا گیا۔ تو سیف اللہ لگیانی اور ملک گدائی لگیانی اور سید قنبر علی (والد بزرگوار سید علی ترمذی) واپس اپنے اپنے اوطان کو چلے گئے تھے۔

مغلوں اور افغان حکمرانوں کے عصبی اختلاف کے باعث علماء اور شیوخ کی سیاسی

---

(۱) روحانی رابطہ و روحانی تڑون از قاضی عبدالحلیم اثر، ص ۹۲-۴۹۱ بحوالہ رودِ کوثر از شیخ محمد اکرم، ص ۴۷

بنیادوں پر بے توقیری کا سلسلہ جاری رہا اور حضرت غازی بابا کا روہیلکھنڈ (سنبھل) سے موضع ترکئی (مردان) میں آنے کا سبب بھی سیاسی تھا۔ شیر شاہ سوری کے عہد میں یوسف زئیوں کا سردار خان کجو تھا۔ چونکہ یوسف زئی مغلوں کے دست پرورده تھے، اس لئے شیر شاہ سوری کے زمانے میں خان کجو کا رویہ باغیانہ تھا، سلطان غازی بابا نے خان کجو کے باغیانہ رویہ سے بچنے کے لیے موضع ترکئی (مردان) سے پشاور کی طرف کوچ کیا اور موضع چوہا گجر میں قیام پذیر ہوئے اور بعد میں اللہ ڈھنڈ نزد قلعہ بالا حصار جا کر مقیم ہوئے اور وہیں وفات پائی۔ اُن کی موضع ترکئی سے پشاور کو ہجرت خان کجو کے عائد کردہ پیدائش ٹیکس نہ تھی جیسا کہ مولف "یوسف زئی پٹھان" اللہ بخش یوسفی نے اپنی کتاب کے صفحہ ۲۴۳ پر لکھا ہے۔ (۱)

مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) کا نسب دور حاضرہ کے مورخین کی نظر میں:۔

گذشتہ اوراق کی بحث سے عیاں ہو چکا ہے کہ میر احمد شاہ رضوانی پہلے مورخ ہیں جنہوں نے اخون پنجو پر بیاض لکھتے وقت اُن کو "سید" لکھا ہے مگر شجرۂ نسب نہیں لکھا حالانکہ جس منظوم بیاض کو بنیاد بنا کر رضوانی صاحب نے اپنی بیاض لکھی اُس کے متعلق رضوانی صاحب نے خود بھی تحریر فرمایا ہے کہ اکثر واقعات درست نہیں۔ اس کے باوجود نہ معلوم رضوانی صاحب نے اخون پنجو کو حسینی سید کیسے لکھ دیا جبکہ تاریخ پشاور میں وہ افغان لکھے گئے ہیں اور کاغذات بندوبست (۱۸۷۰) میں بھی اُن کو افغان لکھا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں ایک بات قابلِ غور ہے کہ اخون پنجو کی اولاد اپنے آپ کو "میاں" اور "صاحبزادہ" کے القاب سے ظاہر کرتے رہے ہیں اور انہوں نے اپنے ناموں کے ساتھ "سید" کا استعمال نہیں کیا۔ اخوند درویزہ نے بھی اخون پنجو اور اسکے بھائی ملا عبدالرحیم کا ذکر کیا ہے اور ان کو سید نہیں لکھا۔ رضوانی مرحوم کی غیر مصدقہ روایت کے بعد بعض

---

(۱) خان کجو نے بیٹے کی پیدائش پر پانچ روپیہ ٹیکس عائد کیا تھا اور بقول اللہ بخش یوسفی مولانا عبدالوہاب کی پیدائش پر سلطان غازی بابا ٹیکس سے بچنے کے لئے پشاور منتقل ہوئے تھے (یوسف زئی پٹھان صفحہ ۲۴۳) میر احمد شاہ رضوانی کے مطابق یہ سرکاری ٹیکس نہ تھا بلکہ حسب رواج گاؤں کے نوجوان اکھٹے ہو کر صحبت کے لئے رقم مانگتے تھے جو درست معلوم ہوتا ہے۔

مورخین نے اخون پنجو کو سیّد ثابت کرنے کی کوشش کی جس کے بعد اُن کے بعض پس ماندگان نے اپنے نام کے ساتھ سیّد کا اضافہ کرنا شروع کر دیا ہے۔

قاضی عبدالحلیم اثرؔ نے مولانا غلام صدیق (جو اخون پنجو کے ہم نسب بھی تھے) کے شجرہ کو قبول کرنے کے ساتھ میاں ابو حامد کی بیاض میں لکھے شجرہ کو تطبیق کے طور پر استعمال کر کے مولانا عبدالوہاب (اخون پنجو) کو تارن سادات کے گھرانے سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کو سید محمد طاہر الملقب بہ تارن کے صلب سے دکھایا ہے جو غلط استدلال پر مبنی ہے کیونکہ میاں غلام صدیق کے لکھے ہوئے شجرہ نسب کے بعد اخون پنجو کو سیّد ثابت کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ غلام صدیق حلیم اثرؔ کے کہنے کے مطابق ایک عالم اور پڑھے لکھے شخص تھے۔ وہ اپنا شجرہ غلط نہ لکھ سکتے تھے۔ مگر ایک غلط روایت کو پروان چڑھا کر مزید غلطیوں کے لئے راہ ہموار کر دی گئی اور اب مولانا عبدالوہاب کو "تارن سیّد" ہونے کے بجائے بعض مورخین نے بخاری سیّد ثابت کرنے کی سعی کر رکھی ہے۔ راقم الحروف کو اس سلسلے میں موضع اکبر پورہ جانے کا اتفاق ہوا اور موجودہ سجادہ نشین پیر صاحب شمشاد سے ملاقات کا شرف بھی حاصل ہوا اور اُن سے معلومات حاصل کرنے کے لئے بحث بھی ہوئی۔ دوران گفتگو پیر صاحب شمشاد علی نے فرمایا کہ تاریخ پشاور یا ضلع پشاور کے بندوبست کے ریکارڈ میں اخون صاحب کو (سیّد) اس لئے نہیں لکھا گیا کیونکہ سادات کو اراضیات کا مالک تصور نہیں کیا جاتا تھا۔ اس لئے ان کو افغان لکھا گیا۔ راقم الحروف کے لئے اس قسم کی توجیہہ اس لئے بھی قابل قبول نہیں کہ بندوبست کے دوران مختلف اضلاع میں سادات کو نہ صرف سیری اراضیات دی گئی ہیں بلکہ اکثر علاقوں میں افغان امراء کے برابر اُن کو ملکیتی اراضیات میں بھی حصہ دیا گیا ہے۔ پیر صاحب شمشاد علی نے نہایت مہربانی سے مولانا شیخ عبدالوہاب کا ایک جدید شجرہ نسب اور ایک کتابچہ کی فوٹو کاپی عنایت فرمائی۔ یہ کتابچہ صاحبزادہ حبیب الرحمٰن (گڑیالہ مردان) کا لکھا ہوا ہے۔ موصوف نے مولانا شیخ عبدالوہاب کا نسب نامہ صفحہ ۲۷ پر اس طرح درج کیا ہے:۔

۱۔ حضرت امام حسینؓ
۲۔ حضرت زین العابدینؒ

۳۔ حضرت امام باقرؒ
۴۔ حضرت امام جعفر صادقؒ
۵۔ حضرت امام موسیٰ کاظمؒ
۶۔ حضرت امام موسیٰ رضاؒ
۷۔ حضرت علی نعتیؒ
۸۔ حضرت سید محمد تقیؒ
۹۔ حضرت سیّد حسن عسکریؒ
۱۰۔ حضرت سیّد محمد مہدیؒ
۱۱۔ حضرت سیّد محمود مکیؒ
۱۲۔ حضرت سیّد عبدالرحیمؒ
۱۳۔ حضرت سیّد امیر علی شاہؒ
۱۴۔ حضرت سیّد محمد شاہ صاحبؒ
۱۵۔ حضرت سیّد حامد شاہؒ
۱۶۔ حضرت سیّد شاہ صاحبؒ
۱۷۔ حضرت سیّد عامر شاہؒ
۱۸۔ حضرت سیّد شیر شاہؒ
۱۹۔ حضرت سیّد علی شاہؒ
۲۰۔ حضرت سیّد نور شاہؒ
۲۱۔ حضرت سیّد حسین شاہؒ
۲۲۔ حضرت سیّد جنگے اللہ دار شاہؒ
۲۳۔ حضرت سیّد معراج شاہؒ
۲۴۔ حضرت سید سراج شاہؒ
۲۵۔ حضرت سیّد اللہ داد شاہؒ
۲۶۔ حضرت سیّد کہداد شاہؒ
۲۷۔ حضرت سیّد غازی شاہؒ
۲۸۔ حضرت سیّد عبدالوہاب المعروف اخون پنجو بابا

مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) کے پانچ بیٹوں کے نام اس طرح لکھے گئے ہیں۔

۱۔ میاں سیّد عثمان
۲۔ میاں سیّد سلیمان
۳۔ میاں سیّد لقمان
۴۔ میاں سید بہاؤ الدین
۵۔ میاں سیّد فرید الدین (لاولد)

حیرت کی بات یہ ہے کہ یہ شجرہ میاں ابو خامد کی قلمی بیاض میں لکھے ہوئے شجرے سے بالکل مختلف ہے۔ جس کی بنیاد پر قاضی عبدالحلیم اثرؔ نے اخون پنجو کو تارن سادات ثابت کرنے کی کوشش کی تھی۔ اخون پنجو کے والد بزرگوار سلطان غازی بابا کوئی چھپی ہستی تو ہے نہیں کہ ان کا نسب پوشیدہ رہ سکے۔ ان کا ذکر آئین اکبری میں بھی شیخ تو سلجامی کے نام سے ہوا ہے اگر وہ سیّد ہوتے تو

ضرور لکھا جاتا کہ آپ سادات کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ سلطان غازی بابا کے بڑے بھائی خواص خان، سکندر لودھی کے امیر الامراء تھے۔ کم از کم ان کے متعلق شاہی ریکارڈ میں حوالہ ہوتا کہ وہ سادات کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اخون درویزہ ایک جید عالم، مورخ اور پیر بابا کے مرید رہے ہیں جنہوں نے بڑے شدّ و مد سے اپنی کتاب "تذکرہ" میں بے شمار علمائے کرام کا تذکرہ کیا ہے۔ بعض کو رافضی قرار دے کر اُن کے خلاف فتوے لگائے ہیں اور بعض کی تعریف کی گئی ہے۔ جن علماء کی تعریف کی گئی ہے ان میں ملا عبدالرحیم مانکراوی اور ملا عبدالوہاب مانکرادی کا تذکرہ عمدہ الفاظ میں صفحہ ۲۱۳ پر موجود ہے۔ اگر آپ سیّد ہوتے تو اخون درویزہؒ لازماً آپ کے نسب کے متعلق بھی لکھتے مگر اُنہوں نے آپ کو سیّد نہیں لکھا۔ مولانا غلام صدیق نے اپنی بیاض میں اخون پنجو کا اور اپنا شجرہ تحریر فرمایا ہے اور اس شجرے کے مطابق آپ قبیلہ گبری سواتی کی شاخ ارغشال سے ہیں جس پر گذشتہ اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔ غلام صدیق کا لکھا ہوا شجرہ درست ہے اور اس شجرہ کی مختلف شاخوں کا ذکر "تحقیق الافغان" از سمیع اللہ جان کے صفحہ ۱۳۷ پر موجود ہے اور سلطان ارغش سے اوپر سلطان شموس اور سکندر ذوالقرنین تک شجرہ اخون درویزہؒ کی کتاب "تذکرہ" صفحہ ۱۰۷ پر درج ہے۔ ان حالات میں چودھویں صدی ہجری کی آخیر میں یا پندرھویں صدی ہجری کے آغاز میں اخون پنجو کو سیّد ثابت کرنا اور پھر سادات کے مختلف گھرانوں سے منسوب کر کے کبھی "سیّد محمد طاہر" کی اولاد ظاہر کرنا اور کبھی "نقی" اور "تقی" سادات میں ظاہر کرنا حیران کن ہے اور بقول خان روشن خان مضحکہ خیز بھی ہے۔ آپ گجر ہیں نہ افغان اور نہ ہی سید آپ سلاطین پیچ کی نسل سے ہیں اور تاجک گبری سواتی ہیں۔ آپ کے خاندان کا لقب (سلطان) تھا۔

مولانا شیخ عبدالوہاب کی پیدائش اور ابتدائی تعلیم:۔

جیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ ہندوستان سے واپسی اور موضع ترکئی میں رہائش پذیر ہونے کے بعد سلطان غازی بابا نے حضرت صالح محمد صاحب (المعروف دیوانہ بابا) کی خالہ سے شادی کی تھی، جن کے بطن سے حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) ۹۳۷ھ میں موضع ترکئی میں پیدا ہوئے۔ میر احمد رضوانی صاحب نے "تحفۃ الاولیاء" میں آپ کی پیدائش کا سال ۹۴۵ھ لکھا

ہے۔ رضوانی صاحب کے مطابق آپ کی پیدائش کے سال کے دوران خشک سالی تھی مگر جس رات آپ پیدا ہوئے اللہ تعالیٰ نے بارانِ رحمت نازل فرمائی چنانچہ خان کجو اس نوزائیدہ بچے کو دیکھنے کے لئے سلطان غازی بابا کے گھر تشریف لائے۔ اُس زمانے میں یہ رسم تھی کہ اگر کسی گھر میں لڑکا پیدا ہوتا تھا تو گاؤں کے نوجوان جمع ہو کر فائرنگ کرتے اور خوشی مناتے تھے اور بچے کی پیدائش والے گھر سے صحبت کے لئے پانچ روپیہ مانگا کرتے تھے۔ جب نوجوانوں نے سلطان غازی بابا سے پانچ روپیہ طلب کیا تو وہ پریشان ہو گئے کیونکہ اُن کے گھر میں یہ رقم موجود نہ تھی، اس اثنا میں ایک مجذوب شخص آپ کے دروازے پر آیا اور بچے (اخون پنجو) کے دیدار کے بعد ایک اشرفی نذرانہ کے طور دے گیا۔ چنانچہ سلطان غازی بابا نے وہ اشرفی نوجوانوں کو صحبت کی غرض سے دے دی۔ خان کجو جب اس واقعہ سے واقف ہوا تو حکم کیا کہ آئندہ کے لئے پورے علاقہ میں بچے کی پیدائش پر پانچ روپیہ صحبت کے لئے طلب نہیں کئے جائینگے۔

میر احمد رضوانی صاحب کے مذکورہ بالا بیان اور اللہ بخش یوسفی کے بیان میں کس قدر تضاد ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ سلطان غازی بابا جیسے متقی اور عالم شخص پانچ روپیہ ٹیکس ادائیگی سے بچنے کے لئے خان کجو کے گاؤں ترکئی سے بھاگ کر پشاور منتقل ہوتا۔ قبائلی معاشرہ میں اس قسم کے رواجات نہ صرف یوسف زئی بلکہ دیگر علاقوں میں بھی مروج تھے کہ نرینہ اولاد کی پیدائش یا فصل کٹائی کے موقع پر گاؤں کے نوجوان اکھٹے ہو کر صحبت کے لئے رقم یا اناج بہ صورت جنس وصول کرتے تھے اور خوشی منایا کرتے تھے۔

سلطان غازی بابا کا موضع ترکئی سے ہجرت اور مصری پورہ میں آ کر آباد ہونے کا سبب خان کجو کی سیاسی روش تھی نہ کہ پانچ روپیہ ٹیکس کی ادائیگی۔ خان کجو اور یوسف زئی شیر شاہ سوری سے باغی تھے اور اسی بنا پر سلطان غازی بابا ۹۵۸ھ میں اسلام شاہ سوری کے عہد حکومت کے دوران ترکئی سے ہجرت کر کے مصری پورہ میں آ کر آباد ہو گئے تھے اس وقت اخون پنجو کی عمر چودہ برس تھی۔ اس زمانے میں ہمایوں کے بھائی مرزا کامران نے پشاور پر قبضہ کر لیا تھا اور قبیلہ داؤدزئی کے لوگ کامران کے حمایتی تھے اور جب مصری پورہ (موجودہ اکبر پورہ) پر داؤدزئی قبیلہ کا قبضہ ہوا

تو سلطان غازی بابا یہاں سے بھی اُٹھ کر پشاور شہر کے قریب چوہا گجر میں آباد ہو گئے اور گاؤں کے قریب دو تین سپر (کوٹھے) بنا کر قیام کیا۔ مولانا شیخ عبدالوہاب نے اپنی ابتدائی تعلیم اپنے والد اور یہاں کے ایک اور جید عالم کی سرکردگی میں حاصل کی۔ پھر ہندوستان چلے گئے اور روہیلکھنڈ میں قیام کے دوران شیخ جلال الدین محمود الفاروق تھانیسری سے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں بیعت کی۔ رضوانی صاحب نے لکھا ہے کہ شیخ جلال الدین تھانیسری کے مرید حضرت شیخ ابوالفتح کماچی جب ۹۹۳ھ میں پشاور تشریف لائے تو اکبر پورہ میں مولانا شیخ عبدالوہاب سے ملاقات ہوئی اور اسی ملاقات کے بعد شیخ ابوالفتح کماچی نے آپ (اخون پنجو) کو سلسلہ صابریہ میں خلافت عطا کی۔ مگر حلیم اثر مرحوم کے مطابق یہ درست نہیں کیونکہ مولانا عبدالوہاب (اخون پنجو) نے ۹۸۹ھ میں اخون سالاک کو اس سلسلہ میں خلافت عطا فرمائی تھی۔ (۱) اس سے ظاہر ہے کہ اخون پنجو ۹۸۹ھ سے قبل اسی سلسلہ میں خلافت حاصل کر چکے تھے۔ حلیم اثر کے مطابق ہندوستان میں قیام کے دوران ہی مولانا عبدالوہاب (اخون پنجو) نے شیخ جلال الدین محمود الفاروق تھانیسری سے بیعت کی تھی اور ۹۹۳ھ میں حضرت ابوالفتح کماچی کی پشاور آمد پر محض تبرک کے طور پر تجدید بیعت کی تھی۔

مولانا عبدالوہاب قبیلہ جدون کے پیر تھے اور سلطان محمود جدون کے ساتھ پیری مریدی کے علاوہ دوستانہ روابط بھی تھے۔ سلطان محمود جدون اپنے قبیلے کا سردار تھا اور ۱۰۰۰ھ میں دریائے سندھ کے کنارے علاقہ جدون میں آباد تھا اس کی تصدیق اخون درویزہ کی تصنیف "تذکرہ" (۱۰۲۱ھ صفحہ ۲۰۳) سے بھی ہوتی ہے جہاں اخون درویزہ نے ان دونوں بھائیوں (ملا عبدالرحیم مانکراوی اور ملا عبدالوہاب مانکراوی) کا ذکر کیا ہے کیونکہ اُس وقت یہ دونوں بھائی قبیلہ جدون کے ساتھ مانکرائے (ہری پور) میں رہتے تھے اور درس و تدریس میں مشغول تھے قبیلہ جدون کے لوگ غورغشت قبیلے کے دیگر افراد کے ساتھ اُس زمانے میں مانکرائے (ہزارہ) کے علاقے میں کاشتکاری کے سلسلے میں آکر آباد ہو گئے تھے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ

---

(۱) "روحانی رابطہ و روحانی تڑون" ص ۴۶۵ از قاضی عبدالحلیم اثر

اکبر پورہ کو ۱۰۲۱ھ کے بعد آئے ہوں گے۔ (۱)

اخون درویزہ نے ان دونوں بھائیوں کا تذکرہ اپنی تصنیف "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں نہایت عمدہ الفاظ اور عقیدت مندی کے ساتھ کیا ہے اور یہ ایک معاصرانہ تبصرہ ہے۔ (۲) اخون درویزہ کا "تذکرہ" (۱۰۲۱ھ) میں لکھا گیا ہے جبکہ اخون پنجو کی وفات ۱۰۴۰ھ میں واقع ہوئی۔ اس معاصرانہ تبصرے میں اُن کے علم اور تقویٰ پر بحث کی گئی مگر اُن کے نسب کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اگر وہ سیّد ہوتے تو اخون درویزہ ضرور لکھتے کیونکہ وہ خود بھی سیّد علی ترمذی (پیر بابا) کے مرید تھے۔

مذہبی و دینی خدمات:۔

مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) ایک جید عالم اور متشرع پیر کامل تھے۔ اور طریقہ اہلِ سنت والجماعت کے پیروکار تھے اور اسی طریقہ کی تبلیغ کرتے تھے۔ آپ نے سلسلہ چشتیہ صابریہ میں اپنے والد سلطان غازی بابا اور شیخ جلال الدین تھانیسری سے خلعت حاصل کیا اور انہی کے واسطے سے آپ شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید بھی تھے۔ آپ شرع محمدی پر سختی سے عمل کرتے تھے اور آپ کی تبلیغ کے نتیجے میں وادی پشاور اور کابل کے علاقے میں اہلِ سنت والجماعت کے عقیدے کو استحکام اور تقویت ملی حالانکہ جہانگیر اور اکبر کے دور میں اسلامی شعائر ان بادشاہوں کی لبرل پالیسی کے سبب کمزور پڑ گئے تھے اور شیعہ مذہب کا پرچار عام ہو رہا تھا، مگر آپ نے وادیٔ پشاور کے لوگوں میں اسلام کے صحیح عقائد کا شعور پیدا کیا اور مذہبی بے راہ روی کو ختم کیا۔ آپ کے بے شمار مرید اور معتقدین ہوئے جنہوں نے اسلام کی صحیح روح آپ کی وفات کے بعد بھی زندہ رکھی آپ کے مریدوں میں شیخ میاں علی، شیخ عبدالغفور (المعروف بہ بوڈا بابا)، حضرت شیخ رحمکار (المعروف بہ کاکا صاحب)، اخون سالاک کابلگرامی (فاتح ڈوماو چھانجل (پکھلی))، اخوند سباک

---

(۱) "پښتوادب تاریخ" ص ۵، و روحانی رابطہ و روحانی تڑون، ص ۴۷۹

(۲) "تذکرۃ الابرار والاشرار" از اخون درویزہ، ص ۲۱۳

برادراخون سالاک، پیر بودلی اور میاں موسیٰ بٹی کوٹ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

مولانا شیخ عبدالوہاب کے تیسرے پیر طریقت شیخ احمد سرہندی تھے جن کو مجدد الف ثانی بھی کہا جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی نے مریدوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی تھی جو اپنی عملی زندگی میں اسلامی شعائر کا مکمل نمونہ تھے۔ اور اہلِ علم اور سنجیدہ لوگ اُن کے حلقۂ معتقدین میں شامل تھے۔ امرا اور حکمرانوں کا ایک بڑا طبقہ اہلِ سنت والجماعت کا پیروکار تھا اور شیخ احمد سرہندی حضرت مجدد الف ثانی کے احکام و پند و نصائح پر پوری طرح عمل کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت اخون پنجو کی تمام زندگی اسلامی شعائر کا نمونہ رہی۔ مجدد الف ثانی کی تعلیمات کا پرچار کرتے رہے اور اپنی تصنیفات کے ذریعے بھی صحیح اسلامی عقائد کا پرچار کرتے رہے۔ امرا میں آپ کے عقیدت مندوں میں کابل کے نائب الحکومت مہابت خان، جدون قبیلے کے سلطان محمود جدون اور سلطان صدرالدین (مزار اٹک) مشہور ہیں۔ آپ کے مریدوں (اخون سالاک اور اخون سباک) نے کوہستان ہزارہ، کوہستان سوات، چلاس اور کوہستان دیر و باجوڑ میں کافروں کے خلاف جہاد کر کے اسلام کی شمع روشن کی اور ان علاقوں سے کفر والحاد کا مکمل خاتمہ ہوگیا۔ کفار کے خلاف ان جنگوں کے سبب اخون سالاک، اخون سباک، ملامست علی سکنہ شوڑتن (ہندوراج)، عمر خان سکنہ شوہ شیخ جانا، بہاکو خان خدوخیل سکنہ پنجتار، بڈوخان سکنہ رجڑ، مولانا نور محمد سکنہ کاٹنی وغیرہ کو بہت شہرت نصیب ہوئی۔ (۱)

اسی طرح جب جہانگیر بادشاہ نے ۱۰۲۶ھ میں حضرت مجدد الف ثانی کو گوالیار کے قلعے میں قید کیا تو اُن کے معتقدین امرا نے جہانگیر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا ان میں خانخاناں، خانِ اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خان، نواب مہابت خان حاکم کابل، تربیت خان، خانجہاں لودھی، سکندر خان، حیات خان اور دریا خان شامل تھے۔ سب نے نواب مہابت خان کو

---

(۱) "روحانی رابطہ و روحانی تڑون" ص ۴۹۷ از قاضی عبدالحلیم اثر، تاریخ مرصع از افضل خان، ص ۵۹۰، عالمگیر نامہ، ص ۴۲ - ۱۰۴۱، "یوسف زئی پٹھان" از اللہ بخش یوسفی، ص ۳۰۶/۷

اپنا سردار بنایا۔ نواب مہابت خان نے بدخشان، خراسان اور توران کے بادشاہوں سے بھی مدد مانگی اور ایک لشکر جرار تیار کر کے جہانگیر پر چڑھائی کردی۔ جنگ ہوئی اور جہانگیر، اس کا وزیر اعظم آصف جاہ اور ملکہ نور جہاں قید ہوئے نواب مہابت خان ان کو سزا دینے والے تھے کہ اسی اثنا میں حضرت مجدد الف ثانی کی طرف سے ان سب زعما کو خطوط ملے جن میں تاکید کی گئی تھی کہ بادشاہ کی اطاعت قبول کر کے اُسے رہا کر دیا جائے۔ اس قسم کا ایک خط اخون پنجو کے نام بھی تھا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نواب مہابت خان اور دیگر امراء پر اخون پنجو کا بڑا اثر تھا اور یہ لوگ ان کے معتقد تھے۔ یہ آپ ہی کا فیضان کرم تھا کہ اخون سالاک نے بہ نفسِ نفیس قلعہ چھانجل (چھاچل) پر حملہ کر کے قبیلہ سواتی کو پکھلی کے شمالی علاقہ پر قابض کرا دیا اور بعد ازاں میدان پکھلی (گلی باغ) پر حملہ اور قبضہ آسان بنادیا (۱) اور یہ بھی آپ کے مرید کی دعا کا نتیجہ تھا کہ قبیلہ تنولی کی چار ہزار کی جمعیت نے ڈوما کفار اور پکھلی کے ترک حکمرانوں کے ملے جلے لشکر کے ۱۲ ہزار جوانوں کو شکست دی اور علاقہ تناول پر قبیلہ تنولی کا قبضہ ہوگیا (۲)۔ ان تمام فتوحات کے پس پردہ مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) کی روحانی قیادت کارفرما تھی جس کے باعث ان علاقوں میں کفار ختم ہوئے اور ان کی مدد کرنے والی قوتیں بھی دم توڑ گئیں اور صوبہ سرحد کا تمام علاقہ بشمول پہاڑی ڈرے اور علاقہ غیر قبائلی علاقہ جات اور کابل میں صحیح اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور درس و تدریس کے ذریعے تین سو سے زائد علماء کا بیڑہ تیار کیا (۳) جنہوں نے زہد و تقویٰ کے عملی نمود کے ساتھ اہلِ سنت والجماعت کے عقائد کو عام کیا جس کے باعث نہ صرف صوبہ سرحد اور افغانستان بلکہ پنجاب اور ہندوستان بھی رافضی اور لبرل عقائد سے بچ گئے۔ آپ کے مریدوں نے عملی جہاد میں حصہ لیا اور اس کے ساتھ اسلامی عقائد کو صحیح اسلامی تفکر اور روح کے ساتھ پیش کرنے کے لئے اشاعت سے بھی کام لیا اور بلند پایہ کتب فقہ بھی تصنیف کیں۔ اخون سالاک کی فتویٰ عربیہ ایسی

---

(۱) عالمگیر نامہ صفحہ ص ۴۲-۱۰۴۱ اور یوسف زئی پٹھان از اللہ بخش یوسفی صفحہ ۷-۳۰۶

(۲) تاریخ تناولیاں از سید مراد علی، ص ۹

(۳) "روحانی رابطہ و روحانی تڑون" ص ۵۰۰ - ۴۹۹ از قاضی عبدالحلیم اثر

مستند کتاب تھی جس سے اسماعیل شہید اور سید احمد شہید بھی رہنمائی حاصل کرتے رہے اور علاقہ پشاور میں اس کے مطابق فیصلے صادر کرتے رہے۔ اخون پنجو اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتے تھے اور احکامِ شرع میں کسی قسم کی فرد گذاشت کو برداشت نہ کرتے تھے، مگر انہوں نے اخوند درویزہ کی طرح اپنے نظریات سے مخالف علماء پر کفر والحاد کے فتوے نہیں لگائے اور نہ ہی افغان علماء کو کم علم اور جاہل بے علم کہا ہے۔ آپ کی زبان وعمل نے ہمیشہ حق کا ساتھ دیا اگر چہ اس سے حکومت وقت کے دست پروردوں کو بعض اوقات پریشانی کا سامنا کرنا پڑا۔

****

باب اول　　　　فصل سوم

حضرت اخون درویزہؒ

پیدائش ۹۵۶ھ　　　　وفات ۱۰۴۸ھ

نسب وابتدائی زندگی:۔

آپ نے اپنا شجرۂ نسب اپنی تصنیف تذکرۃ الابرار والاشرار کے صفحہ ۱۰۷۔۱۰۶ پر درج کیا ہے۔ والد ماجد کا نام گدائی اور دادا کا نام سعدی تحریر فرمایا ہے اور اپنی والدہ محترمہ کا شجرہ نسب درج کر کے ماں کی طرف سے سلاطین بلخ سے ظاہر کیا ہے۔ آپ کی والدہ محترمہ سلطان بہرام برادر سلطان فلکیل کی اولاد سے تھی جو ننگرہار، لغمان اور کشمیر کا فاتح حکمران تھا۔ آپ کے دادا کو ننگرہار میں امیر قودانی کے لشکریوں نے شہید کر دیا تھا اس لئے آپ کے والد ماجد ننگرہار سے کوچ کر کے چغرزئی کے علاقے میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ آپ کو بچپن ہی سے علم کا شوق تھا۔ آپ لکھتے ہیں کہ معرفت الٰہی اور قیامت کا خوف آپ کو بچپن ہی سے پریشان رکھتا تھا اور آپ بسا اوقات روتے رہتے تھے آپ کی والدہ محترمہ بھی آپکے اس حال سے پریشان رہتی تھی۔

آپ کو ابتداء میں مولانا حضرکی شاگردی میں دیا گیا جو سید محمود ولی بخاری کی نسل سے تھے۔۔ آپ کی قوت حافظ بہت تیز تھی اور بہت جلد آپ نے قرآن شریف حفظ کر لیا اور ابتدائی کتابوں کا مطالعہ بھی مکمل کر لیا۔ اس کے بعد آپ مولانا جمال الدین ہندوستانی کی خدمت میں سات برس تک رہے اور علوم متداولہ کی تعلیم مکمل کی۔ لیکن آپ کا اضطراب اور روحانی پریشانی باقی رہی اور ملا سنجر کی وساطت سے سید علی ترمذی (پیر بابا) کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا مافی الضمیر بیان کیا۔ حضرت سید علی ترمذی نے فرمایا بغیر شیخ کامل کے انسان ضلالت کے گھڑے میں بھی گر سکتا ہے۔ سید علی ترمذی نے آپ کو توبہ کرائی۔ نماز باجماعت کا حکم دیا اور دیگر واجبات و سنت پر قائم رہنے کی تلقین فرمائی اور طریقۂ چشتیہ نظامیہ میں داخل کیا اور تصوف کی تعلیم بھی فرمائی۔

آپ سید علی ترمذی (المعروف پیر بابا) کی خدمت میں تقریباً تیس سال رہے اور اُن کی ہدایت کے مطابق سفر بھی اختیار کیا اور قاشقار (چترال) سے کشمیر تک سیر کی اور دوران سفر علماء وفقراء سے ملاقاتیں کیں۔ جب واپس آئے تو حضرت پیر بابا نے آپ کو سلسلہ چشتیہ سہروردیہ کبرویہ اور شطاریہ میں ماذون فرمایا۔ آپ کے دور میں رفض والحاد پھیل رہا تھا اس لئے آپ نے بڑی دلیری سے ان خیالات کے پیرووں اور تابعین کا مقابلہ کیا۔ مباحثے کئے اور اُن کی غلط روش کو عوام الناس کے سامنے پیش کر کے اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا پابند بنایا۔

آپ نے جن بے عمل علماء اور رافضی پیروں (بقول اُنکے) کے خلاف اعلانیہ جہاد کیا اُن کے نام یہ ہیں۔ بقول اخون دریزہ، پیر پہلوان، بابا قلندر، پیر طیب خلجی، پیر ولی، کریم داد، ملا رکن الدین، شیخ حسن تیراہی، خواجہ خضر افغانی، حاجی محمد، حاجی عمر غوری خیل، شیخ قاسم غوری خیل، (بایزید انصاری= پیر تاریک) یہ لوگ اخون درویزہ کی نظر میں بدعتی رافضی اور ملحد تھے۔ ان کا تذکرہ بڑی شدومد سے تذکرہ الابرار میں کیا گیا ہے۔ اور ان کے خیالات وعقائد پر کڑی تنقید کی گئی ہے۔ آپ عالم باشرع تھے اور خلاف شریعت زندگی گذارنے والوں کو ملعون سمجھتے تھے۔ آپ نے تذکرۃ صفحہ ۱۰۰ پر لکھا ہے:۔

"اولیاء الله را کشف و کرامات باشد اما دعوی نمی
باشد چه ایشاں مامور به اختیار اند۔"

آپ وسیع علم اور تیز ذہن کے مالک تھے۔ آپ نے حضرت بایزید انصاری کی انتہائی مخالفت کی مگر اُن کی استدراجی قوت کا بھی اعتراف کیا اور لکھا کہ ہزاروں لوگ اس پر قربان ہونے کو تیار ہو جاتے تھے۔ اور اُس نے اپنے پیروکاروں کی ایک نیم فوجی تنظیم بنائی تھی اور اپنی فصیح البیانی کے باعث وہ اپنے عقائد کی پرچار کرتا تھا۔

تصانیف:

آپ نے مندرجہ ذیل کتابیں تصنیف کی ہیں۔

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار:۔

اسمیں علماء و پیران حق اور ملحدین کا ذکر موجود ہے اور افغانوں کی تاریخ پر بحث کی گئی ہے۔

۲۔ ارشادالطالبین:

اس میں توحید، ایمان، نماز کے فضائل، پیر کامل کی پہچان علم اور ذکر الٰہی کے متعلق بیان ہیں۔ اخلاقیات اور صبر و تحمل پر بحث بھی شامل ہے۔

ان کے علاوہ ارشادالمریدین، مخزن الاسلام، شرح اسماء الحسنٰی بھی لکھیں آپ کی کتاب (تذکرۃ الابرار والاشرار) میں سواتیوں کے متعلق خصوصاً سلطان بہرام اور سلطان فکهل پر تبصرہ موجود ہے اور مولانا عبدالوہاب (اخون پنجو) اور اُن کے بھائی ملا عبدالرحیم مانکروی پر بھی تبصرہ موجود ہے آپ نے بڑی بیباکی سے سوات کے باشندوں (یوسف زیئوں) کی بے راہ روی پر بحث کی ہے۔

آپ نے سوات کا ذکر کرتے ہوئے سید علی ہمدانی ؒ کے متعلق اپنی تصنیف (تذکرۃ) صفحہ ۱۰۸ پر تحریر فرمایا ہے۔

"سماع است حضرت سید علی همدانی سه بار از
مشرق تا مغرب عالم را سپر کرده امادر آں زمان
که از جانب کشمیر توجه ایں حدود نموده قدمی
مبارك بر کوتل شاه کوٹ نهاده چوں برسر کوتل
رسید برگشت که بوئے خمر به مشام طیب الیشان
رسیده ازاں سبب مردم صوات به لقائے شریف او
مشرف نه شدند"

ترجمہ:

سنا ہے کہ حضرت سید علی ہمدانی نے تین بار مشرق تا مغرب دنیا کی سیر کی اور جب کشمیر سے سوات کو آنے لگے تو کوتل شاہ کوٹ کے سر پر پہنچ کر واپس ہو گئے کیونکہ اُن کے مشام پاک پر

شراب کی بو لگی اور اس طرح سوات کے لوگ ان کے دیدار
سے محروم ہو گئے۔

سید علی ہمدانی کے اپنے خط (جو انہوں نے سوات کے سلطان علی الدین کے نام لکھا تھا اور جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں سید علی ہمدانی کے باب میں ہو چکا ہے) میں بھی سوات کے لوگوں کی بد اعتقادی کا ذکر موجود ہے مگر ساتھ ہی ساتھ سید علی ہمدانی نے بہ روش حسین ابن علی تبلیغ دین کے سلسلے میں سوات میں قیام کرنے کا ذکر بھی کیا ہے اور سوات میں قیام سے روگردانی نہیں کی ۔اخون درویزہ کا یہ بیان کہ سید علی ہمدانی کوتل سر سے واپس ہو گئے درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ سید علی ہمدانی کے سلاطین سوات کے ساتھ اچھے مراسم تھے جن کا ذکر ان کے باب میں بالتفصیل کر دیا گیا ہے۔

اخون درویزہ کی تصنیف "تذکرۃ الابرار والاشرار" جہاں بیش بہا تاریخی مواد فراہم کرتی ہے وہاں اُن کے دینی عقائد کی تشہیر بھی کرتی ہے۔ آپ اہل سنت والجماعت کے پیروکار ہیں اور اس مسلک کے مخالفین کو کافر گردانتے ہیں چنانچہ آپ کی بیباک تحریروں میں مخالف اعتقاد رکھنے والوں کے لئے کفر والحاد سے کم فتویٰ دکھائی نہیں دیتا۔

اخون درویزہ و یوسف زئی افغان:۔

اخون درویزہ فرماتے ہیں

"افغانان مردم نفسانی اند ــــ بادشا هے و یا امیرے از اطراف عالم برایشان رسد و جامه وطعام را بدیشان رسانند همگی اولس خود را بغلامی او اقرار دهند"۔

آپ کا یہ تبصرہ ہی انگریز حکمرانوں کے لئے مشعل راہ رہا جس کے سبب انگریزوں نے بھی اپنی تحریروں میں افغانوں کے متعلق اسی قسم کا تجزیہ کر کے ان کے علاقوں میں تقسیم زر سے کام لے کر اپنے مقاصد حاصل کئے آپ افغانوں کی سیاسی زندگی کے ہر واقعہ کو خدا اور رسول کی

فرمانبرداری یا اُس سے فرار سے منطبق کر کے اخلاقی نتائج اخذ کرتے ہیں۔ یوسفزئیوں کی کابل کے گرد و نواح میں دست درازیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مرزا الغ بیگ سے جنگ جیتنے کے بعد (جنگ غوڑہ مراغہ) یوسف زئی اور بدمست ہو گئے۔ مرزا الغ بیگ نے ان کو دعوتوں پر مدعو کیا۔ انعام و اکرام دیئے مگر گگیانی سردار جس کا نام جنگی تھا، کی ایما پر مرزا الغ بیگ نے ان کے تمام سرداروں کو قتل کر دیا۔ ملک سلطان شاہ کو مرزا الغ بیگ کے سامنے پیش کیا گیا جس نے دو عرض داشتیں مرزا الغ بیگ کو پیش کیں۔ ایک یہ کہ برادرزادہ ملک احمد کو قید سے رہا کیا جائے اور اُس کو قتل نہ کیا جائے اور دوسرا یہ کہ یوسف زئیوں کی عورات و اطفال و قوم کو قید نہ کیا جائے اور ان کو اجازت دی جائے کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔ مرزا الغ بیگ نے سلطان شاہ کی یہ عرض داشتیں منظور فرمائیں اور ایسا ہوا کہ ملک احمد کی سرداری میں قبیلہ یوسف زئی مملکت سوات، باجوڑ، بنیر کا مالک بن گیا۔ القصہ باقی ماندہ یوسف زئی کابل سے ننگرہار چلے آئے اور ترکلانی قبیلہ کے لوگوں نے لغمان میں سکونت اختیار کی۔ کچھ عرصہ بعد محمد زئیوں اور یوسف زئیوں میں اختلاف پیدا ہوئے اور موضع حصارک میں ان کے مابین سخت جنگ ہوئی جس میں یوسف زئیوں کو فتح ہوئی۔ چونکہ افغانوں میں دستور تھا کہ مغلوب لوگوں کو ان کا علاقہ واپس کر دیتے تھے۔ اس دستور کے مطابق یوسفزئیوں نے ننگرہار مہمند زئیوں کے حوالے کر دیا اور خود باجوڑ میں آ گئے۔ مگر وہاں بھی قرار نہ پایا اور وہاں سے آکران کے سرداروں نے دلازاک سرداروں سے دوآبہ کا علاقہ مانگا اور موضع سفید سنگ میں مقیم ہو گئے۔ دلازاکوں سے بھی ان بن ہو گئی اور جنگ ہوئی دلازاکوں کو شکست دیکر یہ شلمان کے علاقے میں آ گئے اور بعد میں دلازاکوں سے دوستی پیدا کر کے پشاور کا رخ کیا۔ افغانوں میں دلازاک قبیلہ سب سے پہلے ان اطراف میں آیا تھا اُن کے بعد یوسف زئی آئے اور دوآبہ میں مستقر رکھا۔ بعد میں شلمانیوں سے جو اشغر میں سکونت رکھتے تھے، نبرد آزما ہوئے اور فتح یاب ہوئے شلمانیوں کا سردار جس کا نام جلو تھا مارا گیا اور باقی شلمانی سوات کی طرف فرار ہو گئے، جہاں اللہ ڈھنڈ میں سوات کے سلطان نے ان کو بسا دیا۔ یوسف زئیوں نے اشغر پر قبضہ کر لیا۔ تو ان کے اور دلازاکوں کے مابین پھر عداوت پیدا ہو گئی چونکہ پشاور کی وادی میں حکومت دلازاکوں

کی تھی وہ راہ زنی اورلوٹ مار کرتے تھے اوراس سے یوسف زئی اولس بہت پریشان تھی ملک احمد نے محی (خشی) قبیلے کے لوگوں سے مدد طلب کی اور انہوں نے اس شرط پر امداد کا وعدہ کیا کہ فتح کے بعد اشنغر کا علاقہ اُن کو تفویض کیا جائے اور گگیانی قبیلہ کے لوگوں نے بھی مدد کی اس شرط پر کہ دوآبہ کا علاقہ اُن کو دیا جائے۔ یوسف زئی متفق ہو گئے فوج اکٹھی ہوئی دلازاکوں پر حملہ ہوا۔ پہلا شخص جس نے رودگدر کو عبور کر کے زنگی دلازاک کے بیٹے کو قتل کیا، بشرین پسر علی اسماعیل زئی تھا۔ مردم دلازاک کو شکست ہوئی بابر بادشاہ نے بھی دلازاکوں پر حملہ کیا تھا۔شاہ بوڑی دختر عبدالرحمٰن دلازاک لڑتے ہوئے بابر کے سپاہیوں کے ہاتھوں قتل ہوئی تھی۔ دلازاک ہزارہ کی طرف فرار ہو گئے اور اُس علاقے کو ویران کر دیا۔اس کے بعد مردم یوسف زئی نے ملک سوات کا قصد کیا اور کوتل شاہ کوٹ کے دامن میں ڈیرے ڈالے۔سواتیوں نے کوتل شاہ کوٹ کے علاوہ دیگر چوکیوں کو محفوظ کرنے کی پروانہ کی چنانچہ یوسف زئیوں نے اپنی عورتوں کو شوروغل اور سواتیوں کو دشنام دینے پر مامور کیا اور خود رات کو کوتل مالاکنڈ سے چڑھ کر سوات میں داخل ہو گئے اور سوات فتح کر لیا۔اُس کے بعد باجوڑ اور تالاش کا رخ کیا۔

بالآخر اخون درویزہ فرماتے ہیں:۔

"الغرض ایں ہر دم یوسف زئی از اول تا آخر مردم جنگی و مردم سنی بودند۔ در اکثر محاربات فتح ایشاں رابودہ و اہل و عیان ایشاں ہر گز بہ بند نہ رفتہ زیرا کہ دو کار از دست ندادہ بودند۔ اول۔۔۔۔۔ رفض والحاد و زندیقی و بدعت مودی بکفر درمیان ایشاں بنودہ ونہ رافضے و ملحدو زندیق را جائے میداودند۔ (۱)

اس کے بعد اخون درویزہ یوسف زئیوں اور غوریا خیل کے مابین جنگ کا ذکر کرتے ہین۔اس اجمالی تبصرہ میں تاریخ وار اور ترتیب وار یوسف زئیوں اور دیگر قبائل کا ذکر موجود ہے۔ جس کی تصدیق دیگر کتب تواریخ سے بھی ہوتی ہے۔

---

(۱) تذکرۃ الابرار والاشرار، ص ۹۶۔۹۳

یوسف زئیوں کے متعلق لکھی جانے والی تواریخ، اخون درویزہ کے "تذکرۃ" کے بعد لکھی گئی ہیں جن کا ماخذ "تذکرۃ" ہی رہا ہے۔اور اگر یوسف زئیوں کے اپنے مورخین نے بھی ان واقعات کو منضبط کیا ہے تو کم از کم ان کی صحت کی تصدیق "تذکرۃ" سے ہی ہوتی ہے۔اسی طرح سواتیوں کے جد، سلطان فکہل اور سلطان بہرام کے متعلق تبصرہ بھی صحت مند معلومات پر مبنی ہے جو بعد میں میجر راورٹی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ان کی تحریر کردہ تاریخی معلومات محض سنی سنائی باتیں نہیں اگرچہ اُنہوں نے ہر واقعہ بیان کرتے وقت "سماع است" سے ابتداء کی ہے۔مگر ان زبانی روایات کو اخون درویزہ نے تاریخی حقائق سے موازنہ کے بعد واقعات کا اندراج کیا ہے۔اس لئے آپ کا "تذکرۃ" محض موضوعی روایات کا مجموعہ نہیں بلکہ تاریخی صداقت کا حامل ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت اخون سالاک کا بلگرامیؒ

تاریخ پیدائش   تاریخ وفات ۱۰۶۷ھ - ۱۶۵۸ء

ابتدائی حالات اور نسب:۔

آپ کا اصل نام اکبر شاہ المعروف بہ اخون سالاک ہے عالمگیر نامہ میں آپ کا نام ملا چالاک درج ہے۔ آپ کا دوسرا بھائی پیر سباک کے نام سے مشہور ہے۔ اُس کا اصل نام پیر عمر ہے۔ دونوں بھائی حضرت مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف اخون پنجو بابا کے مرید تھے۔ آپ نسباً درانی (ابدالی) افغان ہیں۔ آپ کا شجرہ نسب جو آپ کا خود مرتب کردہ ہے۔ خان روشن خان نے اپنے مقالہ "افغانوں کی نسلی تاریخ" کے صفحہ ۵۶ پر درج کیا ہے۔ آپ ایک سو پندرہ پشت میں یہود ابن حضرت یعقوبؑ تک پہنچتے ہیں۔ آپ خود بھی ماہر انساب تھے اور آپکی تصانیف میں (بحرالانساب) نامی کتاب کافی شہرت کی حامل ہے۔ اخون سالاک کا شجرہ خان روشن خان نے یوں نقل کیا ہے:۔

قیصر شاہ بن عبدالرحمان بن ملک امان شاہ بن شاہ حسین بن میاں اعظم شاہ بن محمد صفا بن محمد اولیاء اخون اشرف بن اکبر شاہ معروف بہ اخون سالاک۔

یہ شجرہ خان روشن خان کو ایک کتابچہ کی شکل میں اس خاندان کی ایک خاتون مسماۃ بی بی حمزہ بنت نور احمد شاہ ساکن کھکھو ضلع ہزارہ سے ان کے داماد ڈاکٹر غلام سرور غیاث کی وساطت سے ملا ہے۔

علماء اور شیوخ کے دو گروہ:۔

اخون سالاک اور ان کے بھائی اخون سباک، اخون درویزہ کے مخالف گروپ میں تھے۔ اخون درویزہ اپنی تصنیف تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

"تا روزے پیر عمر و پیر چالاک ہر دو برادر را پیران افغانان خطک رسیدہ بودند و مردم ایں دیار خواستند کہ ایشاں را و شیخنا را یکجا سازند۔۔۔ حضرت شیخنا سکوت ورزیدہ بقصد انکہ از جاہل بے علم چہ پرسم۔۔۔ حضرت شیخنا بر محض سفاہت وضلالت او تبسم نمودہ"

ترجمہ:

"حتیٰ کہ ایک دن پیر عمر و پیر چالاک دونوں بھائی جو خٹک افغانوں کے پیر ہیں اس حدود (بنیر) میں آئے اور یہاں کے لوگ چاہتے تھے کہ ان کو اور میرے شیخ (پیر بابا) کو مباحثہ کے لئے اکٹھا کریں۔ میرے شیخ (پیر بابا) نے خموشی اختیار کی اور اس خیال سے کہ جاہل بے علم سے کیا پوچھوں۔ اُن کی سفاہت اور ضلالت پر مسکرائے"۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ پیر بابا اور اُن کے خلیفہ اخون درویزہ کے اخون پنجو اور اُن کے خلفاء اخون سالاک اور اخون سباک سے اچھے مراسم نہ تھے۔ صوبہ سرحد میں اُس وقت علماء اور صوفیاء کرام کے دو دھڑے موجود تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ پیر بابا سلسلۂ چشتیہ نظامیہ اور مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے پیروکار تھے اور عقائد کے اعتبار سے دونوں ایک ہی مسلک (اہل سنت والجماعت) سے تعلق رکھتے تھے (۱) مگر سیاسی اعتبار سے یہ دونوں الگ الگ گروپوں سے وابستہ تھے۔ حضرت پیر بابا مغل حکمرانوں کے بہی خواہ تھے جبکہ اخون پنجو افغانوں کے طرف دار سمجھے جاتے تھے۔

مغلیہ دور میں ان روحانی اکابرین اور علماء دین کو دو گروپوں میں تقسیم کرکے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کیا گیا اور دین کے نام پر افغانوں میں تفرقہ ڈال کر اُن کی تحاریک کو کچلا گیا۔ تحریک روشنائی اس کا بین ثبوت ہے بایزید انصاری (پیر روشنائی) کے والد شیخ عبداللہ

---

(۱) "روحانی رابطہ وروحانی ترون" از قاضی عبدالحلیم اثر افغانی مرحوم ص

انصاری جالندھر میں لودھی حکومت کی طرف سے قاضی القضاۃ کے عہدے پر متمکن تھے اور لودھی حکومت کے خاتمے کے بعد اپنے وطن کانیگرم واپس آ گئے تھے۔ بایزید انصاری (پیر روشنائی) اور اُسکے فرزندان آخر دم تک مغلوں کے خلاف تھے اور افغانوں کو متحد کرنے اور مغلوں کے خلاف نبرد آزما ہونے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی اگرچہ بالآخر سید علی ترمذی (پیر بابا) اور اُن کے خلفاء کا مقابلہ نہ کر سکے اور ان پر بے دینی اور بدعت کے فتوے لگائے گئے۔ پیر روشنائی کو پیر تاریک کے خطاب سے نوازا گیا۔

مغلوں اور افغانوں کی نسلی عصبیت شروع سے چلی آ رہی تھی اور ان کے دست پروردہ علماء و مشائخ بھی انہی دو گروہوں میں تقسیم تھے۔ لودھیوں کے دور میں خواص خان (ارغشال سواتی) برادر سلطان غازی بابا، سکندر لودھی کا امیر الامرا تھا اور شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اپنے مکتوبات میں ایک مکتوب خواص خان کے نام بھی لکھا تھا۔ (۱) سلطان غازی بابا لودھیوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد سنبھل (روہیلکھنڈ سے موضع ترکئی ضلع مردان منتقل ہو گیا تھا۔ اور مولانا شیخ عبدالوہاب موضع ترکئی (مردان) میں ہی پیدا ہوئے تھے جو بعد میں چوہا گجر اور اُس کے بعد اکبر پورہ منتقل ہوئے۔ اخون سالاک اور اخون سباک، مولانا شیخ عبدالوہاب کے مریدان خاص میں تھے۔

اس کے برعکس اخون درویزہ، سید علی ترمزی (پیر بابا) کے مرید تھے، حضرت پیر بابا سید قنبر علی کے فرزند تھے جن کو ہمایون اپنے ساتھ ہندوستان لے گیا تھا مگر شیر شاہ سوری کے ہاتھوں فرار کے بعد، سید قنبر علی دہلی سے واپس اپنے وطن قندوز واپس آ گئے تھے اور بعد میں اکبر اعظم کے دور میں حضرت سید علی ترمذی (پیر بابا) قندوز سے بنیر منتقل ہو کر یہاں یوسف زئیوں میں قیام پذیر ہو گئے تھے۔ سید علی ترمذی (پیر بابا) چشتیہ نظامیہ شاخ کے پیروکار تھے۔ جبکہ مولانا شیخ عبدالاوہاب (اخون پنجو) چشتیہ صابریہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور دونوں اہل سنت والجماعت کے

---

(۱) "روحانی رابطہ و روحانی ترون" مصنف عبدالحلیم اثر افغانی، ص ۴۹۳

مذہبی عقیدے کے پابند تھے۔ مگر ہر دو کے سیاسی رجحانات یا سیاسی ترجیحات الگ الگ تھیں۔

الغرض اخون سالاک ایک جید عالم، مصنف اور مورخ تھے۔ عبدالحلیم اثر افغانی اپنی تصنیف (روحانی رابطہ و روحانی ترون) (بہ زبان پشتو) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

" کوہستان ابا سندھ اور سوات کوہستان وغیرہ علاقوں میں جہاد کرنے کے سلسلے میں اخون پنجو بابا کے مریدوں میں اخون سالاک کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ آپ عالم و فاضل، ادیب و مورخ بھی تھے ۔ انکی تالیفات میں فتویٰ عربیہ۔ بحرالانساب وغیرہ زیادہ مشہور ہیں"۔

حضرت اسماعیل شہید نے جب وادئی پشاور میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی تو وہ اکثر شرعی فیصلے فتویٰ عربیہ کے مطابق صادر کیا کرتے تھے۔ آپ کا تذکرہ اخون درویزہ کی کتاب " تذکرۃ الابرار والاشرار" پیر احمد شاہ رضوانی کی تصنیف تحفۃ الاولیاء "، "تاریخ مرصع"، تالیف افضل خان "پختانہ مورخان "از عبدالحلیم اثر میں موجود ہے۔ اسکے علاوہ اعجاز الحق قدوسی کی تصنیف " تذکرۃ الصوفیائے سرحد" میں بھی اخون پنجو کے ضمن میں بھی آپ کا تذکرہ موجود ہے۔

اخون سالاک اور یوسف زئی افغان:۔

میر احمد شاہ رضوانی صاحب نے اپنی تصنیف "تحفۃ الاولیاء ص ۱۳ پر لکھا ہے:۔

"اخون سالاك صاحب به اجازت پیر پنجو برائے، جهاد کفار کوهستان شمال به علاقه یوسف زئی روانه شد. پیر در حق ایشاں دعا کرد۔۔۔ و فرمود که دریں خصوص از شیخ رحمکار صاحب نیز استمداد بکند۔ اخوند سالاك صرف با دو نفر از اکبر پوره روانه شده بخدمت شیخ رحمکار المعروف به کاکا صاحب آمده اظهار مافی

الضمیر کرد۔ آنجناب ایشاں را مرید خود فقیر جمیل بیگ
روانه کردند که پیش رفته استمداد همت کند"

مفہوم:۔

اخون سالاک پیر بنجو کی اجازت سے شمالی کوہستانی (یوسف زئی کے شمالی کوہستان) کے کفاروں کے خلاف جہاد کے لئے روانہ ہوا۔ پیر نے دعا فرمائی۔ ایک گھوڑا اور خنجر عطا کی اور ہدایت کی وہ شیخ رحمکار (کاکا صاحب) سے بھی مدد حاصل کریں جنہوں نے اپنا ایک مرید جمیل بیگ آپ کے ساتھ بھیجا۔

اس دور میں یوسف زئیوں کے حالات خراب ہونے لگے تھے اور اخون پنجو نے یوسف زئیوں کی مدد کے لئے اخون سالاک کو بہا کو خان خدوخیل کی مدد پر مامور کیا جو ڈوما کفار (تاتاری النسل کفار) کے علاقوں پر قبضہ کا خواہشمند تھا تاکہ دریائے سندھ کے کنارے کوہستان سوات اور کوہستان ہزارہ سے کفار کو نکال کر یوسف زئی قبائل اس علاقے میں بسائے جائیں۔ ساتھ ہی ساتھ قبیلہ سواتی کے لوگ جو اُس وقت چکیسر اور غوربند کے پہاڑی علاقوں میں رہتے تھے ان کا انخلا بھی مطلوب تھا ڈوما کفار دریائے سندھ کے دونوں کناروں کے پہاڑی علاقوں پر صدیوں سے بااختیار آزاد حکمران چلے آرہے تھے۔

موضع کا بلگرام میں قیام اور کفار کے خلاف جہاد کا آغاز:۔

اخون سالاک ایک جید عالم اور بلند پایہ روحانی شخصیت تھے۔ آپ علاقہ چغرزئی کے موضع کا بلگرام آکر آباد ہوگئے اور یہاں ہی درس وتدریس اور اشاعت دین کا سلسلہ شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں معتقدین اور مریدوں کی ایک کثیر جماعت تیار کرلی۔ ان میں تنولی، سواتی اور یوسف زئی شامل تھے۔ چنانچہ آپ نے کفار کے خلاف علم جہاد بلند کردیا۔ قبیلہ تنولی کے مولوی محمد ابراہیم آپ کو کچھ دنوں کے لئے عشراہ لے گئے اور وہاں ممارا خان اور چاڑا خان نے آپ کی بڑی خاطر تواضع کی۔ تنولیوں نے دریائے سندھ کے مشرق میں ڈوما کے علاقے پر حملہ کا پروگرام

بنایا۔ اخون سالاک نے ان کے حق میں دعا کی اور رخصت کردیا۔ چنانچہ تنولیوں نے چار ہزار کی جمعیت سے ڈوما کے بارہ ہزار لشکر کو شکست دے دی اور موجودہ علاقہ تناول پر پیش قدمی کرکے ۱۶۴۴ء میں قبضہ کرلیا۔ اس حملے میں ڈوما کفار کی مدد کے لئے پکھلی سرکار کے ترکوں کا لشکر بھی آیا تھا اس لئے اخون سالاک نے ڈوما کے مزید مشرقی علاقے پر حملے سے قبل ترکوں کی پیش بندی کی غرض سے سواتیوں اور یوسف زئیوں کا لشکر لے کر پانچ ہزار کی جمعیت سے بذات خود قلعہ چھاچل (چھانجل) نزد تھاکوٹ پر حملہ کردیا۔ شمالی علاقہ میں ترکوں کا یہ مظبوط قلع تھا جس سے پکھلی سرکار کا شمالی علاقہ کنٹرول کیا جاتا تھا۔ قلعہ فتح ہوا اور شمشیر ترک جو سلطان شادمان پکھلی وال کا گماشتہ اور قلعہ دار تھا، کو شکست دے کر قلعہ مسمار کردیا اور پکھلی کے تمام شمالی علاقے پر قبیلہ سواتی کا قبضہ ہوگیا۔ جو سوات کے پہاڑی دروں سے منتقل ہوکر بمعہ اہل وعیال اس مفتوحہ علاقے میں آکر آباد ہوگئے۔ اُس کے بعد یوسف زئیوں کی کاروائیاں اخون سالاک کی قیادت میں کالا ڈھاکہ کے مغربی حصہ اور مہابن کے دامن میں علاقہ مداخیل اور امازئی میں شروع ہوگئیں اور تھوڑے ہی عرصہ میں مہابن اور کالا ڈھاکہ کا علاقہ یوسف زئیوں کے قبضہ میں آگیا۔ دریائے سندھ سے مشرق کی طرف حسن زئی ملی زئی چغرزئی بسی خیل ونصرت خیل وغیرہ آباد ہیں جبکہ دریائے سندھ کے مغرب میں مہابن کے دونوں طرف امازئی اور مداخیل آباد ہیں۔ اس طرح اخون سالاک کی جہادی سرگرمیوں کے نتیجہ میں قبیلہ تنولی اور قبیلہ سواتی کے علاوہ یوسف زئیوں کی بڑی تعداد ڈوما کفار اور سواتیوں کے مقبوضہ علاقوں چکیسر، غوربند، کا بلگرام اور الپوری کی حدود میں آباد ہوگئے۔

قلعہ چھانجل پر حملہ:۔

عالمگیر نامہ میں قلعہ چھاچل (چھانجل) پر حملے کا ذکر مندرجہ ذیل الفاظ میں موجود ہے۔

"بہا کوئے شقاوت خوئے که سر گروه آں جمع بے راه روئے
بود محرك به سلسله فساد گشت ---- ونخست ملا چالاك
که از ملایان بے نام و نشان ---- بصلاح دید بهاکو خان فساد

اندیش باپنج هزار کس از افغانان یوسف زئی بر سر قلعه چهاچل که در حدود پکهلی است رفته قلعه مذکورا که شمشیر نام گماشته شاد مان مر زبان آنجا دراں بود۔۔۔۔ متصرف شد ۔۔۔ برخے از ممالك محروسه دراز نموده۔ چوں ایں خبر به مسامع جاه و جلال رسید به کامل خان فوجدار اٹك فرمان شد که فوجداران نواهی دریائے نیلاب رافراهم آورده حت المقدوربه تادیب آن طائف خسران مآب پرداز د به امیر خان صوبیدار کابل یرلیغ کرامت طراز نبفاز پیوست که شمشیر خان (۱) را باچندے از دیگر عمده هائے کومکیاں وجمے از لشکر هائے آن صوبه که مجموعی پنج هزار کس باشد بدفع آں فساد کیشاں محال اندیشاں تعین نماید۔ کامل خان از روئے جلالت ۔۔۔۔ به رسیدن شمشیر خان مقیدنه گشته باهمراهان ولشکر گکھڑ (کهکر) واشرف و خوشحال خٹك و برخے دیگر از بندهائے پادشاهی که به او نزدیك بودنداز اٹك برآمده بگذر هارون ۔۔۔ روان شدند"۔ (۲)

مفہوم:۔

"ملا چالاک نے بہاکو خان کی ایما پر یوسف زئیوں کے پانچ ہزار لشکر کے ساتھ قلعہ چہاچل (چھانجل) جوحدود پکھلی میں ہے پرحملہ کر کے شمشیر خان گماشتہ شادمان زمیندار پکھلی کو جو اُس قلعہ میں موجود تھا شکست دے کر قلعے پر قابض ہو گئے اور پکھلی کے چند مواصفات پر قبضہ کرلیا۔ جب عالمگیر تک ان واقعات کی اطلاع وقائع نگاروں کے ذریعے پہنچی تو بادشاہ نے کامل

---

(۱) یہ شمشیر خان ترین فاتح علاقہ سمہ صوبہ سرحد کابل کی افواج میں سہ ہزاری فوجدار تھا۔

(۲) عالمگیر نامہ، ص۱۰۴۲۔

خان فوجدار اٹک کو حکم بھیجا کہ دریائے سندھ کے نواہی علاقے کے فوجداروں اور جاگیرداروں کو اکٹھا کر کے یوسف زئیوں کے فتنہ کو فرو کرے۔ اس کے ساتھ ہی بادشاہ اورنگ زیب نے امیر خان صوبہ دار کابل کو حکم بھیجا کہ شمشیر خان کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر کامل خان کی کمک پر مامور کرے۔ کامل خان نے شمشیر خان کی کمک کا انتظار نہ کیا اور لشکر گکھڑ واشرف، خوشحال خان خٹک اور چند دیگر شاہی فوجی جو اُسکے قریب تھے لے کر گزرگاہ ہارون میں آ گیا"۔

عالمگیر نامہ کے اقتباس سے دو اہم باتیں سامنے آئی ہیں۔ اول یہ کہ اخون سالاک (ملا چالاک) نے سب سے پہلے قلعہ چہاچل پر حملہ کر کے پکھلی کے شمالی علاقے پر قبضہ کرلیا اور شمشیر گماشتہ شادمان زمیندار پکھلی کو شکست دی۔ دوسری اہم بات جو سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ ملا چالاک اور یوسف زئیوں نے اُس کے بعد ڈوما کفار کے علاقوں میں کاروائی کی۔ یہ علاقے کالا ڈھاکہ کے مغربی حصہ اور مداخیل اور امازئی کے علاقوں پر مشتمل تھے۔ اس کے ساتھ ہی علاقہ چھچھ میں چند چوکیوں پر بھی یوسف زئیوں نے قبضہ کرلیا جن میں شاہی کارندے متعین تھے۔ علاقہ چھچھ میں یوسف زئی خان کجو کے زمانے میں ہی پھیل گئے تھے مگر شاہی چوکیا بدستور شاہی کارداروں کے قبضہ میں تھیں۔ بہاکو خان کے زمانے میں یوسف زئیوں نے ان چوکیوں پر قبضہ کر کے اپنے آدمی بٹھا دیئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب نے کامل خان قلعہ دار اٹک کو حکم دیا کہ دریائے سندھ کے نواحی علاقوں کے فوجداروں اور جاگیرداروں کو اکٹھا کر کے یوسف زئیوں کی شورش کو ختم کیا جائے۔ شمشیر خان ترین کابل کا فوجدار تھا جسے کامل خان کی مدد پر مامور کیا گیا۔ عالمگیر نامہ میں کامل خان اور شمشیر خان کی کاروائیوں کا تفصیلی تذکرۃ موجود ہے۔ ان میں سے کسی نے ڈوما کفار کے علاقے اور پکھلی کے شمالی علاقہ میں کوئی کاروائی نہیں کی۔ اوہنڈ پہنچ کر شمشیر خان ترین نے کمان اپنے ہاتھ میں لے لی تھی اور اوہنڈ میں یوسف زئیوں کو شکست دینے کے بعد علاقہ مرغز، موضع منصور اور پنج پیر میں یوسف زئیوں کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی۔ شمشیر خان ترین کا ایک بھائی داؤد خان ان جنگوں میں مارا گیا۔ جبکہ دوسرا بھائی ہدایت خان ہراول میں لڑ رہا تھا۔ یہ معلوم رہے کہ یہ وہ شمشیر خان نہیں جسے قلعہ چہاچل (چھانجل) کے معاصرے کے دوران سواتیوں اور

یوسف زئیوں کے ملے جلے لشکر نے قتل کر دیا تھا۔ یہ شمشیر خان شاہی منصب دار تھا اور عہدہ کے اعتبار سے سہ ہزاری منصب رکھتا تھا اور قوم کے اعتبار سے ترین افغان تھا۔ تاریخ پشاور از کے۔ جی ہیسٹنگز (K. G. Hastings) گلوب پبلشرز اردو بازار لاہور کے ص ۲۱۴ پر اس کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ تاریخ پشاور کے مطابق گڑھی کپورا/ لنگر کوٹ کے پرانے قلعے سے سنگ مرمر کا ایک پتھر دستیاب ہوا ہے جس پر کندہ ہے کہ "شمشیر خان ترین نے بمعیت لشکر شاہی ۱۶۷۰ء میں یوسف زئیوں کا علاقہ سمہ (میدان) فتح کیا"۔

قلعہ چھاچل پر یہی ایک حملہ ہوا تھا جس کا تذکرہ عالمگیر نامہ میں موجود ہے اس کے علاوہ چھاچل پر اور کوئی حملہ نہیں ہوا۔ بعض مورخین نے غلطی سے اس حملے کو سید جلال بابا سے منسوب کیا ہے۔ چھانجل پر حملے کا سید جلال بابا سے کوئی تعلق نہیں البتہ یہ ممکن ہے کہ جب سواتیوں نے پکھلی کے شمالی علاقہ پر قبضہ جمالیا تو بعد میں سید جلال بابا نے ان کے سرداروں کو پکھلی خاص (گلی باغ) پر حملے کی ترغیب دی ہو مگر گلی باغ پر حملہ بھی سواتیوں نے اپنے سرداروں کے ماتحت کیا اور کسی غیر قوم کے فرد کی قیادت قبول نہیں کی میجر راورٹی نے اپنی (یاداشتوں کے صفحہ 278-279 پر ذیل عبارت لکھی ہے۔

"These people with the help of any others who would aid them and without being led or subject to the control of a single chief possessed them selves of this tract(Pakhli). In consequence of this no chief or Malik from that time have any claim to rule over them. Having possessed themselves of the Pakhal or the Pakhlai territorry they divided it equally amoung themselves according to the number of thier famalies.

مذکورہ بالا عبارت سے عیاں ہو جاتا ہے کہ قبیلہ سواتی نے اپنے سرداروں کے ماتحت گلی باغ پر جتھا کی صورت میں حملہ کیا اور کسی ایک فرد واحد یا کسی غیر قوم کے شخص کی قیادت قبول نہیں کی بعد کے

دور میں جب ہزارہ گزیٹر مرتب ہونے لگا تو سواتیوں کو بہ رہنمائی سید جلال بابا پکھلی پر حملہ کرتے دکھایا گیا اور سواتیوں نے پکھلی پر قبضہ وارثانہ جمایا نہ کہ سید جلال بابا نے۔ کیونکہ سواتی پکھلی کو اپنے مورث اعلیٰ سلطان فکہل کا مفتوحہ علاقہ سمجھتے تھے جس نے چھٹی صدی ہجری کے آخری دور میں غوریوں کے عہد میں پکھلی تا بحدے بارہ مولا فتح کر کے مملکت سوات کے تابع کر دی تھی عالمگیر نامہ اور ہزارہ گزیٹر کی روایات کو باہم سامنے رکھتے ہوئے سر جادو ناتھ نے اخون سالاک اور سید جلال بابا کو ایک ہی شخص قرار دیا جبکہ تاریخی اعتبار سے عالمگیر نامہ ایک معاصرانہ ریکارڈ ہے۔ اور اس کے مندرجات درست ہیں کیونکہ یہ واقعات شاہی رپورٹرز (وقائع نگاروں) کے لکھے ہوئے ہیں دوسری اہم بات یہ ہے کہ اگر سید جلال بابا کی قیادت میں چھاچل پر حملہ ہوا ہوتا تو کوئی وجہ نہیں کہ شاہی وقائع نگار اس سے چشم پوشی کرتے۔

سواتیوں کی بہت کم تعداد یوسف زئیوں کے ماتحت تھی۔ علاقہ شانگلہ (غور بند اور چکسیر) موجودہ ضلع شانگلہ سواتیوں کے قبضہ میں بدستور چلا آرہا تھا۔ البتہ سوات خاص اور سوات زیرین سے جو سواتی یوسف زئیوں کے دباؤ سے فرار ہو گئے تھے وہ ان پہاڑی علاقوں میں اپنی قوم کے لوگوں میں آکر بس گئے تھے مگر علاقہ کی تنگی کے باعث اُن کی سماجی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ اس سلسلے میں میجر راورٹی کے مندرجہ ذیل الفاظ واضح ہیں:۔

"Notes on Afghanistan and Bąluchistan" P 278

"When the Khashi sept of Afghans acquired predominance in Bajawr, Sawạt and Buner and parts adjacent, Babur Badshah overcame Haidar Ali, the Gibari Sultan of Bajawr, and occupied his stronghold and Sultan Awais son of Sultan Pakhal, the last Sultan of Sawat also of the Gibari Tribe, had to abandon his kingdom and took shelter in the Darah of Nihak.Niakah or Niak, farther north, the people of

the territories in question, consisting of the tribes of the Tajzik race, also known as Di khkan and Dihgans, were either expelled from there or with few exceptions, abandoned their old seats to find new homes where they might dwel in safety from Afghan invaders from the westward. As the tracts immediately west of the Indus and north of Buner, extending from the eastern boundary of the Kashkar or Chitral State to Tahakot, or Tahkot, belonged to and were still inhabited by people of their own race, who had not been interfered with (and have not to this day, to any considerable extent), they were of necessity forced to cross the Indus to find a new country, those of their own race not having room for them to dwell with them".

"They began to cross the great river in the direction of Tah-kot……….and took possession of the territory of Pakhal for themselves. The Jehangirian Sultans, in ancient times, possessed an empire extending from Nangrahar to the Jhelum. But at the time the khashi conquerred Suwad, their sway did not extend beyond the Indus on the east, except over Tahakot and some smaller tracts near it. Pakhal is evidently named after the Gibari Sultan of that name. Having for the most part come from Suwad,(Swat) they were styled suwadis or sawathis by

their immediate neighbors; but they consisted chiefly of the tribes referred to at pages 117 and 237.(i.e Tajzik of Giberi, Mutravis and Mumialis branches"

At page 117, Rawerty explains the position of Darrah of Babu Kara, wherein the northern part of this darah there is a cleft or gorge in the mountain named "Gibar", where, in ancient times stood a fortress of great strength and of great height, the place of residence of the former Serdars or Chief of Bajawr upto this day they call that place Gibar, near by it is a small village called Kan But in which a few hundred famalies of the former ruling race -The Arabs dwell who are styled Iskandaries" i.e. Alexanderine

جہانگیری سلاطین کی وضاحت کرتے ہوئے راورٹی لکھتا ہے کہ ان کی حکومت قدیم دور میں ننگر ہار سے جہلم تک پھیلی ہوئی تھی لیکن جس وقت یوسف زئیوں نے سوات پر قبضہ کیا تو ان کی حکومت دریائے سندھ کے مغربی کنارے تک محدود تھی ماسوائے تھاکوٹ اور اُس کے نزدیک کچھ چھوٹے درّوں کے پکھل بظاہر اسی نام کے گبری سلطان کے نام سے منسوب ہے۔

مذکورہ بالا طویل اقتباسات سے درج ذیل معلومات دستیاب ہیں۔[

اول:۔ سواتیوں کی خواہ کسی نے بھی مدد کی ہو مگر (پکھلی پر حملہ کے وقت) کسی ایک خاص شخص نے ان کی قیادت نہیں کی اور نہ ہی کسی ایک فردِ واحد کی سربراہی میں انہوں نے پکھلی پر قبضہ کیا ہے نتیجتاً نہ ان میں کوئی حکمران تھا اور نہ ملک۔ پکھلی کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے علاقے کی تقسیم خاندانوں کے حساب سے مساویانہ طور پر کی اور سب کو برابر حصہ ملا۔

دوم:۔ بابر بادشاہ نے باجوڑ کے گبری سلطان حیدر علی سے قلعہ گبر فتح کیا اور یوسف زئیوا نے سوات کے آخری حکمران سلطان اویس (جو گبری سواتی تھا) سے سوات کا علاقہ فتح کیا۔سلطان اویس فرار ہو کر نیاگ درّہ میں چلا گیا جب کہ دیگر تاجک سواتی جن میں (گبری، متراوی،ممیالی) شامل تھے اوران کو دہگان بھی کہا جاتا تھا ان مفتوحہ علاقوں سے نکل گئے۔

سوم:۔ یہ سواتی سوات کے شمال مشرقی درّوں میں اپنے ہم نسبوں کے پاس جا کر مقیم ہو گئے تھے کیونکہ یوسف زئیوں نے پہاڑی درّوں کے رہنے والے سواتیوں سے کوئی تعرض نہیں کیا تھا مگر کچھ عرصہ بعد آبادی کے اضافے اور علاقے کی تنگی نے ان سواتیوں کو نئے مسکن کی تلاش پر مجبور کر دیا جس کے باعث دریائے سندھ کو تھاکوٹ کے قریب عبور کر کے انہوں نے پکھلی پر قبضہ کر لیا۔

چہارم:۔ جہانگیری سلاطین نے قدیم دور میں ننگرہار سے کشمیر تک ایک وسیع مملکت قائم کی تھی اور پکھلی (ہزارہ) اسی قدیم گبری سلطان کے نام سے منسوب ہے چونکہ ان لوگوں کی اکثریت سوات سے تعلق رکھتی تھی اس لئے ان کے پڑوسی لوگوں نے ان کو (سواتی) نام دیا حالانکہ یہ تاجک کی تین شاخوں (گبری، متراوی اور ممیالی) سے تعلق رکھتے ہیں

پنجم:۔ صفحہ ۱۱۷ پر راورٹی نے درّہ نیاگ کے قلعہ باجوڑ کا ذکر کیا ہے اس قلعہ کو قلعہ گبر کہتے تھے جو بابر نے بھاری توپ خانہ کی مدد سے حیدر علی ملک سے فتح کیا تھا۔حیدر علی ملک اور سوات کا سلطان اویس دونوں گبری سواتی تھے راورٹی نے قلعہ گبر کے قریب ایک گاؤں جس کا نام کان بٹ ہے ذکر کیا ہے اس گاؤں میں سابقہ حکمران خاندان کے لوگ (جن کو راورٹی عرب لکھتا ہے) رہتے تھے اور یہ لوگ اپنے آپ کو اسکندری کہتے تھے یعنی اسکندر ذوالقرنین کی اولاد (جو بقول راورٹی اسکندر مقدونی تھا۔

تبصرہ:۔

میجر راورٹی کے مذکورہ بالا بیانات کو اگر عالمگیر نامہ کی عبارت سے مل کر پڑھا جائے تو واضح ہو جاتا ہے کہ سواتیوں نے کسی ایک شخص کی سرداری یا سربراہی قبول نہیں کی اسلئے ان میں

کوئی حکمران ہے نہ کوئی ملک یہ لوگ ایک جمہوری قوم کی حیثیت سے پکھلی پر قابض ہوئے تھے اور مفتوحہ علاقے کو برابری کی بنیاد پر تقسیم کیا اس لئے سید جلال بابا کی قیادت ایک افسانہ کے سوا کچھ بھی نہیں۔

جہاں تک موضع کان بٹ کے مکینوں کا تعلق ہے تو اگر یہ لوگ عرب ہیں تو پھر یہ نہ اسکندر مقدونی کی اولاد ہیں اور نہ ہی اسکندر ذوالقرنین کی کیونکہ عرب سامی الاصل ہیں۔راورٹی نے خود تسلیم کیا ہے کہ قلعہ گبر کا حکمران حیدر علی ملک تھا جو گبری سواتی تھا۔اگر کان بٹ کے رہنے والے حکمران گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو پھر یہ بھی گبری سواتی ہونگے جس گھرانے سے حیدر علی ملک تعلق رکھتا ہے اور یہ لوگ عرب نہیں ہو سکتے۔

المختصر اخوند سالاک نے اخون پنجو کی ایما پر بہا کو خان خدو خیل کی مدد کے سلسلے میں ڈوما کفار کے علاقے پر حملے کا پروگرام بنایا اور اس مقصد کے لئے موضع کابل گرام کو مرکز بنا کر سکونت اختیار کی ابتداء میں درس وتدریس میں مشغول ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصے میں ان کو تنولیوں، سواتیوں اور یوسف زئیوں کا کثیر لشکر دستیاب ہو گیا سب سے پہلے تنولیوں نے ۱۶۴۴ء کے لگ بھگ اخوند سالاک سے دعا کر کے حملہ کیا اور ڈوما کفار کے بارہ ہزار لشکر کو شکست دے کر موجودہ علاقہ تناول پر قبضہ کر لیا اس جنگ میں ڈوما کفار کی پکھلی کے مسلمان ترکوں نے مدد کی تھی اس لئے اخوند سالاک نے حکمت عملی تبدیل کر کے سب سے پہلے پکھلی کے قلعہ چھانجل پر حملے کا پروگرام بنایا جس کا تذکرہ عالمگیر نامہ میں بھی موجود ہے۔اس حملے میں یوسف زئیوں اور سواتیوں کے ملے جلے لشکر نے حصہ لیا تھا قلعہ فتح ہونے کے بعد یوسف زئی واپس ہو گئے جبکہ سواتیوں نے پکھلی کے شمالی علاقے پر قبضہ کر کے آپس میں تقسیم کر دیا اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد ۱۶۴۷ء کے لگ بھگ پکھلی خاص کے میدانی علاقے پر حملہ کر دیا اور ترکوں کے دارالخلافہ گلی باغ پر قبضہ کر کے اپنے قبیلے کے لوگوں کو پکھلی سرکار کے شعبہ گلی باغ میں منتقل کر کے علاقے کی تقسیم کر دی۔

چھانجل کی فتح کے بعد یوسف زئیوں نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے کالا ڈھاکہ اور مغربی کنارے مداخیل اور امازئی پر قبضہ کر کے ڈوما کفار کو وہاں سے نکال دیا۔اور اس

طرح یوسف زئی ان تمام علاقوں پر بھی قابض ہو گئے جو اس سے قبل سواتیوں کے قبضے میں تھے۔

اخوند سالاک (۱۰۶۷ھ =۱۶۵۸م) میں فوت ہو گیا تھا مگر اسکی وفات کے بعد یوسف زئیوں نے دریائے سندھ کے جنوبی علاقوں میں بھی اپنی کاروائی جاری رکھی اور دریائے سندھ کو عبور کر کے علاقہ چھچھ جو ہزارہ قارلغ کا حصہ تھا پر قبضہ کرنے کی غرض سے چند چوکیوں پر قبضہ کرلیا اور مغلوں کے مقرر کردہ گماشتوں کو وہاں سے نکال دیا چونکہ یہ علاقہ مغل سرکار کی حدود میں تھا اس لئے وہاں کے سرکاری وقائع نگاروں نے شاہی دربار کو مطلع کیا جس میں اخوند سالاک اور یوسف زئیوں کی تمام کاروائیوں کے متعلق روئے داد لکھی جو عالمگیر نامہ میں موجود ہے اسی شکایت کے باعث اورنگزیب عالمگیر نے یوسف زئیوں کی شورش کو فرو کرنے کا حکم دیا

المختصر جب سواتیوں نے پکھلی کے شمالی علاقے کو فتح کرلیا اور اس پر قابض ہو گئے تو یوسف زئیوں کے لئے غیر مسلم ترکوں (ڈوما) کو کالا ڈھاکہ کے مغربی حصہ اور امازئی اور مداخیل سے نکالنا آسان ہو گیا۔ ان ہندو ترکوں کو مختلف معرکوں میں یوسف زئیوں نے پے در پے شکست دے کر دریائے سندھ کے دونوں کناروں سے بے دخل کر کے اس علاقے پر خود قبضہ کرلیا۔ ہندو سردار کی بیوہ سے بہا کو خان نے شادی کر لی۔ (۱) اور ان غیر مسلم ترکوں کو جنگ میں قتل کیا گیا۔ یا پنجاب اور گلگت کے علاقوں کی طرف فرار پر مجبور کر دیا گیا بعض نے بعد میں اسلام قبول کرلیا۔ یہ ہندو ترک غالباً جیطال نسل سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے کشن خاندان سے قبل گندھارا اور سوات اور ہزارہ (پکھلی) وغیرہ علاقے فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لئے تھے۔ ان ہندو ترکوں کو نہ تو سواتی سلاطین نے اور نہ ہی ترک سلاطین پکھلی نے دریائے سندھ کے دونوں کناروں سے ملک بدر کیا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں ریاستوں کے درمیان ایک بفر سٹیٹ کا کام دیتے تھے اور قدیم ہندو اور بدھ تہذیب کا مظہر تھے۔ اخون سالاک نے ان کے خلاف جہاد کے باعث بہت شہرت پائی۔

اخون سالاک ۱۶۵۸ء (۱۰۶۷ھ) میں فوت ہوئے مگر ان کی وفات کے بعد یوسف زئیوں نے دریائے نیلاب کے جنوب مغربی علاقہ میں کاروائیاں جاری رکھیں اور دریائے سندھ

---

۱ یوسف زئی پٹھان از اللہ بخش یوسفی ۵۰۷ نوٹ نمبر ۱۔

عبور کر کے علاقہ چھچھ میں سرکاری چوکیوں سے مغل سپاہیوں کو نکال کو خود قابض ہو گئے اور میدان چھچھ میں دور تک پھیل گئے۔ مانکرائے (ہری پور) سے اٹک بنارس تک کا علاقہ پرگنہ ہزارہ قارلغ کے نام سے علاقہ سرکار میں شامل تھا جس پر قبضہ اور دخل مغل حکومت کو چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے شاہی وقائع نگاروں نے اخون سالاک اور یوسف زئیوں کی کاروائیوں کے متعلق مرکز کو مطلع کیا اور اورنگزیب کے حکم سے یوسف زئیوں کے خلاف کاروائی شروع کی گئی جس کی تفصیل عالمگیر نامہ اور مآثر عالمگیری میں درج ہے۔

جناب محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ نے یوسف زئیوں کے خلاف نبرد آزما شمشیر خان ترین کو شمشیر ترک گماشتہ شادمان مرزبان پکھلی سمجھ کر غلط تاثر پیدا کیا ہے۔ شمشیر خان ترین جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سہ ہزاری منصب دار تھا جس کا ایک بھائی داؤد خان یوسف زئیوں کے خلاف جنگ میں مارا گیا اور دوسرا بھائی ہدایت خان ہراول کے طور پر لڑتا رہا۔ البتہ محمد ارشاد خان کا یہ تجزیہ درست ہے کہ یوسف زئیوں کے خلاف کاروائی کے نتیجہ میں جنوب مشرقی علاقے (چھچھ) سے شاہی فوجوں نے یوسف زئیوں سے مقبوضہ چوکیاں خالی کرا دیں۔ مگر اس کے باوجود علاقے میں امن قائم نہ ہوا اور اورنگ زیب کو بہ نفس نفیس شاہی افواج کے ساتھ حسن ابدال میں آ کر ۱۶۷۲ء تا ۱۶۷۴ء قیام کرنا پڑا۔

محمد ارشاد خان کے مطابق پکھلی سرکار ترکوں کی موروثی ریاست تصور کی گئی تھی اور مغل حکمرانوں کی طرف سے باج اور خراج کی ادائیگی سے مستثنیٰ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مغل بادشاہوں نے یوسف زئیوں کے خلاف اُس وقت تک کاروائی نہیں کی جب تک اُنہوں نے سرکاری علاقہ چھچھ میں پیش قدمی نہیں کی تھی۔

یوسف زئیوں کے خلاف کاروائی کی ایک وجہ اور بھی تھی جنگ تخت نشینی میں بہا کو خان خدو خیل دارا شکوہ کا طرف دار تھا جبکہ خوشحال خان خٹک اورنگ زیب کا طرف دار تھا۔ اورنگ زیب کو بہا کو خان خدو خیل کی بڑھتی ہوئی قوت پسند نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگ زیب نے کامل خان فوجدار اٹک کو حکم ارسال کیا کہ وہ دریائے نیلاب کے نواحی علاقے کے جاگیرداروں اور

فوجداروں کو اکٹھا کرے اور یوسف زئیوں کے فتنے کو فرو کرنے کی کوشش کرے۔ اس کے ساتھ کابل کے صوبیدار امیر خان کے نام بھی حکم ہوا کہ وہ شمشیر خان (ترین) کو پانچ ہزار کا لشکر دے کر کامل خان کی مدد پر مامور کرے۔ عالمگیر نامہ کے الفاظ یہ ہیں:۔

"وبه امیر خان صوبه دار کابل یرلیغ کرامت طراز بنفاز پیوست
که شمشیر خان را باچندیے دیگر از عمده هائے کومکیاں و جمع
از لشکر هائے آں صوبه که مجموع پنج هزار کس باشند بدفع
آں فساد کیشان محال اندیش تعین نماید" (۱)

یوسف زئیوں کے خلاف لڑنے والے جاگیرداروں میں خوشحال خٹک بھی شامل تھا، مذکورہ بالا شمشیر خان (ترین) شاہی منصب دار تھا۔ (۲) ان فتوحات کا سہرہ شمشیر خان ترک گماشتہ شادمان پکھلی وال کے سر باندھنا تاریخ کے حقائق کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔

المختصر یوسف زئیوں کو ایک بار پھر اپنی قوت کو مجتمع کرنے کا موقع اخون سالاک کی قیادت سے ملا اور اخون پنجو (گبری ارغشال سواتی) کی روحانی قیادت کے باعث اخون سالاک نے قبیلہ سواتی کو بھی جمہوری آزادی سے آشنا کیا جنہوں نے پکھلی کی تقسیم افرادی قوت کے تناسب سے کی اور اپنی دیرینہ قومی اور شاہی روایات کو ترک کردیا۔ سلطان اور دہگان کی تقسیم عملاً ختم ہوگئی اور یوسف زئیوں کی طرز کا ایک جمہوری معاشرہ قائم کردیا جس میں قیادت موروثی نہیں بلکہ شخصی قابلیت پر مبنی تھی۔ اس مساویانہ تقسم کا تذکرہ میجر راورٹی کے مذکورہ بالا بیانات میں ہو چکا ہے۔ سواتیوں کی قیادت اُن کے اپنے قبیلوی سرداروں نے کی اور کسی اور قوم کے کسی شخص کو سواتیوں نے اپنا حکمران یا قائد تسلیم نہیں کیا جس کی تصدیق میجر راورٹی کے علاوہ تاریخ ہزارہ مولفہ کیپٹن ویس سے بھی ہوتی ہے۔ اخوند سالاک مولانا شیخ عبدالوہاب (المعروف پیر پنجو) کے مرید خاص تھے پیر پنجو خود بھی گبری سواتی کی شاخ ارغشال سے تعلق رکھتے تھے اسلئے انہوں نے

---

(۱) عالمگیر نامہ ص ۱۰۴۲_۱۰۴۱

(۲) ایضاً ص ۱۰۵۶

اخوند سالاک کو ڈوما کفار کے خلاف جہادی کاروائیوں کے دوران قبیلہ سواتی کے لوگوں کی مدد کرنے کا اشارہ بھی لازماً کیا ہوگا اور چونکہ اس میں یوسف زئیوں کا مفاد بھی شامل تھا اس لئے یوسف زئیوں اور سواتیوں کے ملے جلے لشکر نے اخوند سالاک کی قیادت میں چھانجل پر حملہ کر کے پکھلی کا شمالی علاقہ فتح کر کے قبیلہ سواتی کو سوات سے پکھلی میں منتقل کردیا اور خود یوسف زئی اپنے علاقے سوات کو واپس ہوگئے تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس میں بھی لکھا گیا ہے کے جن لوگوں کی پیچھے جائیداد تھی وہ واپس ہوگئے تھے۔

☆☆☆☆☆

باب اول

فصل پنجم

حضرت سیدراجادیوان یاشاہ راجادیوانؒ

تاریخ ویس ہزارہ کابیان:۔

سیدراجادیوان یاشاہ راجادیوان، المعروف بہ دیوان راجابابا سترویں صدی کے مشہور بزرگ گذرے ہیں۔ ہزارہ گزٹیر ۸۴۔۱۸۸۳ء اور تاریخ ہزارہ مولفہ کیپٹن ویس میں زیر عنوان "میلہ ہائے" دیوان راجابابا کے متعلق مندرجہ ذیل عبارت موجود ہے:۔

"زیارت دیوان راجہ بابا گلی باغ موضع شنکیاری"

یہ زیارت نہایت مشہور ومعروف ہے۔ اہل اسلام اس کو متبرک جان کے زیارت کو آتے اور منت اور چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔ ہر عید کو دو روز میلہ رہتا ہے۔ اس زیارت کے ساتھ ایک چشمہ آب کا ہے۔ اس میں مریض بہ امید صحت وشفا غسل کرتے ہیں۔ اور اُس کو موجب شفا اپنے مرض کا جانتے ہیں۔ منجملہ ہر دو ایام میلہ عیدین کے ایک روز عام مستورات علاقہ پکھلی جمع ہوتے ہیں اور دف بجا کر نوع بنوع راگ گاتے، ناچتے اور کودتے ہیں۔ دوسرے روز مرد آتے ہیں۔ وہ بھی کھیلتے ہیں عورات کے دن مرد اور مردوں کے دن عورات نہیں آتے۔

اس کے علاوہ دیوان راجابابا کی زندگی یا نسب کے متعلق کوئی تذکرہ موجود نہیں اور نہ ہی ان سے منسوب روایات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دیوان راجابابا سے منسوب ایک روایت کا ذکر محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ نے اپنی کتاب کے ص۲۲۳ پر ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

تاریخ ہزارہ (ترکوں کا عہد) از راجا محمد ارشاد کا بیان:۔

"دیوان راجہ فقیر محمد المعروف دیوان راجہ بابا گلی باغ کی چھاؤنی کے شمال مغربی حصہ میں سکونت پذیر تھے۔ ایک مشہور روایت ہے کہ ایک ترک سلطان نے دیوان راجہ بابا کو ایک گھوڑا بھیجا اور اُن سے درخواست کی کہ وہ اس شاہی گھوڑے پر سوار ہو کر اُن کی خدمت میں حاضر ہو۔ مگر

دیوان راجہ بابا نے سلطان کی خدمت میں حاضر ہونے سے انکار کر دیا۔ آپ نے گھوڑے کو ذبح کر کے فقراء میں تقسیم کر دیا اور اُس کی ایک ٹانگ سلطان کے پاس روانہ کر دی۔ سلطان اپنے گھوڑے کی ٹانگ دیکھ کر اور دیوان راجہ بابا کا جواب سن کر سخت برہم ہوا۔ اور اس نے سخت غصہ میں آ کر حکم بھیجا کہ اس کا گھوڑا سالم بھیجا جائے ورنہ راجہ بابا کو سزا کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ دیوان راجہ بابا نے فرمایا کہ جب گھوڑا مجھے تحفہ کے طور پر بھیجا گیا تھا تو پھر یہ میری مرضی تھی کہ میں جیسے چاہتا اُسے استعمال کرتا۔ بہرحال سلطان کا حکم سننے کے بعد آپ نے مردہ گھوڑے کی ہڈیوں کو جمع کر کے اس پر اپنی لاٹھی ماری اور قم باذنی کہا۔ گھوڑا آپ کی کرامت سے زندہ ہو گیا مگر اُسکی ٹانگیں تین ہی تھیں۔ آپ نے تین ٹانگوں والا گھوڑا سلطان کو بھیج کر فرمایا کہ چوتھی ٹانگ تمہارے پاس ہے اُسے تم خود لگا دینا کہتے ہیں سلطان یہ ماجرہ دیکھ کر اور بھی غضبناک ہوا اور اُس نے دیوان راجہ بابا کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ جب آپ گرفتار ہو کر اُس کے پاس حاضر ہوئے تو اُس نے آپ کو پھانسی کا حکم دے دیا۔ سلطان کی عدالت (جہاں اب دیوان راجہ بابا کا مزار ہے) کی پچھلی سمت میں اُس لوہار کی دکان تھی جو ملزموں کو پھانسی فٹ کیا کرتا تھا۔ جب لوہار نے دیوان راجہ بابا کے گلے میں پھانسی ڈالنے کی کوشش کی تو آپ کی کرامت سے پھانسی ٹوٹ گئی۔ پاس کھڑے ترک افسر اس منظر کو دیکھ کر ششدر رہ گئے پھر دیوان راجہ بابا نے جذب میں آ کر زمین پر زور سے ایک نیزہ مارا جس سے کچھ پانی نکل آیا۔ آپ نے دوسری بار پھر نیزہ مارا جس سے مزید پانی نکلا۔ تیسری بار آپ نے نیزہ مارا جس سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا۔ جب چوتھی بار آپ اپنا نیزا اٹھانے لگے تو پاس کھڑے ہوئے ترک افسر گڑگڑا کر آپ سے معافی مانگنے لگے اس پر آپ نے فرمایا کہ تین حصہ ترک تباہ ہو جائینگے اور چوتھا حصہ باقی رہ جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ آگے لکھتے ہیں۔

"دیوان راجہ بابا کی اس بددعا کا چرچا اب بھی ترکوں کے تمام گھرانوں میں پایا جاتا ہے۔ چونکہ آپ سلطان محمود خورد کے عہد کے بزرگ تھے اس لئے جس ترک سلطان کے بارے میں یہ روایت ہے وہ سلطان محمود خورد ہی ہو سکتا ہے"۔

محترم محمد ارشاد خان نے دیوان راجابابا کو ترک ثابت کیا ہے۔ اور اس ضمن میں انہوں

نے لفظ "دیوان" اور "راجا" کے استعمال سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ آپ ترک تھے۔ محمد ارشاد صاحب کا یہ قیاس درست نہیں اس لئے کہ سید راجا دیوان کا خاندان ضلع راولپنڈی کے مواضعات پنڈ بیگوال اور بارہ کھوہ کے علاقہ میں کافی تعداد میں موجود ہیں اور آپ کے بھائی سید شاہجہان شاہ کا مزار مری روڈ راولپنڈی پر واقع ہے جسے "مزار شاہاں دی ٹالیاں والا" کہا جاتا ہے۔

آپ مشہدی سادات کے چشم و چراغ ہیں اور سید عبدالطیف شاہ المعروف بہ بری امام آپ کے ہم نسب ہیں۔ مشہدی سادات میں لفظ دیوان مستعمل رہا ہے اور اس شاخ کے مورث اعلیٰ حضرت بابا شاہ نذر اور بابا شاہ دیوان کے مزارات موضع سید تحصیل گوجر خان میں موجود ہیں لفظ "دیوان اس خاندان کے اکثر ناموں کے ساتھ مستعمل رہا ہے۔ جہاں تک "راجا" کا تعلق ہے تو یہ ان کا تخلص ہوسکتا ہے کیونکہ راجا تخلص سے اُن کی عارفانہ شاعری مشہور ہے اور چونکہ وہ ترک سلاطین کے علاقہ پکھلی میں مقیم تھے اس لئے انہوں نے ترکوں کی مناسبت سے بھی اپنا تخلص "راجا" رکھ دیا ہوگا۔ آپ کا ایک شعر جس میں سید ہونے کا اعتراف کیا گیا ہے درج ذیل ہے:۔

نیست شکے بعد دیدن روئے خوباں بے حجاب
سید راجا گشت مجنون خصلتے دیگر گرفت

(اس میں شک نہیں کہ محبوب کے چہرے کو بے نقاب دیکھ کر سید راجا مجنون ہوگیا اور اُسکی خصلت بدل گئی)۔

جہاں تک مذکوہ بالا روایت کا تعلق ہے۔ مردہ گھوڑے کو زندہ کرنے کا واقعہ آپ کے شجر نسب میں بھی درج ہے جو قلمی فارسی خط میں ایک کتاب کی شکل میں آپ کے خاندان کے بزرگوں کے پاس بلوٹ میں اب بھی موجود ہے جس کے کچھ حصہ کی نقل راقم الحروف کے پاس بھی موجود ہے۔ شجرہ نسب کی روایت کے مطابق آپ نے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر فرمایا قم بہ اذن اللہ جبکہ محمد ارشاد خان نے قم بہ اذنی کا جملہ استعمال کیا ہے۔ آپ کا شجرہ نسب درج ذیل ہے:۔

شجرہ نسب دیوان راجا بابا:۔

حضرت امام حسین پسرش، حضرت امام محمد باقر پسرش حضرت امام جعفر صادق پسرش حضرت امام موسیٰ کاظم پسرش حضرت شاہ سید اسحاق موافق پسرش شاہ سید محمد اول پسرش شاہ سید قاسم عبداللہ پسرش شاہ سید محمد عالم پسرش شاہ سید ابوالحسن، موسیٰ زاہد پسرش شاہ سید اسحاق ثانی پسرش حضرت غوث زمان شاہ سید عبدالرحمان رئیس زمان پسرش حضرت علی امیر بل بندگی پسرش شاہ سلطان عبدالقاسم (ابوالقاسم) حسین المشہدی صاحب علم وحلم و صاحب روایت پسرش شاہ حضرت سلطان سید عیسیٰ پسرش شاہ سید محمد غوث پسرش سید حمزہ علی پسرش سید یاسین، پسرش سید حسن پسرش سید یعقوب پسرش سید عبدالرحیم پسرش سید رحمۃ اللہ، پسرش سید عبدالولی، پسرش سید ابا بکر، پسرش سید عبدالسلام، پسرش سید کمال پسرش سید عبدالغنی، پسرش سید قطب، پسرش سید جلال، پسرش سید امین شاہ پسرش سید ہمدیہ، پسرش سید الدین، پسرش سید خان شاہ پسرش شاہ عبدالطیف۔

سید عبدالطیف شاہ کے تین فرزند تھے جنکی تفصیل درج ذیل ہے:۔

۱۔ شاہ سید دودہ قدس سرہ۔
۲۔ حضرت سید راجا دیوان یا شاہ راجا دیوان۔ قبرش در گلی باغ کہ از مضافات پکھلی است۔
۳۔ سید سخی شاہجہان شاہ المعروف بہ شاہاں دی ٹالیاں والا۔

داستان شاہ راجا دیوان کے عنوان سے آپ کے روحانی فضائل اور کمالات کے متعلق لکھا گیا ہے اور معروف روایت جس کا اوپر ذکر ہو چکا ہے چند اختلافات کے ساتھ درج ہے۔ اور داستان سید شاہجہان شاہ کے زیر عنوان ایک ذیلی داستان بعنوان "داستان سید خان گکھڑ" بھی تحریر ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سید راجا دیوان کے چھوٹے بھائی سید شاہجہان شاہ کی شادی، سید خان گکھڑ کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی اور سید خان گکھڑ اکبر اعظم کے دور کا حکمران راولپنڈی ہے اور سارنگ خان گکھڑ کا فرزند ہے۔ سلطان سارنگ گکھڑ نیازیوں کی حمایت میں لڑتے ہوئے ۱۵۴۷ء میں اسلام شاہ سوری کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ اُس کے بعد اس کا بیٹا سید خان گکھڑ حکمران بنا

جس نے سید پور آباد کیا تھا اور ۱۶۰۲ء میں وفات پائی۔ سید خان کی ہمشیرہ سید شاہجہان شاہ برادر سید راجا دیوان سے بیاہی گئی اور اگر عمر میں یہ محترمہ اپنے بھائی سے ۱۰/۵ سال چھوٹی بھی ہو تب بھی حضرت سید راجا دیوان اور انکے بھائی حضرت سید تخی شاہجہان شاہ ۱۶۰۲ء (جو سید خان کی تاریخ وفات ہے) کے بعد مزید ۲۵/۲۰ سال زندہ رہے ہونگے۔ گویا کہ سید راجا دیوان کا عہد بھی شاہجہان کے ابتدائی دور سے مطابقت رکھتا ہے نہ کہ دور اورنگ زیب سے روایت ہے کہ ترکوں کے زوال کے بعد جب پکھلی پر سواتیوں کا قبضہ ہوا تو اُس وقت سید راجا دیوان زندہ تھے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۶۴۰ء کے عشرے میں سید راجا دیوان بقید حیات تھے اور شاہجہان کے آخری دور ۱۶۵۰ء یا اس سے بھی قبل فوت ہوئے ہونگے۔ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ پکھلی سرکار کی شعبۂ گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ ۱۶۵۰ء تک مکمل ہو چکا تھا۔

سید راجا دیوان سے منسوب روایت کم از کم اس حد تک درست ہے کہ اُنہوں نے ترک سلاطین کی بدتمیزی کے باعث اُن کے حق میں بددعا کی ہوگی جس کے نتیجہ میں حضرت سید راجا دیوان کی زندگی میں ہی ترکوں کو زوال آیا اور گلی باغ سے اُن کی حکومت ختم ہوگئی اور علاقے پر سواتیوں نے قبضہ کرلیا۔ اسی طرح علاقہ مظفرآباد پر سلطان قاسم بمبہ نے اپنے نانا سلطان کمال خان ترک کو قتل کر کے مظفرآباد تا بارہ مولا کا علاقہ اپنے قبضہ میں لے لیا۔ عہد درانی تک ان کا قبضہ برقرار رہا البتہ سکھوں کے عہد میں علاقہ بوئی کے علاوہ دیگر علاقہ جات پر سکھوں کے مقرر کردہ عمال حکمران رہے جبکہ انگریزوں کے دور میں بوئی کے علاوہ باقی تمام علاقے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ۱۸۴۶ء کے عہدنامے کے تحت دئے گئے۔

پروفیسر ارشاد شاکر اعوان کا تبصرہ اور راقم الحروف کی رائے:۔

میری نظر سے پروفیسر ارشاد شاکر اعوان کا ایک دلچسپ تحقیقی مقالہ گذرا۔ موصوف نے مدلل انداز میں سید راجا دیوان کی شاعری کو سید یوسف راجا المعروف بہ شاہ راجو قتال سے منسوب کیا ہے۔ سید یوسف المعروف بہ شاہ راجو قتال راجا تخلص رکھتے ہونگے مگر راقم المعروف نے گذشتہ اوراق میں سید راجا دیوان کا نسب نامہ تحریر کیا ہے جو کوری والے مشہدی سادات کے پس ماندگان

کے پاس موجود ہے۔ میں نے یہ نسب نامہ اس خاندان کے دو بزرگوں سے جو اُس وقت راولپنڈی میں سکونت رکھتے تھے حاصل کیا ہے۔

سید باغ شاہ سے حاصل کردہ نسب نامے میں دیوان راجا بابا کا نام محمد شاہ راجا دیوان " لکھا تھا جس میں لفظ محمد کو دائرہ میں بند کیا گیا تھا۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ لفظ "محمد" مشکوک ہے اور نام کا حصہ نہیں جبکہ سید محبوب علی شاہ، غلام رسول شاہ و محسن شاہ پسران سید محمد شاہ کے پاس اس خاندان کا نسب نامہ اور تاریخ ایک ضخیم کتاب کی شکل میں موجود ہے۔ جس سے راقم الحروف نے صفحہ ۱۱۶ تا ۱۴۲ سے چند اقتباسات لئے ہیں۔ اس شجرہ میں آپ کا نام سید راجا دیوان" لکھا ہے۔ المختصر دیوان راجا بابا کا نام" شاہ راجا دیوان" یا "سید راجا دیوان" لکھا ہوا ہے جس کی تصدیق آپ کے درج ذیل شعر سے بھی ہوتی ہے۔

نیست شکے بعد دیدن روئے خوبان بے حجاب

سید راجا گشت مجنون خصلتے دیگر گرفت

اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کا اسم مبارک "شاہ راجا یا سید راجا" ہے جسے اشتباہ کے طور پر سید یوسف المعروف بہ شاہ راجو قتال تصور کیا گیا ہے۔ اور یہ ممکن ہے کہ کاتبین کیٹالاک نے سید راجا (شاہ راجا) کو شاہ راجو سمجھ کر مثنوی موخرالذکر سے منسوب کردی ہو۔ میں نے زیر نظر کتاب میں چھ مشائخ وصوفیائے کرام کا مختصر تذکرہ لکھا ہے کیونکہ ان مشائخ اور صوفیاء کا قبیلہ سواتی کی تاریخ سے گہرا تعلق ہے۔ میرا مدعا صرف ان کے تاریخی حالات کا جائزہ لینا تھا اس لئے میں فی الحال اس بحث میں نہیں پڑتا۔ کہ مجوزہ فارسی مثنوی اور غزلیات شاہ راجو قتال کی ہیں یا سید راجا دیوان کی مگر اتنا واضح کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ "مثنوی" دیوان راجا بابا مملوکہ خدام مزار گلی باغ مرتبہ سائیں امیر علی مرحوم متوفی ۱۹۳۰ء دراصل نسخۂ واحد نہیں جو ۱۹۳۰ء میں مرتب ہوا بلکہ اکثر سواتی گھرانوں میں سید راجا دیوان کی مثنوی کے نسخے نامکمل حالت میں اُس وقت سے موجود ہیں جب سواتی قبیلہ نے ۱۶۵۰ء میں مکمل طور پر اس علاقے پر کنٹرول حاصل کرلیا تھا۔ سید راجا دیوان کے عہد کا تعین جناب ارشاد شاکر اعوان نے خواص خان مرحوم اور راجا محمد ارشاد کے حوالے سے

۱۷۰۷ یا ۱۷۱۳ کیا ہے جو تاریخی اعتبار سے غلط ہے سید راجا دیوان کے نسب نامہ میں (داستانِ سید خان گھکڑ) کے عنوان سے معلوم ہوتا ہے کہ سید راجا دیوان کے چھوٹے بھائی سید یحیٰی شاہجہان شاہ المعروف بہ دربار شاہاں دی ٹالیاں مری روڈ روالپنڈی کی شادی اکبر اعظم کے دور میں سید خان گکھڑ کی ہمشیرہ سے ہوئی تھی۔ سید خان گکھڑ جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے ۱۶۰۲ء میں وفات پا چکے تھے۔ وہ سید شاہجہان شاہ کو اکبر کے دربار میں بھی بسلسلہ عطائیگی جاگیر لے گیا تھا۔ مری روڈ راولپنڈی سے شمال مشرقی علاقہ تا بحدے پنڈ بیگ وال وملوٹ اُن کی جاگیر تھی۔ اکبر اعظم کا دور ۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء ہے۔ ۱۶۰۲ء میں سید خان گھکڑ فوت ہو چکا تھا اس لئے ہم قیاساً یہ کہہ سکتے ہیں کہ اکبر اعظم سے یہ ملاقات ۱۵/۲۰ سال قبل ہوئی ہوگی اگر سید شاہجہان کی عمر ۲۴ سال تصور ہو تو دونوں بھائیوں کی پیدائش علی الترتیب ۱۵۶۳ء اور ۱۵۶۰ء ہوگی۔ اور اگر سید راجا دیوان کی عمر ۱۰۰ (سو) سال بھی تصور ہو تو اسی طرح وہ ۱۶۶۰ء تک بقید حیات رہ سکتے ہیں۔ میری تحقیق کے مطابق سواتیوں نے ۱۶۴۶/۴۷ کے درمیان گلی باغ پر قبضہ کر لیا تھا اس لئے سید راجہ دیوان کو ۱۷۵۰ء تک زندہ جاوید دیکھنا کرشمۂ خضرؑ ہی ہو سکتا ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ۱۶۸۵ء میں اورنگزیب کے حکم سے مبارز الدین گکھڑ نے حملہ کر کے سلطان مقرب سے دھمتوڑ کا علاقہ فتح کر کے ترکوں کی حکومت پکھلی سرکار کے شعبۂ دھمتوڑ سے ختم کر دی تھی۔ ۱۶۶۶ء میں قارلغ ترک کی تقسیم بحکم اورنگزیب عالمگیر، بہ ثالثی صالح محمد خان دلازاک عمل میں لائی گئی تھی اور صالح محمد خان نے ۱۶۷۲ء میں سرائے صالح کا شہر آباد کر دیا تھا۔ ترکوں کے حصہ میں اُس وقت مانکرائے کی پٹی کے صرف (اکیس) مواضعات رہ گئے تھے۔ گلی باغ اور دھمتوڑ سے ترک حکومت نام کی کوئی شے وجود نہیں رکھتی تھی ۱۶۹۰ء میں اصالت خان گکھڑ کو فوجدار پکھلی مقرر کر دیا گیا تھا، ۱۶۹۹ء میں اُسے تبدیل کر کے بنوں بھیج دیا گیا، اور رحمان داد خان کو پکھلی کا فوجدار مقرر کیا، ۱۷۰۵ء میں رحمان داد کے تغیر سے یعقوب خان کو پکھلی سرکار کا فوجدار نامزد کر دیا گیا تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۶۹۰ء سے پکھلی سرکار مرکز کی تحویل میں چلی گئی تھی۔ سید جلال بابا پیر بابا کی چوتھ پشت میں ہیں۔ پیر بابا

۹۹۱ ہجری میں ۸۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے اُنکی پیدائش ۹۰۹ھ بمطابق ۱۵۰۱ء ہے۔ ہزارہ گزیٹیر اور بعض مورخین نے سواتیوں کے حملے کی تاریخ ۱۷۰۳ء اور ۱۷۱۳ء لکھی ہے (۱) جسکا مطلب یہ ہوا کہ (۱۷۰۳-۱۵۰۱)=۲۰۲ یعنی پیر بابا کی پیدائش کے ۲۰۲ سال بعد بقول ان مورخین کے سید جلال بابا نے گلی باغ پر حملہ کیا۔ پکھلی فتح کرنے کے ۲۵/۲۰ سال بعد مزید بھی زندہ رہے۔

گویا سید جلال بابا ۱۷۲۸ء تک زندہ رہے اس طرح ان چار پشتوں کو ۱۵۰۱ء تا ۱۷۲۸ء یعنی ۲۲۷ سال تک زندہ جاوید دیکھنا قدرت الٰہی سے ممکن ہو سکتا ہے کیونکہ قرون اولیٰ میں پیغمبروں نے ۱۲۰ تا ۹۰۰ سال عمر تو پائی ہے۔ ورنہ طبعی اور تاریخی اعتبار سے یہ سب باطل روایات ہیں جن کو ہم نے گلے سے لگایا ہوا ہے۔

پروفیسر ارشاد شاکر اعوان تو خود بھی مورخ ہیں حقائق اور دلائل سے کسی نتیجہ پر پہنچ سکتے ہیں۔ موصوف نے اپنی تحقیق کے ص ۹۶-۹۵ پر فارسی میں ایک مختصر مخطوطہ (۱۹ جز) جس پر دیوان شاہ راجو قتال لکھا ہوا ہے اور جو حیدر آباد کے کتب خانہ آصفیہ میں موجود ہے، کے حوالے سے لکھا ہے:-

"جناب رونق علی مصنف "روضۃ الاقطاب" نے سید یوسف راجا المعروف بہ راجو قتال کی ایک فارسی مثنوی کا بھی ذکر کیا ہے۔ جس میں ایک غزل بھی ہے، ممکن ہے یہ وہی مثنوی "نان و حلوا" ہو جس کی تصدیق انڈیا آفس کے مخطوطہ اشعار تصنیف راجا کے صفحہ اول کے اندراج مثنوی نان وحلوا من تصنیف راجو قتال قدس سرہ سے ہوتی ہے۔ کاش یہ مثنوی مکمل ہوتی تو اس میں شامل غزل کی موجودگی کی تصدیق کلی کا سبب بن سکتی میرے پاس اس مثنوی کے آخری اشعار یوں ہیں۔

ثمر رقوم ملی باشعار العجم — کی بریج الروح من همه نجم

وابتدا منهاید بیت مثنوی — الحکیم المولوی المعنوی

---

(۱) تاریخ ہزارہ از راجا محمد ارشاد خان۔

بشنواز نی چوں حکایت می کند

واز جدائی هاشکایت می کند

میری گذارش ہے کہ مذکورہ بالا اشعار سید راجا دیوان کی مثنوی میں کہیں بھی نہیں ملتے۔

ان کی ترکیب صنعت بھی سید راجا دیوان کی شاعری سے مطابقت نہیں رکھتی یہ اشعار سید یوسف راجا المعروف بہ راجو قتال کے ہونگے مگر مخطوطہ ۱۷۰۲ ایتھے مرتبہ ۱۱۵۸ھ سید راجا دیوان کی تصنیف ہے۔سید راجا دیوان قلندری مسلک کی صوفی تھے اور لال شہباز قلندر کے مزار پر حاضری دیا کرتے تھے۔وہ پروفیشنل شاعر نہ تھے مگر عقیدت کے طور پر قوالوں کے لئے اشعار لکھتے تھے اور یہی اشعار وہ واپس پکھلی میں آکر اپنے مقتدین اور مریدوں کو سناتے ہوں گے۔مقتدین نے سن کر لکھے ہونگے جس کے سبب ان میں کتابت کی غلطیاں اور وزن کی خامی محسوس ہوتی ہے۔

یہ کلام ۱۰۶۰ھ سے قبل کا ہے جیسے کہ اوپر ثابت کردیا ہے کہ سید راجا دیوان اکبری دور سے شاجہان کے ابتدائی دور کے بزرگ ہیں۔

راقم المعروف کے پاس انڈیا آفس کے مخطوطہ اور نول کشور کے نسخے کے علاوہ بھی دوسو اشعار پر سید راجا دیوان کی ایک نظم (مثنوی) موجود ہے جس کے آخری چند اشعار پیش خدمت ہیں:۔

۱۔ قرآں راچه خوانی که مومن نئی
چه بیغم نشینی که ایمن نئی

۲۔ نه دانی که فردا که جانب کشند
بجنت روی یا بدوزخ برند

۳۔ هزاراں ندامت به باشد ترا
که بادوست دائم نه باشم چرا؟

۴۔ جمال خدواند مکشوف شد
چو اوباچنینس وصف موصوف شد

۵۔ بدین پند راجا بیا رائی جان
نگر حال خود را که باشد بر آں

ان اشعار کے اسلوب بیان اور جناب رونق علی مصنف "روضۃ الاقطاب" میں مذکورہ بالا اشعار میں جن کو سید یوسف راجا المعروف بہ راجو قتال سے منسوب کیا گیا ہے، زمیں و آسمان کا فرق ہے۔سید راجا دیوان نے اپنے کلام میں کہیں بھی سابقہ شعرا کے کلام کو بطور تشبیہ یا استعارہ استعمال نہیں کیا البتہ قصص التورات اور قرآن شریف کے حوالے موجود ہیں۔آپ کی شاعری عام فہم نہیں اس کا لطف وہی قاری اٹھا سکتا ہے جو وحدت الوجود کے فلسفہ پر عبور رکھتا ہو آپکی شاعری میں "انا الحق" کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔سید راجا دیوان شریعت کی پابندی اور حضرت محمد مصطفی کی تابعداری کے بغیر عرفان خدا کا تصور نہیں رکھتے۔وہ حضرت مددشاہ بدخشی کی طرح کہ:۔

من چه پروائے مصطفی دارم   پنجه در پنجه خدا دارم

نغمہ سرا نہیں بلکہ اُن کا عقیدہ ہے کہ۔

بے محمد بر درحق بار نیست   بے رضائے کبریا دیدار نیست

اگر دین احمد بجوئی مدام   برو ترک دنیا بکن ولسلام

درین دهرفانی فنا درفنا   بقا گر بجوئی بماں با خدا

وجودے که از خود نداره وجود   وجود ست فانی به جستن چه سود

کسے راکه تکیه بود بر خدا   بود بادشاهی به هر دوسرا

سید راجا کا کلام سولویں صدی کے وسط سے سترویں صدی کے اواخر تک پکھلی سرکار کے ہر پڑھے لکھے گھرانے میں بکھرا موجود تھا آپ کو ۱۵۰۷ء تک زندہ تصور کرنا، تاریخ کے ساتھ مذاق ہے۔پکھلی سرکار (مانسہرہ) سلطان بہرام اور سلطان قلہل نے فتح کی تھی ان کی افواج میں غوری تاجکوں کے علاوہ غز (Ghuzz) ترک بھی تھے۔ اعظم ملک ابن عمادالدین بلنخا (جو غز فوجوں کا سردار تھا) کو سلطان بہرام نے ننگر ہار کے مفتوحہ علاقے سے کرمان اور شلوزان (کرم

ایجنسی) کا علاقہ فوجی خدمات کے سلسلے میں بطور تعلقہ دیا تھا (۱) اور یہی غذترک کشمیر کی فتح میں بھی ان کے ساتھ شامل تھے جن کو پکھلی فتح کرنے کے بعد ۱۱۹۲ء میں پکھلی سرکار میں بسا دیا گیا تھا۔ ۱۳۹۹ء میں امیر تیمور نے کچھ اور ترک یہاں چھوڑ کر ان کو آزاد حیثیت دے دی۔ سیر المتاخرین ۶۴ پر جہاں پکھلی (مانسہرہ) کا ذکر ہے وہاں پکھلی سرکار (سوات، بنیر اور باجوڑ) کا ذکر بھی چند سطور بعد موجود ہے۔ جسے پڑھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مملکت گبر کا قیام (سوات وغیرہ) چنگیز خان کے حملے (۶۱۸ھ) سے قبل ہو چکا تھا جس کا تذکرہ میجر سرجن بلیو (Maj Surgen Bellew) اور میجر راورٹی (۲) نے طبقات ناصری کے حوالے سے کیا ہے ان حالات پر آئندہ ابواب میں تفصیلی بحث کی جائیگی یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ پروفیسر ارشاد شاکر اعوان نے جناب خواص خان مرحوم اور جناب راجا محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ کے حوالے سے جو نتائج اخذ کئے ہیں نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ جس نسخہ کو انہوں نے ۱۱ھ کو بجائے ۸۱۱ھ تصور کیا ہے وہ قیاساً ۹۱۱، ۱۰۱۱، یا ۱۱۱۱ھ کا بھی ہو سکتا ہے۔ بہر کیف تحقیق کا عمل اپنے منطقی انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ اسے جاری رہنا چاہیئے اگر کسی وقت یہ حتمی طور پر بلا شک و تردید ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ کلام سید راجا دیوان (شاہ راجا دیوان) کا نہیں بلکہ کسی اور کا ہے تو سر تسلیم خم۔ مگر اسکے لئے قابل اعتماد ٹھوس شواہد درکار ہیں۔ قوالوں کے ذریعے بکھرے ہوئے کلام کو جو مختلف صوفیاء سے منسوب ہو کر "عشقیہ" کا متن بنا اُس وقت تک سید راجا دیوان کا ہی کلام تصور ہو گا جب تک نا قابل تردید محققانہ فیصلہ نہیں آ جاتا۔

سید راجا دیوان۔ بحیثیت صوفی شاعر:۔

سید راجا دیوان المعروف بہ دیوان راجا بابا صاحب جذب و صاحب حال صوفی بزرگ تھے۔ اُن کے شجرہ نسب سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات وہ حالتِ جذب و سلوک میں مستغرق

---

(۱) "Notes on Afghanistan & Bulachistan" by Raverty P. 51, 52 + 156.

(۲) Ibid.

رہتے تھے اور دنیا و مافیہا سے بے خبر معرفت الٰہی سے سرشار رہتے تھے۔ ایسے میں اُن کے مرید اور خصوصاً حضرت بی بی کمال خاتون جوان کے بھتیجے حضرت تایا شاہ بن حضرت سخی شاہجہان شاہ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔ کسی کو اُن کے پاس جانے کی اجازت نہیں دیتی تھیں۔ حضرت سید راجا دیوان نے حکم دے رکھا تھا کہ ایسے لوگ جو پیش کش اور منتیں لائیں وہ بی بی کمال خاتون کے سپرد کریں کیونکہ وہی لنگر خانے کی مہتمم تھیں۔

آپ حالت جذب میں شعر بھی کہا کرتے تھے مگر ان کی کتابت خود نہیں کیا کرتے تھے۔ اس وجہ سے آپ کے اشعار میں کتابت کی بہت غلطیاں پائی جاتی ہیں جن کی صحت پر کم توجہ دی گئی ہے۔ آپ کا مکمل کلام بھی محفوظ نہیں ہو سکا۔ راقم الحروف کے پاس آپ کے کلام کا مختصر حصہ موجود ہے، جس میں کل ۱۲۰۰ کے لگ بھگ اشعار موجود ہیں ممکن ہے آپ کا کلام مکمل حالت میں کسی کے پاس کہیں موجود ہو مگر راقم الحروف کے علم میں نہیں۔ ایک مختصر مثنوی نول کشور نے چھاپی بھی ہے جس کا ایک نسخہ لاہور کی پبلک لائبریری میں موجود ہے مگر اس کے علاوہ اور مطبوعہ کلام دستیاب نہیں۔ نول کشور کے چھپے ہوئے نسخہ میں بھی کتابت کی بے شمار غلطیاں پائی جاتی ہیں جو قابل اصلاح ہیں۔ آپ کا ہر شعر عشق خداوندی سے پر اور معرفت الٰہی کا مظہر ہے۔ آپ کے نزدیک عالم اثبات، عدم محض ہے اور سوائے خدا کے باقی سب فانی ہے گویا خدا کے بغیر کسی چیز کا وجود نہیں اسلئے عارف کو چاہیئے کہ وہ خدا کا متلاشی ہو اور خدا کے بغیر دنیا میں کسی چیز کا طالب نہ ہو آپ ہر وقت فنافی اللہ کے مقام پر نظر آتے ہیں اور اس کائنات میں ماسوائے خدا کے آپ کو اور کچھ نظر نہیں آتا۔ فرماتے ہیں:۔

گاہ اول گاہ آخرام بود گاہ ظاہر گاہ باطن گشت آں

ہر چہ جوئی ہر چہ گوئی اوست ست در دو عالم نیستم جز او درمیاں

گویا وہ ہر گھڑی اور ہر لحہ خدا کی حضوری میں رہتے تھے۔

دیوان راجا بابا کے اکثر اشعار عرفان کے کمالات کا اظہار ہیں۔ انسان میں "نفحتہ من روحی" کی شان بھی ہے اور اس کے ساتھ "الا انسان سری وانا سرہ" کی آن بھی پائی جاتی

ہے۔مجاہدہ کے ذریعے جب انسان اپنی اصل کی طرف رجوع کرتا ہے تو سب سے پہلے وہ غیر اللہ تمام اشیاء کی نفی کرتا ہے۔عالم اثبات کی نفی سے انسان میں قرب نوافل کا کمال پیدا ہوتا ہے اور اس کی صفات بشریہ زائل ہو جاتی ہیں اور وہ صفات الٰہیہ حاصل کرتا ہے اور جب اُسے صفات الٰہیہ حاصل ہو جائیں تو وہ قرب فرائض کے کمال سے متصف ہوتا ہے اور منزل توحید کی سیر فرماتا ہے اس مرتبہ (منزل) میں انسان دریائے وحدت میں غوطہ زن ہو کر فنا فے البقا کا درجہ حاصل کرتا ہے لیکن اس فنا کے معنی ہر کس و ناکس کے فہم میں نہیں آسکتے اور نہ ہی وہ ان کا ادراک کر سکتا ہے۔اس کا عقلی تجزیہ محال ہے اس لئے ایسے عاقل جو عالم اثبات میں رہ کر اسرار الٰہی کو معلوم کرنے کی کوشش کرتے ہیں عارفوں کی فہرست سے خارج ہیں عارف صاحب جنون صاحب عشق ہوتے ہیں۔دیوان راجابابا فرماتے ہیں:۔

سرمست باید در جهاں عاقل نیابد فن ما

مجنوں بیاید اے جواں عاقل نیابد فن ما

از خویشتن بیگانه شو وز بهر آں دیوانه شو

اندر جهاں افسانه شو عاقل نیابد فن ما

عالم بود در لا نعم عاقل بود در فکر وغم

عاشق شود باویے بهم عاقل نیابد فن ما

جاهل کجا در دور ما عالم کجا در غور ما

از عقل بیروں طور ما عاقل نیا بد فن ما

ایں فن ما مردانگی احوال ما فرزانگی

دیوانه با دیوانگی ، عاقل نیابد فن ما

اندر صراحی جان ما ایں جام مے ایمان ما

۱۔ منزل:۔ صوفیاء کی زبان میں منزل وہ مقام ہے جو عارف مجاہدہ سے حاصل کرتا ہے۔

۲۔ حال:۔ جذب و مستی کی حالت ہے جو مجاہدہ کی محتاج نہیں بلکہ عطیہ خداوندی ہے۔

جاناں لود مهمان ما عاقل نیابد فن ما

راجا کشا میخانه را خمها بده دیوانه را

افسانه کن افسانه را، عاقل نیابد فن ما

دیوان راجابابا کا محکم عقیدہ ہے کہ کل من عند اللہ (سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے)۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان کی مجبوری اور معذوری کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہدایت وضلالت قبضہ قدرت میں ہیں اور کسی کو چوں چرا کی گنجائش نہیں۔

در ملك خود مالك منم۔ هر چیز را هالك منم

بر گشته را سالك منم کس را نه باشد چوں چرا

ایں خاك را مهمان کنم آں نار را شیطان کنم

هم ایں کنم هم آں کنم کس را نه باشد چوں چرا

ایوب را دادم بلا در کرم کردم مبتلا

اے مرد دیں اند قضا کس را نه باشد چوں چرا

بر صیصا وبلعم به بیں صد داغ لعنت بر جبیں

در شهر مارسم چنیں کس را نه باشد چوں چرا

راجا بماں در امر من غافل مشو از قهر من

تحقیق داں در شهر من کس را نه باشد چوں چرا

صوفیاء کے حلقہ میں آپ کو راجا عارف باللہ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔آپ اپنے وقت کے برگزیدہ اور کامل صوفی تھے۔آپ کے اشعار لال شہباز قلندر کے عرس پر پڑھے

حواشی:۔

۱۔ ایلیا شہر کا زاہد جسے کفار مستجاب الدعوات سمجھتے تھے۔جس نے بنی اسرائیل کے حق میں بددعا کی جو منظور ہوئی اور بنی اسرائیل چالیس برس تک صحرائے تیہ میں سرگرداں پھرتے رہے۔اسی دوران صحرا میں اُن پر من و سلویٰ بھی اترا۔برصیصا کا اعمال نامہ خدا نے منسوخ کر دیا۔اور اس کا انجام کفر سے ہوا۔

۲۔ اسی طرح بلعم باعور کو بھی خدا نے ملعون کیا۔

جاتے ہیں۔ایک کتابچہ جو لال شہباز قلندر کے عرس کے موقع پر چھپا تھا اُس میں آپ کے اشعار عثمان ہارونی سے منسوب کئے گئے ہیں۔عثمان ہارونی کا کلام میرے پاس موجود نہیں اس لئے میں اُن کے کلام پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہوں مگر وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ عثمان ہاروتی راجا تخلص نہیں لکھتے ہونگے۔یہ کلام جن میں تخلص راجا ہے۔سید راجا دیوان کا ہے اوا نکے مجموعہ کلام کا حصہ ہے جس کا کچھ حصہ نول کشور لکھنوَ نے چھاپہ ہے۔چونکہ دیوان راجا بابا نے اپنے کلام کو اکٹھا کر کے چھپوانے کا اہتمام نہیں کیا تھا آپ کے اشعار مختلف قوالوں کی زبانی دوسرے بزرگوں اور شعراء سے منسوب کر دیئے گئے اور اس طرح آپ کا شعری مجموعہ ضائع ہو گیا۔ممکن ہے کہ آپ کے کلام کا مکمل مجموعہ کسی صاحب ذوق کے پاس موجود ہو جو مرور زمانہ کے باعث نسل در نسل منتقل ہونے کے سبب تلف ہو گیا ہو یا اب بھی کسی گمنام کونہ میں موجود ہو۔لیکن جتنا کلام موجود ہے اُس سے دیوان راجا بابا کے عشق وجنون پر کافی روشنی پڑتی ہے۔اور آپ کی عارفانہ عظمت کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔

باب اول

فصل ششم

حضرت سید جلال الدینؒ ترمذی المعروف بہ سید جلال بابا

ابتدائی حالات:۔

آپ کا پورا نام حضرت سید جلال الدینؒ ہے۔آپ سید علی ترمذی المعروف بہ پیر بابا (وفات ۹۹۱ھ) کی چوتھی پشت میں ہیں۔تاریخ ہزارہ مولفہ کیپٹن ویلس میں آپ کا شجرہ نسب یوں درج ہے:۔

ولادت ۹۰۹ھ — سید علی ترمذی (پیر بابا) — وفات ۹۹۱ھ

ولادت ۹۷۲ھ = ۱۵۶۴ء — مصطفیٰ بابا — وفات ۱۰۲۴ھ = ۱۶۱۵ء

میاں قاسم بابا — عبدالوہاب بابا

ولادت ۹۹۹ھ ۔وفات ۱۰۶۲ھ

میاں خواجہ بابا — سید جلال بابا — سید محمود بابا

ولادت قیاساً ۱۶۱۵ء

مذکورہ تاریخ کے صفحہ ۱۰۳۱ پر لکھا ہے۔
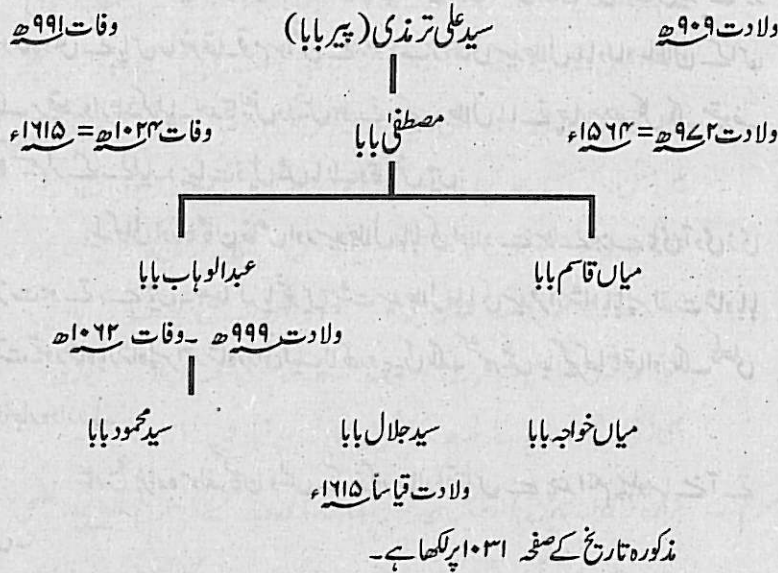
"چوتھی پشت پیر بابا کے سید جلال بابا ملک بنیر سے معہ مراد خان قوم عرب کشمیر کو جاتے ہوئے اسی جگہ گلی باغ ریاست کی جگہ دیکھ کر مقیم ہو گئے۔سلطان محمود ترک (۱) اس ملک کا فرمانروا تھا۔چونکہ دونوں خاندانی اور صاحب عزت تھے۔بعد چندے سید جلال بابا کو بزرگ اور اچھا جان کر سلطان محمود نے اپنی دختر سے نکاح کر کے درہ بھوگڑ منگ جہیز میں دے کر اس جگہ آباد کر لیا۔سید

---

۱ یہ سلطان محمود کلاں ہے جو اکبر اعظم کے دور کا حکمران پکھلی ہے۔سلطان حسین اس کا بیٹا تھا اور سلطان شادمان اس کا پوتا اور پکھلی کا آخری حکمران تھا۔

جلال بابا کا بہ سبب قرابت سلطان کے اندر باہر کا دخل ہوگیا۔ سب طرح کا فخر لے گیا۔ جب زور اس کا دن بدن زیادہ ہونے لگا تو سلطان کو یہ امر بہت ناگوار معلوم ہوا۔ اُس کے مارنے کی فکر میں ہوا اور خفیہ وزدان کو اُس کے پیچھے چھوڑا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد مقام ڈگ علاقہ بھوگڑ منگ سید جلال پر پہنچ کر زخمی کیا۔ سید جلال بابا بوقوع اس حال کے ملک بنیر اپنے زاد بوم میں چلا گیا۔ ملک سوات کے لوگ سید جلال بابا کی کرامت اور بزرگی اور خاندان کے معتقد تھے۔ اُن سے مشورہ کر کے لشکر سواتھے کا اپنے ہمراہ لیا اور سلطان پر چڑھائی کر لی۔ اس موقع میں سلطان بذات خود بادشاہ دہلی کے پاس حاضر تھا۔ قوم سواتھی نے بموجب رہنمائی سید جلال بابا داماد سلطان کے اس ملک پر قبضہ وارثانہ کرلیا۔ بعد قابض ودخیل ہونے کے سید جلال بابا نے چہارم حصہ کل ملک مقبوضہ کا تقسیم کر کے لے لیا۔ دیہات ذیل میں مالک وقابض ہیں:

بیلہ کوائی اور کاگان خاص اور سید جلال بابا کی اولاد سے بڑے بڑے نامی آدمی زی عزت ہوتے رہے ہیں۔ جیسا کہ پانچویں پشت سید جلال بابا کی سید فراز شاہ بابا پسر لذت شاہ بابا وقت تیمور شاہ بادشاہ پسر احمد شاہ درانی ایک لاکھ روپیہ کی ملک کشمیر میں جاگیر کھاتا تھا اور ملک پکھلی کا اجارہ دار رہا۔

تاریخ ہزارہ مولفہ کیپٹن ویلس کے مذکورہ بالا اقتباس سے چند اہم پہلو سامنے آتے ہیں۔

اول:۔ عبارت کے الفاظ "قوم سواتھی نے بموجب رہنمائی سید جلال بابا داماد سلطان کے اس ملک پر قبضہ وارثانہ کر لیا" سے مراد یہ ہے کہ قوم سواتھی نے قبضہ وارثانہ کرلیا نہ کہ سید جلال بابا نے۔ سید جلال بابا کی رہنمائی ضرور ہوگی مگر قبضہ وارثانہ قوم سواتھی کا تھا۔ کیونکہ قوم سواتھی علاقہ پکھلی کو اپنے مورث اعلیٰ سلطان پکھل (فکہل) کا مفتوحہ علاقہ سمجھتی رہی ہے۔ جہاں تک سید جلال بابا کی رہنمائی کا تعلق ہے اسکا مطلب یہ نہیں لیا جا سکتا کہ وہ قوم سواتھی کے لشکر کے کمانڈر تھے۔ راہنمائی سے مراد ساز باز اور علاقے کے متعلق دیگر معلومات بھی ہو سکتی ہے۔

دوم:۔ پکھلی سرکار کے قلعہ چھاچل نزد تھاکوٹ پر حملہ اخون سالاک کا بلگرامی نے کیا تھا اور قلعہ فتح کر کے پکھلی سرکار کے شمالی علاقے پر قبیلہ سواتی کا قبضہ ہوگیا تھا۔ اس پر تفصیلی بحث اخون سالاک کے باب میں ہو چکی ہے۔ چھانجل کے قلعہ دار شمشیر ترک کو شکست دے کر ہلاک کر دیا تھا اور قلعہ مکمل طور پر مسمار کر دیا گیا تھا۔ چھانجل پر یہ پہلا اور آخری حملہ تھا اسکے علاوہ اور کوئی حملہ نہیں ہوا۔ اخون سالاک کے حملے کے متعلق عالمگیر نامہ میں تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔ اخون سالاک کی قیادت میں یوسف زئیوں اور سواتیوں کے ملے جلے لشکر سے حملہ کیا گیا تھا۔ یوسف زئی فتح کے بعد واپس چلے گئے تھے جبکہ سواتی بمعہ اہل وعیال علاقہ کونش ٹکری نندھاڑ، الائی وغیرہ علاقوں میں منتقل ہو کر مستقل طور پر آباد ہو گئے۔ اخون سالاک نے یوسف زئیوں کے لئے ڈوما کفار (غیر مسلم ترک) کا علاقہ مختص کیا تھا جس میں علاقہ مہابن کا مشرقی حصہ اور کالاڈھاکہ کا مغربی حصہ شامل ہیں۔ ان علاقوں میں اب بھی یوسف زئی آباد ہیں مثلاً مداخیل، امازئی، چغرزئی، دریائے سندھ کے مغربی حصہ میں اور حسن زئی، بسی زئی وغیرہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر آباد ہیں۔

سوم:۔ ہزارہ گزٹیر اور تاریخ ہزارہ میں سید جلال بابا کے مذکورہ بالا حملے کی تاریخ ۱۷۰۳ء لکھی گئی ہے جبکہ محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ (ترکوں کا عہد) نے اسے اورنگزیب کی وفات کے بعد ۱۷۱۳ء میں تعین کیا ہے اور یہ ہر دو تاریخیں غلط ہیں۔ اس وقت سید جلال بابا کا کوئی وجود نہ تھا۔ وہ دور شاہجہان میں رحلت فرما چکے تھے۔ سید جلال بابا کو سید علی ترمذی (پیر بابا) کی چوتھی پشت میں بتایا گیا ہے۔ پیر بابا کی تاریخ وفات ۹۹۱ ہجری ہے (بعمر ۸۲/۸۳ سال) اس طرح پیر بابا کی پیدائش ۹۰۹ ہجری ہوگی اگر ایک سو سال کے عرصہ میں چار پشتوں کو شمار کیا جائے تو ۱۰۰۹ ہجری میں سید جلال بابا رحلت فرما چکے ہونگے۔ اگر بہت رعایت دے کر چار

پشتوں کو ۱۵۰ سال پر محیط کر دیا جائے تو تب بھی سید جلال بابا (۱۰۰۹ + ۵۰) =۱۰۵۹ھ/۱۶۴۹ء تک ہی زندہ رہ سکتے ہیں اور یہ شاہجہان کا دور ہے نہ کہ اورنگ زیب عالمگیر کا آخری عشرہ۔ اب اگر اس حملے کو سید جلال بابا کی قیادت میں متصور کیا جائے تو تب بھی یہ حملہ ۴۵۔ ۱۶۴۰ء کے دوران ہوا ہوگا کیونکہ سید جلال بابا کا ۱۶۵۰ کے بعد بقید حیات رہنا محال ہے۔ اسے ہم دوسرے عام فہم طریقہ سے بھی معلوم کر سکتے ہیں۔ سید علی ترمذی کی تاریخ پیدائش ۹۰۹ ھجری ہے اور اگر انکا بیٹا اُنکی عمر کے پینتسویں (۳۵) سال میں پیدا ہوا ہو تو اس طرح سید مصطفٰے بابا (۹۰۹+ ۳۵) ۹۴۴ ھجری میں پیدا ہوگا اور مزید ۳۵ سال بعد عبدالوہاب بابا پیدا ہوا ہوگا (۹۴۴+۳۵) ۹۷۹ ھجری اور مزید ۳۵ سال بعد یا ۴۰ سال (بوجہ دوسری اولاد) کے سید جلال بابا پیدا ہوگا (۹۷۹+۴۰) ۱۰۱۹ ہجری۔ اگر سید جلال بابا کی پیدائش ۱۰۱۹ھ بھی ہو تو اُس نے ۴۰ سال عمر کے درمیان حملہ کیا ہوگا اس طرح ان کی رہنمائی میں چھانجلی یا گلی باغ پر حملہ (۱۰۱۹ + ۴۰=۱۰۵۹) ہجری کے درمیان ہوا ہوگا یعنی ۱۶۴۷/۱۶۵۷ عیسوی کے درمیان ہوا ہوگا۔ مذکورہ بالا تجزیہ میں ہر بیٹے کو باپ کی عمر کے ۳۵ ویں یا ۴۰ ویں سال بعد دکھایا گیا ہے جبکہ یہ ممکن ہے کہ بیٹا باپ کی عمر کے ۲۰، ۲۵ سال بعد پیدا ہوا ہو۔ اس طریقہ سے عمر اور حملے کی تاریخ میں مزید ۲۵، ۳۰ سال کی کمی واقع ہو سکتی ہے اسے کسی صورت ۱۶۴۷ء سے آگے نہیں لایا جا سکتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ چھانجل پر حملہ یا گلی باغ کی فتح دور شاہجہان کا واقعہ ہے نہ کہ دور اورنگزیب کا۔ مذکورہ بالا تواریخ میں ۱۷۰۳ء یا ۱۷۱۳ء صریحاً غلط ہے۔

چہارم:۔ سید عبدالجبار شاہ مرحوم نے اپنی تصنیف "العبرۃ" میں سیّد جلال بابا پر ایک طویل مضمون لکھا ہے۔ انہوں نے بھی سید جلال بابا کو دور شاہجہان کی شخصیت گردانا ہے اور پکھلی پر حملے کو دور شاہجہان کا واقعہ قرار دیا ہے۔

اگر یہ حملہ سیّد جلال بابا کی قیادت میں دور شاہجہان میں ہوتا تو لازماً پکھلی کے وقائع

نگار یا قلعہ اٹک کے قلعہ دار سید جلال بابا کے متعلق مغل دربار کو رپورٹ لکھتے مگر شاہی ریکارڈ میں صرف ایک رپورٹ موجود ہے جسکے مطابق اخون سالاک (ملا چالاک) نے چھاچل پر حملہ کیا تھا اور پکھلی سرکار کے کچھ علاقے پر قابض ہوگیا۔ پکھلی سرکار کا علاقہ اور ڈوما کفار کا علاقہ براہ راست مغل تسلط میں نہیں تھا۔ اسلئے چھاچل (چھانجل) اور ڈوما کفار کے علاقوں میں اخون سالاک کی کاروائیوں پر مغل دربار سے کسی فوری ردعمل کا اظہار نہیں ہوا۔ اللہ بخش یوسفی مصنف "یوسف زئی پٹھان" نے اپنی تصنیف کے صفحہ ۳۰۶ پر شاہجہان بادشاہ اور اخون سالاک کے درمیان خط وکتابت کا حوالہ دیا ہے۔ (۱) اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں چونکہ یوسف زئیوں نے بہاکو خان کی قیادت میں ہزارہ قارلغ کے علاقے میں کاروائیاں کی تھیں اور دریائے سندھ کو اوہند کے مقام سے عبور کر کے علاقے چھچھ میں چند شاہی چوکیوں پر قبضہ کر کے شاہی گماشتوں کو وہاں سے نکال دیا تھا۔ وقائع نگاروں نے شاہی علاقے میں یوسف زئیوں کے بہاکو خان خدو خیل کی قیادت میں توسیعی عزائم اور سرگرمیوں کے متعلق اورنگزیب بادشاہ کو مطلع کیا اور یوسف زئیوں کی شورش کے محرکات اور اخون سالاک کی قیادت میں قلعہ چھاچل پر حملے کا ذکر کیا۔ یہ کاروائیاں شاہجہان کے دور میں شروع ہوئی تھیں اور اورنگزیب کے ابتدائی دور میں ہزارہ قارلغ تک پھیل گئی تھیں اور اورنگزیب نے شاہی علاقے میں مداخلت کے سبب یوسف زئیوں کی یورش کو فرو کرنے کا حکم صادر کیا جس کا تذکرہ "عالمگیر نامہ" اور "ماثر عالمگیری" میں موجود ہے۔ اگر ان کاروائیوں سے سید جلال باباؒ کا تعلق ہوتا تو وقائع نگار لازماً سید جلال بابا کا ذکر بھی

---

(۱) "یوسف زئی پٹھان" صفحہ ۳۰۶ از اللہ بخش یوسفی۔

نوٹ: چھاچل پر یہ پہلا اور آخری حملہ تھا جو اخون سالاک کی قیادت میں کیا گیا تھا، مگر ہزارہ گزٹیر میں موضوعی روایت کے نتیجے میں سید جلال بابا سے منسوب کیا گیا ہے۔ غالباً اسی سبب سے سر جادو ناتھ نے اخون سالاک اور سید جلال بابا کو ایک ہی شخصیت گردانا ہے حالانکہ یہ دو الگ شخصیات ہیں۔

کرتے۔ عالمگیر نامہ میں صرف اخون سالاک کا ذکر موجود ہے جس کی تصدیق جناب اللہ بخش یوسفی کی تصنیف "یوسف زئی پٹھان" سے بھی ہوتی ہے۔

اورنگزیب عالمگیر کے حکم کے مطابق بہا کو خان خدو خیل اور یوسف زیئوں کے خلاف کاروائی ہوئی مگر پکھلی سرکار کے شمالی علاقے (نندھاڑ اور نکری وغیرہ) میں کوئی کاروائی نہیں ہوئی۔ البتہ بقول محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ یوسف زیئوں کی پیش قدمی رک گئی اور دریائے سندھ کے جنوب مشرقی علاقے (چھچھ) سے یوسف زئیوں کو نکال دیا تھا۔

سید جلال بابا کی رہنمائی اور چہارم حصہ زمین لیکر باقی اراضی سواتیوں میں تقسیم کرنے کا معاملہ میجر راورٹی نے اپنی تصنیف میں واضح کر دیا ہے۔

"These people (The Tajik Swatis) with the help of any other who would aid them and without being led by or subjected to the control of a single chief, possessed themselves of the tract. In consequence of this, no Chief or Malik from that time had any claim to rule over them. Having possessed themselves of the pakhal or Pakhlai territory, they divided it equally among themselves and their confiderates according to the number of their families."

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ اگر سواتیوں کی کسی نے مدد بھی کی تو تب بھی سواتیوں نے کسی ایک شخص کی قیادت اور کنٹرول کو قبول نہیں کیا اور اس علاقے کو سب نے مل کر فتح کیا۔ اس کے نتیجے میں نہ ان کا کوئی سربراہ تھا اور نہ ہی کوئی ملک جو ان پر حکومت کرتا یا حکومت کرنے کا دعوے دار ہوتا۔ علاقہ پکھلی کو فتح کرنے کے بعد انہوں نے اس کو آپس میں اور اپنے شریکوں (confiderates) میں خاندانوں کی

تعداد کے حساب سے برابر تقسیم کر دیا۔(۱)

راورٹی آگے لکھتا ہے:۔

"Some yerars ago they chose Saadat Khan, one of their own people, a person greately respected among them..."(2)

" کچھ عرصہ پہلے (یعنی درانیوں کے دور میں) انہوں نے اپنے میں سے سعادت خان کو جو ان میں قابل تعظیم تھا چنا۔۔۔"

اس سے صاف ظاہر ہے کہ سعادت خان کے دور تک سواتیوں میں امارت یا شخصی حکمرانی کا وجود نہ تھا۔ اور پکھلی کی تقسیم میں انہوں نے سید جلال بابا کو مختلف مواضعات میں سیری اراضیات دی تھیں نہ کہ چہارم حصہ۔ پکھلی میں بھوگڑمنگ سے بھی سواتیوں نے سادات کو نکال دیا تھا۔ کاغان کا علاقہ بہت عرصہ بعد سید جلال بابا کے پوتے نے سواتیوں کی مدد سے فتح کیا جس کے نتیجہ میں کوائی بیلہ اور کاغان ترمزی سادات کو جبکہ وادی کاغان کا باقی علاقہ سواتیوں کے حصہ میں رہا۔

پنجم:۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ اورنگزیب عالمگیر نے ۷۵-۱۶۷۴ء کے دوران حسن ابدال میں قیام کیا تھا اگر ہم چھانجل پر ۱۶۴۵ء کے بجائے راجا محمد ارشاد کی لکھی تاریخ (۶۷-۱۶۶۶) کو بھی تسلیم کریں تو چھانجل پر حملہ اورنگزیب کے حسن ابدال آنے سے آٹھ سال قبل ہوا اور شمالی علاقہ پکھلی بدستور سواتیوں کے قبضہ میں رہا مگر ترکوں کا کوئی وفد حسن ابدال میں کسی قسم کی شکایت لے کر اورنگزیب کے سامنے پیش نہیں ہوا۔ اورنگزیب کو قارلغ ہزارہ میں افغانوں کی پیش قدمی اور دست درازی کی شکایت اس سے بہت پہلے گجر سرداروں کے ذریعے مل چکی تھی جس کے نتیجے میں صالح محمد خان دلہ زاک نے ثالثی کر کے علاقے کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ تقسیم ۱۶۶۶ء کو عمل میں

(۲،۱) نوٹس آن افغانستان و بلوچستان ص۹۷-۲۷۸ از میجر راورٹی۔

لائی گئی۔ گجر سرداروں کا بھی کوئی وفد حسن ابدال میں اورنگزیب کو نہیں ملا تھا۔ ہزارہ قارلغ کی تقسیم کے کچھ عرصہ بعد سلطان مبارز الدین گکھڑ نے سلطان مقرب دھمتوڑی کو شکست دیکر بھگا دیا تھا اور وہ عدم پتہ ہو گیا۔ اور اسکے بعد کرڑالوں

اور تنولی نے تجاوز کر کے ترکوں کے بہت سے علاقے قبضہ میں کر لئے تھے۔ اصالت خان گکھڑ کو پکھلی سرکار کا فوجدار مقرر کر دیا تھا (۱) اور تمام علاقہ سرکاری تحویل میں آچکا تھا۔ ان حالات میں یہ کہنا کہ ترکوں کی حکومت ۱۷۰۳ء یا ۱۷۱۳ء تک قائم رہی مضحکہ خیز ہے۔ سلطان محمود خورد کا سرحدی جنگوں میں شامل ہونا یا شمشیر قلعہ دار کا دوبارہ چھانجل پر قبضہ کرنا جیسا کہ راجا محمد ارشاد نے لکھا ہے تاریخ سے ثابت نہیں کیونکہ عالمگیر نامہ میں بالتفصیل ان تمام سرداروں کے نام دئے گئے ہیں جو سرحدی مہمات میں شامل تھے جن میں سلطان محمود خورد اور شمشیر کا نام نہیں۔ جس شمشیر کا ذکر کیا گیا ہے وہ شمشیر ترین اور کابل کا فوجدار تھا اور سہ ہزاری منصبدار تھا۔ (۲)

ترکوں کی حکمرانی عملاً ختم ہو چکی تھی اور اب وہ صرف مانکرائے کی پٹی کے مالک رہ گئے تھے۔ اصالت خان گھکڑ فوجدار پکھلی کو شہزادہ بہادر شاہ نے ۱۶۹۹ء میں پکھلی کی فوجداری سے تبدیل کر کے رحمان داد خان کو فوجدار پکھلی سرکار مقرر کر دیا تھا۔ اور ۱۷۰۵ء میں رحمان داد خان کے تغیر سے یعقوب خان بہ تجویز ابراھیم خان پکھلی کا فوجدار نامزد ہوا۔ (۳) ان حالات سے صاف ظاہر ہے کہ ۱۶۸۰ء تک ترکوں کی حکومت نام کی کوئی چیز باقی نہ رہی تھی اس لئے اورنگزیب کے حسن ابدال میں قیام کے دوران نہ ترکوں کا وفد ملا اور نہ ہی اورنگزیب نے پکھلی کے متعلق کوئی نیا حکم جاری کیا کیونکہ انتظامی معاملات پہلے سے طے ہو چکے تھے۔ اگر گلی باغ پر ۱۷۰۳ء میں بھی حملہ ہوا ہوتا جیسا کہ ہزارہ گزٹیر میں لکھا ہے تو لازماً اورنگزیب کچھ نہ کچھ حکم صادر کرتا کیونکہ وہ

---

(۱) حیات افغانی ص ۶۲۵ از محمد حیات خان۔

(۲) عالمگیر نامہ ص ۱۰۵۶

(۳) مآثر عالمگیری ص ۳۵۹

۱۷۱۱ء تک زندہ تھا۔ پکھلی سرکار کا علاقہ کابل سے منسلک تھا جو شاہزادہ بہادر شاہ کے زیر کنٹرول تھا۔ بہادر شاہ نے ہزارہ قارلغ کی تقسیم کے بعد ۱۶۹۰ء میں اصالت خان گھکڑ کو پکھلی کا فوجدار مقرر کیا تھا جسے ۱۶۹۹ء میں پکھلی سے بنوں تبدیل کر دیا تھا۔ اصالت خان چونکہ اپنی تبدیلی پر ناخوش تھا اس لئے اُس نے سواتیوں اور جدونوں کی مدد سے پکھلی سرکار میں شورش بپا کرادی جس کے نتیجہ میں جدونوں نے ترکوں، کرڑالوں اور تنولیوں کے متحدہ لشکر سے مقابلہ کر کے دھمتوڑ اور ملحقہ علاقوں پر قبضہ کرلیا اور اس طرح پکھلی سرکار کے شعبۂ دھمتوڑ سے ترکوں کا مکمل خاتمہ ہو گیا۔ قبیلہ جدون کو سواتیوں کی حمایت حاصل تھی جنھوں نے ۱۷۰۱ء تا ۱۷۰۳ء دھمتوڑ فتح کیا اور علاقے پر مستقل قابض ہو گئے۔

عالمگیر نامہ ص ۳۵۹ کے مطابق یعقوب خان کو ابراہیم خان کی تجویز پر پکھلی سرکار کا ۱۷۰۵ء میں فوجدار نامزد کیا گیا۔

مذکورہ بالا بحث سے ہم مندرجہ ذیل نتائج اخذ کرتے ہیں:۔

۱۔ سیّد جلال بابا کوئی تاریخی شخصیت نہیں۔ ان کا ذکر معاصرانہ تاریخی کتب مثلاً ماثر الامرا، شاہجہان نامہ، عالمگیر نامہ یا مآثر عالمگیری میں موجود نہیں۔

۲۔ سیّد جلال بابا کے ساتھ موضوعی روایات مشہور کر کے اُسے سواتیوں کا لیڈر بنا دیا گیا ہے جو تاریخ سے ثابت نہیں۔ موضوعی روایات تاریخ کی جگہ نہیں لے سکتیں۔ عقیدت اور تاریخ میں فرق ہے۔ عقیدت مندی تاریخی حقائق کو نہیں بدل سکتی۔

۳۔ ان موضوعی روایات کے اسباب موجود ہیں۔ اخون سالاک کی قیادت میں ۱۶۴۷ء میں چھانجل کی فتح کے بعد سلطان قاسم بمبہ نے مظفر آباد تا بارہ مولا کے علاقہ پر سلطان کمال خان ترک کو قتل کر کے قبضہ کرلیا تھا۔ ادھر سواتیوں نے شمالی علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا۔ سلطان شادمان والئی پکھلی بدخشاں اور بلخ کی مہمات میں لڑ رہا تھا اور شاہجہان نامہ میں اُسکا آخری ذکر جون ۱۶۴۷ء میں آیا ہے۔ اُسکے بعد وہ عدم پتہ ہے۔ اسکا بیٹا سلطان محمود خورد بھی عدم پتہ ہو گیا تھا۔ پکھلی کے حالات ابتر ہونے لگے۔ اس لئے سیّد جلال بابا نے نندھاڑ میں سواتیوں کو پکھلی پر حملے کی ترغیب

دی ہوگی اوران سے ساز باز کر کے معاہدہ طے پایا ہوگا کہ پکھل کی فتح کے بعد علاقہ بھوگڑ منگ اُسکی جاگیر میں رہنے دیا جائے اور باقی علاقہ سواتی آپس میں تقسیم کرلیں۔اس معائدے کی رو سے سواتیوں نے گلی باغ پر شب خون مارا اور علاقے پر قبضہ کرلیا۔مگر اس تمام کاروائی میں سیّد جلال بابا کا کردار صیغہ راز میں رہا۔اگر ایسے نہ ہوتا تو وقائع نگار لازماً آپ کے متعلق شکایت کرتے اور آپ کا نام معاصرانہ تاریخ کا حصہ بنتا۔اس رازداری اور خفیہ تعلق کی بنیاد پر سواتیوں نے حسب معائدہ بھوگڑ منگ کا علاقہ آپ کو دے دیا۔مگر آپ کا بیٹا شاہ زمان شاہ اپنے آپ کو نانا کے علاقے کا وارث سمجھ کر زیادہ حصہ کا مطالبہ کرتا تھا۔سواتیوں نے اسکی یہ منشا پوری نہیں کی۔شاید یہی وجہ ہے کہ سواتیوں کے متعلق افسانے گھڑے گئے کہ یہ " چھل باز" ہیں وغیرہ وغیرہ اور دو سوسال بعد ان موضوعی روایات کے باعث بندوبست کے ریکارڈ میں افسانوی قصے درج ہوئے جو بعد میں بلا تصدیق و تجسس و بلا تحقیق من وعن درج ہوتے رہے۔ان موضوعی روایات کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔یہی وجہ ہے کہ انگریز مورخین کو ہزارہ گزیڑ ۸۴-۱۸۸۳ء اور ۱۹۰۷ء میں درج ذیل عبارت لکھنی پڑی:۔

"All these events appear to hare taken place in the seventeenth or in begining of the eighteenth century. In the absence of all written record it is impossible to place them in the correct order or describe exactly how they came about, nor is it necessery to repeat the exaggerated traditions of each tribe."

ترجمہ:۔

"یہ تمام واقعات سترھویں یا اٹھارویں صدی کے اوائل میں پیش آئے تحریری ریکارڈ کی عدم موجودگی میں ان کو درست طریقہ سے ترتیب دینا یا بیان کرنا کہ یہ کیسے وقوع پذیر ہوئے محال ہے۔اور نہ ہی یہ ضروری ہے کہ ہر قبیلہ کی مبالغہ سے پُر روایات کو دہرایا جائے۔"

اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ انگریزوں نے بھی ان بیان کردہ واقعات کی تصدیق نہیں کی جن کو ہم حرف آخر سمجھ بیٹھے ہیں۔

تاریخی اعتبار سے ان روایات کی بغیر تحقیق کئے کوئی حیثیت نہیں۔ ہمارے بعض معزز مورخین نے ہزارہ گزٹیرز اور تاریخ دیس ہزارہ کے ان غیر مصدقہ مندرجات کو بنیاد بنا کر تاریخ نویسی میں غلط روایات کو جنم دیا ہے۔اس پر طرہ یہ کہ ان غیر مصدقہ روایات کو مزید افسانوی رنگ دیکر تاریخ کے بجائے قصے کہانیاں لکھ دی ہیں حالانکہ ان واقعات کے تاریخی ماخذ موجود ہیں۔

مسئلہ قیادت اور تاریخی حقائق:۔

قبیلہ سواتی اور بعد میں قبیلہ جدون کے ابتدائی دور میں پکھلی سرکار کی ہر دو ریاستوں میں (یعنی گلی باغ و دھمتوڑ) ان دونوں قبیلوں نے اپنے اپنے مفتوحہ علاقوں میں ایک جمہوری معاشرہ کی بنیاد رکھی اور برابری کی بنا پر اپنے ذیلی قبیلوں اور گروہوں میں اراضی کی تقسیم کی۔ ان میں نہ کوئی موروثی خان تھا اور نہ جاگیردار۔ بلکہ عقل، شرافت، انصاف پسندی اور دولت مندی کی بنیاد پر حالات کے مطابق کوئی بھی شخص اپنے قبیلے میں خان بن جاتا تو اُسے عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔مگر موروثی خانی کا کوئی تصور نہ تھا۔درانیوں، سکھوں اور بعد میں انگریزوں نے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے جاگیریں عطا کیں اور ایک جمہوری معاشرہ کو افراط و تفریط کا شکار بنا کر اپنے لئے وفادار غلام پیدا کئے جنہوں نے انفرادی خودستائی کے شوق میں قبیلے کی مجموعی ہیت کو بگاڑ دیا۔کیپٹن ویس نے یہ لکھ کر کہ سواتی کچھ یک جدی کچھ ہم قوم اور کچھ متفرق ہیں کوئی غلطی تو سرزد نہیں کی۔ ہر فاتح قوم کا یہی حال ہوتا ہے۔مگر متفرق لوگوں میں جو لوگ اسلحہ بردار ہوتے ہیں اور جنگ میں شریک ہوتے ہیں انکو ہر قوم نے انفرادی قوت کی مناسبت سے حصہ دیا ہے۔یوسف زیئوں میں بھی ایسے لوگ موجود تھے اور اگر سواتیوں میں موجود رہے تو کونسی قیامت آگئی کہ ان کو متضاد انسب لکھ دیا گیا۔تمام افغان قبائل کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو اصلی نسل کے ساتھ وصلی نسل کو بھی شامل کیا گیا ہے۔قیس عبدالرشید کے تین فرزند اصلی اور صلبی ہیں جبکہ دو وصلی ہیں۔مگر تاریخ میں جو مقام وصلی اولاد نے حاصل کیا وہ شاید اصلی نہیں حاصل کر سکے۔پھر غورغشت اور کاکڑ نے

منہ بولے اور خانہ زاد افراد کو اپنے قبیلوں میں جگہ دی اور اگر سوادیوں (سواتیوں) نے بنگش اور شلمانی وغیرہ کو اپنے قبیلہ میں ضم کرلیا تو کونسا گناہ سرزد ہوا کہ ان کو متضاد انسب لکھ دیا۔ ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ان کی اصل کو تفرق اور دوئی سے دوچار کردیا گیا ورنہ تاریخ میں تسلسل کے ساتھ شاید ہی کوئی ایسا افغان قبیلہ ہو جو اتنی طویل مدت تک صاحب اقتدار رہا ہو جتنا کہ قبیلہ سواتی رہا ہے۔ راورٹی کا مندرجہ ذیل بیان سواتیوں کے خودساختہ لیڈروں کا بھانڈا پھوڑ دیتا ہے:۔

"These people with the help of any others who would aid them, and without having been led by or subject to the control of a single Chief possessed themselves of this tract . In consequence of this no Chief or Malik from that time had any claim to rule over them.Having possessed themselves of the Pakhal or the Pakhlai territory, they divided it equally among themselves and their confiderates accroding to the number of their families.(The writer appears to refer to Sayyed Jalal)(1)

اب ہم کچھ اور روایات کو زیر بحث لاتے ہیں جن کے مطابق سواتیوں کی قیادت سیّد جلال بابا کے علاوہ کچھ اور بزرگوں سے بھی منسوب ہے:۔

سمیع اللہ جان مرحوم مصنف "تحقیق الافغان" نے اپنی کتاب کے ص ۷۷ پر جارج سکاٹ (George Scott) کی تصنیف "افغان اینڈ پٹھان" (Afghan and Pathan) کے حوالے سے لکھا ہے:۔

"بھائی خان پٹھان بدحشاں سے سینکڑوں آدمی لیکر ہندوکش اور دریائے سندھ عبور کرکے گلی باغ پہنچا اور گلی باغ کو فتح کرکے قبضہ کیا"

---

(1) Notes on Afghanistan and Baluchistan P278-279 by Major Raverty.

جارج سکاٹ نے "افغان اور پٹھان ۱۹۲۹ء میں لکھی ہے۔ مگر امپیریل گزٹیر آف انڈیا (این ڈبلیو ایف پی) Imperial Gazeteer of India (N.W.F.P Series) جارج سکاٹ کی کتاب سے پہلے مرتب ہوا ہے۔ اس کا بیان مندرجہ بر ص ۵۵ ۸۱ ملاحظہ ہو:۔

"The first historical event on record in connection with Swat is that in the beginning of sixteenth century its ruler sultan Udais (also known as Sultan wais or Owais) whose possession extended from the river Swat to Baramula at the enterance of Srinagar (Kashmir) was expelled from his dominion by the Yousafzais, who at that period had colonised the Peshawar District. Udais with a large following finally settled in valleys north of Muzaffar abad. in what is now known as the Hazara district. In this district there is still living a descandant of Sultan Udais, one Samandar Khan , a native gentleman, who is in the enjoyment of grants of land in addition to being an honorary magistrate of the district"

(compiled and edited by Col A.L.E HOLMES)

ترجمہ:۔

سوات کے متعلق تاریخی واقعہ جو ریکارڈ پر ہے یہ ہے کہ سولویں صدی کے شروع میں اسکا (سوات کا) حکمران سلطان اویس (جسکو سلطان ویس یا اویس بھی کہتے ہیں) اور جسکی سلطنت دریائے سوات سے بارہ مولا تک جو کشمیر کے دروازہ پر ہے، پھیلی ہوئی تھی اپنی مقبوضات سے یوسف زئیوں نے نکال دیا جو (یوسف زئی) اُس وقت پشاور کے علاقے میں آباد تھے۔ اویس اپنے بہت سے تابعین کے ساتھ مظفر آباد کے شمال میں واقع وادیوں میں قیام پذیر ہوا۔ یہ علاقہ

اب ضلع ہزارہ کہلاتا ہے۔اس ضلعے میں سلطان اویس کی نسل سے ایک شخص سمندر خان موجود ہے۔ جس کو سرکار کی طرف سے (جاگیر) گرانٹ کے طور پر ملی ہے اور ضلعے میں اعزازی مجسٹریٹ بھی ہے۔

متذکرہ بالا تحریروں سے سواتیوں کے پکھلی سرکار (ضلع ہزارہ) میں آنے کے تین واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ سواتیوں کو سیّد جلال بابا سوات بونیر سے لے کر آئے اور گلی باغ پر قبضہ کرلیا۔ دوسرا یہ کہ بھائی خان پٹھان بدخشاں سے سینکڑوں بدخشی لیکر آیا اور ہندوکش اور دریائے سندھ کو عبور کر کے پکھلی پر حملہ آور ہو کر گلی باغ فتح کرلیا اور تیسرا یہ کہ سلطان اویس سولویں صدی کی ابتداء میں اپنے بہت سے تابعین کے ساتھ یوسف زیئوں کے دباؤ سے سوات سے نکل کر مظفر آباد کے شمال میں واقع وادیوں میں آباد ہوگیا اور سمندر خان جاگیردار اور اعزازی مجسٹریٹ اسکی اولاد میں سے اب بھی موجود ہے۔ یہ تینوں تبصرے انگریز مورخیں کے قلم سے لکھے گئے ہیں۔ پہلے بیان پر جو ہزارہ گزٹیر اور تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس پر مشتمل ہے، تفصیلی بحث ہوچکی ہے اور یہ ثابت کردیا ہے کہ سیّد جلال بابا تاریخی شخصیت نہیں اور قبیلہ سواتی اُن کی قیادت میں پکھلی میں نہیں آئے البتہ اُن کی رہنمائی سواتیوں کی در پردہ حمایت تک محدود رہی ہے۔ جہاں تک دوسری روایات کا تعلق ہے اور جس کے مصنف جارج سکاٹ ہیں اسکی بھی کوئی تاریخی اہمیت نہیں کیونکہ اگر بھائی خان نے بدخشاں کی آرمی کی مدد سے گلی باغ فتح کیا ہوتا تو کہیں نہ کہیں کچھ بدخشی سواتیوں میں موجود ہوتے اور بھائی خان اور اُسکی اولاد پکھلی کے بادشاہ اور سلاطین ہوتے اور قبیلہ سواتی کے بجائے بدخشی اُن کی رعیت ہوتے اور اگر ایسا ہوتا تو یہ روایت بھی ہزارہ گزٹیر کی زینت بنتی۔ ہزارہ گزٹیر میں بھائی خان کو سیّد جلال بابا کا نوکر معتبر لکھا ہے اور ایک جگہ پر لکھا ہے کہ "سیّد جلال بابا اور مراد خان پکھلی میں آکر گلی باغ میں مقیم ہوگئے جبکہ دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ سیّد جلال بابا اور بھائی خان کی ملاقات بونیر میں ہوئی۔ دونوں میں دوستی ہوگئی اور کشمیر جاتے ہوئے گلی باغ میں قیام کرلیا۔ جہاں مراد خان پہلے سے موجود تھے۔ ان تضادات کے باعث جارج سکاٹ کی روایت بھی غلط ہے۔ اب رہی تیسری عبارت جو امپیریل گزٹیر سے لی گئی ہے اور

اسکا مورخ اور ایڈیٹر لیفٹیننٹ کرنل اے۔ ایل۔ ای۔ ہوم ہے۔ اس کے مطابق سلطان اویس از خود یوسف زیئوں کے دباؤ کے تحت دریائے سندھ کو عبور کر کے اپنے لاتعداد تابعین کے ساتھ ضلع ہزارہ میں منتقل ہوگیا اور اُسکی نسل سے سمندر خان جاگیردار اور اعزازی مجسٹریٹ اب بھی موجود ہے۔ اس بیان کے مطابق سید جلال بابا اور بھائی خان کی روایت از خود ختم ہوجاتی ہے کیونکہ سواتی بحثیت یلغار ضلع ہزارہ میں نہیں آئے بلکہ یہ علاقہ پہلے سے سلطان اویس کا مقبوضہ علاقہ تھا اور وہ اپنے علاقے میں آکر آباد ہوگیا اس لئے ترکوں سے پکھلی کا علاقہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

فاتح پکھلی کون؟:۔

مذکورہ بالا تینوں بیانات تاریخی اعتبار سے غلط ہیں۔ یہ مشہور کردہ موضوعی روایات کی بنیاد پر لکھے گئے ہیں جن کا کوئی تاریخی پس منظر نہیں اور نہ ہی یہ بیان ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔ جارج سکاٹ نے بھائی خان پٹھان لکھا ہے جبکہ اس قبیلے کے افراد اپنے آپ کو قریش لکھتے اور بولتے ہیں۔ یہ سواتیوں کے ساتھ آنا بھی بیان نہیں ہوئے۔ ان کی اپنی متضاد بیان کردہ روایات کے مطابق مراد خان اور بھائی خان سیّد جلال بابا کے ساتھ گلی باغ آئے تھے اور اُس وقت ترکوں کی حکومت تھی۔ ترکوں نے ان تینوں کو پروقار منصب عطا کئے ہوئے تھے۔ اور بقول تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس یہ ترک سلاطین کے کاردار اور مختار کار تھے۔ سلطان اویس تاریخی اعتبار سے ضلع ہزارہ میں نہیں آئے بلکہ وہ منگلور سے فرار ہوکر درہ نیاگ کو چلے گئے تھے اور کافروں کے درمیان پھر سے حکومت کرنا شروع کردی اور تاریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق اسکی چار پشتیں وہاں حکمران رہیں۔(۱)

ان حالات میں صرف ایک ہی قابل اعتماد اور مستند تاریخی حوالہ رہ جاتا ہے۔ اور وہ ہے عالمگیر نامہ جس کے مطابق سواتیوں نے اخوں سالاک کی قیادت میں قلعہ چھانجل نزد تھاکوٹ فتح کر کے شمالی علاقہ پر قبضہ کرلیا اور بعدازاں بہ ایمائے یا بہ رہنمائی مستورہ سیّد جلال بابا گلی باغ پر

۱۔ تواریخ حافظ رحمت خانی، ص ۱۰۳ اور نوٹس آن افغانستان و بلوچستان از میجر راورٹی۔

حملہ کر کے پکھلی سرکار کے شعبۂ گلی باغ پر قبضہ کرلیا۔ چھانجل پر حملے کے دوران سیّد جلال باب کا کوئی کردار نہیں۔

عالمگیر نامہ کے علاوہ گلی باغ اور دھمتوڑ کے تاریخی حالات پر تاریخ گکھڑاں اور "حیات افغانی" سے بھی استفادہ ہوسکتا ہے۔ تاریخ گکھڑاں (ترجمہ کیگو ہر نامہ فارسی) مصنفہ رائے زادہ دیوان دُنی چند (۱۱۳۷ھجری) میں مبارزالدین خان گکھڑ کے دھمتوڑ پر حملے کے واقعات درج ہیں اور "حیات افغانی" (۱۸۶۷) کے ص ۶۲۵ پر حالات ضلع بنوں کے سلسلے میں اصالت خان گکھڑ فوجدار پکھلی کے حالات درج ہیں۔ ان مستند تاریخی کتب کی موجودگی میں موضوعی روایات پر تکیہ کرنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ ہزارہ گزٹیر یا تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس کے مختلف متضاد بیانات کو سامنے رکھ کر تجزیہ کیا جائے تو تب بھی درست نتائج اخذ کرنے میں دشواری نہ ہوگی۔ مثلاً قوم بمبہ کے باب میں تحریر ہے کہ اُن کے مورث سلطان کاشف عہد جہانگیر میں پکھلی (علاقہ مظفر آباد) میں آئے تھے اور سلطان کمال ترک کی بیٹی سے شادی کی مگر اُسکے بڑھتے ہوئے اثر رسوخ سے سلطان کمال خائف ہوا اور اُسے قتل کرادیا۔ اُسکے قتل کے چھ ماہ بعد اُسکا بیٹا سلطان قاسم پیدا ہوا جس نے جواں ہوکر اپنے نانا سلطان کمال کو قتل کر کے علاقہ مظفر آباد پر قبضہ کرلیا۔ اب اگر سلطان کاشف عہد جہانگیر میں آکر قتل ہوا تو اسکا بیٹا شاجہان کے دور میں جوان ہوا ہوگا اور اپنے نانا کو قتل کر کے علاقہ پر قبضہ کرلیا ہوگا۔ پکھلی (گلی باغ) کے ترک اسکے خلاف کوئی کاروائی اس لئے نہیں کرسکے کہ گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ بمبہ خاندان کے اس بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سواتیوں نے گلی باغ پر شاجہان کے دور میں قبضہ کرلیا تھا۔ دوسری اہم بات یہ کہ بمبہ خاندان کے راوی نے سواتیوں کی آمد اور قبضہ کے ساتھ سیّد جلال بابا یا بھائی خان کی روایت بیان نہیں کی۔ حالانکہ وہ اپنے واقعات کے ضمن میں کاغانی سادات اور حبیب اللہ خان گڑھی حبیب اللہ والے کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُنہوں نے درہ بالاکوٹ اور کاغان پر (جو اُنکے قبضے میں تھے) سواتیوں کے حملے اور قبضہ کا ذکر کیا ہے مگر اُن حملوں میں بھی سادات کاغان یا بھائی خان کا تذکرہ نہیں کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بمبہ کے راوی نے صاف گوئی سے

کام لیا ہے۔ البتہ سلطان کاشف کی ترک سلطان کمال کی لڑکی سے شادی اور بعدازاں قتل کی کہانی سیّد جلال بابا کی کہانی سے مماثلت رکھتی ہے۔ عقل باور نہیں کرتی کہ ترک سلاطین پہلے نووارد لوگوں کو رشتہ دیں اور بعد میں اُن سے خائف ہوکر اُن کے قتل کا اہتمام کریں اور اپنی بیٹیوں کو محروم کریں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کی کہانیاں ترکوں کے علاقے پر قبضہ کا جواز بنائی گئی ہیں۔ اصل حالات یہی ہیں کہ سواتیوں نے چھانجل فتح کر کے شمالی علاقہ پر قبضہ کرلیا تھا اور گلی باغ کی طرف بھی وہ متوجہ ہو رہے تھے۔ اس لئے یہ محسوس کرلیا گیا کہ ترکوں کی حکومت جلد یا بدیر ختم ہونے والی ہے اور فاتح قبیلہ (سواتی) سے مفاہمت پیدا کر کے کچھ علاقہ بچا کر اپنی مقبوضات میں رکھے جائیں تا کہ ترکوں کے عہد میں حاصل شدہ عزت اور وقار بعد میں بھی قائم رہے۔ انہی وجوہات کی بنا پر سلطان قاسم نے اپنے نانا کو قتل کر کے مظفر آباد تا بارہ مولا کا علاقہ قبضہ میں کرلیا اور سیّد جلال بابا کے متعلق مشہور کردہ روایت کہ انہوں نے سوات سے سواتیوں کا لشکر زر کثیر خرچ کر کے لایا اور چھانجل اور گلی باغ کو فتح کیا تاریخی حقائق سے متصادم ہے کیونکہ دور شاجہان میں یا اورنگ زیب کے ابتدائی دور میں سید جلال بابا نے چھانجل پر حملہ کیا ہوتا تو وقائع نگار اخون سالاک کے بجائے سید جلال بابا کے متعلق رپورٹ ارسال کرتے پکھلی کے وقائع نگاروں کے علاوہ قلعہ اٹک کے وقائع نگاروں نے بھی اورنگ زیب عالمگیر کو یوسف زئیوں اور اخون سالاک کے متعلق رپورٹ ارسال کی ہے جس کو عالمگیر نامہ میں شامل کردیا گیا ہے۔ مغلوں کے دور میں خصوصاً اورنگ زیب جیسے سخت گیر حکمران کو غلط رپورٹ بھیجنے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

ترک حکومت کا خاتمہ۔ عہد شادمان یا سلطان محمود خورد؟

تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس کے صفحہ ۹۹۲ پر درج ذیل عبارت بھی مشکوک اور غلط ہے۔

لکھا ہے:۔

سیّد جلال بابا کو سلطان محمود نے اپنی بیٹی نکاح میں دے دی اور خود سلطان محمود بادشاہ کے پاس دہلی گیا ہوا تھا۔ جبکہ اُسکی عدم موجودگی میں شادم خان (شادمان) سے سواتیوں نے حکومت چھین کر گلی باغ پر قبضہ کرلیا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ حکمران سلطان محمود خورد تھا جبکہ شادم خان (شادمان) نگران تھا۔ حالانکہ شادمان باپ ہے اور سلطان محمود خورد بیٹا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بیٹا حکمران ہو اور باپ نگران ہو۔ سلطان کا بادشاہ دہلی کے پاس موجود ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ سلطان دہلی گیا ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ پکھلی کا سلطان بادشاہ دہلی کے پاس گیا ہوا تھا۔ اور یہ درست ہے کیونکہ سلطان شادمان دربار دہلی کے حکم سے دور شاہجہان میں ازبکوں کے خلاف جنگ کے سلسلے میں بدخشاں اور بلخ کی مہمات میں شریک تھا اور شہزادہ اورنگزیب کے زیر کمان تھا۔ شاہ جہان نامہ ص ۴۵۹ جلد دوم پر اُس کا آخری تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:۔

"محمد طاہر فتح آباد سے اور شادمان پکھل وال آقچہ سے حسب الحکم آ رہے تھے۔ راستے میں دونوں باہم مل گئے اور شیخ آباد میں پہنچے تو ازبکوں نے انہیں گھیر لیا۔ تین دن تک یونہی مقابلہ ہوتا رہا۔ کمک کا انتظار کرتے کرتے اب دونوں سردار تباہی کے قریب آ لگے ہیں۔ شاہزادے (اورنگزیب) نے یہ سنتے ہی بہادروں کا ایک گروہ ان کی مدد کے لئے بھیجا۔ اور محمد طاہر و شادمان کو صحیح سالم شہزادے کی خدمت میں لے آئے۔"

یہ واقعہ ۱۱ جون ۱۶۴۷ء کو پیش آیا۔ اس کے بعد شاہ جہان نامہ میں شادمان پکھلی وال کا کوئی ذکر موجود نہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مارا گیا یا واپسی پر راستہ میں برف تلے دب کر مر گیا کیونکہ اکثر سپاہیوں کو یہ حادثہ پیش آیا تھا۔ اور اگر سواتیوں نے شادم خان (شادمان) سے حکومت چھینی تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ شادمان کے عہد میں ترکوں نے پکھلی کی حکومت چھن گئی۔ اور سواتیوں نے قبضہ کرلیا اور یہ قبضہ ۱۶۵۰ء کو ہو چکا تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حالات خراب ہونے کے باعث سلطان محمود خورد بھی اپنے والد شادمان کی پتہ براری کے سلسلے میں گلی باغ سے قندھار یا بلخ روانہ ہوا ہو۔ اور وہ بھی راستہ میں کہیں مارا گیا ہو کیونکہ وہ بھی لاپتہ ہو گیا تھا۔ مگر سلطان محمود خورد اپنے باپ سلطان شادمان کی غیر حاضری میں نگران رہا ہوگا مگر وہ بحیثیت پکھلی کا مستقل حکمران نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ اس پوزیشن میں تھا کہ سید جلال الدین بابا کو رشتہ دینے کے بعد اس کو بھوگڑ منگ جیسی جاگیر عطا کرتا۔ اس وقت تو بے شمار ترک سلطان زادے اس قسم کی جاگیروں کے متمنی

تھے۔ سادات دیولی کے مطابق سید جلال بابا سلطان حسین کے داماد تھے جو جہانگیر کے عہد کا حکمران پکھل تھا۔ اس کا تذکرہ تزکِ جہانگیری میں موجود ہے۔ یہ درست بھی ہے کیونکہ سلطان حسین کے بعد سلطان شادمان کے عہد میں سواتیوں نے پکھلی پر قبضہ کرلیا تھا۔ ہزارہ گزٹیر اور تاریخ ہزارہ از ولیس میں ان واقعات کی ترتیب الٹ بیان کی گئی ہیں۔ جس سے تاریخی غلطیوں نے جنم لیا ہے۔ ان حالات کو تاریخی پس منظر میں نہ بیان کرنے سے جو غلط بیانیاں سرزد ہوئی ہیں ان کی ایک مثال جناب محمد ارشاد خان کی تصنیف "تاریخ ہزارہ" کے ص ۲۴۰ کے مندرجہ ذیل بیان سے واضح ہو رہی ہے۔ موصوف لکھتے ہیں:۔

"سلطان محمود اورنگزیب عالمگیر کی خدمت میں دہلی روانہ ہوا تھا۔ دہلی جانے سے قبل اور اُس کے بعد سلطان محمود دوسرے منصب داروں کے ہمراہ ان سرحدی شورشوں کے خلاف کاروائیوں میں مصروف تھا۔ اُس کی عدم موجودگی میں پکھلی سرکار میں ترکوں کے مابین خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اس خانہ جنگی میں اگرچہ سلطان مقرب خان حاکم دھمتوڑ کافی حد تک کامیاب رہا لیکن بقیہ سلطان زادوں کی شکایت پر اورنگزیب بادشاہ نے مبارز الدین خان گکھڑ کی سربراہی میں ایک فوج بھیج کر سلطان مقرب خان کی شورش کو دبا دیا۔

مبارز الدین خان گکھڑ کی واپسی کے بعد اور بھی حالات خراب ہو گئے۔ یہاں کے سلاطین زادے کسی ایک کی حکمرانی پر متفق نہ ہو سکے اور اس طرح پکھلی سرکار بیسیوں ٹکڑوں میں منقسم ہوئی۔ علاقہ دھمتوڑ میں سلطان لشکری اور سلطان رسالت ایک دوسرے سے الجھ پڑے۔ اور علاقہ مظفر آباد میں کمال خان خودسر ہو گیا۔ ترکوں کا کوئی مرکزی نظام باقی نہ رہا اور نہ ہی مرکزی حکومت کی طرف سے پکھلی سرکار کا کوئی دوسرا حکمران نامزد کیا گیا۔

سیّد جلال بابا کچھ عرصہ تک پکھلی میں زندگی بسر کرتے ہوئے ترکوں کی تمام کمزوریوں سے بخوبی آگاہ ہو چکا تھا۔ اس کے دیرینہ دوست مراد خان اور بھائی خان بھی وہیں موجود تھے"

آگے چل کر صفحہ ۲۶۱ پر لکھتے ہیں:۔

" پکھلی خاص پر قبضہ کرنے کے بعد سیّد جلال بابا اور مراد خان نے اس علاقے کی

باہمی تقسیم کی۔غور کا مقام ہے کہ اگر مراد خان فی الواقعہ سلطان محمود کا وفادار ہوتا تو کیا اس فتح کے بعد سیّد جلال بابا اُسے یوں مفتوحہ علاقہ میں حصہ دار بناتا؟ جو سواتی باشندے یہاں مقیم ہو چکے تھے اُنہیں سیّد جلال بابا اور مراد خان سے اپنا حصہ وصول کرنے کے لئے از سرنو جدوجہد کرنی پڑی۔

چونکہ سلطان محمود دہلی میں اورنگزیب عالمگیر کی ملاقات کے بعد پکھلی واپس نہیں لوٹ سکا تھا اور اُسکے بیٹے پکھلی سرکار کے مختلف حصوں میں تتر بتر ہو چکے تھے اس لئے سید جلال بابا نے بقول تاریخ ہزارہ اس ریاست پر قبضہ وارثانہ کا دعویٰ کر دیا"

مذکورہ بالا طویل اقتباس کے مندرجات اتنے قابل مواخذہ نہیں جتنا کہ ان کی بیان کردہ ترتیب ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ تاثر ملتا ہے کہ یہ سب واقعات مبارز الدین خان گکھڑ کے حملے کے بعد رونما ہوئے حالانکہ ایسا نہیں۔مبارز الدین خان گکھڑ کے دھمتوڑ پر حملہ کرنے سے قبل گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ ہو چکا تھا اور وہاں سے فرار شدہ شاہزادوں کو جائے پناہ کے لئے دھمتوڑ کا رخ کرنا پڑا مگر مقرب خان نے اُنہیں اپنے پاس پناہ نہ دی اس لئے اُن کو اورنگزیب کے حضور شکایت کرنی پڑی اور مبارز الدین خان گکھڑ کو مقرب خان کی سرکوبی کے لئے متعین کیا گیا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ محمد ارشاد خان نے بھی ہزارہ گزٹیر اور تاریخ ہزارہ کی مذکورہ بالا عبارت کو غلط سمجھا ہے۔سید جلال بابا نے قبضہ وارثانہ نہیں بلکہ سواتیوں نے قبضہ وارثانہ جما لیا اگرچہ یہ قبضہ بہ رہنمائی سید جلال بابا تھا۔سلطان محمود کا اورنگزیب کے پاس دہلی جانے کا تذکرہ ماسوائے تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس کے دیگر کسی معاصرانہ تبصرہ میں موجود نہیں۔اگر یہ درست مان بھی لیا جائے تو وہ ۱۶۵۸ء کے بعد ہی اورنگزیب کے پاس گیا ہوگا کیونکہ دوران جنگ تخت نشینی دہلی جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔اگر ۱۶۵۸ء کے بعد دہلی گیا ہو اور پھر واپس نہ آیا ہو تو اُسکی دو صورتیں ممکن ہیں۔ایک یہ کہ اپنے ہمرائیوں کے ہاتھوں کسی سازش کے تحت مارا گیا ہو یا طبعی موت مر گیا ہو کیونکہ سرحدی جنگوں میں اُسکی شمولیت کا کوئی تذکرہ ماثر عالمگیری یا مآثر الامراء میں موجود نہیں اور نہ ہی عالمگیر نامہ میں یوسف زئیوں کی شورش کے سلسلے میں اُسکا کوئی ذکر موجود ہے۔

محمد ارشاد خان نے مظفر آباد کے سلطان کمال خان کی خودسری کا ذکر کیا ہے۔کمال خان

ترک بھی اورنگزیب کے زمانے کا شخص نہیں گزشتہ اوراق میں قوم بمبہ کے سلطان قاسم اور سلطان کمال کا ذکر کر دیا گیا ہے۔کمال خان شاہجہان کے دور کا حکمران مظفر آباد تھا جسے سلطان قاسم بمبہ نے (بقول روایت بمبہ) قتل کر دیا تھا۔

جہاں تک پکھلی کے انتظام کا تعلق ہے تو مرکز کی طرف سے اصالت خان گکھڑ کو پکھلی دھمتوڑ کا فوجدار مقرر کر دیا گیا تھا۔اور اُسے پکھلی سے بنوں کی فوجداری پر ۱۶۹۹ء میں تبدیل کر دیا گیا اور اُسکی جگہ رحمان داد خان کا تقرر ہوا جسے ۱۷۰۵ء میں تبدیل کر کے یعقوب خان کو دھمتوڑ پکھلی کا فوجدار نامزد کر دیا گیا۔ان حالات کا گزشتہ اوراق میں بیان ہو چکا ہے۔ جہاں تک سید جلال بابا اور مراد خان کا مفتوحہ علاقہ میں حصہ داری وصول کرنے کا تعلق ہے چونکہ ان بزرگوں نے سواتیوں کی حمایت میں علاقے میں پروپگنڈا اور درپردہ اعانت کی ہوگی اس لئے حسب معائدہ (اگر کوئی ہو) ان کو حصہ داری دی گئی مگر یہ سواتی قبیلہ کے کمانڈر نہیں تھے کیونکہ بقول میجر راورٹی سواتیوں نے کسی ایک فرد واحد کی امارت اور حکمرانی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔اور اگر کسی نے ان کی حمایت کی بھی تو وہ غیر مشروط ہوگی۔

تاریخ ہزارہ یا انگریزوں کے دور کے دیگر مورخین کی تصانیف میں ان کا متضاد تذکرہ موجود ہے جس پر مناسب تبصرہ اپنے اپنے مقام پر کیا جا رہا ہے۔اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حقیقت کیا ہے اس ضمن میں کسی نتیجہ پر پہنچنے سے قبل ایک مضمون پر تبصرہ کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔

خواص خان مرحوم کا مضمون اور تجزیہ:۔

محترم خواص خان مرحوم (ہیڑاں والے) نے ہفت روزہ "نشیمن" ایبٹ آباد کی اشاعت مورخہ ۱۶ جولائی ۱۹۷۴ء کے صفحہ ۶ پر زیر عنوان فاتح پکھلی سیّد جلال بابا ترمذی حسینی ایک مضمون شائع کیا تھا جسکی ایک کاپی راقم الحروف کے پاس اب بھی موجود ہے۔اس مضمون کے اہم مندرجات قارئین کی نظر سے گزارے جاتے ہیں۔لکھتے ہیں:۔

" سیّد جلال بابا اور بھائی خان جب گلی باغ پہنچے تو مراد خان اور عبدالنبی خان کی

وساطت سے محمود شاہ ترک سے ملاقات ہوگئی"

اس سے ظاہر ہوا کہ مراد خان اور عبدالنبی خان پہلے سے گلی باغ میں موجود تھے جبکہ تاریخ ہزارہ مولفہ کیپٹن ولیس جو ہزارہ گزٹیر کا تقریباً ترجمہ ہے میں لکھا ہے کہ

"مراد خان اور سید جلال بابا کشمیر جاتے ہوئے اس مقام گلی باغ میں ٹھرے"

عبدالنبی خان کا تو کہیں ذکر بھی نہیں۔ آگے لکھتے ہیں:۔

"سیّد جلال بابا نے چار ہزار کی زر کثیر خرچ کر کے بارہ ہزار مسلمانوں اور خونخوار پٹھانوں کا لشکر مراد خان بن بھائی خان کی سرداری میں بھیج دی۔ کہتے ہیں یہ اب وہی لشکر ہے جو قوم سواتی مشہور ہوا۔ یہ لشکر پہلے چھانجل (چھنجیل) نزد تھاکوٹ کہ ترکوں کا آخری سرحدی قلعہ تھا حملہ آور ہوئے۔ بھاری لڑائی ہوئی لیکن قلعہ فتح نہ ہوا ایک لمبے محاصرے کے بعد فتح یاب ہوئے"

اس کے بعد موصوف ایک روایت درج کرتے ہیں:۔

"جب قلعہ چھانجل کے محاصرے نے طول پکڑا۔ سیّد جلال بابا اور بھائی خان بھی لشکر میں موجود تھے۔ سیّد جلال بابا نے آواز دی کہ آج میں اس درخت سے لٹکوں گا۔۔۔ جیسے پھانسی ہوتا ہے۔ اور کوئی ایسا آدمی میدان میں نکل آئے۔۔۔ جس نے عمر بھر ناجائز میل ملاپ نہ کیا ہو۔ تو روایت کیا گیا کہ یہی بھائی خان نکلے۔ اُن کو کہا گیا کہ جب میں اپنے آپ کو لٹکا دوں تو تم دوڑ کر قلعہ کی دیوار کو مونڈھا لگا کر دھکا دو۔ اگر دیوار گر جائے تو واپس آ کر رسہ کاٹ کر۔۔۔ مجھے بچا لینا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔۔۔ لشکریان نے فوراً قلعہ پر یلغار کر کے قلعہ فتح کر لیا"

اس "روایت مشہور" کو ماننے سے انکار نہ ہوتا اگر میرے آڑے عالمگیر نامہ کی "روایت مصدقہ" موجود نہ ہوتی جس میں لکھا گیا ہے:۔

"ونخست ملاّ چالاک۔۔۔ بصلاح دید بہا کوئی فساد اندیش با پنج ہزار کس از افغانان یوسف زئی بر سر قلعہ چھاچل کہ حدود پکھلی است رفتہ قلعہ مذکور را کہ شمشیر نام گماشتۂ شاد مان مرزبان آنجا وراں بود بہ لطائف غدر ملکیت متصرف شد"

اب ذرا خواص خان مرحوم کی روایت اور عالمگیر نامہ کے بیان کا موازنہ کیا جائے تو

معلوم ہو جائیگا کہ "سیّد جلال بابا نے قلع چھانجل پر حملہ کیا اور اخون سالاک نے بھی اسی قلعہ پر حملہ کیا ہر دو کے پاس پٹھانوں کا لشکر تھا۔ سیّد جلال بابا کا لشکر بعد میں سواتی کہلایا ورنہ حملے کے وقت خونخوار پٹھان لکھے گئے۔ سیّد جلال بابا کے حملے میں قلعے کی فتح کے سلسلے میں ایک خوارق العادت روایت بیان ہوئی جبکہ اخون سالاک کے حملے کو صرف ایک فوجی حملہ قرار دیا۔ سیّد جلال بابا کی ہمراہی میں بھائی خان اور مراد خان کو بھی دکھایا گیا جبکہ اخون سالاک خود کمان کر رہا تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ ایک ہی قلعہ کو ایک ہی وقت میں ایک ہی قلعہ دار شمشیر خان سے فتح کیا گیا ہے۔ یہ قلعہ دو بار فتح نہیں ہوا اور نہ ہی دو بار شمشیر خان کو شکست دی گئی ہے۔ اب ایسی صورت میں "سیّد جلال بابا" کے حملے کا کوئی معاصرانہ ریکارڈ یا تبصرہ موجود نہیں بلکہ ڈھائی سو سال بعد ۱۸۷۲ء کے بندوبست کے دوران اُن کی قیادت کی روایت مشہور کی گئی جبکہ اُسکے برعکس اخون سالاک (ملا چالاک) کا تذکرہ عالمگیر نامہ میں وقائع نگاروں کی رپورٹ کے مطابق درج کیا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ تاریخی اعتبار سے چھانجل کی فتح اخون سالاک کی قیادت میں ہوئی نہ کہ سیّد جلال بابا کی قیادت میں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہزارہ گزٹیر میں سیّد جلال بابا کی رہنمائی کا کہیں بھی ذکر نہیں۔ البتہ گزٹیر میں کہیں سید جلال بابا کو بھائی خان کی معیت میں گلی باغ آنا دکھایا گیا ہے اور کہیں مراد خان کی ہمراہی میں کشمیر جاتے ہوئے پکھلی (گلی باغ) میں ٹھہرنا دکھایا گیا ہے۔

سب سے اہم بات یہ کہ اخون سالاک ۱۰۶۷ھ بمطابق ۱۶۵۷ء وفات پا چکے تھے اس صورت میں انہوں نے چھانجل پر حملہ جو اُن کا سب سے پہلا حملہ تھا ۱۶۴۲ء یا اس سے بھی قبل کیا ہوگا کیونکہ اس حملے کے بعد ڈوما کفار کے علاقے (کالا ڈھاکہ کا مغربی اور مداخیل امازئی) اور علاقے چھچھ میں کاروائی بعد میں ہوئی۔ شمشیر خان گماشتہ شادمان قلعہ دار تھا۔ اگر یہ حملہ ۱۷۰۳ء میں سیّد جلال بابا کی قیادت میں ہوا ہوتا تو اُس وقت تو شادمان نہ تھا اس کا بیٹا سلطان محمود خورد تھا اور نہ ہی دھمتوڑ کا سلطان مقرب تھا جسے مذکورہ بالا تجزیہ کے مطابق ۱۶۹۰ء میں مبارالدین گکھڑ نے شکست دیکر علاقے سے بھگا دیا تھا اور وہ عدم پتہ ہو گیا اور اصالت خان گکھڑ کو پکھلی اور دھمتوڑ کا

منصبدار مقرر کر دیا گیا تھا جسے ۱۶۹۹ء میں پکھلی سے بنوں تبدیل کر دیا گیا تھا۔ ان تاریخی واقعات و اثبات سے سید جلال بابا کا پکھلی پر سواتیون کے حملے سے کوئی براہ راست تعلق نہیں۔

حقیقت کیا ہے؟

۱۔ حقیقت یہ ہے کہ جون ۱۶۴۷ء کے بعد شادمان پکھلی وال کا کہیں بھی شاجہان نامہ میں ذکر نہیں اور خیال یہی ہے کہ وہ بدخشاں بلخ یا قندھار کی مہم میں مارا گیا۔ اُس کے بیٹے سلطان محمود کا بھی کوئی ذکر موجود نہیں۔ البتہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی عدم پتہ ہوگیا۔ تاریخ ہزارہ میں لکھا ہے کہ وہ بادشاہ دہلی کے پاس گیا تھا اور واپس نہیں آیا اُن دنوں بادشاہ دہلی شاجہان تھا جو اُس وقت ازبک کے خلاف مہم کی نگرانی کے سلسے میں کابل میں مقیم تھا دہلی میں نہ تھا یہ ممکن ہے کہ سلطان محمود خورد باپ کی پتہ براری کے لئے بلخ روانہ ہوا ہو اور چونکہ ازبکوں کے ساتھ جنگ جاری تھی ادھر ہی مارا گیا ہو یا راستہ میں افغانوں کے ہاتھوں قتل ہوا ہو۔ ایک بات یقینی ہے کہ وہ واپس نہیں آیا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ بادشاہ دہلی (شاہجان کے پاس گیا ہوتا کہ پکھلی کے حالات سے بادشاہ اور اپنے والد شادمان پکھلی وال کو مطلع کر سکے شادمان ان دنوں (پنج صدی) منصب دار کی حیثیت سے مغل فوجوں میں شامل تھا اور شہزادہ اورنگزیب کی قیادت میں ازبکوں کے خلاف نبرد آزما تھا

۲۔ سواتیوں نے ۱۶۴۷ء کے لگ بھگ چھانجل اخون سالاک کی قیادت میں فتح کرلیا اور اُنکے اکثر قبیلے سوات سے پکھلی منتقل ہوگئے تھے۔ سلطان شادمان اور سلطان محمود حورد کی گمشدگی کے باعث پکھلی کے مرکز (گلی باغ) میں سازشوں کا آغاز ہوگیا ہوگا۔ اس اثنا میں سلطان قاسم بمبہ نے مظفر آباد تا بارہ مولا کے علاقے پر اپنے نانا سلطان کمال ترک کو قتل کر کے قبضہ کرلیا تھا۔ ابھی گلی باغ کے ترک سلطان قاسم بمبہ پر حملے کا سوچ ہی رہے تھے کہ اس اثنا میں سواتیوں نے بہ ایماں (یا بالفاظ دیگر بہ رہنمائی مستورہ) سید جلال بابا گلی باغ پر حملہ کیا ہوگا۔ مگر اس حملہ کی قیادت ان کے اپنے قبیلے کے سرداروں کے ہاتھ میں تھی انہوں نے کسی ایک شخص کی قیادت قبول نہیں کی اور خواہ وہ ان کے قبیلے سے تعلق ہی کیوں نہ رکھتا ہو اسی طرح انہوں نے کسی غیر قوم

کے کسی شخص کی قیادت کو قبول نہیں کیا۔ تاریخ ویس ہزارہ اور میجر راورٹی کے نوٹس سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ ہزارہ گزٹیر اور تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس میں مندرجہ روایات متضاد ہیں اور ان کا کوئی تاریخی پس منظر نہیں ان روایات کو مزید بڑھا چڑھا کر بیان کرنا تاریخ کو مسخ کرنے کے مترادف ہے۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ بھائی خان نے دوڑ کر مونڈھا لگایا اور چھانجل قلعہ کی دیوار گر گئی تو پھر میں یہ کہوں گا کہ سواتیوں نے بڑی کم ہمتی کا ثبوت دیا ہے کہ انہون نے ایک مختصر علاقے پر اکتفا کیا اس لشکر جرار اور ان روحانی کرامات والی ہستیون کی قیادت میں پورے ہندوستان کو فتح کر سکتے تھے۔ ایسی روایات سادہ لوح لوگوں کو تو متاثر کر سکتی ہیں مگر تاریخ سازی میں ان کا کوئی دخل نہیں۔ انگریز مورخین ان غلو بیانیوں کا ادراک رکھتے تھے۔ ہزارہ گزٹیر ۸۴-۱۸۸۳ کے صفحہ ۲۱ اور ۱۹۰۷ کے صفحہ ۱۲۰ پر لکھا ہے

"All these events appear to have taken place in the seventeenth or in the begining of eithteenth century. In the total absence of all written record, it is impossible to place them in the correct ordet or describe exactly how they came about. Nor is it necessary to repeat the exaggerated traditions of each tribe."

مذکورہ بالا بیان سے صاف ظاہر ہے کہ گزٹیرز میں غیر مصدقہ روایات کا اندراج ہوا ہے جن کی تصدیق انگریز مورخین نے بھی نہیں کی۔ تاریخی پس منظر میں عالمگیر نامہ، ماثر عالمگیری، تاریخِ گکھڑاں اور حیات افغانی مستند دستاویزات ہیں۔ حقائق سے متصادم افسانوی روایات تاریخ نہیں کہلاتی۔ تاریخِ ویس ہزارہ میں قوم بمبہ کے راوی نے بیان کیا ہے کہ قوم بمبہ کا مورث سلطان کاشف جہانگیر کے ابتدائی دور میں بدخشاں سے براستہ تبت پکھلی سرکار میں آیا تھا اور سلطان کمال ترک کی بیٹی سے شادی کی تھی مگر عوام میں اسکی بڑھتی ہوئی مقبولیت کے سبب سلطان کمال نے اُسے قتل کرادیا۔ اسی طرح سادات ترمذی کا بیان ہے کہ سید جلال بابا کی بڑھتی ہوئی مقبولیت سے ترک سلطان محمود خائف ہوا اور اُسے قتل کرنے کے لئے خفیہ دزدان بٹھا دیئے۔ سید

جلال بابا کی داستان اور سلطان کاشف بمبہ کی داستان میں مماثلت ہے اور یہ بھی افسانہ دکھائی دیتی ہیں۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ترک سلاطین پہلے نو وارد لوگوں کو بیٹیوں کا رشتہ دیں جاگیریں عطا کریں منصب اور عزت سے نوازیں اور بعد میں ان کو اس لئے قتل کرنے کا اہتمام کریں کیوں کہ وہ عوام میں مقبول ہو گئے تھے۔ یہ عوام کون تھے؟ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا اور میجر راورٹی کے مطابق بمبہ اور کھکھا قبیلے کے لوگ بابر کے زمانے سے بھی پہلے پکھلی سرکار میں ترکوں کی رعیت اور کاردار کی حیثیت سے آباد تھے۔ سواتیوں نے پکھلی کا علاقہ ان ہی بمبہ اور کھکھا سے فتح کیا تھا۔(۱) سید جلال بابا ، بھائی خان، مراد خان اور سلطان قاسم بمبہ سلطان شادمان پکھلی وال کی عدم موجودگی میں پکھلی کے انتظام کے نگران تھے مگر وہ علاقے کا دفاع نہ کر سکے اور قیاس یہ ہے کہ انہوں نے اپنے سیاسی اور معاشی وقار کو قائم رکھنے کے لئے سواتی سرداروں سے رابطہ استوار کیا ہوگا اور سواتیوں نے گلی باغ پر حملہ کر کے پکھلی خاص پر قبضہ کر لیا۔ یہی سید جلال بابا کی رہنمائی تھی۔ ترکوں کے خلاف اس قسم کے افسانے مشہور کر کے وفاداریاں تبدیل کرنے کا جواز پیدا کیا گیا۔ گلی باغ کی حدود بارہ مولا تک تھی اور تمام علاقہ سواتیوں کا مفتوحہ ومقبوضہ علاقہ ہونا چاہیے تھا مگر بمبہ خاندان کے راوی کے مطابق کوڑ منگ کے تمام مقبوضات بشمول درہ بالاکوٹ پر سلطان بمبہ نے قبضہ جما لیا۔ سید جلال بابا کا خیال تھا کہ درّہ بھوگڑ منگ پر حسب سابقہ قابض رہے گا مگر سواتیوں نے اس سے اتفاق نہ کیا۔ چنانچہ ایک اور جتھہ تیار کر کے درّہ بالاکوٹ اور کاگان پر حملہ کیا گیا۔ قوم بمبہ نے درّہ بالاکوٹ کسی مزاحمت کے بغیر خالی کر دیا۔ کاگان خاص اور بیلہ کوائی سید جلال بابا کے حصے میں دے دیئے گئے جب کہ درّہ کاگان کا باقی علاقہ اور درّہ بالاکوٹ سواتیوں کے قبضے میں رہے جبکہ گڑھی حبیب اللہ بھائی خان اور کوڑ منگ تا بارہ مولا سلطان قاسم کے قبضے میں رہ گئے۔ درہ بھوگڑ منگ سواتیوں کو دے دیا گیا یہ تمام کاروائی ان بزرگوں کے باہم مصلحانہ فیصلے کا نتیجہ دکھائی دیتی ہے تا کہ سواتیوں کی مزید پیش قدمی روکی جا سکے۔ ورنہ بارہ مولا تک کا علاقہ قدرتی طور پر ان کے تصرف میں آ سکتا تھا۔

---

(1) Imperial Gazetteer of India Vol. XIX P. 318-319 & Notes on Afghanistan & Baluchistan by Maj. Raverty P 236-237

باب دوم — فصل اول

پکھلی کی وجہ تسمیہ اور تعارف

قبیلہ سواتی کے تاریخی حالات اور پکھلی (ہزارہ) میں ان کی آمد کے بارے میں لکھنے سے قبل پکھلی کی وجہ تسمیہ پر مختصر بحث ضروری ہے تا کہ تاریخی واقعات کے بیان میں جہاں پکھلی کا ذکر آئے اسے صحیح تاریخی پس منظر میں دیکھا جا سکے۔ پکھلی کا پہلا مسلمان فاتح حکمران سلطان فکہل (پکھل) ہے۔ جس کا تذکرہ اخون درویزہ نے اپنی کتاب " تذکرۃ الابرار و الاشرار" کے صفحہ 8-107 پر درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

" سلطان بہرام وسلطان فکہل ہر دو برادران بودند از سلطانان (پج) (دراصل پیچ)۔ چوں نوبت سلطنت بدیں دو برادر رسید سلطان فکہل روئے بہ کوہ ہائے باجوڑ وصوات وکشمیر نہادہ و تمام اولس ایں حدود را در تحت وتصرف خویش آوردہ ۔۔۔۔۔ سلطان بہرام روئے بہ لغمان وننگر ہار و باجوڑ آوردہ ۔۔۔۔۔ سلطان بہرام از تمام ننگر ہار موضع پاپین را پسندیدہ متوطن گشت و سائر مملکت را روز بروز از مردم خویش آباداں می ساخت۔ مدتے بریں بود کہ فرزند خویش سلطان تومنارا در ننگر ہار ماندہ خود متوجہ خطہ کشمیر گشتہ بعد از فتح آں بلاد یکے از پسران خود دراں حدود ماندہ خود توجہ نمود تا سلطان تومنارا معہ اہل وعیال بہ کشمیر بُرد۔ اما قضائے قدیر برآں رفتہ کہ چوں در موضع کوٹ ننگر ہار رسید اجل دست تطاول دراز نمود ۔۔۔۔۔ الی یومنا اولاد کشمیری او در کشمیر متوطن اند"

ترجمہ: سلطان بہرام وسلطان فکہل دونوں بھائی سلطانان پج (دراصل پیچ) کی اولاد سے ہیں۔ جب ان دو بھائیوں کی حکمرانی کا دور آیا تو سلطان فکہل نے باجوڑ' سوات اور کشمیر کا پہاڑی علاقہ فتح کیا اور سلطان بہرام نے لغمان اور ننگر ہار کا رخ کیا اور اس علاقے کو فتح کر کے موضع پاپین کو پسند کر کے وہاں مقیم ہو گیا اور مفتوحہ علاقے میں روز بروز اپنے قبیلے کے لوگوں کو آباد کرنے لگا۔ کچھ عرصہ بعد اُس نے (بہرام نے) کشمیر کا رخ کیا اور کشمیر کو فتح کرنے کے بعد اپنے ایک بیٹے کو وہاں چھوڑ کر ننگر ہار واپس ہوا تا کہ سلطان تومنا کو معہ اہل وعیال کشمیر منتقل کرے مگر جونہی

کوٹ ننگر ہار پہنچا قضائے الٰہی سے فوت ہوگیا اور آج تک اُس کی کشمیری اولاد کشمیر میں ہے اور ننگر ہاری اولاد ننگر ہار میں موجود ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو یا تین باتیں سامنے آتی ہیں:

اول: سلطان فلہل نے دریائے نیلاب (سندھ) کے مشرق میں تابجدے بارہ مولا علاقہ فتح کیا۔ مفتوحہ علاقے کو اپنے نام سے منسوب کر کے پکھلی نام دیکر مملکت گبر (سوات) کا حصہ بنا دیا سلطان پکھل اور سلطان بہرام نے لغمان، ننگر ہار، باجوڑ، سوات، بنیر، اشغر اور پکھلی (ہزارہ) کے علاقے عمادالدین بلخی (غوری تاجک) کی مدد سے فتح کئے تھے اس لئے ننگر ہار کے علاقے شلوزان اور کرمان اعظم ملک ابن عمادالدین بلخی کو بطور تعلقہ (Fief) دیئے گئے تھے جو چنگیز خان کے حملے کے وقت اعظم ملک کی جاگیر میں تھے (۱)۔ ان علاقوں کا سیاسی طور پر غوری مملکت سے الحاق رہا اور سلطان بہاؤالدین سام (۵۸۷ھ =۱۱۸۹م) کی مملکت کی حدود میں شامل تھے جس کا تذکرہ "تاریخ مختصر غور" تالیف غوث الدین مستمند غوری کے ص ۵۱ پر درج الفاظ میں موجود ہے۔

"سلطنت وی (بہاؤالدین سام) از کشمیر تا کاشغر و ترمز و بلخ و جنوباً تا اقاصی غور و غرجستان می رسید و غور و غزنہ و بامیان درتحت فرمان او بود ۔ چوں سلطان معزالدین بہ شہادت رسید (۶۰۲ھ =۱۲۰۵م) امرائے مملکت اوررابہ غزنہ طلب کردند ولی درگیلان از جہاں رفت۔"(۲)

دوم: سلطان فلہل کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوگئی جس میں کافی قتل و غارت ہوا اور سلطان فلہل کی بیوی نے اپنے بیٹوں اور مملکت سوات کے حق میں بددعا کی۔ اور اسے صوات نام دیا (بمعنی غوغا شدہ) چونکہ اسی خانہ جنگی

---

(۱) 1. Notes on Afghanistan and Baluchistan by Major Raverty P52-53.

(۲) "تاریخ مختصر غور" تالیف غوث الدین مستمند غوری ص ۵۱

کے سبب مفتوحہ علاقے ہاتھ سے نکلنے کا خطرہ تھا۔ اسلئے سلطان بہرام نے (جو سلطان فلہل کا چھوٹا بھائی تھا)، سلطان پکھل کے مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ فوج کشی کر کے فتح کیا اور کشمیر سے واپسی پر کوٹ ننگر ہار میں فوت ہوگیا۔

مرحوم عبدالحیی حبیبی نے اپنی تصنیف "تاریخ مختصر افغانستان" میں ص ۱۹۲-۱۹۳ پر حکمرانان کنڑ و یوسف زئیان" کے باب میں سلطان پکھل و بہرام کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

"درحدود (۸۰۰ھ ۱۳۹۸م) کہ تاخت و تاز تیمور در صفحات افغانستان جاری بود در درہ ہائے کونر (کنڑ) خانوادۂ محلی حکمرانی داشتند کہ آں ہار ابلقب (سلطان) میخواندند۔ ایں دودمان در درہ پیچ کنر (کنڑ) مرکز داشتند و افسانہائے محلی آنہارا با اولاد ذوالقرنین منسوب می داشتند۔ از مشاہیر ایں دودمان سلطان پکھل و سلطان بہرام دو برادر ند فرزندان سلطان کجامن بن ہندو کہ سلطان پکھل از لغمان تا کنڑ و باجوڑ و سوات و کشمیر حکم می راند و موضع پکھل (واقعہ ضلع ہزارہ صوبہ سرحد) منسوب باوست و در درہ ہائے کنڑ کتیبہ ہائے از و باقی ماندہ است و بعد از و پسرانش در سوات بہم آویختند و جنگی عظیم کردند۔(۱)

اما سلطان بہرام لغمان و ننگر ہار را بتصرف آوردہ و برخے از مخالفان خود را بہ پشاور نفی کرد و مرکز حکمرانی او پاپین (درہ حسارک شاہی) دامنۂ سپین غر بود و بعد از برادر اراضی متعلقہ را تا کشمیر بدست آورد و بر مملکتی از حدود کابل تا کشمیر حکم راند و بعد از و سلطان تومنا زمام حکمرانی بدست گرفت ولی حکمرانی ایں خاندان در سلاسل کوہائے شنوار و کنڑ و سوات و باجوڑ تا ضلع ہزارہ و کشمیر محدود ماندہ در دامن ہائے کوہھائے و دشتہائے کابل و ننگر ہار و پشاور مہاجرت ہائے اقوام پشتون صفحات قندھار و مجرای نہر ارغسان در عصر

---

(۱) پکھلی (ہزارہ) سلطان پکھل کے نام سے منسوب ہے۔

اولاد تیمور آغاز شد۔"

ترجمہ: ۸۰۰ھ (۱۳۹۸ء) کے دوران جب امیر تیمور کے حملے افغانستان کے علاقوں پر جاری تھے تو اُس وقت کنڑ کے دروں میں مقامی خانوادوں کی حکمرانی تھی جن کو "سلطان" کے لقب سے پکارا جاتا تھا اس خاندان کا مرکز کنڑ کے درۂ پیچ میں تھا اور مقامی افسانوں (روایات) کے مطابق ان کو ذوالقرنین کی اولاد سے منسوب کیا جاتا تھا۔ اس خاندان کے مشہور افراد میں سلطان پکھل اور سلطان بہرام دو بھائی تھے۔ جو سلطان کبجامن بن سلطان ہندو کی اولاد تھے۔ سلطان پکھل لغمان سے کنڑ اور باجوڑ سوات و کشمیر پر حکمرانی کرتا تھا۔ موضع پکھلی جو ضلع ہزارہ میں واقع ہے اُسی سے منسوب ہے کنڑ کے دروں میں اُس کے نام کے کتبے دریافت ہوئے ہیں۔ اور (سلطان پکھل) کی وفات کے بعد) اُس کے بیٹوں کے درمیان سوات میں کشمکش پیدا ہوگئی جس کے نتیجہ میں ایک جنگ عظیم لڑی گئی۔ مگر سلطان بہرام نے لغمان اور ننگر ہار کو اپنے تصرف میں رکھا اور اپنے مخالفین کو پشاور کی طرف بھگا دیا اور پاپین کو اپنا دارالخلافہ بنایا جو کوہ سفید کے دامن میں واقع تھا۔ اپنے بھائی (سلطان فکہل) کے بعد اراضیٔ متعلقہ یعنی مفتوحہ علاقے تا بجدے کشمیر اپنے تصرف میں لے آیا اور کابل (۱) سے کشمیر تک مملکت (گبر) کا قیام عمل میں لاکر حکومت کرنے لگا۔ (سلطان بہرام) کی وفات کے بعد اُس کا بیٹا سلطان تومنا حکمران بنا مگر اس خاندان کی حکومت شنوار کے پہاڑوں، کنڑ سوات اور باجوڑ، ضلع ہزارہ اور کشمیر تک محدود رہی بلکہ امیر تیمور کی اولاد کے زمانے میں کابل، ننگر ہار اور پشاور کے پہاڑوں اور دشت کے دامنوں میں پختون اقوام جو قندھار اور دریائے ارغسان کی وادی میں آباد تھے ہجرت کر کے آباد ہوگئے۔

تبصرہ:۔

" تذکرہ الابرار و الاشرار " از اخون درویزہ کے ص ۱۰۷ پر لفظ (پچ) ماسوائے حرف (پ) کے بے نقطہ ہے اور بعد میں اسے پیچ لکھا گیا ہے جو درست

---

(۱) اس کی تصدیق میجر راورٹی نے اپنے نوٹس کے صفحہ ۲۷۷ پر کی ہے۔

نہیں۔ سلطان فکہل اور سلطان بہرام سلاطین پیچ کی نسل سے تھے اور درہ پیچ کنڑ کی مشہور وادی ہے۔ اس کی تائید میجر راورٹی نے اپنی تصنیف " Notes on Afghanistan and Baluchistan" کے ص ۵۱ پر سلطان بہرام کے تذکرہ میں ان الفاظ میں کی ہے:۔

"This place (i.e. Nangarhar) Sultan Behram, a desecndant of the Sultans of Pich ----- took possession of, and conqurred the tract up as far as Safed Koh of Nangrahar".

ترجمہ:

یہ جگہ (ننگرہار) سلطان بہرام نے جو سلاطین پیچ کی نسل سے تھا قبضہ میں لے لی اور ننگرہار کے سفید کوہ تک علاقہ فتح کر لیا۔

عبدالحئی حبیبی نے جہاں سلطان پکھل اور سلطان بہرام درست انداز میں سلاطین پیچ کی اولاد لکھا ہے۔ وہاں ان کے زمانے کا تعین کرتے وقت انہیں امیر تیمور کا معاصر دکھایا ہے۔ جو تاریخی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ عبدالحئی حبیبی نے سلطان پکھل کا دور (حدود ۸۰۰ھ) لکھا ہے جبکہ سلطان بہرام کا دور (حدود ۸۱۰ھ) تحریر کیا ہے۔ اور سلطان تومنا کو ۸۱۵ھ میں دکھایا گیا ہے۔ اس طرح ملک احمد کو (۸۱۵ھ) شیخ ملی کو ۸۲۰ھ اور کجو خان رانی زئی کو ۹۰۰ھ میں دکھایا گیا جو بالکل غلط ہے۔ ملک احمد شیخ ملی اور خان کجو معاصرین ہیں اور بابر کے باجوڑ پر حملے کے وقت (۹۱۵ھ) میں تینوں زندہ تھے۔ امیر تیمور نے (۸۰۱ھ = ۱۳۹۹ء) میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا۔ اس سے ۱۶ سال قبل (۷۸۶ھ) میں میر سید علی ھمدانی نے قلعہ گبر باجوڑ کے قریب وفات پائی تھی۔ اس وقت امیر زادہ محمد خان بدخشان اور بخارا کا حکمران تھا۔ میر سید علی ہمدانی کے باب میں سوات کے تین حکمرانوں کا ذکر آچکا ہے۔ باجوڑ میں ملک خضر کی حکومت تھی جبکہ سوات میں سلطان غیاث الدین اور سلطان علی الدین (علاء الدین) یکے بعد دیگرے حکمران رہے ہیں جو

سلطان فلہل اور سلطان بہرام کی نسل سے تھے۔ سلطان فلہل اور بہرام نے لغمان' کنڑ' ننگرہار' باجوڑ' سوات' بنیر ' اشنغر اور پکھلی ضلع ہزارہ میں مملکت قائم کی اور ابتداء میں اس مملکت کا نام مملکت گبر تھا جس کا تذکرہ طبقات ناصری میں صفحہ ۱۷۵ اور ۱۶۱ نوٹ نمبر۶ میں موجود ہے اور میجر راورٹی نے بھی اس کا تذکرہ اپنی تصنیف " Notes on Afthanistan and Baluchistan" کے صفحہ ۲۷۷ اور صفحہ ۱۵۶ (نوٹ پارٹ) میں کیا ہے۔ آئندہ اوراق میں ان حوالوں پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے گا۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ سلطان فلہل اور سلطان بہرام امیر تیمور کے معاصرین نہین تھے بلکہ وہ محمد غوری کے معاصر تھے اور انہوں نے کابل سے کشمیر تک کے علاقوں کو فتح کر کے چنگیز خان کے حملوں سے قبل مملکت گبر قائم کر لی تھی جس کا تذکرہ طبقات ناصری میں موجود ہے۔ چنگیز خان نے خلج ترکوں کے تعاقب میں تین ماہ سوات (ولایت گبر) میں قیام کیا تھا۔ آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں (۱۳۴۲ء تا ۱۳۵۵ء) بنیر' سوات اور باجوڑ کو ملا کر پکھلی سرکار کا نام دیا گیا تھا اور اس کا الحاق کشمیر سے کر دیا گیا تھا۔ امیر تیمور کے حملے کے وقت چونکہ سلطان سکندر بت شکن حکمران کشمیر نے امیر تیمور کی اطاعت قبول کر لی تھی اس لئے امیر تیمور نے ان تینوں ولایتوں (بنیر ،سوات، باجوڑ) سے کوئی تعرض نہیں کیا۔ بدخشاں اور ننگرہار گبری علاقے تھے مگر امیر تیمور کے حملے کے وقت خودمختار اور حکمرانان سوات اور باجوڑ سے آزاد تھے' امیر تیمور نے فتح کر کے اپنے تسلط میں کر دئے تھے جبکہ پکھلی سرکار (بنیر ،سوات، باجوڑ) حسب سابقہ کشمیر کے توابع میں رہی اور سلاطین سوات بدستور آزاد حکمران رہے۔ اس کا تذکرہ " میر سید علی ہمدانی " کے باب میں کیا جا چکا ہے اور یہ پکھلی سرکار، ضلع ہزارہ کی پکھلی سے ایک جدا علاقہ تھا۔ ضلع ہزارہ کی پکھلی کو امیر تیمور نے ۹۰۱ھ (۱۳۹۹) میں آزاد ترک ریاست کے طور پر قائم کیا تھا مگر اس کا درجہ سرکار نہ تھا۔ پکھلی ہزارہ کو سرکار کا درجہ اکبرِ اعظم کے دور میں ملا اس طرح سرکار پکھلی (ہزارہ) اور سرکار سواد صوبہ کابل میں شامل کر لی گئیں۔ مگر امیر تیمور کے حملے سے قبل بنیر ،سوات اور باجوڑ کی ولایتوں کو ملا کر سرکار پکھلی کی تشکیل سلطان فلہل (پکھل) کے نام سے منسوب کی گئی تھی کیونکہ یہ علاقے سلطان فلہل کے مفتوحہ علاقے تھے جو ہندوؤں اور بدھ مت کے پیروکاروں

سے فتح کئے گئے تھے۔ پکھلی (مانسہرہ) اور پکھلی سرکار (بنیر ،سوات اور باجوڑ) کا سلطان فلہل کے نام سے منسوب ہونا اُس کی شہرت دوام اور عظمت کا مظہر ہے۔

محمد ارشاد خان نے اپنی تصنیف "تاریخ ہزارہ" میں پکھلی کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے درست نہیں۔ اگرچہ ان کا یہ تجزیہ کہ پکھلی امیر تیمور کے حملے سے قبل اس نام سے مشہور تھی درست ہے مگر ان کے علم میں یہ نہ تھا کہ سلطان فلہل (پکھل) امیر تیمور کے دور سے ۲۰۰ سال قبل حکمران مملکت گبر تھا اور پکھلی ہزارہ بشمول بارہ مولا تا دریائے جہلم مملکت گبر کا حصہ تھا۔ موصوف نے سلطان پکھل کو امیر تیمور کے حملے سے بعد کا حکمران تصور کر کے لکھا ہے کہ پکھلی امیر تیمور کے حملے سے قبل اس نام سے منسوب تھی جبکہ اُس وقت سلطان پکھل پیدا ابھی نہیں ہوا تھا دراصل یہ غلطی پیر معظم شاہ مولف (تواریخ حافظ رحمت خانی) کی تحریر کا نتیجہ ہے جس نے سلطان اولیس (آخری سلطان سوات) کو سلطان پکھل ابن سلطان جہانگیر کا بیٹا لکھا ہے۔(۱)

پیر شاہ کی معلومات یوسف زئی مورخین سے ماخوذ ہیں جو نامکمل اور غلط ہیں۔ قاضی عبدالحلیم اثر نے اپنی کتاب (روحانی رابطہ و روحانی تڑون) میں اخون پنجو پر تبصرہ کرتے ہوئے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ جن مورخین نے سوات اور پشاور کی تاریخ لکھی ہے انہوں نے سوات کے سلاطین کے بارے میں نہیں لکھا کہ یہ کون تھے اور کس قوم سے تعلق رکھتے تھے۔ سلطان بہرام اور سلطان پکھل محمد غوری کے معاصر ہیں۔ سلطان جہانگیر سلطان پکھل کا پوتا اور سلطان دشرا کا بیٹا ہے اور اس لحاظ سے وہ ساتویں صدی ہجری کے آخری دور کا فرمانروائے سوات ہے جس نے سلطان تومنا ابن سلطان بہرام کے بعد مملکت گبر کو دوبارہ مستحکم کیا تھا۔ کیونکہ چنگیز کے حملوں کے بعد حالات ابتر ہو چکے تھے۔ سلطان جہانگیر کی کوششوں سے مملکت گبر ایک بار پھر مستحکم ہو گئی اور سلطان جہانگیر سواتی سلاطین میں صاحب روایت سلطان بن گیا اور اس کے بعد سلاطین سوات کو سلاطین جہانگریہ کہا جانے لگا۔ پیر معظم شاہ کے مطابق ان سلاطین کی کافی پشتوں سے ولایت

---

(۱) تاریخ حافظ رحمت خانی موالفہ پیر معظم شاہ ص ۳۱-۳۲

سوات پر حکمرانی تھی پیر معظم شاہ نے اپنی تالیف (تواریخ حافظ رحمت خانی) میں لکھا ہے کہ ان سلاطین کا تذکرہ اپنے محل پر کیا جائیگا مگر اس نے ایسا نہیں کیا شاید اس کے پاس سلاطین سوات کے مکمل حالات نہ تھے۔ راقم الحروف نے جن تین سلاطین کا ذکر زیر نظر کتاب کے باب اول فصل اول میں سید علی ہمدانی کے ضمن میں کیا ہے ان کا تذکرہ پیر معظم شاہ نے کہیں بھی نہیں کیا۔ پیر معظم شاہ نے صرف سلطان اویس (جو اس خاندان کا آخری حکمران سوات تھا) کا ذکر کیا ہے اگر ہم سلطان اویس کو سلطان پکھل کا فرزند گردانیں جیسا کہ پیر معظم شاہ نے لکھا ہے تو پھر یہ سلطان پکھل دوم ہوگا نہ کہ سلطان پکھل جو سوات کا سب سے پہلا فاتح اور چھٹی صدی ہجری کے آخری عشرے کا حکمران سوات ہے۔ اکثر مؤرخین نے موخر الذکر سلطان پکھل کو قبیلہ سواتی کا مورث سمجھ کر پکھلی (ہزارہ) کی وجہ تسمیہ کے تعین میں غلطی کی ہے۔ ہزارہ گزٹیر اور تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس میں موخر الذکر سلطان پکھل کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر "تواریخ حافظ رحمت خانی" کے صفحہ ۳۲ - ۳۱ پر بھی موجود ہے۔

راجا محمد ارشاد خان نے بہاؤ الدین مٹو کے ذیل اشعار کا حوالہ دیا ہے جو میر سید علی ہمدانی کی کشمیر سے روانگی پر لکھے گئے تھے:۔

۱۔ شاہ برزد قدم جو ماہ جلی — از رہ بارہ مولا در پکھلی

۲۔ شاہ چو سلطان محمد آنجا بود — او شہنشاہ ملک معنیٰ بود

۳۔ ماند بر پا بہ مہمان داری — یافت توفیق خدمت از باری

۴۔ چندروزے کہ شاہ آنجا بود — او بہ خدمت گریش بر پا بود

۵۔ سیدِ ش ہم عنان خویش گرفت — رہ یوسف زئی بہ پیش گرفت

یہ وہ دور ہے کہ ابھی امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس بات کا کوئی تاریخی ثبوت موجود ہے کہ تیموری شہزادوں نے امیر تیمور کے حملے سے قبل پکھلی (ہزارہ) کشمیر یا ہندوستان کے کسی علاقہ کو فتح کیا ہو۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنی تصنیف "میر سید علی ہمدانی" کے صفحہ ٦٨ پر وضاحت کر دی ہے کہ امیر زادہ سلطان محمد خان بدخشان اور بخارا کا

حکمران تھا نہ کہ پکھلی (ہزارہ) کا۔ پکھلی ہزارہ امیر تیمور کے حملے سے قبل کشمیر کے توابع کا علاقہ تھا امیر تیمور نے ایک ہزار مزید ترک منگ چھوڑ کر سابقہ ترکوں کو مستحکم کر کے پکھلی کو ایک آزاد ترک ریاست بنا دیا اور اس کی حکمرانی سابقہ مقیم قارلغ ترکوں کو تفویض کر دی تھی۔ سید صاحب کا "رہ یوسفزئی" اختیار کرنے سے مطلب رہ لمغانات اختیار کرنا ہے جہاں امیر تیمور کے زمانے میں محمد زئی افغان ننگرہار اور لغمان میں بحیثیت رعیت قیام پذیر تھے جن کا تذکرہ اوپر عبدالحیٔ حبیبی کی تاریخ افغانستان کے حوالے سے کر دیا گیا ہے۔ اور امیر تیمور نے بھی تزکِ تیموری کے صفحہ ٦٧ پر موسیٰ خان اوغان کا تذکرہ کیا ہے جس نے امیر زادہ پیر محمد خان کے مقرر کردہ لشکر شاہ اغوان (جو قلعہ ایراب کی حفاظت پر مامور تھا) پر حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا تھا۔

اخون درویزہ نے اپنی تصنیف "تذکرہ" میں اپنے جدِ امجد جیون بن جنتی (۱) کا ذکر کرتے لکھا ہے کہ سلاطین پیچ (۲) نے جیون کی خاطر داری کی اور محمد زئی قبیلے کے لوگوں کو اُس سے بدتمیزی کے جرم میں حقیر و ذلیل کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ محمد زئی اور یوسفزئی افغان اُس وقت قندھار سے نکل کر لغمانات میں بحیثیت رعیت آباد ہوئے تھے اور سید علی ہمدانی کا راہ یوسف زئی اختیار کرنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ وہ براستہ پکھلی ہزارہ و بہ راستہ سرکار پکھلی (بنیر وغیرہ) لمغانات سے ہوتے ہوئے امیر زادہ محمد خان کے علاقے بدخشان اور بخارا سے گذر کر ختلان (ترکستان) جایا کرتے تھے۔ امیر زادہ محمد خان بدخشان اور بخارا کا حکمران تھا نہ کہ پکھلی ہزارہ کا۔ پکھلی ہزارہ اور پکھلی سرکار (بنیر، سوات، باجوڑ) دونوں کشمیر کے تابع تھے۔

راجا محمد ارشاد خان مصنف "تاریخ ہزارہ" نے سیر المتاخرین کے ص ٦٤ سے پکھلی ہزارہ اور داؤد سلطان کا ذکر تو کیا ہے مگر اسی صفحہ کے درمیان میں سرکار پکھلی (بنیر وغیرہ) کا ذکر

---

(۱) تذکرہ از اخون درویزہ ص ۱۰۵

(۲) پیچ کونڑ کا مشہور درہ ہے جسے کتابت کی غلطی سے اخون درویزہ کے تذکرہ میں (پج) لکھا گیا ہے۔

نظر انداز کر دیا ہے۔ دوسرا اُنہوں نے سلطان سکندر ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی تصور کر کے معانی اور مطالب کو یکسر بدل دیا ہے۔ تاریخ نہ صرف اپنے آپ کو دہراتی ہے بلکہ اپنے اظہار کے لئے بھی راستہ متعین کرتی رہتی ہے۔ کل تک قبیلہ سواتی کا سکندر ذوالقرنین کی دختری اولاد سے ہونا ایک افسانہ تھا مگر کیا عجب کہ حال ہی میں خاران نزد کوئٹہ یا بمطابق افغان سفیر' شمالی افغانستان سے دریافت شدہ Mummy-fied Princess حور لکیان جواب کراچی میوزیم کی زینت ہے اور جسے کورش کبیر کی دختر قرار دیا گیا ہے قبیلہ سواتی کی مورثہ ہو۔ کیونکہ دورِ حاضر کے علماء اور مورخین نے کورش کبیر کو ذوالقرنین ثابت کیا ہے اور راقم الحروف نے کورش کبیر اور اسکندر یونانی پر زیرِ نظر کتاب میں آئندہ اوراق میں تفصیلی بحث کی ہے۔

سیر المتاخرین کے مصنف نے پکھلی (مانسہرہ) کا ذکر کرنے کے بعد پکھلی سرکار کا ذکر درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"دروسہ ولایت بنیر سواد بجور۔

نخستین :۔ دراز شانزدہ کروہ پہنا دوازدہ' شرقی پکھلی شمالی کتورو کاشغر جنوب اٹک بنارس غربی سواد ہندوستان۔ دوراہ رود گریوسر خابی کوتل ہندوا گرچہ ہر دو دشوار گزار لیکن اولیں سخت تر۔

دوم :۔ (سواد) دراز چہل کروہ پہنا از پنج تا پانزدہ برآمد آفتاب بنیر' شمال کتورو کاشغر جنوب بگرام (پشاور) فروشدن۔ بجور فراواں درہ دارد۔ بہ نزدیک درہ و مفارکہ بہ کاشغر پیوندد۔۔۔۔۔۔

سوم :۔ بجور دراز بست و پنج کروہ پہنا از پنج تا دہ' خاور سو سواد شمال دریائے شورو کاشغر جنوبی بگرام باختر (علاقہ پشاور) ۔۔۔۔ قلعہ آستوار دارد حاکم نشین۔ گویند امیر سید علی ہمدانی در ینجا رخت ہستی بربست و اورا بحکم وصیت بخطلان بردند۔ ہوائے او سواد آسا۔۔۔۔ بیش از سہ راہ ندارد۔ یکے از ہندوستان رود' آں را دانش کول نامند و دو از کابل۔۔۔۔ ایں دشتے است میان

کوہ و دریائے کابل و سندھ۔۔۔۔۔۔ یوسفزئی را بنگاہ در زمان مرزا الغ بیگ کابلی از کابل بدیں سرزمین رسیدہ از داؤد سلطان کہ خود را دختر زادۂ سلطان سکندر ذوالقرنین میگیرند برگرفتند۔ گویند سلطان برخے ابنائے خود را با لختے فوج و خویشاں دریں بلاد گذاشتہ بود و ہنوز چندے ازیں گروہ دریں کوہستان بسر برند و نسب نامہ سکندری در دست دارند"۔

ترجمہ :۔

اس میں تین ولاتیں ہیں۔ بنیر سواد اور باجوڑ۔ پہلی (بنیر) سولہ کروہ لمبی اور بارہ کروہ چوڑی ہے۔ اس کے مشرق میں پکھلی (مانسہرہ) شمال میں کتورو کاشغر (چترال اور کوہستان) جنوب میں اٹک بنارس اور مغرب میں سوات اور ہندوستان (سوات اور سمہ اشغر) ہیں۔ اس کو دو راستے جاتے ہیں۔ گریوسر خابی اور کوتل ہندو۔ ہر دو راستے دشوار گذار مگر پہلا مشکل تر۔

دوم (دوسری ولایت) سواد ہے۔ جس کی لمبائی پچاس کروہ ہے اور چوڑائی پانچ سے پندرہ کروہ ہے۔ آفتاب (مشرق) میں بنیر شمال میں کتورو کاشغر (چترال و کاشغر) جنوب بگرام (پشاور اشغر)۔

باجوڑ (تیسری ولایت) میں کافی درے ہیں۔ ایک درہ کے نزدیک تنگ راستہ ہے جو کاشغر (چترال) کو جاتا ہے۔ یہ (ولایت) پچیس کروہ طویل اور چوڑائی پانچ سے دس کروہ رکھتی ہے۔ اس کے مشرق میں سواد (سوات) شمال میں دریائے شورو کاشغر (دریائے چترال) اور جنوب میں بگرام باختر (علاقہ پشاور چارسدہ)۔ یہاں ایک محکم قلعہ ہے جس میں حاکم رہتا ہے (قلعہ گبر)۔ کہتے ہیں کہ امیر سید علی ہمدانی نے یہیں وفات پائی اور ان کی وصیت کے مطابق ان کی میت کو خطلان لے جایا گیا۔ اسکی (باجوڑ کی) آب وہوا سواد کی طرح ہے۔ تین سے زیادہ راستے نہیں۔ ایک ہندوستان کی طرف سے آتا ہے جسے دانش کول کا راستہ کہتے ہیں۔ اور دو دوسرے کابل سے آتے ہیں۔۔۔۔۔ یہ (سرکار پکھلی) ایک دشت ہے جو پہاڑوں اور دریائے کابل اور دریائے سند کے درمیان واقع ہے۔ یوسفزئی مرزا الغ بیگ کابلی کے زمانے میں کابل سے نکل کر یہاں آباد ہو گئے اور داؤد سلطان سے (جو اپنے آپ کو (سلطان سکندر ذوالقرنین کی

دختری اولاد بتاتے ہیں) سے یہ علاقے فتح کیئے۔ کہتے ہیں کہ سلطان (سکندر ذوالقرنین) نے اپنی اولاد میں سے چند ایک کو کچھ رشتہ داروں اور مختصر فوج کے ساتھ یہاں چھوڑ دیا تھا۔ اس گروہ کے کچھ لوگ اب بھی ان پہاڑوں میں آباد ہیں اور نسب نامہ سکندری ہاتھ میں اٹھائے رکھتے ہیں۔

سکندر ذوالقرنین کی روایت کو اخون درویزہ کے علاوہ تاریخ افغانستان کے مصنف عبدالحئی حبیبی نے بھی بیان کیا ہے اور میجر راورٹی نے سلطان بہرام فاتح لغمان وننگرہار کے علاوہ بدخشاں کے بادشاہوں کو بھی سلطان سکندر ذوالقرنین کی اولاد لکھا ہے البتہ راورٹی سکندر اعظم مقدونی کو ذوالقرنین تصور کرتا ہے۔ جبکہ موجودہ تحقیق کے مطابق کورش کبیر (ہنحامنشی خاندان کا پہلا حکمران) ذوالقرنین ثابت ہو چکا ہے۔ اس پر مزید بحث آئندہ اوراق میں کی جائیگی۔

سیر المتاخرین کے صفحہ ۶۴ پر درج عبارت کو پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ قارئین یہ جان لیں کہ پکھلی نام سے دو علاقے مشہور تھے۔ ایک پکھلی (ہزارہ) اور دوسرا پکھلی سرکار(بنیر سوات اور باجوڑ) اور یہ دونوں علاقے سلطان فکہل (پکھل) کے نام سے منسوب ہیں جو ان علاقوں کا پہلا مسلمان فاتح حکمران تھا۔

سید علی ہمدانی کا انتقال باجوڑ کے قلعہ گبر کے نزدیک ۷۸۶ھ میں ہوا۔ اُس وقت ملک خضر گبری سواتی باجوڑ کا حکمران تھا۔ امیر زادہ سلطان محمد خان بدخشاں اور بخارا کا حکمران تھا نہ کہ پکھلی (ہزارہ) کا۔ امیر تیمور نے سید علی ہمدانی کی وفات سے ۱۶ سال بعد ۸۰۱ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا تھا اور ۸۰۱ھ میں ترکوں کا ایک ہزار منگ سابقہ آباد ترکوں کی مدد کے لئے چھوڑ کر پکھلی کو آزاد ترک ریاست کی حیثیت دے دی تھی۔ اس سے قبل پکھلی (ہزارہ) کشمیر کے سلاطین کے توابع میں شامل تھی۔ اور امیر تیمور کی وفات کے بعد سلطان زین العابدین بڈھ شاہ نے اسے دوبارہ فتح کر کے کشمیر کے توابع میں کرلیا تھا۔ سیر المتاخرین کے ص ۶۴ پر مذکورہ داؤد سلطان مورث قبیلہ دودال سمیع اللہ جان مرحوم کی کتاب "تحقیق الافغان" کے صفحہ ۱۷۸ (۱) پر درج

---

(۱) داؤد سلطان قوم دودال کا مورث ہے۔ دری لہجہ میں داؤد کو دؤد لکھا جاتا تھا۔ اس قبیلہ کا نام دؤدال مشہور ہوا۔

ہے۔ مگر یوسف زئیوں نے داؤد سلطان سے نہیں بلکہ سلطان اویس گبری سے حکومت چھینی تھی جو منگلور سے فرار ہو کر نیاگ درہ کو چلا گیا تھا۔ اور وہاں پھر سے کفار پر حکمرانی کرنے لگا۔ سلطان سکندر ذوالقرنین نے اپنے بیٹے کو کچھ رشتہ داروں اور فوج کے ساتھ یہاں (بلخ) میں چھوڑ دیا تھا اب بھی اس گروہ کے چند لوگ اس کوہستان میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور نسب نامہ، سکندری ہاتھ میں اٹھائے رکھتے ہیں۔ ان لوگوں کو یوسف زئیون نے مغلوب کر دیا۔ یہ تاجک سواتی (گبری ہمیالی ومتراوی) سوات اور بنیر کے شمال مشرقی پہاڑی دروں میں روپوش ہو گئے مگر تھاکوٹ الائی، چکیسر اور غوربند کا علاقہ بشمول کوہستان سوات، ابھی تک سواتیوں کے قبضہ میں تھے۔ جس کا ذکر گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ ابوالفضل کی تحریر اور عالمگیر نامہ کی عبارت اس بات کی تصدیق کرتی ہے۔ کہ بے دخل سواتی ابھی تک ان پہاڑی دروں میں حب الوطنی کے سبب قیام پذیر تھے جبکہ میدانی علاقوں پر یوسفزئیوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔

محمد ارشاد خان نے پکھلی سرکار (سواد، بنیر اور بجور) کی تین ولایتوں کا ذکر ہی نظر انداز نہیں کیا بلکہ اُنہوں نے سیر المتاخرین کی ص ۶۵-۶۴ کی آخری عبارت کو بھی غلط سمجھا ہے اس لئے اُس نے پکھلی کی جو وجہ تسمیہ بیان کی ہے درست نہیں۔ حالانکہ طبقات ناصری اور مغل دور کے مورخین کے علاوہ راورٹی نے بھی سواد (پکلی) (۱) کے وجود کو چنگیز خان کے حملوں سے قبل تسلیم کیا ہے جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بیان کر دیا گیا ہے۔

تاریخی حوالوں کو صحیح سیاق وسباق میں پرکھے بغیر تاریخ نویسی کے عمل کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اور واقعات کو صحیح پس منظر میں سمجھنے میں دشواری پیدا ہوتی ہے۔ بسا اوقات اس قسم کے تجزیوں سے غلط روایات جنم لیتی ہیں جو محققین کے لئے باعث تردد ہوتی ہیں کیونکہ قدیم اور معاصرانہ کتب کی عدم دستیابی ان غلط روایت کو صحت کا جامہ پہنانے میں مددگار ثابت ہوتی ہے۔ اور تاریخ کا عمل مجروح ہوتا ہے۔ بقول میجر راورٹی:

"If it is to be history' it must be correct"

---

(1) "Notes on Afghanistan and Baluchistan" P 156

تاریخ تب ہی بنتی ہے جب واقعات درست طور پر بیان کئے جائیں ورنہ واقعات خود ستائی کی بھینٹ چڑھ کر افسانوی رنگ اختیار کر لیتے ہیں اور حقیقت روپوش ہوجاتی ہے۔ قبیلہ سوادی (سواتی) کی تاریخی بھی کچھ ایسی ہی افسانوی منظر نگاری کا شکار رہی ہے اور اس کی صحت پر اس کے اپنے حواریوں کے ہاتھوں مضر حملے کئے گئے ہیں تاکہ قبیلے کے افراد کو اپنے ماضی سے دور رکھا جاسکے۔

بہاؤالدین مٹو کے اشعار میں سید علی ہمدانی کا "رہ یوسف زئی بہ پیش گرفت" تاریخی اعتبار سے درست ہے کیونکہ سرکار پکھلی (بنیر، سوات اور باجوڑ) سے گزر کر سید صاحب براستہ لغمانات بدخشاں اور بخارا سے ہوتے ہوئے ترکستان (ختلان) جایا کرتے تھے۔ اُس زمانے میں (آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں) محمد زئی اور یوسف زئی لغمان اور ننگرہار میں آباد ہو گئے تھے۔ اس کی تصدیق "مختصر تاریخ افغانستان" (۱) از عبدالحئی حبیبی کے علاوہ تزکِ تیموری (۲) سے بھی ہوتی ہے۔ جب امیر تیمور نے بدخشاں کی سرحد پر موضع اندراب میں خیمہ زن ہو کر کتور (چترال) کے کفاروں کی گوشمالی کی اور اُس کے بعد اوغانیوں (افغانوں) کے قبیلہ کرکس کے سردار موسیٰ خان اغوان (اوغان) سے واسطہ پڑا جس نے امیرزادہ پیر محمد خان کے مقرر کردہ لشکر شاہ اغوان پر جو قلعہ ایراب کے حفاظت پر مامور تھا حملہ کر کے اُسے قتل کر دیا تھا۔

امیر تیمور کے حملے کے وقت سلطان محمد خان حکمران بدخشاں اور بخارا تھا۔ بدخشاں کے سابقہ حکمران بھی تاجک (گبری) تھے اور اپنے آپ کو سلطان سکندر ذوالقرنین کی اولاد تصور کرتے تھے۔ (۳)

سرکار پکھلی (بنیر وغیرہ) کی تشکیل:۔

امیر تیمور کے حملے کے وقت لغمان اور ننگرہار، سلاطین سوات کے انتظامی ڈھانچے سے

---

(۱) مختصر تاریخ افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۱۹۳ - ۱۹۲ (۲) تزکِ تیموری ص ۶۷

(۳) میجر راورٹی نوٹس آن افغانستان و بلوچستان ص ۱۵۶ نوٹ پارٹ۔

الگ ہو چکے تھے اگرچہ ان کی حکمرانی سلطان تومنا ابن سلطان بہرام کی اولاد کے پاس تھی۔ اخون درویزہ نے اپنی تصنیف تذکرہ میں تحریر کیا ہے کہ:۔

"چوں حکومت دودمانِ عالی شان امیر تیمور بدیں حدود رسید سلطنت ایشاں (قبیلہ تاجک سواتی) تغیر یافت اما منصب سرداری تامی اولس از درگاہ بادشاہ زمانہ سرفراز شدند"۔ (۱)

ترجمہ:۔

جب امیر تیمور کے عظیم الشان خاندان کی حکومت ان حدودات (لغمان وننگرہار) میں شروع ہوئی تو ان کی حکومت (سلطان بہرام کی اولاد کی حکومت) تغیر پذیر ہوئی مگر بادشاہ (امیر تیمور) کی طرف سے عامتہ الناس کی سرداری انہی کو تفویض رہی۔ جو بقولِ راورٹی (۲) یہ برائے نام اقتدار بھی آہستہ آہستہ ختم ہوگیا۔ مگر اس کے برعکس امیر تیمور نے باجوڑ سوات اور بنیر کے حکمرانوں سے کوئی تعرض نہیں رکھا اور یہ علاقے پکھلی سرکار کی حیثیت سے بدستور کشمیر کے توابع کا علاقہ رہے کیونکہ کشمیر کے حکمران سلطان سکندر بت شکن نے امیر تیمور کی اطاعت قبول کر لی تھی اور اس کے بیٹے شاہی خان کو امیر تیمور اپنے ساتھ سمرقند ترکستان لے گیا تھا جو امیر تیمور کی وفات کے بعد کشمیر واپس آیا اور اپنے بھائی علی شاہ سے کشمیر کی حکومت چھین کر زین العابدین بڈھ شاہ کے لقب سے کشمیر کا بادشاہ بنا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ بنیر، سوات اور باجوڑ پر مشتمل پکھلی سرکار امیر تیمور کے حملے سے قبل وجود میں آچکی تھی جو غالباً سلطان شہاب الدین حکمران کشمیر کے ابتدائی دور میں تشکیل پا چکی تھی۔ جبکہ پکھلی (ہزارہ) میں قارلغ ترکوں کا ایک ہزار کا منگ چھوڑ کر امیر تیمور نے پکھلی ہزارہ کو ایک آزاد ترک ریاست کے طور پر قائم کیا تھا۔ مگر سلطان زین العابدین بڈھ شاہ نے پکھلی (ہزارہ) کو دوبارہ فتح کر کے کشمیر کے توابع میں کر لیا تھا۔ (۳)

---

(۱) اخون درویزہ "تذکرۃ الابرار والاشرار" ص ۱۱۳ (۳) شباب کشمیر از محمد الدین فوق

(۲) Notes on Afghanistan & Baluchistan by Maj. Raverti P-51-52

اعظم ملک ابن عماالدین بلخی سلطان بہرام کا سپہ سالار تھا جس کی فوجون میں خلج اور غذ ترک تھے (۱) اور پکھلی تا بحدے بارہ مولا فتح کرنے کے بعد کچھ خلج اور غذ ترک پکھلی (ہزارہ) میں سلطان بہرام نے آباد کردئے تھے اور کابل سے کشمیر تک مملکت گبر کا قیام بھی عمل میں لایا تھا۔ اعظم ملک اور ملک سیف الدین اغراق (خلج) نے اپنے چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ جلال الدین خوارزم شاہ کی چنگیز خان کے مقابلے میں مدد کی تھی اور چنگیز خان کو پاروان کے مقام پر شکست دی تھی مگر مالِ غنیمت پر اختلاف کے باعث ملک سیف الدین اغراق اور اعظم ملک ابنِ عمادالدین بلخی میدانِ جنگ سے علٰیحدہ ہوکر اپنی افواج سمیت کرمان' شلوزان (سنکوران) جو اعظم ملک کا تعلقہ تھا' کو آ گئے تھے۔

اعظم ملک کو ننگرہار کے جنوب میں وادئی شلوزان اور کرمان کا علاقہ سلطان بہرام نے تعلقہ (Fief) کے طور پر فوجی خدمات کے سلسلے میں دیا تھا۔ ان غوری (تاجک) اور غذو خلج (ترک) افواج کے علٰحدہ ہونے سے خوارزم شاہ کی قوت ٹوٹ گئی۔ اور وہ چنگیز خان سے شکست کھا کر پہلے ہرات اور بعد میں غزنی کی طرف فرار ہوگیا تھا۔ چنگیز خان نے اُس کا مسلسل تعاقب کیا اور دریائے سندھ کے قریب اُسے شکست دی مگر جلال الدین خوارزم شاہ سندھ عبور کر کے ہندوستان کے علاقے میں چلا گیا تھا۔ چنگیز خان اُس کے تعاقب میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر پشاور کے شمال میں ولایت گبر (۲) میں پہنچا اور تین ماہ تک قتل و غارت کا بازار گرم کر کے واپس ترکستان چلا گیا۔ میجر بلیو (۳) کے مطابق علاقہ گبر بعد میں سوات اور پکھلی کہلایا اس سے ظاہر ہوا کہ سوات، بنیر، اور باجوڑ جو مملکت گبر کا حصہ تھے کافی عرصہ بعد سلطان فلہل کی شہرت دوام کے سبب اُسی کے نام سے منسوب ہوکر پکھلی سرکار تشکیل پائے اور سلطان شہاب الدین حکمران کشمیر کے عہد میں کشمیر کے توابع میں شامل کردی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کشمیر کے

---

(1) Notes on Afghanistan & Baluchistan by Maj. Raverti P-52

(۲) طبقاتِ ناصری ص ۱۶۱ نوٹ (۶) اور ص ۱۷۵

(۳) (Kashghar History by Bellew quoted by Raverti in Notes P-156))

سلاطین شاہ میر گبری (جو شمس الدین کا لقب اختیار کر کے ۱۳۴۲ء میں کشمیر کا پہلا مسلمان حکمران بنا تھا) کی نسل سے تھے اور سوات کے گبری سلاطین ان کے قرابت دار تھے۔

المختصر امیر تیمور کے حملے کے وقت دو علاقے پکھلی کے نام سے موسوم تھے۔ ایک پکھلی مانسہرہ جہاں سلطان بہرام کی قیادت میں اعظم ملک کے خلج اور غذ ترک سپاہی آباد کردئے گئے تھے اور دوسرا پکھلی سرکار جو بنیر، سوات اور باجوڑ کی تین ولایتوں پر مشتمل تھی۔

راجا محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ (ترکوں کا عہد) کا یہ کہنا کہ امیر تیمور کے حملے کے وقت سلطان پکھل پیدا بھی نہیں ہوا تھا' تاریخ سے لاعلمی کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سلطان پکھل (فلہل) محمد غوری کے عہد کا فاتح لغمان، باجوڑ، سوات، بنیر، اشنغر اور پکھلی (ہزارہ) تھا اور یہ اُسی کے مفتوحہ علاقے تھے جن پر اُس کے بھائی سلطان بہرام نے ازسرِ نو قبضہ کر کے کابل سے کشمیر بارہ مولا تا دریائے جہلم حکومت بنائی تھی۔ پکھلی کی وجہ تسمیہ پندھرویں صدی کے سلطان پکھل حکمران سوات سے منسوب نہیں بلکہ بارہویں صدی عیسوی کے آخری دور کے حکمران سلطان فلہل ابنِ سلطان کہجا من بن سلطان ہندو جو سلاطین کنڑ (درہ پیچ) کی نسل سے تھا، سے منسوب ہے اور یہ کسی ہندی لفظ سے مشتق نہیں جیسا کہ محمد ارشاد خان نے تجزیہ کیا ہے۔ موصوف نے سیر المتاخرین ص ۶۴ کی ابتدائی سطور بہ سلسلہ پکھلی مانسہرہ کا مطالعہ کیا ہے مگر اسی صفحہ پر پکھلی سرکار (بنیر وغیرہ) پر اُن کی نظر نہیں پڑی ورنہ وہ اس مغالطہ کا شکار نہ ہوتے۔

سیر المتاخرین ص ۶۴ کے علاوہ پکھلی اور سوات کا ذکر میجر سرجن بلیو (Maj. Surjeon Bellew) نے اپنی کتاب (Kashghar History) میں بھی کیا ہے جس کا حوالہ میجر راورٹی نے اپنے "نوٹس آن افغانستان و بلوچستان" کے صفحہ ۱۵۶ پر دیا ہے۔ اور سیر المتاخرین کے حوالے سے محمد الدین فوق مصنف تاریخ بڈھ شاہی نے بھی کیا ہے۔ (۱)

"تاریخ بڈھ شاہی" میں محمد الدین فوق نے علی شاہ اور شاہی خان الملقب بہ زین

---

(۱) تاریخ بڈھ شاہی از محمد الدین فوق ص ۶۹

العابدین بڈھ شاہ کے درمیان جنگ اور علی شاہ کو شکست کے بعد پکھلی کے قلعہ میں قید کرنے کے سلسلے میں کیا ہے۔ یہ ہزارہ کی پکھلی نہ تھی بلکہ پکھلی (سوات) تھی جہاں علی شاہ کو قید کیا گیا کیونکہ علی شاہ اور شاہی خان کے درمیان جنگ کے وقت پکھلی ہزارہ ایک آزاد ترک ریاست تھی جہاں علی شاہ کو قید رکھنا ممکن نہ تھا۔ سرکار پکھلی (سوات وغیرہ) کا الحاق کشمیر سے تھا اور سوات کے قلعہ منگلور یا باجوڑ کے قلعہ گبر میں علی شاہ کو قید کر کے رکھا گیا تھا۔ جہاں وہ بقولِ میجر راورٹی ۸۲۶ھ میں فوت ہوا یا قتل کر دیا گیا۔

راورٹی نے اپنی تصنیف (Notes on Afghanistan and Baluchistan) کے صفحہ ۳۶۹ پر درج ذیل عبارت تحریر کی ہے:۔

" Zainul Abidin and his Khokhar (Gakhar) ally marched from Sialkot against Sultan Ali Shah, encountered him in battle overthrew him and made him captive. Zainul Abidin imprisoned his brother in the Pakhli District, a part of the Kashmir dominion at that period and in confinement he died in 826 H (1423 AD) but some say in the follower year."

مفہوم:۔

زین العابدین اور اُس کے گھکڑ حمایتی نے سیالکوٹ سے روانہ ہو کر سلطان علی شاہ سے جنگ کی۔ اُس کو شکست دے کر قید کر لیا۔ زین العابدین نے اپنے بھائی کو قید کر کے پکھلی کے ضلع میں محصور کر لیا جو اُس وقت کشمیر کے توابع میں شامل تھا۔ اور قید کے دوران علی شاہ ۸۲۶ھ میں یا اُس کے دوسرے سال فوت ہو گیا۔

اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علی شاہ کو پکھلی ہزارہ میں نہیں بلکہ پکھلی (سوات، باجوڑ) میں قید کر کے رکھا گیا، کیونکہ پکھلی ہزارہ اُس وقت کشمیر کے توابع کا علاقہ نہ تھا۔ امیر تیمور نے اسے غالباً آزاد ریاست کی حیثیت دے دی تھی۔

میجر راورٹی اپنی تصنیف (Notes on Afghanistan and Baluchistan) میں لکھتے ہیں:۔

"Mr. Bellew in his "Kashghar History" first he quotes what he calles the "Tabacat-i-Nasri" and says: "He (Changiz Khan) whent into winter quarters in Gabari, or the Gabar country (the country of the fire worshippers), now known as Pakli and Swat, to wait the return of his envoys to the Emperor of Hindustan (Shamsud Din I-yai-Tamish)..... to ask permission for a passage to China through Farajal and Kamrud." (1)

مفہوم:۔

مسٹر بلیو نے اپنی کتاب " تاریخ کاشغر " میں طبقات ناصری کے حوالے سے لکھا ہے۔ کہ چنگیز خان نے موسمِ سرما میں ملک گبر میں (جو آتش پرستوں کا ملک ہے) ڈیرہ ڈالا۔ یہ ملک اب پکھلی اور سوات کہلاتا ہے۔ اپنے ایلچی کی واپسی کے انتظار میں تھا جس کو دہلی کے بادشاہ شمس الدین التمش کے پاس فراجل اور کامرود (کام رود) کے راستے سے چین جانے کی اجازت حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

مذکورہ بالا عبارت (جو طبقات ناصری کے حوالے سے لکھی گئی ہے) میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک یہ کہ چنگیز خان نے جلال الدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں دریائے سندھ کے مغرب میں علاقہ گبر پر چڑھائی کی جس کو اب پکھلی اور سوات کہا جاتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ یہ علاقہ (گبر) آتش پرستوں کا علاقہ ہے جسے اب سوات اور پکھلی کہا جاتا ہے۔

طبقات ناصری میں جس گبر علاقے کا ذکر کیا گیا ہے وہ سوات اور باجوڑ کا دوسرا نام ہے اور یہ مانسہرہ کی حدود کی پکھلی ہرگز نہیں۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ گبری علاقے کو آتش

---

(1) "Notes on Afghanistan and baluchistan" by Major H. G. Raverty, p. 156

پرستوں کا علاقہ کہا گیا ہے۔ جو درست نہیں۔ گبری سواتیوں کا ایک اہم حکمران قبیلہ گذرا ہے۔ اور تاجک سواتیوں میں اب بھی ایک اہم اور معتبر شاخ ہے۔ یہ لوگ مسلمان ہونے سے قبل آتش پرست تھے اور مذہبی و ملی اعتبار سے گبری مشہور تھے مگر چنگیز خان کے حملے سے کافی عرصہ قبل یہ مسلمان ہو چکے تھے اور بلخ، بدخشاں، کونڑ، لغمان، ننگرہار، باجوڑ، سوات، بنیر اور اشغر میں مسلمان ریاستیں قائم کیں۔ میجر راورٹی نے اپنی تصنیف کے ص ۱۵۶ (نوٹ پارٹ) میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"The Badshahs of Badakhshan, who were Muslims, who claimed descant from Sikandar-i-Zul-Karnain, and who had hither to been independant, all joined Amir Timur against Amir Hussain."

مفہوم:۔

بدخشاں کے بادشاہ مسلمان تھے جو اپنے آپ کو سکندر ذوالقرنین کی اولاد کہتے تھے۔ یہ آزاد حکمران تھے اور امیر حسین کے مقابلہ میں امیر تیمور کی مدد کی تھی۔

میجر راورٹی اس کتاب کے صفحہ ۱۲۸ پر گبریوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"Gabries were orthodox Muslims and had been for very long period"

یعنی گبری پکے مسلمان تھے اور کافی عرصہ سے مسلمان چلے آرہے تھے۔ اس لئے سوات، اور باجوڑ وغیرہ اگرچہ گبریوں کے علاقے تھے اور یہاں ان کی حکمرانی تھی مگر یہ لوگ چنگیز خان کے حملے سے کافی عرصہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اور آتش پرست نہ تھے۔ اس پہلو پر سواتیوں کے تاریخی واقعات اور نسب کے بارے میں آئندہ اوراق میں تفصیلی بحث کی جائے گی۔

بعض مورخین کشمیر کی موجودہ جغرافیائی حدود کو سامنے رکھ کر پکھلی (مانسہرہ) تا بحدے بارہ مولا کا علاقہ سلطان فلکہل کے ہاتھوں فتح ہونا یا بعد میں سلطان بہرام کے ہاتھوں دوبارہ فتح

ہونا، مشکوک گردان کر پکھلی کی وجہ تسمیہ کو سلطان فلکہل سے منسوب ہونے کا تصور نہیں کرتے۔ کشمیر کی موجودہ جغرافیائی حدود ساتویں آٹھویں صدی ہجری کی جغرافیائی حدود سے مختلف تھیں۔ اس کا تذکرہ جناب ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنی تصنیف "میر سید علی ہمدانی" میں ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"باید در نظر گرفت کہ مقصود از خطہ کشمیر در قرن ہشتم ناحیہ دو سہ برابر کشمیر و جاموں کنونی است"

(یعنی کشمیر (آٹھویں صدی ہجری میں موجودہ کشمیر و جموں کے ۲/۳ کے برابر تھا)

اس سے ظاہر ہے کہ دریائے سندھ سے مشرق کی طرف تا بحدے بارہ مولا کشمیر کا حصہ نہ تھے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ کشمیر کی تاریخ (راج ترنگنی) میں سلطان فلکہل اور سلطان بہرام کا ذکر موجود نہیں۔ راجا محمد ارشاد نے اپنی کتاب میں محمد غوری کے جس سپہ سالار اصالت خان کا ذکر موضع مانکرائے کی صورت دیہی کے حوالے سے کیا ہے۔ دراصل وہ سلطان فلکہل ہے نہ کہ اصالت خان ۔ ممکن ہے اصالت خان اس کا لقب ہو مگر اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں۔ البتہ سلطان فلکہل اور سلطان بہرام فاتحین پکھلی دونوں تاریخی شخصیات ہیں جن کا ذکر " تاریخ مختصر افغانستان "از عبدالحئی حبیبی، "تذکرہ" از اخون درویزہ اور میجر راورٹی کی یاداشتوں میں پایا جاتا ہے اور جن کی قائم کردہ مملکت گبر کا ذکر "طبقاتِ ناصری" از منہاج سراج جوزجانی میں پایا جاتا ہے۔

سید علی ہمدانی اور سلاطین سوات کے گہرے مراسم و روابط تھے۔ جن پر سید علی ہمدانی کے باب میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ مگر پکھلی سرکار (بنیر، سوات اور باجوڑ) کے حوالے سے ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم کی کتاب کے ص ۶۸ پر درج ذیل عبارت قابلِ ملاحظہ ہے:۔

"چوں ولایت ملک خضر شاہ رسید خدمت ملک خضر شاہ التماس نمود کہ حضرت میر سید میباید چند روز اقامت شریف فرمایند" (یعنی جب سید علی ہمدانی ملک خضر شاہ کی ولایت (باجوڑ) میں پہنچے تو ملک خضر نے التماس کی کہ سید علی چند دن کیلئے باجوڑ میں قیام فرمائیں) اور ڈاکٹر صاحب نے اسی صفحہ پر حاشیہ نمبر۱ پر واضح کیا ہے کہ:۔

"بعض از نویسندہ گان نام پادشاہ پاخلی را محمد شاہ نوشتہ اند و لے آں پادشاہ بدخشاں و بخارا بودہ است نہ پادشاہ پاخلی۔"

(یعنی بعض مورخین نے پاخلی کے بادشاہ کا نام محمد شاہ لکھا ہے لیکن وہ بدخشاں اور بخارا کا حکمران تھا نہ کہ پاخلی کا۔) اس عبارت سے بھی ظاہر ہوا کہ باجوڑ سرکار پکھلی کی ایک ولایت تھی جہاں ملک خضر شاہ حکمران تھا۔

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ پکھلی سرکار (بنیر، سوات اور باجوڑ) پکھلی مانسہرہ سے ایک جدا علاقہ ہے اور یہ ہر دو علاقے پکھلی ہزارہ اور سرکار پکھلی (بنیر وغیرہ) سلطان پکھل (فلکھل کے نام سے منسوب ہیں جسکی عظمت اور شہرت کا اعتراف اس کی وفات کے بعد بھی کیا جاتا رہا۔

پکھلی مانسہرہ میں موضع نوکوٹ میں سید علی ہمدانی کی ایک خانقاہ موجود تھی جس کے آثار اب بھی پائے جاتے ہیں۔ سید صاحب یہاں کشمیر آتے جاتے پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔ مگر امیر تیمور کے حملے سے قبل اس خانقاہ کا انتظام بھی سلاطین کشمیر کے پاس تھا کیونکہ امیر تیمور کے حملے سے قبل پکھلی (مانسہرہ) کشمیر کے توابعے کا علاقہ تھا۔ سید علی ہمدانی ۷۸۶ھ میں کشمیر سے واپسی پر باجوڑ کے قلعہ گبر کے قریب فوت ہوئے تھے۔ جس کی تصدیق سیر المتاخرین کی عبارت ص ۶۴ سے بھی ہوتی ہے اور آئین اکبری میں بھی ص ۱۰۹۸ پر سرکار سواد کے تذکرہ کے سلسلے میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے بھی اپنی تصنیف (۱) کے صفحہ ۵۵ - ۵۳ اور صفحہ ۷۱ پر کیا ہے۔

سرکار پکھلی (سوات وغیرہ) کی کشمیر سے الحاق کے دو اسباب تھے۔ ایک یہ کہ کشمیر کے شاہ میری سلاطین بھی سوات کے گبری سلاطین کی نسل سے تھے۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ شاہ میری سلاطین کے ابتدائی دور میں کشمیر ایک مستحکم اور مضبوط سلطنت تھی۔ خراسان اور پشاور کے شمال مشرقی علاقے اس کے زیرِ اثر تھے۔ سلطان شہاب الدین (حکمران کشمیر) نے گندھارا پشاور کے علاقے کو فتح کر کے گوندا خان حاکم گندھارا کو جو فیروز تغلق کا نامزد تھا شکست دے کر پشاور سے بھگا دیا تھا۔ اور بعد میں جب فیروز شاہ تغلق اور سلطان شہاب الدین مقابل ہوئے تو میر سید علی ہمدانی بذاتِ خود میدانِ جنگ میں پہنچ گئے اور صلح کرا دی جس کا تذکرہ میر سید علی ہمدانی کے باب میں ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنی تصنیف "میر سید علی ہمدانی" میں جہاں پکھلی (سوات وغیرہ) کو غیر از پکھلی (مانسہرہ) قرار دیا ہے وہاں انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ کشمیر کے سلطان قطب الدین اور ان کی والدہ (۱) دونوں سید علی ہمدانی کے مرید تھے۔ اور دونوں سید صاحب کی کشمیر آمد کے موقع پر اُن کی زیارت کیا کرتے تھے۔ سلطان قطب الدین کی والدہ کا نام بی بی حورا تھا اور یہ شہزادی سواد کے سیاسی اور انتظامی معاملات میں کافی دخیل تھی۔ ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنی تصنیف کے ص ۵۵ نوٹ نمبر ۴ پر درج ذیل الفاظ تحریر فرمائے ہیں۔

"اسمش بی بی حورا و این زن با سواد در امور سیاسی و نظامی دخیل بوده است"۔

یعنی یہ عورت (بی بی حورا والدہ سلطان قطب الدین) سوات کے سیاسی اور نظامی امور میں کافی دخل رکھتی تھی۔

اس سے ظاہر ہے کہ قطب الدین کے زمانے میں سوات وغیرہ کشمیر کے توابع میں تھے اور قیاس کیا جا سکتا ہے کہ بی بی حورا بھی سوات کے سلاطین کی بیٹی تھی اس لئے وہ سوات کے معاملات میں دخیل تھی۔ اس سے ایک اور بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کشمیر میں پکھلی کے سلاطین کے جس قبرستان کا ذکر محترم راجہ محمد ارشاد خان نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۶۴ پر کیا ہے وہ قبریں سوات کے شہزادوں کی ہیں جو بوجہ قومیت و رشتہ داری کشمیر میں آ کر سلاطین کشمیر کے ساتھ رہتے تھے اور یہ پکھلی (مانسہرہ) کے ترک فرمانروا نہ تھے۔

میر سید علی ہمدانی کے باب میں سید صاحب کا سلاطین سوات کے ساتھ روابط پر تذکرہ ہو چکا ہے۔ میر سید علی ہمدانی نے اپنی کتاب "ذخیرۃ الملوک" کا باب سوم سلطان علاؤ الدین (علی الدین) کے نام سے منسوب کیا ہے جو پکھلی (سوات) کا گبری حکمران تھا۔ ان حقائق کو مدِ نظر رکھ کر ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم نے اپنے تحقیقی مقالہ "میر سید علی ہمدانی" کے ص ۷۱ حاشیہ نمبر ۱۲ پر

---

(۱) سیر المتاخرین ص ۶۴، تاریخ بڈھ شاہی ص ۶۹، میر سید علی ہمدانی از ڈاکٹر محمد ریاض ص ۵۵-۵۳ اور ص ۷۱، آئینِ اکبری ص ۱۰۹۸ در ضمن سرکار سواد

ذیل الفاظ لکھے ہیں:۔

"غیر از پاخلی کہ بخشے از فرمانبرداری مانسہرہ است"

اس تصریح سے صاف واضح ہوجاتا ہے کہ پکھلی مانسہرہ اور پکھلی (بنیر، سوات، باجوڑ) دو مختلف علاقے ہیں اور یہ دونوں علاقے سلطان فکھل کی شہرت دوام اور عظمت کے باعث اُس کے نام سے منسوب ہوئے اور سلاطین کشمیر نے بھی سلطان پکھل کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے بنیر، سوات اور باجوڑ کی تین ولایتوں کو یکجا کر کے "سرکار پکھلی" تشکیل دی اور سلطان فکھل (پکھل) کے نام سے منسوب کر کے کشمیر سے الحاق کردیا۔

سواتی سلاطین دراصل ہمیشہ سے اپنے اسلاف کے مشاہیر کے ناموں سے یا قبیلہ کے نام سے مفتوحہ علاقوں کو یا اُن کے خاص مقامات کو منسوب کرتے رہے ہیں۔ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے علاقہ ایف آر ٹنی میں علاقہ گبر، باجوڑ کا قلعہ گبر یا سوات میں وادی کالام کا شمالی حصہ گبرال یا کرم ایجنسی کے مغرب میں افغانستان کی حدود میں گردیز کے علاقے میں وادی گبر مینگل اس کی چند مثالیں ہیں۔ اسی طرح بلوچستان اور افغانستان کی سرحد پر چند مواضعات گبر کے نام سے مشہور ہیں جو اس بات کی بازگشت ہیں کہ بلوچستان اور مکران (سندھ) قبل از اسلام زابلستان (سیستان) کا حصہ رہے ہیں جہاں رتبیلان زابلستان کی حکمرانی تھی جو مدنیت کے اعتبار* سے گبری تھے اور نسبتی اعتبار سے خاندان رستم دار سے تعلق رکھتے تھے۔ اس موضوع پر آئندہ اوراق میں تفصیلی بحث کی جائیگی کیونکہ تاجک سواتی رتبیلان زابلستان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

یعقوب لیث کے ہاتھوں ۲۵۸ھ میں زابلستان (سیستان) سے ان کی حکومت کا خاتمہ ہوا اور اس خاندان کے لوگ ۲۵۸ھ کے بعد زابلستان سے ہجرت کر کے بدخشان کنڑ اور ہندوکش کے دیگر علاقوں میں منتقل ہوگئے اور سامانیوں کے دور میں ان علاقوں میں مختصر علاقائی حکومتیں قائم کیں۔ سامانی بھی مغ = گبری تھے اور قبیلہ سواتی (تاجک) کے ہم قوم تھے۔ اس سلسلے میں تفصیلی بحث سواتیوں کے تاریخی واقعات کے باب میں آئندہ اوراق میں ہوگی۔

✿✿✿✿✿

باب دوم **فصل دوم**

سوات کی وجہ تسمیہ

گذشتہ اوراق میں بیان کیا گیا ہے کہ سلطان پکھل و بہرام فرزندانِ سلطان کہجامن بن سلطان ہندو (جو کنڑ کے درۂ پیچ کے حکمران تھے) نے سلطان بہاؤالدین سام (۵۸۷ھ = ۱۱۸۹ء) کے عہد میں لغمان، ننگرہار، باجوڑ، سوات (بشمول دیر) بنیر اور اشنغر اور دریائے سندھ کا مشرقی علاقہ تا بحدے بارہ مولا فتح کر کے مملکت گبر قائم کی جو کابل سے کشمیر تک شمالی پہاڑی علاقوں پر مشتمل تھی۔ اس زمانے میں سوات ادیانہ کہلاتا تھا اور اس کا دارالخلافہ منگلور (Manglaor) تھا جبکہ لوئر سوات، سوپوتو (Su-Po-To) کہلاتا تھا۔ چینی سیاح فاہیان نے بالتصریح ان مقامات کا ذکر کیا ہے۔ سلطان پکھل اور سلطان بہرام نے جب (۵۹۰ھ = ۱۱۹۲ء) میں ان علاقوں پر قبضہ کر کے مملکت گبر قائم کی تو یہ علاقے اپنے قدیم نام سے ہی پکارے جاتے تھے۔ اپر سوات کا نام ادیانہ اور لوئر سوات کا نام سو۔پو۔تو (Su-Po-To) تھا جبکہ اشنغر کا علاقہ گندھارا (وادی کابل) کا حصہ تھا اور پشکلاوتی = (چارسدہ) باگرام (بگرام) = پشاور اور وہنڈ (وے ہند) وادیٔ گندھارا کے مشہور مقامات تھے۔

محمد قاسم فرشتہ نے اپنی تصنیف "تاریخ فرشتہ" جلد اول ص ۱۲۶ پر قیرات اور ناردین کی فتح کے سلسلے میں تحریر کیا ہے کہ "محمود نے پہلے قیرات پر حملہ کیا قیرات اپنی آب وہوا کی وجہ سے ایک سرد مقام ہے جو ہندوستان اور ترکستان کے درمیان واقع ہے۔ یہ مقام پانی، سبزہ زاروں اور پھلوں کے باغوں کی وجہ سے دنیا بھر میں شہرت رکھتا ہے۔ اس شہر کے حاکم نے معہ اپنی رعایا کے مذہب اسلام قبول کرلیا۔ اس لئے محمود کو اس کے فتح کرنے میں کچھ زیادہ دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ قیرات کی فتح کے بعد سلطان حاجب علی بن ارسلان کو ناردین کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ اس نے ناردین کو فتح کیا اور بہت سی لونڈیوں، غلاموں اور مال و دولت پر قابض ہوا۔ جب حاجب علی بن ارسلان حاجب نے ناردین کے سب سے بڑے مندر کو مسمار کیا تو عمارت کے ایک حصے سے

ایک رو پہلا منقش پتھر برآمد ہوا جس سے یہ اندازہ ہوا کہ اس مندر کی تعمیر کو چالیس ہزار سال کا زمانہ گذر چکا ہے۔ محمود نے جب ناردین کی فتح کی خبر سنی تو وہ خود وہاں پہنچا اور اس شہر میں ایک مستحکم قلعہ تعمیر کروایا اس مقام کی حکومت اُس نے علی بن قدر سلجوقی کو سونپی اور خود غزنی واپس آ گیا۔"

"تاریخ ریاست سوات" کے اکثر مصنفین نے ریاست سوات کی تاریخ لکھتے وقت "قیرات" کو وادئ سوات تصور کیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ محمود غزنوی نے سوات پر کوئی حملہ نہیں کیا اور نہ ہی اسکے حملہ کے وقت سوات کے کسی حکمران نے رضا و رغبت سے اسلام قبول کیا اور اپنی رعایا کو بھی اسلام قبول کرنے کو کہا۔ وادئ سوات کی آب و ہوا معتدل ہے سرد نہیں جبکہ ناردین کی آب و ہوا سرد بتائی گئی ہے۔ جہاں تک پھلوں کی پیداوار کے باعث دنیا بھر میں مشہور ہونے کا سوال ہے تو سوات کا علاقہ اس اعتبار سے بھی شہرت کا حامل نہیں۔ بیسویں صدی کے پہلے پچاس سالوں میں سوات پر عالی جناب میاں گل عبدالودود صاحب الملقب بہ بادشاہ صاحب اور ان کے فرزند مرحوم میاں گل جہانزیب خان والی سوات کی حکمرانی رہی ہے اور مرحوم والی صاحب کی سرپرستی کے باوجود وادئ سوات میں سیب، الوچہ اور املوک کے علاوہ دیگر کوئی ایسا پھل نہیں پایا جاتا جسکے باعث سوات دنیا بھر میں مشہور ہو۔ انگور کی پیداوار بالکل نہیں ہوتی۔ محمود غزنوی کے دور میں سوات ایک سرسبز اور شاداب علاقہ ضرور تھا مگر یہ شالی زار علاقہ تھا اور زرعی اجناس کی فراوانی کے لئے مشہور تھا نہ کہ باغات اور پھلوں کی وجہ سے اس کی شہرت تھی۔ اس لئے ناردین کو سوات تصور کرنا، شمالی علاقہ جات کی جغرافیائی اور طبعی حالات سے لاعلمی کا اظہار ہوتا ہے۔ اسکندر اعظم نے باجوڑ اور سوات پر حملہ کیا اور پھر مہابن کی مہم کو سر کرنے کے لئے امب (Embolina) میں کیمپ لگایا مگر یونانیوں نے سوات کے پھلوں کا تذکرہ نہیں کیا اور نہ ہی بدھ مت کی خانقاہوں اور ہندوؤں کے مندروں کا تذکرہ کیا، کیونکہ اُس وقت شمالی علاقہ جات میں بدھ مت کی پرچار نہ ہوئی تھی۔

قدیم گذرگاہوں اور خانقاہوں کا تذکرہ چینی سیاحوں ہیون سانگ اور فاہیان کے سفرناموں میں درج ہے یا پھر اس سے قبل یونانی مورخین ٹالمی (Ptolmy) اور اریان (Arian) اور ہردوتس (Herodotus) کی تحریروں سے قدیم شاہراہوں اور اُن کے آس پاس کے

علاقوں اور ان میں بسنے والی اقوام کے متعلق معلومات فراہم ہوتی ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اگر وادئ سوات، محمود غزنوی کا قیرات نہیں تو پھر قیرات کون سا علاقہ ہے۔ کرنل تھامس ہولڈچ (Colonol Sir Thomus Holdich) اپنی تصنیف "Gates of India" (ہندوستان کے دروازے) میں لکھتا ہے:۔

"On the northern flank of the Khaibar route, however there had been large tribal settlements from the very beginning of things, and it was most important that these outliers should feel the weight of Alexander's mailed fist if the road between Kabul and the Indus were ever to be made secure. He accordingly directed his attention to a more northerly route to India which would bring him into contact with the Aspasians, Gauraians, and Assakenian.

We need not follow the ethnologists who identify these people with certain tribes now existing with analogous names. There may very possibly be remnants of them still, but they are not to be identified. They obviously occupied the open cultivable valleys and alluvial spaces which are interspetsed amongst the mountains of the Kabul River basin, the Kohistan and Kafiristan of modern maps. The Guvrians certainly were the people of Panjkora valley and there is no difficulty in assigning to the Aspasians the first great fertile tract of open valley which would be encountered on the way eastwards. This is Lughman (or (Paghman), with its noble reach of the Kabul River, meeting in snow-fed affluent, in Alingor, from the kafir hills. There is indeed no geographical alternative............. The Koh Daman (the skirts

of hills) which intervene between Alexandria (or Bagram) and Kabul is one of the gardens of Afghanistan............west ward are the craggy outline, of Paghman (noble offshoot of the Hindu Kush hiding the loveliness of Ghorband valley behind it), down whose scarred and wrinkled ribs slide waterfalls and streams to gladen the plain. Piled up on steep and broken from the very foot of the mountains are scattered white-walled villages, and it is there that you may find later in the year the best fruit in Afghanistan."
(Gates of India, pp. 95-97)

جغرافیہ سے واقفیت رکھنے والے قارئین اس سے متفق ہونگے کہ صوبہ لغمان کا مذکورہ علاقہ کوہِ دامان، سوات سے زیادہ خوبصورت اور پھل پیدا کرنے والا علاقہ ہے اور یہی علاقہ قدیم حملہ آوروں نے استعمال کیا ہے۔ اسکندر اعظم نے یہی رستہ استعمال کیا۔ محمود غزنوی نے بھی یہی راستہ استعمال کیا لہٰذا قیرات کو سوات قرار دینا جغرافیائی اعتبار سے قرین قیاس نہیں بلکہ قیرات دراصل کوہ دامان کا علاقہ ہے جس کو فتح کر کے محمود غزنوی نے وہیں قیام کیا اور حاجب علی بن ارسلان جاذب کو ناردین کی فتح کے لئے روانہ کیا۔ قیرات کے حکمران نے رعایا سمیت اسلام قبول کرلیا تھا اسلئے قیرات کی فتح میں سلطان محمود کو چنداں دشواری پیش نہیں آئی۔ علی بن ارسلان حاجب نے ناردین کو فتح کیا اور بہت سے غلاموں اور لونڈیوں اور مالِ غنیمت پر قابض ہوا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ناردین کا علاقہ بھی قیرات سے چنداں دور نہ تھا اور قیاس یہ ہے کہ ناردین بھی جنوبی لغمان کا علاقہ ہوگا جسے فتح کرنے کے بعد محمود غزنوی نے وہاں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کر کے وہاں کی حکومت علی بن قدر سلجوقی کے حوالے کردی اور خود غزنی چلا گیا۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ناردین کے علاقے کو سلطنت غزنی کا حصہ بنا دیا گیا جبکہ تاریخی اعتبار سے دریائے سندھ کے شمال مشرقی علاقوں میں سلطان محمود نے یا اُس دور کے کسی اور مسلمان فاتح نے حکومت قائم نہیں کی اسلئے ناردین کو نندھاڑ (ضلع ہزارہ) کا علاقہ تصور کرنا بھی غلط قیاس کا نتیجہ ہے۔ ۱۱۹۲ء

کے لگ بھگ سلطان بہرام اور سلطان پکھل جو سلاطین درہ پیچ کنڑ کی نسل سے تھے نے کابل تا کشمیر علاقے فتح کر کے مملکت گبر قائم کر کے بہاؤ الدین سام (غوری) کی مملکت سے الحاق کیا تھا۔ اس سلسلے میں (تاریخ مختصر غور) تالیف غوث الدین مستمند غوری کے صفحہ ۵۱ کی عبارت درج ذیل ہے۔

"پس از وفات او (شمس الدین محمد) فرزندش بہاؤ الدین سام کہ بادشاہ بزرگ و علم دوست بود بر تخت بامیان نشست (۵۸۷ھ = ۱۱۸۹ء) دربار وے مجمع علماء بود۔ امام فخر الدین رازی و شیخ الاسلام جلال الدین ورسادوا فصح العجم مولانا سراج الدین بدربار او بودند۔ سلطنت وی از کشمیر تا کاشغر و ترمذ و بلخ و جنوباً تا اقاصی غور و غرجستان می رسید و غور و غزنہ و بامیان درتحت فرمان او بود۔ چوں سلطان معز الدین بہ شہادت رسید (۶۰۲ھ = ۱۲۰۵ء) امرای مملکت او را بہ غزنہ طلب کردند ولی در گیلان از جہاں رفت ۔مدت شاہی او چہاردہ سال بود۔"

چنگیز کے حملے کے وقت اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی (غوری تاجک)، ملک سیف الدین اغراق (خلج ترک) و مظفر ملک اور امین ملک نے تیس ہزار کے جرار لشکر کے ساتھ جلال الدین منکبرنی خوارزم شاہ کا ساتھ دیا اور چنگیز خان کو پاروان کے مقام پر (موجودہ جبل السراج) جو شمالی افغانستان میں ہے، شکست دی اور چنگیزی فوج قلعہ ولخ تخارستان کو خالی کر کے فرار ہوگئی۔

اس وقت (۶۱۸ھ = ۱۲۲۱ء) ننگرہار کے علاقے سے وادئ شلوزان (کرم ایجنسی) اور وادی کرم کا علاقہ اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی کے پاس بطورِ تعلقہ تھا جو سلطان بہرام فاتح ننگرہار و حکمران مملکت گبر نے عطا کیا تھا (۱) مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں اتحادی فوجوں میں اختلاف پیدا ہوگیا اس کے نتیجہ میں ملک سیف الدین اغراق (خلج) اور اعظم ملک اور چند دیگر

---

(۱) Notes on Afghanistan and Baluchistan" by Maj. Raverty, P. 51, 52

نے جنگ سے علیحدگی اختیار کر کے اپنے فوجیوں سمیت اعظم ملک کے علاقے کرمان اور شلوزان میں آگئے اور کچھ عرصہ اعظم ملک نے ان کی مہمانداری کی مگر نوح جاندار اور ملک سیف الدین اغراق (خلج) میں دشمنی تھی اسلئے ملک سیف الدین اغراق اپنے بیس ہزار فوجیوں سمیت پشاور کی طرف چلا گیا۔

ان ترکوں اور غوری فوجوں کی علیٰحدگی سے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کی طاقت کمزور پڑ گئی اور چنگیز خان نے دریائے سندھ کے کنارے (اٹک کے قریب) سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کو شکست دی۔ جلال الدین خوارزم شاہ نے اپنی والدہ، بیوی اور اہل حرم کو دریائے سندھ میں غرق کر دیا۔ جلال الدین خود گھوڑے پر سوار ہو کر دریائے سندھ میں کود گیا اور دریا کی دوسری طرف نکل کر جان بچالی اور بعد میں ہرات اور مرو کی طرف فرار ہو گیا۔

چنگیز خان نے اغراقیوں (ترکوں) کے تعاقب میں ولایت گبر (سوات باجوڑ) کا رخ کیا اور تین ماہ تک ولایت گبر میں قیام اور اغراقیوں (ترکوں) کے اکثر جوانوں کو تہ وتیغ کرنے کے بعد ترکستان کو واپس چلا گیا۔ "طبقات ناصری" کے صفحہ ۱۶۷ پر منہاج سراج جوزجانی نے لکھا ہے:۔

"چنگیز خان سلطان جلال الدین کو دریائے سندھ کے کنارے شکست دے چکا تو خود دریائے سندھ سے اغراق قبیلے کے تعاقب میں روانہ ہوا کیونکہ اس قبیلے کے آدمی بے شمار تھے اور ان کا لشکر بہت بڑا تھا۔ چنانچہ کیری (گبری، گیبری) کی طرف گیا۔ کیری (گبری) اور کوہ پایہ کے قلعے فتح کر لئے اور مسلمانوں کو شہید کر ڈالا۔ وہ تین مہینے کیری (گبری) میں ٹھہرا رہا۔ وہیں سے سلطان شمس التمش کے پاس سفیر بھیجے۔ اس کا ارادہ تھا کہ فوج ہندوستان جائے پھر فراجل اور کامرود کے راستے یہ (گلگت کو چلاس کے پہاڑوں کے راستہ) چین چلا جائے)۔(۱)

اجازت نہ ملنے پر وہ جس راستے سے آیا تھا اُسی سے واپس ترکستان چلا گیا مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ چنگیز خان کے حملے کے وقت سوات کا نام فاہیان کا ادیانہ تھا اور نہ ہی

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۱۷۳ اور طبقات ناصری صفحہ ۱۶۷۔

سلطان محمود کا قیرات۔ سوات ولایت گبر کہلاتا تھا جو بعد میں سواد (سوات) اور پکلی (پکھلی) کے ناموں سے مشہور ہوا۔

سوات کی وجہ تسمیہ کے سلسلے میں اخوند درویزہ نے ایک روایت "تذکرۃ الابرار والاشرار" میں درج ذیل الفاظ میں بیان کی ہے:۔

"سماع است کہ بعد از رحلت او (سلطان فکھل) پسران او در مملکت صوات نزاع بحدے کروند کہ جنگ عظیم و محاربہ الیم درمیان اوشان افتاد۔ چوں اخبار جنگ وجدل بمادر مشفقہ ایشاں رسیدہ و کیفیت احوال دریافت نمود۔

آں عزیزہ درحق ایں مملکت دعائے بد کردہ کہ اللہ تعالیٰ ایں ولایت را در سالہائے بسیار برقرار و آرام ندارد و ایں مملکت راصوات نامید بمعنی غوغا کردہ شدہ۔"

اگر اخون درویزہ کا بیان درست تسلیم کیا جائے تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان فکھل کے فرزندوں کے درمیان جنگ کے بعد یہ صوات (بمعنی غوغا شدہ) کہلایا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ قبیلہ سواتی کے لوگ اپنی بلند آوازی کے سبب صواتی (سوادی) کہلاتے تھے اور ان کے یہاں آباد ہونے سے یہ ملک سواد (صوات) مشہور ہوا۔ اس روایت کی تصدیق ملا خانمیر کی تصنیف "چہار مقالہ و آثار سوات والائی" سے بھی ہوتی ہے۔ ملا خانمیر لکھتے ہیں کہ افغانوں کا ایک گروہ وادی خلج سے نکل کر بدیل وزابل سے درہ میدان پنچور میں آ کر سکونت پذیر ہوا اور آہستہ آہستہ ملحقہ کوہستان پر قابض ہو گیا۔ ان کا رہنما اپنی صوت (بلند آوازی) کے لئے مشہور تھا اور اُسے سواد کہتے تھے۔ بعد ازاں اس کا قبیلہ بھی سوادی مشہور ہوا۔

ایک اور روایت ہے کہ یہ افغان سیاہ پوش تھے اس لئے اپنے سیاہ لباس کی وجہ سے سوادی مشہور ہوئے اور جب ان کا سوات پر قبضہ ہوا تو یہ ملک بھی ادیانہ کے بجائے سواد مشہور ہوا۔

بعض محققین اور تاریخ دانوں کا یہ خیال ہے کہ سوات، دریائے سوات کی مناسبت سے وادئ سوات کہلایا۔ ان کا خیال ہے کہ ہیون سانگ چینی سیاح اوتا خندہ (Uta-Khanda)

سے شمال کی طرف تقریباً ایک سومیل چل کر یو چنگ نا (U-Chang-Na) یا Udyana (اودیانہ) پہنچا اور دریائے سوپو - آ - سوتو (Su-Po-A-Sutu) جسے سنسکرت میں سبھاوستو (Sub-Ha-Wastu) یا سیواستو (Siwastu) کہا جاتا تھا' کی وادی میں داخل ہوا۔ دریائے سیواستو جو بعد میں دریائے سوات کہلایا، کی مناسبت سے یہ علاقہ بھی سوات مشہور ہوا۔ عقلی اعتبار سے یہ تجزیہ زیادہ قرین قیاس دکھائی دیتا ہے مگر سلطان محمود غزنوی اور اُس کے بعد شہاب الدین محمد غوری کے زمانے تک یہ علاقہ ادیانہ ہی کہلایا تھا یہ قیاس بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔

مگر حتی (Hitti) کی تاریخ (History of the Arabs) کے مطابق عربوں نے عراق کی فتح کے بعد عراق کا نام "سواد" رکھا تھا۔ لفظ "سواد" کی تشریح فرہنگ فارسی از ڈاکٹر محمد معین کے ص ۸۱۵ پر درج ذیل ہے:

"بخشے واقعہ میان دجلہ و فرات را در زمان خلفائے عباسی سوادمی گفتند۔ شہر (واسط) را حجاج در وسط سواد بنانہاد۔"

اور اسی فرہنگ میں "سوادکوہ" کی تعریف یوں لکھی ہے:۔

سوادِ کوہ:

بخشی از جبال البرز در مازندران کہ قلعہ مشہور آں بندی ۳۰۱۰ میتر ارتفاع دارد"

یعنی مازندران کے جبال البرز کا ایک علاقہ جس کا قلعہ (بندی) ۳۰۱۰ میٹر بلند ہے۔

اور پھر لکھا ہے:۔

"بخشے است از شہرستان شاہی (مازندران) واقع در شمال بخشی فیروزکوہ۔ کوستانی"

یعنی شہرستان شاہی (مازندران) کا ایک حصہ ہے جو فیروزکوہ کے شمال میں واقع ہے۔ کوہستانی علاقہ ہے۔"

اردو دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۱، صفحہ ۴۲۵ پر درج ہے:۔

"سواد عراق کا ایک نام ہے۔ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ لفظ عراق (عربی میں) پہلوی زبان سے مستعار ہے (یعنی Eraq) سے۔ جس کے معنی ہیں نشیبی زمین۔ (جنوبی زمین کے

ہیں)۔ لیکن سوادہ (سواد) یعنی سیاہ زمین۔ دجلہ و فرات کے کناروں کی چکنی مٹی والی زمین کا قدیم ترین عربی نام ہے۔ یہ نام سہ گونہ ارتقائی عمل سے گذرا ہے۔ اس سے عراق کی سیاسی تقسیم مراد لی جاتی ہے اور اس طرح یہ ساسانیوں کے سورستان (دل ایران شہر) کا مرادف ہے۔ چنانچہ عربی فتوحات کے مورخ عراق کے لئے سواد کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ (مثلاً دیکھئے البلاذری فتوح میں ص ۲۴۱ سطر نمبر ۱) اور بالخصوص محاصل پر مخصوص کتابیں (Monographs) اور سیاسی رسائل کے مصنفین (دیکھئے ابو یوسف یحیٰ بن آدم قدامہ الماوردی نیز ابنِ خلدون)

اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے کے پیائش اراضی و مالگزاری کے قوائد و ضوابط میں لفظ "سواد" سرکاری طور پر استعمال ہوتا تھا (۲) یہ لفظ یا نام کسی ضلع کے اندر مزروعہ علاقے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ مثلاً سواد العراق، سواد خوزستان، سواد الاردن، (۳) کسی شہر کے نام سے پہلے اس سے مراد، شہر کے قریب کے وہ کھیت ہوتے ہیں جن کی باقاعدہ آبپاشی کی جائے اور زیادہ سے زیادہ کاشت کی جائے مثلاً سواد بصرہ، کوفہ، واسط، بغداد، تُستر، بخارا وغیرہ۔"

قبیلہ سواتی کے لوگ اسکندر ذوالقرنین (کورش کبیر = سائرس) کی نسل سے ہونے کے سبب قدیم ایرانی ہیں جن کو تاجک لکھا گیا ہے۔ مدنیت کے اعتبار سے قبل از اسلام یہ لوگ زردشتی (گبری) تھے۔ ساسانیوں کے دور میں زابلستان (بجستان) پر ان کی حکومت تھی جس کا تذکرہ آئندہ اوراق میں کیا جائے گا۔ چونکہ عربوں نے سیستان اور خراسان کی فتح کے بعد ساسانی دور کے نظام مالگزاری کو اپنایا تھا اس لئے یہ گبری دہاقین و سلاطین عربی اصطلاحات کے استعمال سے بھی خوب واقف تھے۔ ساسانیوں کے دور میں یہ لوگ بلخ، بدخشاں اور کنڑ کے علاقوں میں آباد تھے اور مسلمان ہو چکے تھے۔ سلطان پکھل اور سلطان بہرم نے جب لغمان، کنڑ، ننگرہار، باجوڑ، سوات، بنیر، اشنغر اور پکھلی کے علاقوں پر مشتمل مملکت گبر کا قیام کیا تو گویا سوات کو اس کی زرخیزی اور قدرتی آبپاشی کے لحاظ سے عربی اصطلاح "سواد" کا نام دیا گیا۔

مغلوں کے دور تک اسی طرح لکھا اور بولا جاتا تھا جیسا کہ تزکِ بابری کے حوالوں سے

ظاہر ہے۔ مگر یوسف زئیوں نے جب سوات پر ۱۵۱۹ء میں قبضہ کرلیا تو حرف "د" کو "ت" سے بدل کر پشتو زبان کے لہجہ میں اس علاقے کو سوات لکھا اور بولا جانے لگا اور یہاں کے باشندوں کو سوادی کے بجائے سواتی لکھا اور بولا جانے لگا جیسا کہ تاریخ حافظ رحمت خانی سے واضح ہے۔ گویا سواد (سوات) کا نام تاجک سوادی قبیلے کے یہاں آباد ہونے اور مملکت گبر کے قیام کے بعد پڑا۔ تاریخ ریاست سوات کے مصنفین نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ سوات کا نام قبیلہ سواتی کے آنے کے بعد سوات پڑا۔ سواتی ذوالقرنین کی نسل سے ہونے کے باعث (تاجک کیانی) ہیں چونکہ یہ طبقہ سائرس کے دور سے اسلام کے ابتدائی دور تک کسی نہ کسی علاقے کا حکمران طبقہ تھا اس لئے ان کو علاقائی نسبت سے (رتبیل اور دہگان) کے لقب سے لکھا گیا ہے۔ رتبیل کا لقب چونکہ سیستان کے فرمانرواؤں کے لئے مختص تھا اس لئے جب ۲۵۸ھ میں آخری رتبیل نہم (جس کا نام گبر) تھا یعقوب لیث کے ہاتھوں شکست کھا چکا تو سیستان سے ان کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی لقب رتبیل کا استعمال بھی دوبارہ تاریخ میں نہیں سنائی دیا یہ لوگ ساسانی دور کے نظام مالگزاری کو قائم رکھتے رہے تھے اس لئے کنڑ اور بدخشان میں اور بعد میں کابل سے کشمیر تک مملکت گبر کے دور میں انہوں نے سابقہ نظام مالگذاری کو قائم رکھا اور یہ خاندان دو طبقوں پر مشتمل رہا ایک سلطانی اور دوسرا دہگان اس پہلو پر آئندہ اوراق میں تفصیلی بحث کی جائیگی چونکہ یہ خاندان ہمیشہ زرخیز زمینوں پر بحیثیت دہگان قابض رہے اس لئے عربی اصطلاح (السواد) کے مطابق ان کو سوادی کہا جانے لگا اور یہ اسی لقب سے مشہور ہوئے۔ جب انہوں نے مملکت گبر قائم کی تو سواد کو اس کی زرخیزی اور آبادی کے سبب (سواد) نام دیا گیا سوات کا نام (سواد) اس قبیلے کی آمد کے بعد مشہور ہوا۔

المختصر سوات کو (سواد) کا نام قبیلہ سواتی (سوادی) کے آنے کے بعد ملا اور اس کی اساس عربوں کی اصطلاح (السواد) یا (سواد) تھی جو زرخیز علاقوں کے لئے استعمال ہوتی تھی۔ اور چونکہ سوات، باجوڑ اور بنیر کا حکمران طبقہ تاجک سواتیوں کی گبری شاخ سے تعلق رکھتے تھے اس

لئے ان کے ناموں کے ساتھ گبری سوادی کا استعمال ہوتا رہا۔ ظہیر الدین بابر نے تزکِ بابری میں باجوڑ کے سلطان ملک حیدر علی اور سوات کے حکمران سلطان اویس کو گبری سوادی لکھا ہے۔ اس کی تصدیق میجر راورٹی نے اپنی تصنیف (Notes on Afghanistan and Baluchistan) کے ص ۱۱۷ میں بھی کی ہے۔

دراصل قبیلہ سواتی کا یہ دستور رہا ہے کہ مفتوحہ علاقوں میں مشہور مقامات یا علاقوں کو وہ اپنے قبیلے یا قبیلے کی کسی مشہور شخصیت سے منسوب کرتے رہے ہیں۔ سلطان بہرام نے ننگرہار فتح کرنے کے بعد کابل سے کشمیر تک مملکت گبر قائم کی تو ننگرہار میں اور کابل کے گردونواح میں اپنے قبیلے کے لوگوں کو (تاجک کو) آباد کرنا شروع کیا کیونکہ ان علاقوں میں اس سے قبل بدھ مت کے پیروکار رہتے تھے۔ کابل کے نواحی علاقوں میں تاجک بسائے گئے مثلاً چہار باغ، بالا باغ، سلطان پور بالا و سلطان پور پائیں، نملا، بت خاک، باگرام وغیرہ۔ اسی طرح باجوز کا قلعہ گبر بینی، ایف آر کی وادئ گبر، اور گردیز میں وادئ گبر مینگل قبیلہ تاجک گبری یا ان کے مورث رتبیل نہم جس کا نام گبر تھا کے ناموں سے منسوب ہیں۔ سلطان ارغش کی نسل سے مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف بہ اخون پنجو کے بزرگ جب کابل کے علاقے سے ہجرت کر کے پشاور آ کر آباد ہوئے تو انہوں نے پشاور کے قریب ایک گاؤں آباد کیا جس کا نام سلطان پور رکھا گیا۔ اس کا تذکرہ قاضی عبدالحلیم اثر افغانی نے اپنے مقالہ "مولانا شیخ عبدالوہاب اخون پنجو" (جس کا تذکرہ اس کتاب میں ہو چکا ہے)۔ کیا ہے۔

اسی طرح سوات کا نام "سواد" بھی قبیلہ سواتی (سوادی) کی یہاں حکمرانی کے بعد مشہور ہوا۔ سواتیوں نے یہ نام اس علاقے کو اپنے مالگزاری نظام کے تحت دیگر مفتوحہ علاقوں سے ممیز کرنے کے لئے دیا جس کی اساس عربی اصطلاح (السواد) ہے جو حضرت عمرؓ کے زمانے سے سرکاری طور پر بلخ، خراسان، سیستان اور دیگر مفتوحہ علاقوں میں زرخیز خطوں کے لئے استعمال ہوتی تھی اور اسی بنیاد پر لگان یا خراج کا تعین ہوتا تھا۔ قبیلہ سواتی کے حکمران قومی اعتبار سے تاجک گبری تھے مگر نسبتی اعتبار سے سوادی کہلائے۔ بالفاظ دیگر سوادی (سواتی) قومی اور نسلی نام نہیں بلکہ

سوات پر حکمرانی کے سبب اور اس علاقے میں سکونت کے سبب نسبتی نام ہے۔ سلاطین سوات کے ناموں کے ساتھ گبری سوادی کی اصطلاح ان کے نسبی، ملی اور نسبتی ناموں کا اظہار کرتی ہے حالانکہ "سوادی" شہرت سے قبل یہ گبری کہلاتے تھے اور اسی اعتبار سے سوات کو "طبقاتِ ناصری" میں ولایت گبر لکھا گیا ہے۔

❁❁❁❁❁

باب سوم

افغانستان قبل از اسلام

افغانستان جغرافیائی وحدت کے اعتبار سے قبل از اسلام مختلف علاقائی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا مگر سیاسی انقلابات کے باعث ان علاقوں میں بسنے والے لوگوں کی سماجی اور مدنی زندگی میں اشتراک پایا جاتا تھا۔ موجودہ ایران کا مشرقی علاقہ دریائے سندھ سے لے کر خراسان (دامغان) کی آخری سرحد تک شرقاً غرباً تمام علاقہ اور دریائے آمو کے شمال کا علاقہ تا بحدے سمرقند اور پامیر کے دامن کے علاقے افغان تہذیب کے زمرہ میں مشترک تھے۔

ویدی دور:۔

۲۵۰۰ ق م کے لگ بھگ سفید رنگ آریائی قوم کی اکثریت آریانا کی سرزمین میں آباد تھی۔ اور یہ لوگ کوچی گری کی زندگی بسر کر رہے تھے اور جب ان کی آبادی زیادہ ہوگئی تو آمو دریا سے جنوب کے علاقوں میں منتقل ہونے لگے اور باختر (بلخ) سے گذر کر ہندوکش کے شمال اور جنوب میں آباد ہوگئے۔ جب ان کی تعداد بڑھ گئی تو انہوں نے مشرق کی طرف ہجرت شروع کردی اور دریائے سندھ کو عبور کر کے ہندوستان کے وسیع و عریض علاقے میں داخل ہوگئے اور ایک نئی مدنیت تشکیل دی جس کو تاریخ قدیم میں ویدی عہد لکھا گیا ہے۔ افغانستان کی قدیم تاریخ پر ویدی عہد کی چار کتابوں سے روشنی پڑتی ہے۔ یہ چار کتابیں رگ وید، سام وید، اتھر وید، یجر وید ہیں ان ویدوں میں خصوصاً رگ وید میں افغانستان کے اکثر مقامات اور قبائل کے نام ملتے ہیں۔

ڈاکٹر گستاولی بان نے ان قدیم آریاؤں کی زبان کو "اریک" لکھا ہے۔ ویدی سرود کے عہد سے آریاؤں کا تمدنی دور شروع ہوتا ہے اور اُن کی سماجی، معاشرتی و تمدنی زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ ماہرین لسانیات کے مطابق قدیم افغانستان میں بولی جانے والی زبانوں اور ویدی زبان و سنسکرت میں کئی الفاظ مشترک ہیں اور شمالی ہندوستان کے سات دریاؤں کے درمیان واقع وسیع وادیوں کی زبان اور افغانستان کی قدیم زبانوں میں

کے علاوہ ویدی سرودوں اور اوستائی سرودوں میں بھی مماثلت پائی جاتی ہے۔ اوستائی زبان افغانستان کے مغربی علاقوں میں تا بحدِ دریائے سندھ بولی جاتی تھی۔

عبدالحئ حبیبی، مصنف "مختصر تاریخ افغانستان" کے مطابق رگ وید میں دریاؤں کے سرود میں سندھو (سندھ) رودکوبہا (دریائے کابل) و رود گوماتی (دریائے گومل) و کرومو (کرم) وسویتی (سوات) و رکہ (کنڑ) و سرزمین گندھارا (وادئ مجرای کابل) و رودخانۂ ہرہ ویدی = سرہ سوتی (ارغنداب) یا اراکوزی اور بہالانہ (درۂ بولان) کا ذکر موجود ہے۔(۱) اتہر وید میں بلخ کا نام بلہیکہ لکھا گیا ہے جو بعد میں مہابھارتا اور ادبیات سنسکرت میں بہلیکہ لکھا گیا ہے۔ اسی طرح کوہ منجواں جو گندھاریوں کے متصل ہے کا ذکر موجود ہے اور یہ کوہ منجاں بدخشاں اور نورستان کے درمیان واقع ہے۔ ویدی گیتوں میں آریاؤں کے دس قبیلوں کی جنگ کا ذکر بھی موجود ہے جو وید کے لکھنے سے قبل (۱۴۰۰ق م) میں دریائے راوی کے کنارے لڑی گئی تھی۔ ان قبائل میں افغانستان کے اکثر قبیلوں کے لوگوں کا ذکر موجود ہے مثلاً الینا (مردم الی شنگ) وبہالانہ (درہ بولان) وشیوا (مردم کنارسند) وپورو (مردم حواشی گندھارا) وپکھتا (پختون)۔ پکھتا کے لوگوں اور ان کے بادشاہوں کا ذکر رگ وید کی دوسری جلد میں پایا جاتا ہے جن میں سے ایک کا نام توروینہ = (تور+وھونی بہ زبان پشتو = شمشیر باز تھا)۔

ہجرت سے قبل قدیم آریائی طبقاتی تقسیم سے ناآشنا تھے مگر ہجرتے کے بعد جب ہندوستان کے سیاہ فام لوگوں سے واسطہ پڑا تو اُنہوں نے معاشرے کو چار طبقوں میں تقسیم کر دیا مثلاً:۔

۱۔ برہمن (روحانی)

۲۔ کشتری (جنگ جو)

۳۔ ویس یا ویش (شہری یا تجار)

۴۔ سودرا یا شودر

---

(۱) مختصر تاریخ افغانستان از عبدالحئ حبیبی، ص۹

اوستائی دور:۔

قدیم آریاؤں کی دوسری مدنیت بخدی (بلخ) اور ہندوکش کے شمال سے تعلق رکھتی ہے۔ اس مدنیت کا آغاز تقریباً ۱۲۰۰ سال ق م میں ہوا ہے۔ اور اس دور کی کتاب جس کا نام "اوستا" ہے، موجود ہے جس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آریائی لوگ کوچی گری اور خانہ بدوشی کی زندگی سے نکل کر مدنیت کی زندگی اختیار کر چکے تھے۔ انہوں نے شہر اور دیہات آباد کر لئے تھے اور ان کی اقتصادی زندگی میں دورِ جدید کا آغاز ہو چکا تھا۔ اس دور میں پہلی بار شہنشاہی وجود میں آئی اور جمشید بادشاہ نے بخدی (بلخ) کو آباد کر کے اپنا مرکز بنایا۔ اور اسی عہد میں ایک معین دین (مذہب) وجود میں آیا جسے مزدیسنا (خدا کی ستائش) کا نام دیا گیا اور اس دین کے بانی زرہ توشترہ (زردشت) تھا جس کا تعلق خانوادۂ پیشتمہ (پستمان = سفید نژاد) سے تھا۔ زردشت کی جائے پیدائش کے متعلق مختلف روایات ہیں مگر عبدالحئ حبیبی کے مطابق وہ بلخ (بخدی) میں پیدا ہوا اور وہیں سے اپنے مذہب کا پرچار شروع کیا۔(۱)

زردشت کے عقائد:۔

زردشت خدائے واحد کی عظمت اور وحدانیت کا قائل تھا جسے وہ اہورا مزدا (سرور دانا) تصور کرتا تھا اور آریاؤں کے سابقہ خداؤں سے صرف نظر کیا۔ اس کا عقیدہ ہے کہ خدائے یکتا کے بعد دنیا کی ابتداء سے دو روحیں وجود رکھتی ہیں۔ ایک نیکی کے راستہ پر گامزن ہے جبکہ دوسری بدی کے راستہ پر۔ انسانی زندگی انہی دو متضاد قوتوں کی باہمی کشمکش سے عبارت ہے۔ اس دائمی جنگ کے مطابق حیوانات کی قربانی اور شراب سکر پینا (جسے "سوما" کہتے ہیں) حرام ہے کیونکہ (سوما) نیکی کے راستہ پر نہیں چلنے دیتی۔ عبدالحئ حبیبی کے مطابق آئین زردشت کے مطابق روزِ قیامت پر ایمان، محاسبۂ اعمال (سزا و جزا)۔ راستی کی فتح اور جھوٹ کی شکست۔ جنت و دوزخ و پل صراط

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئ حبیبی، ص۱۱۲ اگر چہ دیگر روایات کے مطابق زردشت کی جائے پیدائش ہمدان (اگباتانہ) اور پیدائش ۱۴۰۰ سال ق م لکھی گئی ہے۔

اورفرشتوں کے وجود کا تصور موجود ہے۔ اور آذر (آتش) کومقدس سمجھا گیا ہے کیونکہ (آتش) موجودات اور عالم طبیعی میں فائق تر (پاک) ہےاور جانداروں کی زندگی کا جوہراور حرارت درونی ہے۔اسی سبب سے زردشت کے ہم مذہب اور پیروکاروں نے آذر (آتش) کے تقدس کے سلسلے میں آتشکدہ تعمیر کیئے۔(۱)

زردشت کے مذہب میں نیکی کی قوتوں کو (امیشہ سپینتہ) یعنی دائم سفید ومقدس و ایزداں (قابل ستائش) کا وجود ہے۔منجملہ چھ عامل قوتیں (فرشتہ موکل) ہیں جن میں سے ہر ایک اپنی صلاحیت کے دائرہ میں امور عالم میں متعین کام کرتا ہےاور یہ ہرایک قوت اہورامزدہ کی صفات میں سےایک کی ترجمانی کرتا ہےاور یہ قوتیں زندہ جاوید ہیں۔مثلاً:۔

۱۔ وھوکنہ (بہمن)۔فرشتۂ نگہدارندۂ گلہ ہاوموجودات زندہ

۲۔ اشہ وھیشہ (اردی بہشت)۔یعنی نظم نیکویا فرشتۂ آتش (پاکیزگی کا فرشتہ)

۳۔ خشرہ ونیریہ (شہریور۔تسلط)۔یعنی نگہدار فلزات واحجار نفیسہ

۴۔ سپینتہ ارمیتی (سپیدارمذ)۔یعنی پاکی رواں وفروتنی۔فرشتۂ نگہدارندۂ زمین

۵۔ ھوروتات (فرداد۔صحت) یعنی موکل تندستی ومساکن وآب

۶۔ امیریتات (امرداد۔بے مرگی وبقا) یعنی فرشتۂ مزارع ومراتع ونباتات

مذکورہ بالاقوائے خیرونیکی کے مقابلہ میں قوائے شروتاریکی کا وجود بھی ہےاوران تمام مفاسدوشرانگیزیوں کا سردار انگراہ مینیو (اہریمن) ہے۔اورنیکی کے چھ فرشتوں کے مقابل چھ موکلان شرہیں:۔

۱۔ اکہ منہ۔یعنی اندیشہ پلید جومظہرشرارت،نفاق وبدی ہے

۲۔ ایندرہ۔روح بدعت وفریب وگمراہی

۳۔ شوردہ۔مظہربےنظمی ودیوآشوب

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان ازعبدالحئی حبیبی،ص۱۳

۴۔ نااونک ھئی ثیادر۔مظہر بہتان ونافرمانی

۵۔ تیوروی۔دیواتلاف وفساد وگرسنگی۔تشنگی،فساد

۶۔ زی ریش۔شریک تیوروی

زردشت کے مذہب کی اساس تین اخلاقی بنیادوں پراستوار ہے:۔

۱۔ ھومتہ (پندارنیک)

۲۔ ھوختہ (گفتارنیک)

۳۔ ھوورشتہ (کردارنیک)

اسی سبب سے زردشت کے پیروکاران تین خوبیوں کواپنےعمل کی اساس گردانتے تھے اوراپنی نیت (سوچ) اورعمل کومتوازی رکھتے تھےاور دنیاوی آلائشوں سے پاک رکھتے تھے۔ نظافت بدنی وروحانی،سچائی اوردرستکاری،مروت وسخاوت ان کی زندگی کاعملی نمونہ تھے۔جھوٹ اور بہتان ممنوع تھے۔اور ہرزردشتی پرلازم تھا کہ وہ آتش وآب وزمین کی حفاظت کرے۔یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے مردے دفن نہیں کرتے تھے تاکہ زمین کومردہ جسم کی ناپاکی سے محفوظ رکھا جاسکے۔وہ اپنے مردوں کو بلند جگہ میں کھلی ہوا میں رکھتے تھے تاکہ پرندے انہیں نوچ کرکھائیں اوراڑ جائیں۔

زردشت کے مذہب نے دنیا کے قدیم ترین پایۂ تخت بخدی (بلخ) میں پرورش پائی اورکتاب اوستا کے ذریعے پھیلا جس کی تفسیر "ژند" میں ہوئی جو پہلوی زبان میں لکھی گئی ہےاور اوستا کی زبان ویدی زبان کےقریب ہے۔اسکندراعظم کے حملے سےقبل اوستا کے کل ۸۵۱ فصل اور ۲۱ نسک (باب) تھے اور یہ ۱۲۰۰ پوست گاؤ (گائے کے چمڑے) پرلکھی گئی تھی۔مگر اسکندرمقدونی نے اسے جلادیا۔اوراسکندرمقدونی کے بعداوستا کے صرف ۳۴۸ فصل دستیاب ہوئے جن کو دوبارہ ۲۱ نسک (ابواب) میں تقسیم کرکے مرتب کیا گیا۔پروفیسر براؤن (مستشرق) کے مطابق اصل باختری اوستازائل ہوچکی ہےاور جوآج کل دستیاب ہےاصل اوستا

کا چوتھائی ہے۔

عبدالحئی حبیبی لکھتے ہیں :۔

" در دورۂ مدنیت اوستائی کہ از ۱۲۰۰ ق م آغاز شدہ نخستیں بار نظام شاہی در بخدی بہ وجود آمدہ و اوستا گوید: یمہ (جمشید) بہ امر اہورامزدا یک "وارہ" را ساخت کہ طول و عرض آں بہ اندازۂ یک اسپریس (میدان اسپ دوانی) بود و دراں اجناس جانوراں مانند گوسپند۔ گاؤ۔ سگ۔ مرغان وغیرہ را نگاہ داشت و جائے آب را ہم بدرازی یک ھاترہ (میل) کند و در آں وارہ بازار ہا۔ گذر ہا۔ خانہا را بہ ترتیب مخصوص ساخت و لے مردمان علیل و دروغ گو۔ بدخو و پیس و دیوانہ را در آں شہر جائے نداد" (۱)

" بدیں نمط نخستین شہر و مرکز مدنیت آریائی در "وارۂ" بخدی (بلخ) تاسیس یافت و ایں کلمۂ "وارہ" اوستائی ھمان است کہ در سنسکریت "وھارہ" شد و در دری "بہار" است کہ نوبہار بلخ تا قرن اول اسلامی بر جائے آں آباداں بود۔" (۲)

مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ شمال ہندوکش میں کوچی گری کی زندگی ترک کر کے لوگوں نے شہر اور دیہات بسانے شروع کر دئے تھے جہاں وہ دائمی قیام کرتے تھے۔ اس سے تمدنی، تہذیبی اور اقتصادی ارتقاء شروع ہوا۔

دور پیش دادی کی ابتداء:۔

اس سیاسی ارتقاء کے باعث نظام شاہی وجود میں آیا۔ اور بلخ کے حکمرانوں کا ایک سلسلہ شروع ہوا جس کو اوستا میں "پرہ ذاتہ" کے نام سے لکھا گیا ہے۔ یعنی دور پیش دادی اور پیش دادی حکمرانوں نے اپنے حکومتی نظام میں عدل و انصاف کو حکمرانی کی اساس بنایا۔ اوستا کی تعبیر کے مطابق یہ شاہان بخدی (بلخ) رب النوع پر بھی عقیدہ رکھتے تھے اسلئے ان کا ذکر "ویدوں" میں پایا جاتا ہے۔ ان بادشاہوں کا دور قبل از اوستا کا عہد شمار ہوتا ہے۔ اس عہد میں آرین قبیلہ ہندوکش

(۱،۲) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۱۴،

کی حدود سے ہجرت کر کے ہندوستان میں آباد نہیں ہوا تھا۔ مگر اوستا میں ایک پہلوان بزرگ جس کا نام ھوشنگہ (ہوشنگ) تھا اور جو کیومرث کے اخلاف میں سے تھا "پری ذاتہ" (پیش دادی) کے لقب سے مشہور تھا بہ الفاظ دیگر ہوشنگ پہلا قانون دہندہ حکمران تھا اور یہ دری ادبیات کا وہی ہوشنگ ہے جس نے کوہ البرز پر رب النوع ناہید (اناہیتا) کے لئے قربانیاں کیں۔ اور کتاب سوم دین کرد (دینکرد) میں تحریر ہے کہ رسم زراعت و دہگانیہ (اصل مالکیت اراضی) کو ان پیش دادی حکمرانوں نے ایجاد کیا۔ اس کے بعد ہوشنگ نے اسلوب حکمرانی اور نگہبانی خلق کو مروج کیا اسی سبب سے دورہ اوستائی شروع سے مدنیت ویدی سے مختلف ہے کیونکہ بلخ (بخد) کے لوگ زراعت اور شہروں اور دیہات کی آبادی پر مامور ہو گئے اور کوچی گری و بدویت کی گزرندہ زندگی ترک کر کے متمدن اقتصادی و سیاسی زندگی بسر کرنے لگے تھے۔ ہوشنگ کے بعد پیش دادی حکمرانوں میں تہورت گزرا ہے جو اوستا کے مطابق اور وپہ الملقب از ینہ ونت کی نسل سے ہے جو پسر ویونگہبان پسر اینگہت پسر ہوشنگ شمار ہوتا ہے۔ جس نے اپنے وزیر شیدسپ کی مدد سے تیس سال تک عدل و انصاف سے حکمرانی کی اور اسے "دیو بند" کے لقب سے بھی پکارا جاتا ہے کیونکہ اس نے دیوان اور اہریمن (شیطانی قوتیں) کو قید کر دیا تھا۔ اس کے عہد میں جدید اقتصادی و سماجی ترقی عمل میں آئی۔ مثلاً بھیڑ بکریوں کی پشم اتارنا اور کپڑے سینا اور چارپایوں کو سدھارنا، گھوڑوں اور اونٹ خر و گاؤ سے استفادہ کرنا وغیرہ۔ تہورت کے بعد اس کا بھائی جمشید تخت نشین ہوا جس نے جشن نوروز کی بنیاد رکھی۔ اوستا کے مطابق جمشید کا لقب "ھوثوہ" (ہونگ بہ زبان پہلوی) تھا جس کا مطلب "دارندہ گلہ ہائے خوب" ہے۔

پیش دادی پہلوانوں کا دور:۔

اوستائی مدنیت کے دور اور آریائی پہلوانوں کی بادشاہی کے متعلق قبل از اسلام اور بعد از اسلام کے دور میں افسانوی رنگ دیا گیا ہے اور اصل تاریخی حالات افسانوی رنگ اختیار کر چکے ہیں۔ وید میں ایک پیش دادی بادشاہ کا ذکر ہے جس کا نام یمہ (Yama) اوستائی نام

ییمہ (Yima) پہلوی نام یم (Yam) اور دری نام جم (Jam) ہے۔ جمشید کے باپ کا نام بمطابق اوستا ویوہونت (Vivahvant) جو بعد میں ویونگہوت = ویونگہان اور اسے معرب کرکے ویونجہاں لکھا گیا ہے۔ جمشید اہورہ مزدہ (خدا) کی طرف سے بادشاہ بنا تاکہ رعایا کی آبادی اور آرام کے اسباب مہیا کرے۔ اُسے ایک عصا، انگوٹھی، شمشیر و جام بخشا گیا۔ جمشید نے بلخ کا شہر آباد کیا۔ جس کو اوستا میں "بخدی زیبادارای پرچم بلند" کہا گیا ہے۔ جمشید نے حیات اجتماعی کی بنیاد رکھی۔ کشاوزری (زراعت) حرفت، لوہے کی اوزار، لباس کا بننا، اسلحہ اور جواہر کا استعمال اور جنگجو لشکر کا تعین، معماری و استعمال ادویات کو رائج کیا۔ اور عبدالحیٔ حبیبی کے مطابق "یسنا ۹ فقرہ ۳ تا ۵ میں تحریر ہے کہ درمدت شہریاری جم گرما و سرما، پیری و مرگ و رشک در جہاں نہ بود" اور یشت ۱۹ فقرات ۳۱ تا ۳۸ میں اس طرح آیا ہے کہ "درمدت سلطنت جم زندگانی گیتی بہ خوشی وخرمی می گذشت از رنج و آسیب اثرے نبود"۔ جمشید کی حکومت آسائش و آرام و عدل و انصاف کی مثال جبکہ اس کے انقطاع کی قوت کو (اژی دھاکہ) = اژدھا کہا گیا ہے)۔ اور یہ شخص جس نے جمشید کی حکمرانی ختم کی بیوراسپ بن اروند اسپ تھا جو گیومرث کے اخلاف سے تعلق رکھتا تھا۔ کیومرث کو گرشاہ یا غرشاہ بھی لکھا گیا ہے یعنی دس ہزار گھوڑوں کا مالک تھا جو گھوڑے تازی نسل کے تھے اسی وجہ سے اُسے "تازی" کہتے تھے اور عربی النسب شمار کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ وہ سرزمین بوری سے آیا تھا جو نام اب تک سرزمین ژوب میں مشرقی افغانستان کی طرف واقع ہے۔ عربوں نے اس نام کو معرب کرکے ضحاک لکھا ہے اسے ضحاک تازی کے نام سے یاد کیا جانے لگا اور ضحاک تازی کو عرب نژاد تصور کیا جانے لگا۔ مگر طبری اور البیرونی کے مطابق ضحاک تازی کو عرب، عرب نژاد جبکہ عجمی، عجمی نژاد تصور کرتے تھے۔ چونکہ تاریخ میں ضحاک نام خاندانِ غوری کے نسب ناموں میں موجود ہے اور ضحاک نام کا ایک شہر بھی بامیان میں موجود ہے اس لئے مورخین کی رائے میں ضحاک تازی کا عربی نژاد ہونا بعید از قیاس ہے (۱)۔ غوریوں کے نسب نامے

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحیٔ حبیبی ص ۱۴،

کے مطابق وہ سامی الاصل ہے۔

ضحاک تازی کے خلاف فریدون نے علم بغاوت بلند کیا اور اُسے قتل کردیا۔ اس فتح کے جشن میں فریدون نے جشن مہرگان جو جشن نوروز کی مانند ہے، کا انعقاد کیا۔ فریدون نے دیوان اور بدکرداروں کی سرکوبی کی اور ممالک فتح کئے۔ فریدون نے اپنی حکومت کو اپنے تین بیٹوں (۱) ایرج (۲) تور اور (۳) سرم (سلم) میں تقسیم کردیا۔ تور اور سلم کو ایرج سے رشک تھا اور اُسے قتل کر ڈالا۔ ایرج کا ایک بیٹا منوش چیترہ (منوچہر) پیدا ہوا جس نے بعد میں ایرج کا انتقام لیا اور تور اور سلم کو قتل کر ڈالا اور تورانی بادیہ نشین لوگوں کو ملک سے نکال دیا۔ اُس کے عہد میں مشہور پہلوان مثلاً قارن پسر کاوہ، نریمان، زال، رستم پیدا ہوئے۔ ان پہلوانوں نے سرزمین ارینہ کو دشمنوں کے شر سے پاک کردیا۔

منوچہر کے بعد اس کا بیٹا نوترہ (نوذر) بادشاہ بنا اور افراسیاب تورانی نے اُسے تین جنگوں کے بعد پکڑ لیا اور قتل کر ڈالا۔ نوذر سے ایک بڑا خاندان جسے نوذری یا نوذریان کہتے تھے وجود میں آیا جن کا ذکر اوستا میں موجود ہے۔ نوذر کے قتل کے بعد فریدون کی نسل سے ایک شخص جس کا نام اوزوہ بن توماسپہ (زر = زاب) بن تہماسپ تھا پیدا ہوا۔ یہ بڑا عقلمند اور عادل بادشاہ تھا۔ اس نام کا ریشہ زابل اور ژوب میں موجود ہے۔ زاب بن تہماسب نے پہلوانوں کی مدد سے تورانیوں سے جنگ لڑی اور بالآخر دریائے آمو کو سرحد قرار دے دیا گیا۔ زاب کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کرشاسپہ (Kereshaspa) = گرشاسپ تخت پر بیٹھا جو پیش دادی حکمرانوں میں دسواں بادشاہ تھا۔ جس نے نو سال حکومت کی۔ اُس کی موت کے بعد افراسیاب نے پشنگ تورانی کے حکم سے گرشاسپ کی مملکت پر حملہ کرکے اُسے تباہ و برباد کردیا۔ گرشاسپ کی موت کے ساتھ ہی پیش دادی خاندان کی حکومت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ یہ بھی بتانا ضروری ہے کہ یہ گرشاسپ بن زاب گرشاسپ بن نریمان پہلوانِ معروف اوستائی جو ثریتہ (ثریت) = اثرط کا فرزند اور سام سیستانی کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جبکہ موخر الذکر پہلوانوں کے خاندان سے تعلق رکھتا ہے۔

خاندان کیان:۔

اوستا کے مطابق "کوی" = کے پہلوی، بلخ کے قدیم بادشاہوں کے نام کے ساتھ

بطورِ لقب استعمال ہوتا تھا۔ اس لقب کا استعمال مغربی افغانستان میں نہیں تھا۔ پیش دادی خاندان کے بعد بلخ کے جو حکمران ہوئے اُن کے نام کے ساتھ لقب (کوی) یا (کی) کا استعمال ہوتا تھا۔ زبان دری میں (کی) کی جمع کیان = کیانیان لکھی گئی ہے۔ اوستا کے مطابق اس خاندان کا پہلا بادشاہ کواتہ (Kavata) تھا اور اُسے کوی کواتہ (کیقباد) بھی کہتے تھے جو اپنے باب رستم پہلوان کی درخواست پر کوہ البرز (جنوبی بلخ) میں تخت نشین ہوا اور وہ بڑا منصف مزاج، سعادت مند اور لوگوں کے آرام و آسائش کا دلدادہ تھا۔ پندرہ سال حکمرانی کی۔ فردوسی کے مطابق یہ بھی فریدون کی نسل سے تھے۔ اوستا میں (کے قباد) کے علاوہ اس خاندان کے دوسرے بادشاہوں کے نام بھی آئے ہیں۔ مثلاً (کی اپیوہ)، (کی اوشن)، (کی بیرشن)، اور (کی پشین) مگران کی کتب قدیم میں چنداں شہرت نہیں۔

کیقباد کے بعد اُس کا بیٹا (کوی اوسن) = Kavi-Usan = (کیکاؤس) بلخ کے تخت پر بیٹھا اور مازندران جو شمالی ایران میں واقع ہے کے لوگوں سے جنگ لڑی۔ یہ لوگ آریائی لوگوں کے مخالف ایک وحشی قبیلہ تھا۔ کیکاؤس کو ان وحشی لوگوں پر فتح حاصل ہوئی۔ ان وحشی قبائل کو اوستا میں (دیوان) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ اوستا کے مطابق (کوی اوسن = کیکاؤس) نے کوہ ارزیفیہ (Erezifya) پر ایک سو گھوڑے، ایک ہزار گائیں اور دس ہزار گوسفند، رب النوع اناہیتا = رب النوع آب) کے لئے قربان کئے تا کہ وہ بزرگ ترین بادشاہوں میں شمار ہو۔ چونکہ یہ پہاڑ بلخ اور شمال مشرقی خراسان میں واقع ہے اور کیکاؤس کی داستان، افغانستان سے تعلق رکھتی ہے۔ عبدالحیٔ حبیبی کے مطابق کیکاؤس "از بادشاہانِ بزرگ گشت کہ بہفت کشور (دنیائے مکشوف آں وقت) حکم می راند"۔ کیکاؤس کا ایک دانا وزیر تھا جس کا نام بمطابق اوستا اوشنر (Oshnar) تھا جسے بسیار دانا = Puru-Jira کے خطاب سے متصف کیا گیا ہے۔ بدقسمتی سے اس وزیر کی موت کیکاؤس کے ہاتھوں ہوئی۔ کیکاؤس نے گائے کے تقدس کو ختم کر دیا جسے زراعت (مرز) کا باعث تصور کیا جاتا تھا اور ساتھ ہی آسمان پر جانے کا دعویٰ بھی کیا۔ انہی اسباب سے کیانی خاندان کی شان و شوکت کیکاؤس سے چلی گئی اور افراسیاب تورانی نے اُس پر حملہ کر دیا

اور اس کی مملکت کو ویران کر دیا۔ حتیٰ کہ روت تخمک (Rot-Stax Mak) = رستم پہلوان نے لشکر اکھٹا کیا اور افراسیاب کو شکست دی۔

کیکاؤ کے بعد بلخ کے تخت پر اس کا بیٹا سیاورشن = (Syavarshan) جسے سیاوخشن اور سیاوش بھی لکھا گیا ہے، بادشاہ بنا۔ سیاوش نے توران میں افراسیاب شاہ تورانی کی بیٹی جس کا نام فرنگیس تھا، سے شادی کر لی اور اُس سے کوئی ھُوسرہ وہ = (Khusravah) = کی خسرو = کیخسرو پیدا ہوا۔ جو باپ کی وفات کے بعد بادشاہ بنا اور باپ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تورانیوں سے الجھ پڑا اور افراسیاب اور اس کے بھائی کرسیوز کو زنجیروں میں جکڑ کر کھینچا اور مار دیا گیا۔ اوستا کے مطابق خسرو کے ہاتھوں بہت بڑے کام سرانجام پائے۔ طاقت و فتح، دوست کامی و زیبائی اور شوکت و جلال اُسی کے نصیب میں تھے۔ کیانی مملکت کو متحد کیا۔ کیخسرو کو "متحد سازندہ" اور کیانی شہنشاہیت کا بانی تصور کیا جاتا ہے۔

کیخسرو کے بعد بلخ پر جن حکمرانوں نے حکومت کی ان کے نام کے آخر میں کلمۂ "اسپہ" آتا ہے اور یہ خالصتاً باختری نسبت ہے کیونکہ بلخ تاریخی دور سے قبل بھی گھوڑوں کی مشہور پرورش گاہ تصور ہوتا تھا اور آریائی سوار، جنگوں میں اسی جانور (گھوڑے) سے کام لیتے تھے اور بلخ کے لوگ اعلیٰ شہسوار گردانے جاتے تھے۔

کیخسرو کے بعد جو شخص اس طبقہ سے بلخ کا بادشاہ بنا اس کا نام بمطابق اوستا "اوَروت اسپہ" (Aurvut-Aspa = کی لہراسپ) لکھا گیا ہے۔ لہراسپ کے معنی ہیں دارائے اسپ تندرو اور اس خاندان کا تعلق کیقباد اور منوچہر سے ہے۔ لہراسپ نے آتشکدہ بنام آذر برزین تعمیر کیا۔ ساسانی عہد کی تازہ ترین روایات کے مطابق لہراسپ نے اپنے سپہ سالار (بوخت نرسیہ = بخت النصر معرب) کے ساتھ اورشلیم پر حملہ کیا اور اورشلم کو تباہ و برباد کر دیا اور یہودیوں کو قید کر کے لے آیا۔ عمر کے آخری حصہ میں بادشاہی ترک کر کے اپنے بیٹے ویشتاسپہ (Veshtasapa) = گستاسپ کے حوالے کر دی اور خود نو بہار بلخ (آتش کدہ) میں بیٹھ گیا اور خدا کی عبادت میں مصروف ہو گیا۔ عبدالحیٔ حبیبی کے مطابق ویشتاسپہ (گستاسپ) "بادشاہ بلند

همت و دارندۂ اسپان تندرو و پیرو موید زردشت و مرد مزدا پرست و دارائے فر کیانی و راست کردار و پاک منش بود و بر دشمنان تورانی خود پیروزی یافت، و وزیرش جاماسپ (جاماسپ) بموجب اوستا مردی شریف و ثروتمند و کشور دار و پیروز و دانا و شوی پوروچیستہ دختر زردشت بود کہ با قبول کیش زردشتی در انتشار آں کوشیدہ بود و پسرش سپینتو داتہ (Spento-Data)=اسفندیار موصوف بہ تخمہ (Taxma = تہم = دلیر) و برادرِ ویشتاسپہ موسوم بہ زئیری وئیری (Zairi-Vairi)= زریر نیز کسانی اند کہ در قبول و انتشار آئین زردشتی کوشیدہ اند و در نسخۂ اوستا (Avesta) بہ زبان پہلوی کہ در قرن ہشت میلادی نوشتہ شدہ و از سمرقند بدست آمدہ چنیں گوید:۔

کہ زردشت بہ امر گستاسپہ دوازدہ ہزار نسخہ از کتاب خودروی پارچہ ہائے طلا نوشت و آں را در آتشکدۂ ورہران نہاد کہ ایں معبد را در نواز ک بجل بامیان (بلخ بامی) بنا کردہ بود۔ و ہمچنیں آذر فربع (آتشکدہ مویدان) و آذر برزین مہر (آتشکدۂ کشاورزان) منسوب بہ گستاسپہ اند۔ کہ آتشکدۂ موخر الذکر را در عہد او از خوارزم بہ کوہ روشن Roshan کابلستان آوردند و تا فتوحات عرب (۱۸۱ھ) ہم باقی بود و بستوئیری (Bastawairi) پسر زریر شہر بست را تعمیر کرد و در آنجا قربانیہائی بزرگی را بعمل آورد و مخالفان سلطنت را کہ دراں نواحی بودند سرکوبی کرد۔" (۱)

اسفندیار کے بعد کیانی خاندان کے بادشاہوں میں جو سب سے مشہور بادشاہ گذرا ہے، وہ وہومن سپنداتان (بہمن اسفندیار) تھا۔ اس کی بیٹی کا نام ہمای تھا۔ داراب ہمای کے بیٹے کا نام ہے۔ ان کے متعلق سرزمین ہلمند اور سیستان میں مختلف داستانیں مشہور ہیں۔ اس خاندان کے بعض بادشاہوں کو مورخین نے ھخامنشی خاندان کے بادشاہوں سے خلط ملط کر دیا ہے۔

پہلوانانِ اوستائی (خراسان و سیستان):۔

مذکورہ بالا شاہی خاندانوں کے علاوہ بعض مشہور پہلوان بھی اسی دور کی تاریخ کا حصہ

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۲۳ - ۲۲

ہیں۔ ان کی زندگی کے واقعات افسانوں کی نذر ہو چکے ہیں۔ ان پہلوانوں کا نسب نامہ بمطابق اوستا و دیگر کتب بلخ کے عظیم بادشاہ جمشید سے ملتا ہے۔ جمشید بادشاہ نے زابلستان کے حکمران کورنگ شاہ کی بیٹی سے شادی کی تھی اور انہی سے سام نریمان پیدا ہوا تھا۔ اس کا بیٹا زال زر سفید بالوں کی وجہ سے اسی نام سے موسوم ہوا اور والدہ کی طرف سے سیستان (زابلستان) کا بادشاہ بنا۔ زال زر رودابہ دختر مہراب شاہ کابل پر عاشق ہو گیا (جو ضحاک تازی کی نسل سے تھا) اور رودابہ کے ساتھ شادی کر لی اور ان دو کے سماجی اختلاط سے رستم پیدا ہوا جو اپنے زمانے کے طاقتور لوگوں اور پہلوانوں کا سردار (سرغنہ) تھا۔ رستم نے لک کوہ زاد (غرزی)= غلجی (جس کا زال خراج گذار تھا) کو قتل کر دیا مگر بہمن کے عہد میں اپنے بھائی کی سازش کے نتیجہ میں اپنے گھوڑے رخش کے ساتھ ایک کنویں میں گر کر گھوڑے سمیت ہلاک ہو گیا۔ (۱)

زال کے رستم اور شغاد کے علاوہ ایک اور بیٹا تھا جس کا نام زوارہ تھا مشہور پہلوان تھا۔ اس کے دو بیٹے فرہاد اور تخار (تخوار) مشہور تھے۔ رستم سے فرامرز و سہراب و جہانگیر و گشسپ بانو اور زربانو پیدا ہوئے۔ سہراب جو رستم کے ہاتھوں مارا گیا تھا، کا ایک بیٹا جس کا نام (برزو) تھا پیدا ہوا۔ برزو کا ایک بیٹا بنام شہریار تھا۔ ان پہلوانوں کے کارناموں کے سلسلہ میں ان کے نام سے منسوب کتابیں لکھی گئی ہیں۔ مثلاً "فرامرز نامہ" برزو نامہ، شہریار نامہ، بانوگستسپ نامہ، جہانگیر نامہ، سام نامہ موجود ہیں۔ (۲)

خاندان زال کے علاوہ پہلوانوں کا ایک اور قبیلہ جو اس دور میں مشہور ہوا سابق الذکر کاوہ کی نسل سے تھے جس نے ضحاک تازی کو شکست دے کر قتل کیا تھا۔ اس کا ایک بیٹا جس کا نام قارن کاوگان تھا پیدا ہوا جس نے کیقباد اور افراسیاب کے مابین جنگوں میں کافی شہرت پائی۔ یہ خاندان اشکانیوں اور ساسانیوں کے عہد تک کارن کے نام سے موجود تھا حتیٰ کہ تیسری صدی ہجری تک انہوں نے اپنی عظمت اور قوت برقرار رکھی۔

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۲۴ - ۲۳ (۲) ایضاً

مذکورہ بالا دو خاندانوں کے علاوہ اوستا کے مطابق پہلوانوں کا ایک تیسرا گھرانہ جسے نوذریان کہاجاتا ہے مشہور گھرانہ تھا۔اس خاندان میں توسہ (طوس) نامی پہلوان مشہور ہوا جس کے نام سے شہر طوس منسوب ہے۔اوستا میں نحوتر کے ایک اور بیٹے کا ذکر بھی ہے جس کا نام ویستہ یؤرو (Vista-Uru) لکھا گیا ہے۔اسے پہلوی لہجہ میں ویستخم اور دری میں گستہم کہتے تھے۔اُس نے زردشتی مذہب کے کافی مخالفین کو تہہ تیغ کیا۔

اسی طرح اور کئی پہلوانوں کا ذکر بھی موجود ہے جو بخدی (بلخ) اور خراسان کی قدیم تاریخ میں ملتے ہیں۔ یہ امر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ بخت نصر بابلی فاتح اوروشلم (بیت المقدس) ماں کی طرف سے نبیرۂ رستم پہلوان تھا اور فرامرز کا خواہر زادہ تھا۔ (۱)

تاریخ سیستان ص ۳۴ پر بخت نصر کا نسب نامہ یوں درج ہے:۔

بخت نصر (بخت نرسی) بن گیو بن جودرز بن کشواد بن اشجور بن فرجیر بن حیر بن یشودان ابن انبوت بن نابجن بن تغر بن تفوک بن ذ ایذنج ۔۔۔۔۔۔بن مای شو بن نوذر بن منوچہر الملک (جوطبری کے مطابق بخترشہ تھا جو درز کی نسل سے تھے)۔ بخت نصر فرامرز بن رستم کا سپہ سالار تھا۔رستم کے ہاتھوں اسفندیار قتل ہوا تھا اور باپ کا بدلہ لینے کے لئے بہمن بن اسفندیار نے سیستان پر حملہ کر دیا۔اُس وقت فرامرز ہندوستان گیا ہوا تھا۔اُس کی عدم موجودگی میں بخت نصر نے بہمن سے صلح کر لی اور بارہ ہزار زاولیوں (سیستانیوں) کے ساتھ بہمن کے ہمراہ بلخ چلا گیا۔

بہمن اسفندیار نبیرۂ بن یامین بن حضرت یعقوبؑ از طرف مادر۔ (۲)

بنی اسرائیل نے جب حضرت یحیٰؑ اور حضرت ذکریاؑ کو قتل کر دیا تو (بہمن) نے بخت النصر کو اوروشلم پر حملے کے لئے بھیج دیا جس نے بیت المقدس کو مسمار کر دیا اور لاکھوں کی تعداد میں یہودیوں کو قید کر کے بلخ، سیستان و خراسان لے گیا اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں " بخت النصر اور سیستان کے لوگوں کی بہادری کا ذکر کیا ہے: (عباداً لنا اولی باسٍ شدید) (۳)

(۱،۲،۳) تاریخ سیستان بہ تصحیح ملک الشعراء بہار ص ۳۴، ۳۵۔

اور جب صحابہ کرامؓ نے ان لوگوں کے متعلق حضور ﷺ سے دریافت کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا (ان امتی ستغلب علیھا)۔سیستان کے لوگوں کے لئے یہ امر باعث فخر تھا کہ ان کی بہادری اور دلیری کا تذکرہ قرآن حکیم میں ہوا ہے۔ (۱)

خلاصۂ بحث:۔

افغانستان کی قدیم تاریخ اور مدنیت پر مختصر بحث اس لئے کی گئی تا کہ قارئین پر یہ واضح ہو کہ بخت النصر کے حملے کے وقت بلخ، سیستان اور ایران میں زردشت کا ظہور عہدِ گستاسپ میں ہو چکا تھا اور دین مزدیسنا کو رستم دستاں نے قبول نہیں کیا تھا اور گستاسپ سے سرکشی اختیار کر لی تھی۔ گستاسپ بادشاہ نے اسفندیار کو رستم سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا تھا۔جس کے نتیجے میں اسفندیار مارا گیا اور بعد میں بہمن بن اسفندیار نے باپ کا بدلہ لینے کے لئے فرامرز پر حملہ کیا تھا، مگر فرامرز اُس وقت ہندوستان میں تھا اور اس کے سپہ سالار بخت النصر نے بہمن سے صلح کر لی تھی۔ بخت النصر نے بہمن کی ایما پر یہود پر حملہ کیا اور اوروشلم کو تباہ کر دیا اور لاکھوں کی تعداد میں یہودیوں کو قید کر کے بلخ، سیستان اور خراسان لے گیا۔

سیستان کے لوگوں نے رستم کی وفات کے بعد دین زردشت قبول کیا۔اور اس نئی مدنیت کے پیرو کار اور محافظ بنے اور گبری کہلانے لگے۔یہ لوگ پہلوانوں کے حکمران گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور تاریخ میں اس خاندان کے حکمرانوں کو خاندانِ رستم وار سے لکھا گیا ہے جو تسلسل سے مغربی افغانستان خصوصاً سیستان (زابلستان) کے حکمران رہے ہیں۔

سیستان اور خاندانِ رستم دار:۔

تاریخ سیستان کے مطابق سیستان کو گرشاسپ نے آباد کیا سیستان سے قبل وہ بست، رخد (قندھار)، زمینداور کابل اور اس کے ملحقہ علاقوں کا حکمران تھا جو اُسے (والدہ کی طرف

---

(۱) تاریخ سیستان بہ تصحیح ملک الشعراء بہار ص ۳۴، ۳۵

سے) اپنے جدامجد گودرز کی طرف سے ملے تھے۔ گودرز کا نام گورنگ بھی لکھا گیا ہے۔ جو جمشید بادشاہ کی بیوی کا باپ تھا اور گرشاسپ کا نانا تھا۔ سفزار (اسفزار، سبزوار از حدود ہرات) بوزستان (معرب شدہ بجستان) ولوالستان اور غور کو سام بن نریمان نے آباد کیا جبکہ کشمیر کو رستمِ دستاں نے۔ رستم نے اپنے خزائن اور مال کشمیر منتقل کئے۔ اسی طرح گردیز کو عبداللہ الشاری نے آباد کیا جبکہ غزنی کو یعقوب لیث نے۔ یہ تمام شہر دورِ جاہلیت میں سیستان کے پہلوانوں اور مرزبانوں کے زیرِ تسلط تھے مگر اسلامی دور میں کتاب الخراج کے مطابق ان علاقوں کی جداگانہ تقسیم کی گئی اور عراق کے زیرِ کنٹرول رہے۔

سیستان کی مشرقی سرحد کشمیر تک تا بحدے دریائے سندھ پھیلی ہوئی تھی اور مغرب میں دریائے سندھ کے مغربی حصہ میں "سپہ" تک تھی۔ "سپہ" اور "کس" مکران میں شامل تھے یعنی سیستان کا مغربی علاقہ مکران (کرمان) تک پھیلا ہوا تھا۔ حد شمالی اسفزار اور جنوب میں سندھ کا علاقہ تھا۔ کتاب الخراج کے مطابق اسلامی دور میں خراسان، فارس (دل ایران شہر) اور بجستان (سیستان) عراق کے ساتھ شامل تھے۔ خطۂ سیستان کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یعنی خراسان ،ایران، نیمروز و باختر۔

" ہر چہ حد شمال است باختر گویند و ہر چہ حد جنوب است نیمروز گویند و میانہ اندر بدو قسمت شود و ہر چہ حد مشرق است خراساں گویند و ہر چہ حد مغرب است ایران شہر۔ " (یعنی سیستان کے شمال میں باختر (بلخ) اور حد جنوب میں نیمروز کہلاتا ہے اور درمیانی حصہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ حد شرقی میں خراسان اور مغرب میں دل ایران شہر فارس ہے۔

سیستان کی قدیم مدنیت قبل از اسلام :۔

تاریخ سیستان میں درج ہے :۔

" گرشاسپ و نبیرگان او تا فرامرز بن رستم ہمہ برآں طریقت بودند کہ آدمؑ آوردہ بود۔ بامداد و بوقت زوال و شبانگاہ نماز کردندی۔۔۔۔۔ زنا و لواطہ و دزدی و خون ناحق میاں شاں حرام بود و مردار نخوردندی۔۔۔۔ وصدقہ

بسیار دادندی و ہمیشہ میزبان بودندی مہمان را نیکو داشتندی۔۔ بر خویشتن دختر و خواہر و مادر بہ زنی نکردندی و پیکار کہ میان رستم و اسفندیار افتاد سبب آں بود کہ چوں زردشت بیروں آمد و دین مزدیسنا آورد رستم آنرا منکر شد و نپذیرفت و بداں سبب از بادشاہ گستاسپ سر کشید۔ " (۱)

اس پس منظر میں دیکھا جائے تو سیستان کے لوگوں (خصوصاً پہلوانوں اور مرزبانوں) کا دین آدمؑ کا لایا ہوا اسلام تھا۔ جبکہ افغانستان کے دیگر علاقوں میں قدیم آریائی مدنیت کا وجود تھا اور "ارباب النوع" کی پرستش کی جاتی تھی حتیٰ کہ زردشت کا ظہور ہوا جس نے دین مزدلیسنا (خدا پرستی) کا دین جاری کیا۔ "تاریخ مختصر افغانستان" میں عبدالحئ حبیبی نے اس کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے :۔

"باوجودیکہ زردشت کیش جدید اصلاح شدہ ای را بہ میان آوردہ و طوریکہ گفتہ شد شش فرشتۂ خیر و نیکی را با قوای شریر مقابل ایشاں قرارداد باز ھم اثر ارباب انواعیکہ آریائیان قدیم ویدی داشتند بکلی منقطع نشد و بجائے وارونۂ رب النوع بزرگ ویدی اھورہ مزدہ ایستاد کہ معنئ آں سرور دانا است و ایں نام برائے خدائے یگانہ از طرف زردشت تعین گردید و خدایانِ آریائی (دیوان) کہ ھنوز در ہندوستان دارای مقام خدای بودند در کیش زردشت متروک قرارداده شدند و بنا بریں کلمۂ دیو کہ ؛ پیش از زردشت بمعنی خدا بود غول و گمراہ کنندہ خواندہ شد و از آں ھنگام خدا پرست را (مزدلیسنا) و مشرک و پیرو دین باطل را (دیولیسنا) خواندند ولی باوجود این کلمۂ دیو نزد ھمہ ملل آریائی (بہ استثنای زردشتیان) معنی اصلی خود را محفوظ داشتہ و دیوہ نزد ہندوان ھنوز ہم بہ معنی خدا است۔ زیوس نام

---

(۱) تاریخ سیستان بہ تصحیح ملک الشعراء بہار ص ۳۴ - ۳۳

پروردگار بزرگ یونانی و دیوس لاتینی ۔ و دیوفرانسوی و دیوہ (پشتو) بہ معنی
چراغ زردشتی ازیں ریشہ است ۔'' (۱)

مفہوم :۔

باوجودیکہ زردشت نے ایک اصلاح شدہ نیا مذہب پیش کیا اور جیسا کہ کہا جا چکا ہے کہ نیکی کے چھ فرشتوں کے مقابل بدی کی چھ قوتیں قرار دی گئیں لیکن اس کے باوجود بھی ارباب النوع کا اثر (جن پر قدیم آریاؤں کا ایمان تھا) کلی طور پر (عبادات) سے خارج نہیں ہوئے تھے ۔ اگرچہ رب النوع بزرگ (اناہیتا) کے مقابل اھورامزدہ کھڑا کر دیا گیا تھا ۔ یہ نام خدائے یکتا کے لئے استعمال ہوتا تھا اور زردشت نے آریائی خداؤں کو (دیوان) سے منسوب کیا تھا جو اُس وقت تک ہندوستان میں پوجے جاتے ہیں اور دین زردشت میں ان کی پوجا متروک ہوگئی تھی اور کلمۂ دیو جو زردشت سے قبل خدا کے لئے استعمال ہوتا تھا ۔ گمراہ کنندہ کے مفہوم میں استعمال ہونے لگا ۔ خداپرست کو (مزدلیسنا) اور مشرک اور دین باطل کے پیروکار کے لئے کلمۂ (دیولیسنا) استعمال کیا جانے لگا مگر اس کے باوجود یہ کلمۂ دیو تمام آریائی اقوام (بہ استثنائے زردشتیاں) اپنے اصلی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور (دیو) اب بھی ہندوؤں کے مطابق خدا کا نام ہے ۔ زیوس (نام پروردگار یونانی) و دیوس لاتینی و دیوفرانسیسی اور دیوہ پستو (پختو) بمعنی چراغ اسی ریشۂ (دیوان) سے تعلق رکھتے ہیں ۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ ظاہر ہوا کہ قدیم افغانستان میں ویدی تہذیب کے بعد اوستائی مدنیت نے جنم لیا اور یہ اوستائی مدنیت دراصل دین آدمؑ کی نشاط ثانیہ تھی جس کی بنیاد خدائے یکتا کی پرستش اور ارباب النوع کی پرستش کے رد پر مبنی تھی ۔ مگر سیستان کے پہلوان حکمرانوں اور مرزبانوں نے آدمؑ کی شریعت پر کاربند رہنا زیادہ مناسب سمجھا اور فوری طور پر دین زردشت کی طرف مائل نہ ہوئے مگر فرامرز بن رستم کے عہد کے بعد زردشتی مذہب فرس (دلِ ایران شہر)

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۲۵

خراسان، بلخ اور سیستان میں شاہی اور حکومتی مذہب کے طور پر پھیلا مگر ہندوستان کی ویدی تہذیب اور مدنیت حسب سابق برقرار رہی جو آج تک اُسی طرح برقرار ہے ماسوائے اس کے کہ ویدی تہذیب کو بودائی تہذیب نے کچھ عرصہ کے لئے اسقاط میں رکھا جو بذاتِ خود ویدی تمدن کی ایک بدلی اور ارتقائی شکل تھی ۔

تاریخ مدنیت کے اس پس منظر میں افغانستان میں دونوں قدیم تہذیبیں (ویدی و اوستائی) ساتھ ساتھ چلتی رہیں جبکہ سیستان میں صرف اوستائی تہذیب کا غلبہ رہا اور دورِ اسلامی کی ابتداء تک زردشتی (گبری) مدنیت قائم رہی ۔ مسلمان فاتحین کو فتح بجستان کے سلسلے میں انہی دہاقین اور مرزبانوں سے واسطہ پڑا جو گبری (زردشتی) تھے اور پہلوانوں کے مذکورہ بالا حکمران گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے جس کو تاریخ میں خاندان رستم وار کے نام سے لکھا گیا ہے ۔

گذشتہ اوراق میں ہم نے افغانستان کی قدیم تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا ہے جو تین ادوار پر مشتمل ہے ۔ زمانہ قبل از تاریخ جو ارباب النوع کی پرستش کا دور تھا، دوسرا ویدی دور جو کسی حد تک تاریخی دور ہے اگرچہ اس دور کی تاریخی افسانوی رنگ میں مزین ہے ۔ تیسرا اوستائی دور جو اصلاحی تہذیب تھی اور مدنیت کے اعتبار سے خدائے یکتا کی پرستش کا دور ہے جس میں دین اور سیاست یا طریق نگہبانی و ریاست پروری کے باہم اتصال سے ایک مربوط معاشرہ وجود میں آیا ۔ اگرچہ دین زردشت پر اجمالی تبصرہ کر دیا گیا ہے مگر اس کے روحانی پہلو کا مختصر احاطہ آئندہ اوراق میں کیا جائے گا ۔

باب چہارم　　فصل اول

مدنیت اوستائی اور تاجک سواتی تاریخ کے آئینہ میں

قبیلہ تاجک سواتی (سوادی) تین شاخوں پر مشتمل ہیں:۔

۱۔ گبری　۲۔ متراوی　۳۔ ممیالی

میجر راورٹی مصنف " Notes on Afghanistan and Baluchistan" کے مطابق یہ تینوں شاخیں ہم قوم اور تاجک ہیں۔ان میں " گبری" شاخ کے حکمرانوں کا لقب " سلطان" تھا جبکہ متراوی اور ممیالی دہگان (مرزبان) کہلاتے تھے۔ یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ بجستان (سیستان) کی فتح کے وقت مسلمان فاتحین کو گبری دہاقین و مرزبانوں سے واسطہ پڑا تھا۔ یہ دہاقین اور حکمران، خاندان رستم دار کے پس ماندگان اور نبیرگان تھے اور انہی کے آباواجداد نے بخت النصر کے پرچم تلے اوروشلم پر حملہ کر کے یہود کی حکومت کو ختم کر دیا تھا اور لاکھوں کی تعداد میں بنی اسرائیل کو قید کر کے سیستان، خراسان اور بلخ لے آئے تھے۔ گذشتہ اوراق میں بتادیا گیا ہے کہ بخت نصر ماں کی طرف سے نبیرہ رستم دستاں اور فرامرز کا بھانجا تھا۔ اس خاندان کے بزرگوں نے صدیوں بلخ، سیستان اور مغربی افغانستان کے دیگر علاقوں پر حکومت کی ہے اور ویدی و اوستائی دور سے لے کر دورِ اسلام تک مسلسل حکمران رہے ہیں۔ سیستان اور بلخ ان کے مراکز تھے۔ لفظ (سوادی) یا سواتی سوات میں آباد ہونے کے باعث ان کی صفت نسبتی کو ظاہر کرتا ہے۔ جبکہ تاجک ان کی نسبی اساس کو ظاہر کرتا ہے اور لفظ گبری ان کی قدیم مدنیت کا مظہر ہے اور زردشتی کا مترادف ہے۔ بابر بادشاہ اور یوسف زئی افغانوں نے ۱۵۱۰ء کے عشرے میں سوات پر چڑھائی کے دوران سواتی حکمرانوں کے ناموں کے ساتھ لفظ سوادی کا اضافہ کیا ہے مثلاً سلطان اویس سوادی حکمران سوات اور ملک حیدر علی سوادی حکمران باجوڑ سلطان علاؤالدین سوادی وغیرہ ان کے ناموں کے ساتھ یہ اضافہ ان کی صفت مکانی کو ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ اس ضمن میں گذشتہ اوراق میں سوات کی وجہ تسمیہ کے بیان میں ذکر ہو چکا ہے۔ بدخشاں، لغمان، کونڑ،

ننگر ہار، باجوڑ، سوات، بنیر کے حکمران سب ایک ہی گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور گبری کہلاتے تھے۔ روایات کے مطابق ان کو سلطان سکندر ذوالقرنین کی نسل سے لکھا گیا ہے۔ بدخشاں ایک خودمختار مملکت تھی جبکہ کونڑ، لغمان، باجوڑ، سوات، بنیر پکھلی (مانسہرہ) تا بحدے بارہ مولا (کشمیر) سلطان فلہل کے زیرِ نگیں تھے۔ نعمان اور ننگر ہار اُس کے چھوٹے بھائی سلطان بہرام کے زیرِ تسلط تھے۔ سلطان فلہل (پکھل) کے بیٹوں میں سوات کی فتح کے بعد خانہ جنگی شروع ہوگئی جس کے سبب خطرہ محسوس کیا گیا کہ مفتوحہ علاقے اندرونی خلفشار کے باعث ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ چنانچہ سلطان بہرام نے مفتوحہ علاقوں پر دوبارہ چڑھائی کی اور مملکت گبر کا قیام عمل میں لایا جو کابل سے پکھلی (ضلع ہزارہ) تا بحدے بارہ مولا پھیلی ہوئی تھی۔ " تاریخ مختصر افغانستان" میں عبدالحیٔ حبیبی نے اس مملکت کا ذکر زیرِ عنوان " حکمرانان کنڑ و یوسف زئیان" درج ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

" درحدود (۸۰۰ھ - ۱۳۹۸م) کہ تاخت وتاز تیمور در صفحات افغانستان جاری بود در درہ ہائے کنڑ خانوادۂ محلی حکمرانی داشتند کہ آنہا رابلقب (سلطان) میخوانند۔ ایں دودمان دردرۂ پیچ (کنڑ) مرکز داشتند و افسانہائے محلی آنہا را بہ اولاد ذوالقرنین منسوب میداشتند ۔ از مشاہیر ایں دودمان سلطان پکھل و سلطان بہرام دو برادرند فرزندان سلطان کہجا من بن ہندو کہ سلطان پکھل از لغمان تا کنڑ و باجوڑ وسوات و کشمیر حکم میراند و موضع پکھلی (واقع ضلع ہزارہ صوبہ سرحد) منسوب بہ اوستٔ و در درۂ ہائے کنڑ کتیبہ ہائے از و باقی ماندہ است از بعد پسرانش در سوات بہم آویختند و جنگی عظیم کردند۔

اما سلطان بہرام لغمان و ننگر ہار را بتصرف آوردہ و برخے از مخالفانِ خود را بہ پشاور نفی کردہ مرکز حکمرانیٔ او پایین دامنۂ سپین غر بود و بعد از برادر (سلطان پکھل) اراضیٔ متعلقہ را تا کشمیر بدست آورد بر مملکتی از حدود کابل تا کشمیر حکم راند و بعد از و سلطان تو مناز مام حکمرانی بدست گرفت ولی حکمرانیٔ ایں خاندان در سلاسل کوہائے شنوار و کنڑ وسوات و باجوڑ تا ضلع ہزارہ و کشمیر محدود ماندہ در دامنہ ہای کوہ ہا و دشت ہای کابل و ننگر ہار و پشاور مہاجرت ہائے اقوام پستون (پختون) صفحات

قندھار و مجرائی نہر ارغسان در عصر اولاد تیمور آغاز شد۔ عشائر کندوزمند بہ سبب اختلاف مجاورین و کمی مراتع از صفحات قندھار کوچیدہ بہ کابل آمدند و مردم دیگر از گومل وغیرہ بہ آنہا متحد شدہ در درہ ہائے کابل میزیستند و حکمرانان آنہا ملک احمد و شیخ عثمان بودند و در حدود (۸۷۰ھ = ۱۴۶۵م) کہ میرزا الغ بیگ بن سلطان ابوسعید گورگان حکمدار کابل بود تمام سرکردگان ایں قبائل را با ملک سلطان شاہ فراہم آوردہ و بکشت و لے برادرزادۂ سلطان شاہ یوسف زئی (احمد) ازیں ملحمہ نجات یافت و مردم ترکلانی را در لغمان جا گیزیں ساخت اما در حصارک جنگ عظیم بین یوسف زئی و مہمند زئی روی داد کہ در نتیجہ محمد زئی صفحات ننگرہار را اگر فتند و یوسف زئیان روی بہ باجوڑ و بنیر و سوات آوردند۔ مردم بومی آنجا کہ دلازاک بودند از آنہا گریختہ بہ پرشور (پشاور) پناہ بردند و مردم یوسف زئی سردار شلمانی را کہ جلو نام داشت بکشتند و بر تمام اراضی اشغر و دو آبہ شمال پشاور در قبضہ کردہ از ناوگی تا ارھند (باجوڑ) بدست آوردند۔ دریں وقت حکمرانانِ یوسف زئی ملک احمد و ملک ملی بودند و ایں شیخ آدم معروف بہ (ملی) بن یوسف از عشیرۂ سڑبنی پشتون است کہ پیشوا و حکمران بزرگ قوم یوسفزئی و مقنن (Law-Giver) معروفی بود، مشہور بہ تقویٰ و فضیلت، وی کتاب را در قوانین اجتماعی و رسوم قوم و تقسیم اراضی در حدود (۸۲۰ھ - ۱۴۱۸م) نوشت کہ نام آں (دفتر شیخ ملی است)۔۔۔۔" (۱)

مرحوم عبدالحئی حبیبی نے اسی باب کے آخر میں سلطان پکھل و بہرام اور یوسف زئی سرداروں کے عہد کا تعین اس طرح کیا ہے:۔

مشاہیر ایں حکمرانان:۔

۱۔ سلطان پکھل کنری بن کبجامن بن ھندو (حدود ۸۰۰ھ)

۲۔ سلطان بہرام بن کبجامن حدود (۸۱۰ھ)

۳۔ سلطان تو منا حدود (۸۱۵ھ)

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان، ص ۱۹۳ - ۱۹۲ از عبدالحئی حبیبی۔

۴۔ ملک احمد یوسف زئی حدود (۸۱۵ھ)

۵۔ شیخ آدم ملی بن یوسف حدود (۸۴۰ھ)

۶۔ کجو خان رانی زائی (حدود ۹۰۰ھ) (۱)

مذکورہ بالا طویل اقتباس کے درج کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مرحوم عبدالحئی حبیبی نے ایک بہترین محقق و تاریخ دان ہونے کے باوجود قبیلہ سواتی کے مورثین سلطان پکھل اور سلطان بہرام اور یوسف زئی سرداروں کے ادوار کا صحیح تعین نہیں کیا جس سے کافی ابہام پیدا ہوا ہے اور واقعات کی ترتیب میں صریح غلطی ہوئی ہے۔ سلطان پکھل اور سلطان بہرام کو خانوادہ محلی از درۂ پیچ کنڑ درست لکھا گیا ہے مگر یہ دونوں بھائی غوری عہد کے حکمران ہیں نہ کہ امیر تیمور کے عہد کے، ان دونوں بھائیوں نے مملکت گبر کا قیام از کابل تا پکھلی (ضلع ہزارہ) و کشمیر عمل میں لایا تھا جس کی تصدیق عبدالحئی حبیبی نے خود بھی کی ہے مگر یہ دونوں حکمران چنگیز کے عہد سے قبل کے حکمران مملکت گبر ہیں۔ سلطان بہرام نے لغمان اور ننگرہار کو فتح کر کے سنکوران (شلوزان) اور کرمان کا علاقہ اعظم ملک کو بطور تعلقہ (Fief) دیا تھا۔ اعظم ملک عمادالدین بلخی کے فرزند اور سلطان بہرام کا سپہ سالار تھا۔ میجر راورٹی نے اپنی تصنیف (Notes on Afghanistan and Baluchistan) کے صفحہ ۵۱ پر سلطان بہرام کا تذکرہ ذیل الفاظ میں کیا ہے:۔

"This place(i.e. Nangarhar) Sultan Behram a descendent of Sultans of Pich (پیچ) who claimed descent from a son of Alexander f Macedon took possession and conquerred the tracts as far as Sufaid Koh of Nangarhar and drove out a tribe .... called Budni."

When Sultan Jalal Ud Din Khwarazm Shah overthrew the Mughals at Barwarn (actually Parwan) near the source of the

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی، ص ۱۹۳۔

Logar River in 618 H (1222 AD) a quarrel arose about some of the booty between the Yamin ul Mulk, (Malik Khan of Hirat) and Malik Saifuddin, Ighrak, the Khalj, who had joined the Sultan (i.e. Khwarazm Shah) with 40000 men composed of Khalj and Kanakuli. Turks Ghuzz Turkuman, and Ghoris, who were Tajziks. The dispute not having been settled to the satisfaction of the khalj Malik, Saifuddin, he with the whole of troops he had brought to the sultan's army, left his camp in the night and marched away in the direction of Peshawar, supposed to be the present Peshawar district, towards the mountains of Karman and Sankuran (this is the Shaluzan or Shanozan)...... of Amir Timur's compaign. With Saifuddin was the Azam Malik, the son of Imad-ud-Din, the Balkhi, a Ghori Chief, and several others. These disloyal chiefs proceeded into Nangrahar, which was the fief of Azam Malik. Arived there, the Latter (i.e. Azam Malik) entertained them for a time, but as enmity existed between Nuh the Jandar who was at the head of a Khel of seven or six thousand families and Malik Saifuddin Ighrak, the Khalj, the latter with his 20,000 followers (his immediate followers) turned his face towards Peshawar, while Nuh the Jan-dar, stayed behind in the pasture lands of Nangrahar." (۱)

میجر راورٹی کی مذکورہ بالا عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ ننگرہار کو سلطان بہرام جو کنڑ کے سلاطین پیچ کی نسل سے تھا، نے فتح کیا تھا اور اعظم ملک ابنِ عماد الدین بلخی کو فوجی خدمات کے

---

(۱) Notes on Afghanistan and Baluchistan" by Maj. Raverty, P. 51,52

عوض بطورِ تعلقہ ننگرہار کا علاقہ شلوزان اور کرمان عطا کئے تھے۔ یہ علاقے اب کرم ایجنسی کا حصہ ہیں۔ اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی غوری ملک تھا جس کی فوج میں غوری تاجک کے علاوہ غز ترکمان اور خلج بھی شامل تھے۔ خوارزم شاہ کے اتحادیوں نے پاروان (جبل السراج) کے مقام پر چنگیز خان کو شکست دی اور چنگیز خان جان بچا کر میدان جنگ سے فرار ہو گیا تھا۔ مگر بعد میں جلال الدین خوارزم شاہ کے اتحادیوں میں مالِ غنیمت کی تقسیم پر پیدا ہونے والے اختلاف کے باعث ملک سیف الدین اغراق (خلج ترک) اور اعظم ملک خوارزم شاہ کی حمایت سے دست بردار ہو کر اعظم ملک کے علاقے شلوزان اور کرمان کو چلے آئے تھے۔ اور بعد میں سیف الدین اغراق (خلج) وادئ پشاور کی طرف منتقل ہو گیا تھا۔ اتحادیوں کے اس نفاق کے باعث خوارزم شاہ کی قوت کمزور پڑ گئی اور چنگیز خان نے اُسے پے در پے شکست دے کر ماوراالنہر کے علاقے میں تباہی مچادی۔ چنگیز خان نے (۶۱۸ھ = ۱۲۲۰م) میں جیحون سے گزر کر بلخ پر حملہ کر دیا اور سلطان جلال الدین خوارزم شاہ کے تعاقب میں ہرات پر حملہ آور ہوا اور امین الملک حکمران ہرات کا محاصرہ کیا اور قتل عام کیا۔ خوارزم شاہ جزیرۂ آب سکوں کی طرف فرار ہو گیا اور شوال ۶۱۸ھ میں ناگفتہ بہ حالات میں وفات پائی جبکہ اس کی میت کو ڈھانپنے کے لئے کفن تک نہ تھا۔ چنگیز خان نے خوارزم شاہی دار الخلافہ اورگنج (موجودہ جرجانیہ) جو دنیا کے آباد اور مشہور اور خوشحال شہروں میں شمار ہوتا تھا' کو ویران و برباد کر دیا اور لوگوں کو قتل کیا۔ (۱)

چنگیز خان کے ہاتھوں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کے حالات بالتفصیل طبقات ناصری جلد دوم ص ۱۰۵ تا ص ۱۸۷ میں بیان کئے گئے ہیں۔ "طبقات ناصری" کے مصنف منہاج سراج جوزجانی نے چنگیزی یلغار کا مشاہدانہ و معاصرانہ تبصرہ پیش کیا ہے۔ طبقات ناصری جلد دوم کے پانچویں باب کا مکمل متن پیش خدمت ہے:۔

---

(۱) تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی، ص ۱۸۲

طبقات ناصری کا متن:۔(ص ۱۴۵۔۱۴۹)

”جلال الدین منکبرنی غزنہ میں“

اختیارالدین خرپوست۔ (۱)

"جب سلطان محمد خوارزم شاہ نے ملک اختیارالدین محمد بن علی خرپوست، غوری کے نام فرمان بھیج دیا تھا کہ پشاور سے غزنی پہنچ کر وہاں کا انتظام سنبھال لو۔ وہ بڑا کاردان، جنگجو، دلاور اور منتظم آدمی تھا اور دس سال تک قلعہ نصر کوہ طالقان کو خوارزم شاہی حملوں سے محفوظ رکھ چکا تھا۔ خراسان وغور میں اُسے عام شہرت حاصل تھی اور وہ غور کے بڑے بادشاہوں کی نسل سے تھا۔ جب وہ غزنہ پہنچا تو اطراف سے اسلامی لشکر اُس کے پاس آنے لگے۔ چنانچہ مرکز غزنہ میں بہت زیادہ لشکری جمع ہوگئے جن کی تعداد ایک لاکھ تیس ہزار بتائی جاتی ہے۔ وہ سب جری سوار اور اسلحہ سے پوری طرح لیس تھے۔ ارادہ یہ تھا کہ لشکر مرتب کرکے اچانک چنگیز پر حملہ کیا جائے جس کی لشکرگاہ پشتۂ نعمان میں تھی اور اُسے شکست دے دی جائے۔ ملک اختیارالدین ہر لحظہ لشکر کی ترتیب اور تیاری میں مصروف رہتا تھا۔ خوارزم شاہ کے بڑے اور ممتاز آدمیوں سے جو سلطان محمد (خوارزم) سے الگ ہوئے تھے وہ سب بھی ملک اختیارالدین کے پاس پہنچ گئے۔ شہاب الدین الپ سلطان محمد کی جانب سے غور وغزنہ کا وزیر تھا۔ وہ بھی غزنہ چلا گیا۔

وزیر وکوتوال کی غداری:۔

غزنہ میں ایک کوتوال تھا جسے صلاح الدین کہتے تھے وہ کردکان کا رہنے والا تھا۔ ملک

---

(۱) طبقات ناصری از منہاس سراج جوز جانی، ص ۱۴۵ تا ص ۱۴۹

نوٹ: منہاج سراج جوز جانی خود دیگر غازیوں کے ساتھ قلعہ تولک میں تھا جب چنگیز خان نے اس قلعہ پر حملہ کیا۔ جوز جانی کا بھائی ملک شمس الدین محمد جوز جانی، ہرات پر حملے کے دوران قلعہ میں دیگر سرداروں کے ساتھ تاتاری حملوں کے مقابلہ میں صف آراء تھا اور شہید ہوا۔

اختیارالدین نے سلطان محمد کے فرمان کے مطابق بہت سا لشکر جمع کرلیا تھا۔ ملک خان ہرات سے بھاگ کر سیستان کی طرف چلا گیا تھا۔ جب موسم گرم ہوا تو وہ بھی غزنہ پہنچ گیا۔ پھر خراسان سے خبر ملی کہ سلطان جلال الدین منکبرنی بھی غزنہ آرہا ہے۔

شہاب الدین الپ وزیر اور صلاح الدین کوتوال نے خفیہ خفیہ غداری کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ ایک دعوت کا انتظام کرکے ملک اختیارالدین خرپوست کو بلایا اور صلاح الدین کوتوال نے چھری سے اُس غازی سردار کو شہید کرڈالا۔ اس مرحوم نے جو لشکر جمع کیا تھا وہ سب ادھر اُدھر بکھر گیا۔

جلال الدین کی کامیاب یورش:۔

۶۱۷ھ (۲۲ - ۱۲۲۱ء) ملک خان جو تاتاریوں کے سامنے سے ہٹ کر غزنہ پہنچا وہاں سے دوبارہ گرم سیر کی طرف نکل گیا۔ اس کا قصد سیستان کا تھا۔ راستے میں اس نے رضی الملک کو ولایت پشاور دے دی جب رضی الملک اس غرض سے غزنہ آیا کہ وہ پشاور جائے تو اہل غزنہ نے اُسے جانے نہ دیا۔ پھر وہ پشاور گیا مگر وہاں جو عراقی (دراصل اغراقی) لشکر تھا اُس نے رضی الملک کو واپس کردیا۔ جب رضی الملک پشاور سے لوٹا تو اعظم ملک سپہ سالار نے جو عمادالدین بلخ کا بیٹا اور ننگرہار کا امیر تھا رضی الملک کو گرفتار کرلیا اور زیر نگرانی رکھا۔

اچانک سلطان جلال الدین منکبرنی اور ملک خان (ہرات) غزنہ پہنچ گئے۔ ان کے پاس ترکوں، غور وتاجک کے امیروں، خلجیوں اور غذوں کی بے شمار فوج جمع ہوگئی۔ چنانچہ سلطان جلال الدین نے اس فوج کے ساتھ تخارستان کی طرف پیش قدمی کی۔ اس وقت تاتاری فوج قلعہ والیان (دراصل ولخ) کے پاس تھی اُسے شکست دی۔ پھر فوج کے ساتھ واپس آگیا۔

سلطان جلال الدین اور ملک خان (ہرات) کی آمد اور اسلامی لشکر کی فراہمی کا علم چنگیز کو ہوا تو اُس نے اپنے داماد فیقونوین کو ہرات وخراسان سے غزنہ کی طرف بھیج دیا۔ جب تاتاری پروان کی حدود میں پہنچے تو سلطان جلال الدین ان کے مقابلے کے لئے دوسری مرتبہ جا پہنچا اور ان سے جنگ کی، شکست دی اور بے شمار کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا تاتاری مزید چند مرتبہ آئے مگر ہر مرتبہ شکست کھائی۔

سلطان کے لشکر میں اغراق قبیلے کے آدمی زیادہ تھے۔ بڑے مرد میدان اور خونریز جنگوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ انہیں مال غنیمت کے متعلق عجمیوں اور عراقیوں سے عداوت ہوگئی چنانچہ وہ سلطان کے لشکر سے الگ ہوگئے اور دوسری طرف چلے گئے۔ سلطان کے ساتھ صرف ترک رہ گئے۔

شکست:۔

جب فیقونویین شکست کھا کر چنگیز کے پاس چلا گیا تو چنگیز کے پاس جتنی فوج تھی اُسے لے کر پشتۂ نعمان سے غزنہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ سلطان جلال الدین منکبرنی نے ملک خان (ہرات) اور دوسرے خوارزمی سرداروں کے ساتھ دریائے سندھ کے کنارے چنگیز سے جنگ کی۔ سلطان اور لشکر اسلام نے شکست کھائی۔ شکست خوردہ مسلمان دریائے سندھ میں کود پڑے۔ بعض غرق ہوگئے بعض نے شہادت پائی اور بعض کو قید کر لیا گیا۔ تھوڑے ہی سے دریائے سندھ سے سلامت نکلے۔ (۱)

قلعہ ولخ، طخارستان اور بامیان کے شہروں کے قلعوں کی تسخیر:۔

جب چنگیز خان کے فرمان کے مطابق ارسلان خان قیالق مسلمان اپنے لشکر نیز طولان چربی اور تاتاری سپاہ کے ساتھ ولخ گیا تو آٹھ مہینے قلعہ کا محاصرہ کئے بیٹھا رہا۔ اس قلعے کی کسی جانب سے راستہ نہ تھا۔ ارسلان خان نے تاتاریوں کو حکم دے دیا کہ اردگرد کے پہاڑوں سے درخت اور شاخیں کاٹ کاٹ کر قلعے کے آس پاس ڈالتے جائیں۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ تاتاری درے کو بھر دینے کا ارادہ کئے بیٹھے ہیں حالانکہ وہ ایک سو سال میں بھی بھر نہیں سکتا تھا کیونکہ بہت گہرا تھا۔

---

(۱) پروان۔ آقائے حبیبی فرماتے ہیں کہ پروان مشہور مقام ہے اور یہ نام اب تک باقی ہے۔ یہ سمت شمالی کابل میں ایک سرسبز و شاداب کوہسار کے اندر واقع ہے۔ کابل میں بادشمال کو (باد پروان) کہتے ہیں کیونکہ اُس کی جانب سے آتی ہے۔

رئیس کے بیٹے کی غداری:۔

اچانک آسمان سے بلا اور اللہ کی طرف سے قضا نازل ہوئی۔ رئیس ولخ کا بیٹا تاتاریوں کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے ایسا راستہ انہیں دکھا دیا جس سے ایک تیز رفتار پیادہ گذر سکتا تھا۔ ان پہاڑوں میں جا بجا طاق سے بنے ہوئے ہیں۔ تین روز تک تاتاریوں کو اس راستے سے لے جا کر طاقوں میں چھپایا جاتا رہا۔ جب خاصی تعداد جمع ہوگئی تو چوتھے روز صبح کو یہ تاتاری نعرے لگاتے ہوئے قلعہ پر جا پڑے۔ جو لوگ دروازے کی حفاظت کر رہے تھے انہیں قتل کر دیا۔ تمام دروازے محافظوں سے خالی کر دئے گئے۔ تاتاری قلعہ کے اندر پہنچ گئے اور تمام مسلمانوں نے شہادت پائی۔

تاتاری فوج ولخ سے فرمان کے مطابق فیوار قادس کے قلعہ پر پہنچ گئی اور اُس کا محاصرہ کر لیا۔ دعا ہے اللہ مسلمانوں کو فتح دے اور کافروں کو برباد کرے۔

تبصرہ:۔

طبقات ناصری جلد دوم کے باب پنجم کا مکمل متن پیش کرنے کی غرض وغایت، عبدالحئی حبیبی مصنف "تاریخ مختصر افغانستان" کے مندرجات (بہ سلسلہ تعین ادوار سلطان پکھل وسلطان بہرام وسلطان تومنا) کو درست کرنا ہے۔

۱۔ عبدالحئی حبیبی نے سلطان پکھل کا عہد (۸۰۰ھ) سلطان بہرام (۸۱۰ھ) اور سلطان تومنا (۸۱۵ھ) تحریر فرمایا ہے جو صریحاً غلط ہے۔

۲۔ عبدالحئی حبیبی نے اپنی کتاب کے ص ۱۷۳ پر خود بھی تسلیم کیا ہے کہ (۶۱۸ھ = ۱۲۲۱م) میں جلال الدین منکبرنی ہرات سے بلخ آیا اور اُس وقت اُسے امین الملک (ملک خان ہرات) سیف الدین اغراق، اعظم ملک ومظفر ملک رؤسائے افاغنہ کی مدد حاصل تھی اور جنہوں نے دو روز کی مسلسل جنگ کے بعد تاتاری لشکر کو پروان کے مقام پر شکست فاش دی اور چنگیزی فوج قلعہ ولخ سے محاصرہ اٹھا کر بھاگ نکلی۔ مگر جلال الدین کے اتحادی لشکر میں پھوٹ پڑ گئی اور پشاور

کی طرف نکل گئے۔ (۱) چنگیز خان نے پروان کی شکست کا بدلہ لینے کی غرض سے دریائے سندھ کی طرف رخ کیا اور اٹک کے جنوب میں جلال الدین خوارزم کو شکست فاش سے دوچار کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اعظم ملک ابن عماد الدین جو ننگرہار کا امیر تھا اور شلوزان و کرمان بطورِ تعلقہ اُس کے قبضے میں تھے جب کہ علاقہ ننگرہار سفید کوہ کی جنوبی حد تک سلطان بہرام کا مفتوحہ علاقہ تھا جس نے فوجی خدمات کے سلسلے میں شلوزان اور کرمان کا علاقہ بطورِ (Fief) اعظم ملک کو دئے تھے۔ اعظم ملک اگر (۶۱۸ھ = ۱۲۲۱/۲۲ء) میں پاروان کی جنگ میں بطورِ اتحادی شامل تھا تو اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ سلطان بہرام نے ۶۱۸ھ سے قبل نعمان اور ننگرہار پر قبضہ کر کے مملکت گبر کا قیام عمل میں لایا تھا۔ عبدالحیٔ حبیبی نے سلطان بہرام کو (۸۱۰ھ) کا حکمران لکھ کر صریح غلطی سرزد کی ہے۔ سلطان پکھل و سلطان بہرام (۶۰۰ھ) سے قبل کے حکمران ہیں۔ ان کا تعلق عہدِ غوری سے ہے نہ کہ عہدِ تیموری سے۔ اور یہ دونوں بہاؤالدین سام کے عہد کے فاتح ننگرہار و کشمیر ہیں۔

۳۔ چنگیز خان دریائے سندھ کے کنارے جلال الدین منکبرنی کو شکست دے کر خود اغراق قبیلے کے تعاقب میں گیری (گبری، گیبری) گیا، گیری (گبری، سوات، باجوڑ) مملکت گبر کا حصہ تھے جہاں سیف الدین اغراق (خلج) اپنے فوجیوں سمیت موجود تھا۔ "چنگیز نے تین مہینے گبری = سوات میں قیام کیا اور وہیں سے سلطان سعید شمس الدنیا والدین (شمس الدین التمش) کے پاس سفیر بھیجے۔ اُسکا ارادہ یہ تھا کہ فوج ہندوستان جائے اور پھر فراجل اور کامرود کے راستے چین چلا جائے۔ اگرچہ وہ اپنے طریقہ کے مطابق فال لینے کی غرض سے بکریوں کے شانے کی ہڈیاں جلاتا تھا، مگر جانے کی اجازت نہ ملتی تھی کہ ہندوستان میں داخل ہو۔" چنگیز کو سلطان شمس الدین حکمران دہلی کی طرف سے فراجل اور کامرود کا راستہ استعمال کرنے کی

---

(۱) ان اتحادیوں میں سیف الدین اغراق (خلج) اور اعظم ملک شامل تھے۔ مال غنیمت کی تقسیم پر اختلاف پیدا ہوا۔ گذشتہ اوراق راورٹی کے بیان سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔

اجازت نہ ملی۔ اتنے میں چنگیز خان کو تمغاج اور تنکت میں بغاوت کی خبر ملی تو وہ سوات میں تین ماہ قیام کے بعد براستہ کاشغر (چترال) ترکستان روانہ ہو گیا اور مملکت گبر کے لوگوں اور اغراقیوں (خلجیوں) کو اس کے غیض و غضب سے نجات مل گئی" چنگیز خان ولایت گبری (سوات) سے ترکستان روانہ ہوا تو اپنے بیٹے اوکتائی کو اس نے غور کی طرف بھیج دیا۔" (۱)

میجر راورٹی نے سوات میں (مملکت گبر میں) چنگیز خان کے قیام کی مدت تین ماہ (۶۲۰-۶۲۱ھ = ۱۲۲۳ - ۱۲۲۴ء) لکھی ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مملکت گبر کا قیام سلطان پکھل اور بہرام نے چنگیز خان کے حملے سے کافی عرصہ قبل کر لیا تھا اور یہ دونوں بھائی ۸۱۰ھ اور ۸۱۵ھ کے فرمانروا نہ تھے جیسا کہ عبدالحیٔ حبیبی نے لکھا ہے۔ بلکہ ۵۹۰ھ تا ۶۱۰ھ کے دور کے حکمران تھے۔ سید علی ہمدانی کے باب میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ سید علی ہمدانی کے دور میں سوات اور باجوڑ کے سواتی (گبری) حکمران سلطان غیاث الدین، سلطان علی الدین (علاؤ الدین) اور ملک خضر والئی باجوڑ تھے جن کا تذکرہ سید علی ہمدانی نے اپنی تحریروں میں کیا ہے۔ اور یہ تینوں حکمران سلطان فلہل اور بہرام کے نبیرہ گان تھے۔ اسلئے سلطان پکھل اور سلطان بہرام کو ۸۰۰ھ کے حکمران قرار دینا تاریخ کے ساتھ ناانصافی ہوگی۔ ان کا دور ۵۹۰ھ تا ۶۱۰ھ ہے۔

۴۔ بعض مورخین نے جذباتی انداز میں سلطان پکھل کے وجود سے انکار کر کے پکھلی کی وجہ تسمیہ کے بارے میں بھی غلط بیانی کی ہے۔ اور تاریخی حقائق کو درست پس منظر میں بیان کرنے سے عاری رہے ہیں۔

---

(۱) طبقات ناصری جلد دوم ص ۱۵۴/۱۷۵۔ ولایت گبری کو مختلف نسخوں میں کبری، گبری، گیبری لکھا گیا ہے مگر لفظ " گبری" درست ہے جو زردشتیوں کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ چنگیز خان کے حملے سے کافی عرصہ قبل تاجک گبری مسلمان ہو چکے تھے مگر اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھنے کے لئے وہ اپنے آپ کو گبری کہتے تھے۔

طبقاتِ ناصری میں مملکت گبر کو(گیری، کیری، گبری، گیبری) لکھا گیا ہے۔ (۱)

میجر راورٹی نے اپنی تصنیف Notes on Afghanistan and Bluchistan کے صفحہ ۱۵۶ پر میجر بلیو(Bellew) کی "تاریخ کاشغر" کے حوالے سے لکھا ہے:۔

"He (Changiz Khan) went into winter quarters in Gibari or the Gibar country - (the country of the fire-worshipers, now known as Pakli and Swat to wait the return of his envoys to the emperor of Hindustan "Sultan Saeed". I (Major Raverty begs to observe).......... that there never was a Sultan of Delhi called Said but Sultan-i-Said signifies the "August Sultan"), and, when the Chingiz Khan invaded the Countries west of the Indus, in pursuit of Sultan Jalal-ud-Din, the Khwarzam Shah, the "August Sultan" Shamsud-Din, -I-Yal-Timish reigned at Delhi)- to ask permission of a passage to Chin, through Farajal and Kamsud,... his envoy at the same time returning with unfavourable reply, Chingiz at once set out across the snowy mountains while it was "yet winter, and with great difficulty and loss of life, made his way by Kabul and Kashghar to Turkistan" (*P. 156 of Notes*)

And Major H. G. Raverty adds:-

"In the spring of 620 H (1223 AD) he (Changiz Khan) broke up his camp in the Gibari country near Parshawar taking the same very route as he had entered the Ghaznin territory by, through Bamian and Tukharistan." (p. 156 Notes)

and adds further that: - "The Badshahs of Badakhshan,

---

(۱) طبقاتِ ناصری از منہاج سراج جوز جانی ص ۱۶۱ حاشیہ نمبر ۴ اور ص ۱۷۵

who were Muslmans, who claimed descent from Sikander-i-Zul-Karnain, and who had hitherto been independent, and joined Amir Timur against Amir Hussain." (p. 156 Notes)

مذکورہ بالا طویل نوٹ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

۱۔ چنگیز خان نے جلال الدین خوارزم شاہ اور اغراقیوں کے تعاقب میں مملکت گبر(سوات) میں ڈیرے ڈالے اور ۶۲۰ھ = (۱۲۲۳ء) میں اپنا کیمپ اٹھایا۔

۲۔ تاجک سوادیوں نے ۶۲۰ھ سے قبل مملکت گبر قائم کر لی تھی جس سے ظاہر ہوا کہ سلطان بہرام اور سلطان پکھل نے چھٹی صدی ہجری کے آخری دور میں نعمان، کونڑ، ننگرہار، سوات، باجوڑ، بنیر، اشنغر اور پکھل (ہزارہ) میں حکومت قائم کر لی تھی اور یہ مملکت گبر پشاور کے قریب شمال مشرق میں واقع تھی۔

۳۔ بدخشاں کے بادشاہ بھی سلطان سکندر ذوالقرنین کی اولاد سے تھے اور مسلمان تھے اور اُن کی خود مختار حکومت تھی جنہوں نے بعد میں امیر حسین کے مقابلے میں امیر تیمور کا ساتھ دیا تھا۔

اپنی کتاب کے ص ۱۲۸ پر ایچ جی راورٹی لکھتا ہے:۔

"The Gibaris were orthodox Muslims and had been for a very long period. The people called Arabs and Gibaris from what is stated at page 117, are not one and the same people."

(گبری کٹر مسلمان تھے اور کافی عرصہ سے مسلمان چلے آرہے تھے۔ وہ لوگ جن کو ص ۱۱۷ پر گبری اور عرب لکھا گیا ہے وہ ایک (قبیلہ) نہیں ہیں۔"

قلعہ گبر کے سلسلے میں ص ۱۱۷ پر راورٹی لکھتا ہے:۔

"When Babar Badshah acquired pre-dominance over it, after carrying on hostilities, against Sultan Haider Ali, the Swadi or Swati, (Gibri) by attacking and capturing that fortress, he caused

it to be demolished. Upto this day they call that place Gibar. Near by it (i.e. in that neighbourhood) is a small village called Kan-Bat where a few hundred families of the former ruling race - the Arab -- dwell, who are styled Iskandari....."

مفہوم :۔

بابر بادشاہ نے سلطان حیدر علی سوادی (گبری) کے خلاف جنگوں میں کامیابی کے بعد قلعہ گبر پر) قبضہ کیا تو اس کو مسمار کرا دیا۔ آج تک اس جگہ کا نام گبر ہے۔ اس کے قریب ایک چھوٹا سا گاؤں جس کا نام " کان بٹ " ہے جس میں سابقہ حکمران خاندان (عرب) رہتے ہیں اور ان کو اسکندری کہتے ہیں) اور اسکندری کی مزید تشریح کرتے ہوئے کان بٹ کے مکینوں کے متعلق ص ۱۵۱ پر راورٹی لکھتا ہے:۔

"Setting from Pashat of Babu-Kara you go three kuroh in the direction of north to Kan-Bat, a small villege peopled by the Arab sept or tribe..... who are known as Sikandari (that is to say Alexanderine)"

[درہ بابوکرہ (بابوکارا) کے (قصبے) پشت سے تین کروہ کے فاصلہ پر " کان بٹ " کا گاؤں ہے جس میں عرب قبیلہ کے لوگ رہتے ہیں جن کو اسکندری کہا جاتا ہے یعنی (سکندرِ اعظم کی نسل)]

اور صفحہ ۱۵۱ پر ننگر ہار کا ذکر کرتے ہوئے سلطان بہرام کے متعلق لکھا ہے:۔

"This place, Sultan Behram, a descendant of Sultans of Pich, who claimed descent from a son of Alexandar of Macedon, took possession of, and conquerred the tracts up as for as sufed koh of Nangarhar and drove out a tribe .... called Budni..."

یہ جگہ ننگر ہار سلطان بہرام نے جو اپنے آپ کو اسکندر مقدونی کے بیٹے کی اولاد ظاہر کرتا

تھا، قبضہ میں لے کر ننگر ہار کے کوہ سفید تک کا علاقہ فتح کر کے یہاں کے باشندوں کو جو بدنی (بدھ) تھے نکال دیا۔

مذکورہ بالا حوالوں سے ہم مزید نتائج اخذ کرتے ہیں:۔

۱۔ قلعہ گبر کا حکمران ملک حیدر علی، گبری سوادی تھا۔ قلعہ گبر کو بابر بادشاہ نے فتح کر کے مسمار کرا دیا تھا۔ یہ جگہ آج تک گبر کہلاتی ہے۔ (بابر نے تزک بابری میں قلعہ گبر کے مسمار کرانے کا ذکر نہیں کیا)

۲۔ قلعہ گبر سے تین کروہ کے فاصلہ پر " کان بٹ " نامی گاؤں میں سابقہ حکمران خاندان (جو نسباً عرب ہیں) کے لوگ رہتے ہیں۔ اور یہ لوگ اپنے آپ کو سکندر مقدونی کی نسل سے ظاہر کرتے ہیں۔ (اپنے آپ کو اسکندری کہتے ہیں)

۳۔ سلطان بہرام فاتح ننگر ہار نے بھی اپنے آپ کو سکندر مقدونی کے بیٹے کی نسل سے ظاہر کیا ہے۔

مذکورہ بالا اقتباسات اور نتائج کا مجموعی نقشہ کچھ اس طرح ہے۔ کہ مملکت گبر کا وجود ۶۲۰ ھ (چنگیز کے حملے) سے قبل تھا۔ اور یہ گبری سلاطین جنہوں نے نعمان، کونڑ، ننگر ہار، سوات، باجوڑ، بنیر، پکھلی (ہزارہ) تا بحدے بارہ مولا اور اشنغر فتح کئے تھے اپنے آپ کو سلطان سکندر ذوالقرنین کی اولاد بتاتے تھے (جو بقول راورٹی سکندر مقدونی تھا)۔

سلطان بہرام (اور سلطان فکہل ہر دو برادران) سلطانان پیچ (کنڑ) کی نسل سے تھے۔ درہ پیچ کونڑ کی ایک مشہور وادی ہے (اور اس کے علاوہ کونڑ کی ایک اور وادی ہے جو درہ نور کہلاتی ہے)۔ بدخشاں کے بادشاہ بھی اپنے آپ کو سکندر ذوالقرنین کی نسل بتاتے ہیں۔ یعنی سکندر مقدونی کی اولاد سے بمطابق راورٹی)۔ گویا کہ بدخشاں کے بادشاہوں، سوات باجوڑ کے گبری سلاطین اور کان بٹ (Kan-Bat) کے مکینوں میں ایک قدر مشترک ہے کہ یہ سب کے سب سکندر ذوالقرنین کی اولاد ہیں جس کو راورٹی نے اسکندر مقدونی تصور کیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر یہ سب ہم نسب اور ہم قوم ہیں۔ اس اعتبار سے کان بٹ کے لوگ ایرانی یا مقدونی تو ہو سکتے

ہیں مگر عرب نہیں ہوسکتے کیونکہ عرب اپنے آپ کو ایرانی ومقدونی نہیں کہلاتے ۔ وہ خالصتاً سامی الاصل اسماعیلی ہیں۔ وہ نہ تو سکندر ذوالقرنین کی اولاد ہیں اور نہ ہی اسکندر مقدونی کی نسل سے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ موضع کان بٹ (Kan-Bat) کے مکین عرب نہیں بلکہ اسکندری کہلانے کے سبب اسکندر ذوالقرنین کی نسل سے ہیں اور گبری تاجک ہیں۔ قلعہ گبر کے متصل پہاڑی درے میں ان کا قیام بھی اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ وہ گبری حکمران گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر یہ واقعی عرب ہیں تو پھر ان کو اسکندری کہنا درست نہیں۔

میجر راورٹی کے بیان سے واضح ہوجاتا ہے کہ بدخشاں، کونڑ، نعمان، ننگر ہار، باجوڑ، سوات، بنیر، اشغر اور پکھل (ضلع ہزارہ) کے حکمران ہم نسب وہم قوم تھے۔ بدخشاں کے حکمران آزاد اور جداگانہ حیثیت سے حکمرانی کرتے تھے جبکہ کونڑ، نعمان، باجوڑ، سوات، بنیر، اشغر، پکھلی (ضلع ہزارہ) وکشمیر پر سلطان پکھل کی حکمرانی تھی۔ نعمان، ننگر ہار پر سلطان بہرام کی حکمرانی تھی۔ مگر سلطان پکھل کے فرزندوں میں باپ کی وفات کے بعد خانہ جنگی شروع ہوگئی اور خدشہ تھا کہ مفتوحہ علاقے ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ چنانچہ سلطان بہرام نے غوری تاجک اور غز ترکمان فوجوں کی مدد سے ان تمام علاقوں کو دوبارہ فتح کیا جو سلطان پکھل کی قلمرو میں شامل تھے اور اسطرح کابل سے کشمیر تک مملکت گبر کا قیام عمل میں لایا جو چنگیز خان کے حملے سے قبل قائم ہو چکی تھی۔ اعظم ملک ابن عمادالدین بلخی سلطان بہرام کا سپہ سالار تھا جس کو فوجی خدمات کے عوض شلوزان اور کرمان کا علاقہ دیا گیا تھے۔ (۱)

عمادالدین بلخی کے متعلق آقائے علی اکبر دہخدا مصنف "لغت نامہ" نے ص ۲۹۱ - ۲۹۲ پر درج ذیل معلومات فراہم کی ہیں:۔

---

(۱) طبقات ناصری ص ۱۴۶، تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۱۷۳ اور نوٹس آن افغانستان و بلوچستان از میجر راورٹی ص ۵۲

عمادالدین بلخی:۔

"وی صاحب بلخ بود واز امراء وبزرگانی بشمار می رفت کہ سلطان محمد خوارزم شاہ در زمان حیات خود آناں راز ندانی ساختہ بود۔ ترکان خاتون کہ با حرم سلطان محمد وکودکان خرد سال ونفائس خزائن قصد ترک خوارزم (درھنگام حملۂ مغول) داشت بہ ایں خیال کہ فتنۂ مغول بہ زودی خواہد خوابید وسلطنت خوارزم شاہیان مستقر خواہد گردیداں امراء وبزرگان را کہ عمادالدین نیراز آناں بود بہ آب جیحون انداخت تا مبادا بعد ھادعی خوارزمشاہیان گردند۔ (از تاریخ مغول عباس اقبال ص ۴۳)

مفہوم:۔

عمادالدین بلخ کا امیر تھا اور امراء اور بزرگوں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ جن کو سلطان محمد خوارزم شاہ نے اپنی زندگی میں قید کردیا تھا۔ ترکان خاتون (والدۂ خوارزم شاہ) نے سلطان محمد کی حرم اور خورد سال بچوں کے ساتھ جب مغلوں کے حملے کے وقت خوارزم کو ترک کرنا چاہا اور نفائس و خزائن بھی ساتھ لے گئیں تو اُس نے ان تمام امراء کو دریائے جیحون میں ڈبو دیا۔ اس خیال سے کہ مغلوں کا فتنہ جلد فرو ہوجائے گا اور اُس کے بعد کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ امراء خوارزم شاہی سلطنت کے دعویدار بن بیٹھیں۔

مذکورہ بالا تفصیل سے ثابت ہوتا ہے کہ عمادالدین بلخی جو نسباً تاجک غوری تھا امراء کے اُس گروہ سے تعلق رکھتا تھا جو خوارزمی حکومت کے دعویداروں میں شمار ہوتے تھے۔ اور اسی سبب سے ترکان خاتون نے دیگر امراء کے ساتھ دریائے جیحون میں ڈبو دیا تھا اعظم ملک اور سیف الدین اغراق کا مال غنیمت پر اختلاف کے باعث خوارزم شاہ کی مدد سے دست بردار ہونے کا ایک سبب عمادالدین بلخی کی موت بھی ہوسکتی ہے کیونکہ اعظم ملک نے باپ کی وفات کے بعد معاندانہ رویہ اپنائے رکھا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سلطان پکھل اور سلطان بہرام جو سلاطین پیچ (کنڑ)

کی نسل سے تھے، غوری تاجک تھے اور لغمان ننگرہار، باجوڑ، سوات، بنیر واشنغر و پکھلی (ہزارہ) کی فتح میں عماد الدین بلخی نے فوجی امداد فراہم کی اور اعظم ملک ابنِ عماد الدین بلخی سلطان بہرام کا سپہ سالار تھا جس کو ننگرہار کے مفتوحہ علاقے سے شلوزان اور کرمان کا علاقہ فوجی خدمات کے صلہ میں بطورِ تعلقہ (Fief) دیا گیا تھا۔ سلطان پکھل کی افواج میں غوری تاجکوں (سواتیوں) کے علاوہ غز خلج ترک اور کنکولی ترکمان اعظم ملک کے زیرِ کمان شامل تھے۔ سلطان بہرام نے اپنے ہم نسب تاجک غوریوں (سواتیوں) اور غز اور کنکولی ترکوں کی مدد سے پکھلی (ہزارہ) کا علاقہ تا بحدے بارہ مولا اور دریائے جہلم فتح کیا تھا اور پکھلی (ہزارہ) کے علاقہ میں ترکوں کو بسا کر اپنی قلمرو یعنی مملکت گبر میں شامل کر لیا تھا اور ہندو رعایا کو بارہ مولا کے مشرق و جنوب میں دھکیل دیا تھا۔ پکھلی کا علاقہ سلطان پکھل کے نام سے منسوب ہو کر مملکت گبر کا حصہ بن چکا تھا جس کا مرکز ابتداء میں پاپین (در دامنہ کوہ سفید) تھا۔ سلطان بہرام کشمیر کی فتح کے بعد واپسی پر کوٹ (۱) ننگرہار میں فوت ہو گیا اور اس کے بعد حکومت اس کے بیٹے سلطان تومنا کے پاس رہی۔ چنگیز خان کے حملے کے وقت سلطان فلہل (پکھل) اور سلطان بہرام وفات پا چکے تھے اور اس وقت مملکت گبر کی فرمانروائی سلطان تومنا کے پاس تھی۔ قبیلہ تاجک غوری (سواتی) کی حکمرانی ان مفتوحہ علاقوں پر امیر تیمور گورگان کے حملے تک بدستور قائم رہی۔ امیر تیمور نے بدخشاں، ننگرہار اور نعمان کو فتح کر کے اپنی قلمرو میں شامل کر لیا مگر سوات، باجوڑ اور پکھلی ہزارہ سے کوئی تعرض نہ کیا کیونکہ امیر تیمور کے حملے سے قبل بنیر، سوات، باجوڑ کی تین ولایتوں کا (بحیثیت پکھلی سرکار) کشمیر سے الحاق ہو چکا تھا اور کشمیر کے حکمران سلطان اسکندر بت شکن نے امیر تیمور کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ بنیر، سوات اور باجوڑ کا کشمیر سے الحاق سلطان علاؤ الدین (۷۴۸ھ تا ۷۷۵ھ)

۱۔ تذکرۃ الابرار والاشرار از اخون درویزہ ص و نوٹس از میجر راورٹی ص ۱۵۱

حکمران کشمیر کے زمانے میں ہو چکا تھا۔ کشمیر کے شاہ میری سلاطین بھی سوات کے گبری سلاطین کے گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔ اس موضوع پر آئندہ اوراق میں بحث کی جائیگی۔ البتہ جیسا کہ سید علی ہمدانی کے باب میں بتا دیا گیا ہے کہ امیر تیمور کے حملے سے کچھ عرصہ قبل (۷۳۰ھ تا ۷۸۶ھ) سوات اور بنیر پر سواتی سلاطین غیاث الدین و علی الدین (علاؤ الدین) کی حکمرانی تھی جو سید علی ہمدانی اور کشمیر کے سلاطین، سلطان علاؤ الدین (۷۴۶ھ - ۷۷۵ھ) سلطان شہاب الدین (۷۵۵ھ - ۷۷۵ھ)، سلطان قطب الدین (۷۷۵ھ - ۷۸۶ھ) اور سلطان اسکندر بت شکن (۷۹۶ھ - ۸۲۰ھ) کے معاصرین تھے۔ باجوڑ کا حکمران ملک حضر (سواتی گبری) تھا جس کی حدود میں قلعہ گبر کے قریب سید علی ہمدانی کا ۷۸۶ھ میں انتقال ہوا تھا۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ عماد الدین بلخی کی حمایت اور اعظم ملک سپہ سالار کو شلوزان اور کرمان کا علاقہ بطورِ تعلقہ تفویض کرنے سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ درہ پیچ کے گبری سواتی سلاطین (سلطان پکھل اور سلطان بہرام) کا سلاطین بلخ سے نسبی رشتہ تھا اور یہ غوری تاجک تھے۔ فرق اتنا تھا کہ بدخشاں کے حکمران اور درہ پیچ کے سلاطین (سلطان پکھل و بہرام ابنِ سلطان کبجامن ابن سلطان ہندو) غوری تاجکوں کی اُس شاخ سے تھے جو اپنے آپ کو سلطان سکندر ذوالقرنین کی اولاد بتاتے تھے یا بہ روایت ابو الفضل آئین اکبری و سیر المتاخرین اسکندر ذوالقرنین کی دختری اولاد سے تھے۔ نسبی اعتبار سے سیستان کے خاندانِ رستم دار سے تعلق رکھتے تھے۔ اس پہلو پر آئندہ اوراق میں مزید بحث کی جائیگی۔

راورٹی نے اپنے نوٹس کے ص ۱۵۱ پر ان مفروضہ عربوں کے متعلق لکھا ہے:۔

"It is quite a mistake to suppose that, as has been stated in a recent compilation, that these 'so called' Arabs either came with Timur Lang or that they have colonised Bajawr, Peshawar and Paghman." where they are to be found in Pehawar, the chronicler sayeth not. They are the ancient---the most ancient, as

for as we know--- inhabitants of Bajawar, and had been settled therein centuries before the appearance of Afghans in that territory, and long anterior to Amir Timur's day. It is amazing to find that those enthusiasts who would make out the Afghans or Pathans to be the Paktves (Paktavis - Paktake) of the Greeks, the "Kakars" to be "Dadicae" the "Afridis" "Aparytoe" and such like nonsense, do not take into least account the various tribes of people whom the Afghans found in the tracts north of the river Kabul when they first entered them, several tribes of which have been mentioned in these "Notes".

ترجمہ:۔

"یہ فرض کرنا بالکل غلط ہے، جیسا کہ بعض لوگوں نے حال ہی میں ان عربوں کے متعلق لکھا ہے کہ یہ عرب امیر تیمور کے ساتھ آئے ہونگے۔ یا یہ کہ یہ خود باجوڑ پشاور اور پغمان میں آ کر آباد ہو گئے۔ تاریخی ریکارڈ میں پشاور میں یہ کہاں آباد ہوئے؟ یہ (عرب) باجوڑ کے قدیم، بلکہ قدیم ترین باشندے ہیں جہاں تک ہمیں معلوم ہو سکا ہے۔ اور یہ افغانوں کے یہاں آنے سے صدیوں پہلے مقیم تھے بلکہ امیر تیمور کے حملے سے بھی کافی پہلے سے یہاں آباد تھے۔ بعض جوشیلے (مورخین) یونانی پکتولیس کو افغان اور پٹھان سمجھتے ہیں اور اسی طرح افریدیوں کو اپریتائے اور کاکڑ کو (دادیکے) اور اس قسم کے اور فضول تجزئے کرتے ہیں۔ مگر انہوں نے افغانوں کی آمد سے قبل دریائے کابل کے شمال میں بسنے والے قبیلوں کے متعلق کوئی ذکر تک نہیں کیا۔ جن کا ان نوٹس میں ذکر کیا گیا ہے۔"

راورٹی کے اس بیان کے مطابق عرب باشندے بھی باجوڑ کے قدیم باشندوں میں ہیں اور یہ لوگ امیر تیمور کے زمانے سے بہت پہلے یہاں (باجوڑ میں) موجود تھے۔ راورٹی کے اس تجزئے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان عربوں اور گبریوں کی آمد کا زمانہ ایک ہی ہے اور اگر یہ فرض کرلیا

جائے کہ یہ عرب گبریوں سے بھی پہلے موجود تھے تو پھر ہمیں یہ ماننا پڑے گا کہ گبریوں نے ان عربوں سے حکومت چھینی ہوگی مگر تاریخی اعتبار سے یہ غلط ہوگا کیونکہ ننگرہار کی فتح کے سلسلے میں راورٹی نے خود تسلیم کیا ہے کہ سلطان بہرام نے ننگرہار کا علاقہ بدھ مذہب کے ترکوں سے فتح کیا تھا اور اس وقت عرب ننگرہار یا باجوڑ میں موجود نہ تھے۔ یہ تمام علاقہ بدھ مذہب کے پیروکاروں کے قبضہ میں تھا۔ دوسری اہم بات یہ ہے کہ "فتوح البلدان" اور تاریخ طبرستان یا تاریخ سیستان کے مطابق عرب تیسری صدی ہجری تک بدخشاں اور کنڑ میں عباسیوں کے ابتدائی دور میں آباد ہوئے ہونگے تو بلخ اور کابل میں پھیل گئے تھے مگر دریائے کابل کے شمال مشرق میں سامانیوں کا دور ۲۷۹ھ تا ۳۸۹ھ ہے۔ امیر المومنین مامون جب مرو آئے تو اسد بن سامان اور اس کے چار بیٹوں کی دانائی اور فراست سے متاثر ہوئے۔ مامون نے غسان بن عباد کو خراسان کا والی بنا دیا جس نے اسد کے چاروں بیٹوں کو ولایتیں دے دیں۔ احمد بن اسد سمرقند فرغانہ، مرو، کاشغر و ترکستان و چین کا والی مقرر رہا۔ اُسی کے زمانے میں غوری تاجک گبریوں نے بدخشاں اور کونڑ میں مقامی سلطنتیں قائم کیں۔ چونکہ سامانی عباسی سلطنت کے مقرر کردہ گورنر اور حاکم تھے اسلئے ممکن ہے کہ کچھ عرب بھی بلخ، سمرقند اور بدخشاں وغیرہ علاقوں میں خراج کی نگرانی اور وصولی کی خاطر عباسی حکومت کی ایما پر غسان بن عباد والیٔ خراسان کی منظوری سے ان علاقوں میں مقرر ہوئے ہوں اور ان کی اولاد نے بدخشاں، کونڑ اور باجوڑ کے علاقے میں مستقل قیام کر لیا ہو اور خراج کی وصولی اور تعین کے سلسلے میں مقامی حکمرانوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہوں جس کے باعث ان عربوں نے بھی اپنے آپ کو سابقہ حکمران گھرانے کے افراد ظاہر کیا ہو جس کے سبب راورٹی نے کان بٹ کے عرب مکینوں کو بھی حکمران گھرانے کے افراد ظاہر کیا ہے۔ اگر یہ قیاس قبول کر لیا جائے کہ یہ عرب وصولی خراج کے سلسلے میں باجوڑ، بدخشاں اور ہندوکش کے دیگر علاقوں میں آ کر آباد ہوئے ہونگے تو تب بھی ان کو اسکندری یا اسکندر ذوالقرنین کی اولاد نہیں کہا جا سکتا۔ کان بٹ کے لوگ یا تو خالصتاً عرب ہو سکتے ہیں یا وہ حکمران گبری گھرانے کے تاجک گبری ہیں اسلئے انہوں نے اپنے آپ کو اسکندری (اولاد اسکندر ذوالقرنین) ظاہر کیا ہے۔ (حدود العالم) کے مطالع سے معلوم

ہوتا ہے کہ فضل برمکی نے بدخشاں کی سرحد پر موضع (جرم) میں ایک چیک پوسٹ تعمیر کی تھی جسے درتبت (درتازیان=عربوں کا دروازہ) کہتے تھے اس چیک پوسٹ سے گذر کر قافلے واخان میں داخل ہوتے تھے یہ قصبہ بلخ کی آخری مشرقی سرحد پر تھا اس علاقے میں عرب مسلمانوں کے علاوہ مقامی گبری (زردشتی) بھی رہتے تھے جن میں بعض لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔(۱)

مغربی افغانستان میں لشکر اسلامی کی فتوحات حضرت عمرؓ کے زمانے میں شروع ہوئیں جب اسلامی لشکر نے ۱۶ھ میں ساسانی بادشاہ یزدگرد کو جلالہ (جلولا) کے مقام پر شکست دی اور بعد میں ۲۰ھ میں نہاوند کی جنگ میں دوبارہ شکست دے کر خراسان کی طرف بھگا دیا تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم کے مطابق احنف بن قیس نے یزدگرد کے تعاقب میں خراسان پر حملہ کر دیا اور خراسان کے اکثر علاقے بذریعہ صلح فتح کر لئے اور اس وقت مغربی افغانستان اور غور پر ماہویہ سوری کو حکمران مقرر کیا جس نے مرو کو اپنا مرکز بنایا۔ ماہویہ سوری نے یزدگرد کو مروا دیا۔ حضرت علیؓ کے عہد میں ماہویہ سوری کوفہ گیا اور خراسان کے مرزبانوں اور دہقانوں سے خراج اور جذیہ اکٹھا کرنے کا پروانہ حاصل کیا۔ البلازری کے قول کے مطابق ۲۳-۲۲ھ میں عبداللہ بن بدیل خزاعی کی سرکردگی میں اسلامی لشکر قلعہ طبس اور قلعہ کرین کو فتح کر کے گرم سیر کی سرحد تک پہنچ گیا جبکہ ۲۳-۲۲ھ میں اسلامی لشکر عبداللہ بن عامر کی سرکردگی میں کرمان کو فتح کرنے کے بعد سیستان پر حملہ آور ہوا اور مرزبان زرنگ (زرنج) نے صلح کر لی۔ ماہویہ سوری اپنے اقتدار کو وسعت دے کر بلخ، ہرات اور بخارا کو فتح کر کے اپنے تسلط میں لے آیا۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں عبداللہ بن عامر نے کابل فتح کیا۔ بلخ، مرو، ہرات، تخارستان پر حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسلمانوں نے قبضہ کیا تھا۔

ان فتوحات کے بعد عرب فاتحین ان علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے اور ان مفتوحہ علاقوں میں خصوصاً ہرات، زرنج، بلخ و مرو میں آباد ہو گئے تھے اور عربوں اور مقامی لوگوں کے

---

(۱) حدودالعالم (کمنٹری از V.MNORSKY) ص۱۲۰

اختلاط سے ایک نئے تمدن کا آغاز ہوا۔ سامی الاصل عربوں اور آریائی افغانستان کے تمدن کے اختلاط اور عربی آداب و رسوم کا افغانستان میں نفوذ سے علم و ادب اور تہذیب نے نیا رخ اختیار کیا۔ سنسکرت زبان متروک ہونے لگی اور اوستائی زبان سے پہلوی اور پھر دری زبان نے ترقی پائی۔ دری زبان میں عربی الفاظ کے اختلاط سے علم و ادب میں نئی جہتیں اور وسعتیں نمودار ہوئیں اور فارسی زبان وجود میں آئی۔ بلخ، بخارا اور سمرقند اسلامی علوم خصوصاً تفسیر، حدیث وغیرہ میں افغانی و ایرانی علمانے کارہائے نمایاں انجام دئے۔ اس پس منظر میں یہ امر یقینی ہے کہ کچھ عرب باجوڑ، بدخشاں وغیرہ علاقوں میں بھی آ کر آباد ہوئے ہونگے مگر ان کی اکثریت یا تو علمائے دین کے طبقے سے تھی یا مقامی حکمرانوں کے ساتھ بہ سلسلہ ملازمت یا تجارت وابستہ تھے۔

گبر یا گبری کی وجہ تسمیہ:۔

میجر راورٹی لکھتے ہیں کہ سواتیوں کی تین شاخیں ہیں۔ گبری، متراوی اور ممیالی۔ یہ تینوں شاخیں ایک ہی نسب سے تعلق رکھتی ہیں۔ البتہ میجر راورٹی اور چند دیگر مورخین نے ان کی سماجی تقسیم کرتے ہوئے سلاطین سواد کو گبری لکھا ہے جبکہ باقی شاخوں (ممیالی اور متراوی) کو دیگان یا دہگان لکھا ہے۔ "سلطانی" اور "دہگان" دراصل ایک ہی قبیلہ ہیں جن کو مورخین نے تاجک لکھا ہے۔ مگر بعض مورخین کی رائے کے مطابق تاجیک ان عربوں کی اولاد ہیں جنہوں نے خراسان اور کابل کی فتح کے بعد ان علاقوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی اور عجمی عورتوں سے شادیاں کر لی تھیں۔ تاجک ان عجمی عورتوں کی اولاد ہیں۔ اگر اس مفروضے کو درست مان لیا جائے تو تب بھی قبیلہ سوادی کے گبری حکمران اس زمرے سے خارج نظر آتے ہیں کیونکہ "گبر" یا "گبری" قبل از اسلام زرتشتیوں (Zaraostrians) کیلئے استعمال ہوا ہے اور قدیم تاریخ ایران اور عربوں کی ابتدائی تاریخ اس ضمن میں مستقل شہادت پیش کر رہی ہیں۔ کہ ۳۲ھ کے بعد عہد اسلام کے فاتحین کو خراسان اور مغربی افغانستان میں "گبریوں" سے نبرد آزما ہونا پڑا جو عقیدے کے اعتبار سے زردشتی (آتش پرست تھے)۔ اس سے عیاں ہوجاتا ہے کہ گبریوں، ممیالیوں اور متراویوں کو تاجک کہنا بھی درست نہیں۔ بلکہ یہ لوگ اپنی اصل کے مطابق پارسی

(فارسی۔ایرانی یا سیستانی) ہیں اور قدیم عقیدے کے مطابق زردشتی (آتش پرست) ہیں اور اسی مدنیت کے سبب یہ گبری یا مغ کہلاتے ہیں۔اس لئے مناسب ہوگا کہ " گبر" اور " گبری" کی تشریح کی جائے تاکہ قبیلہ سوادی کی بیخ وبن کا صحیح اندازہ ہوسکے۔

گبر:۔

آقائے علی اکبر دہخدا نے اپنی تالیف " لغت نامہ" میں لفظ گبر اور گبری کی تشریح صفحات ۹۴ تا ۱۰۰ پر بڑے خوبصورت انداز میں تاریخی اور ادبی حوالوں سے کی ہے۔لکھتے ہیں " گبر" دراصل "مغ" ہیں۔

" گبر" (مغ) آتش پرست، مجوس، زردشتی بہ دین ہیں۔یہ لوگ مجاور آتش کدہ اور قاضی گبراں (زردشتیاں) ہیں۔لیکن پورداؤد کے عقیدہ کے مطابق لفظ " گبر" لغت آرامی کے موافق لفظ" کافر" کا ہم ریشہ ہے جسے عربوں نے بے دین کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔ترکی میں لفظ گبر کو" گور" لکھا جاتا ہے جسے ایسے لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو مطلق مشرک اور بیرون از دین ہوں۔مگر مسلم ایران میں اس کا اطلاق زردشتیوں پر ہوتا ہے۔اور حرف " ک" کے اضافے سے اسمِ تحقیر میں بدل کر" گبرک" اور" گبرکی" استعمال ہوا ہے یعنی گبر کو گبرک اور دین زردشتی کو گبرکی لکھا گیا ہے۔مسلمانوں نے اس لفظ کو نہ صرف زردشتیوں بلکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے بھی استعمال کیا ہے جن کو مسلمان اپنے عقیدے کے مطابق " بے دین" تصور کرتے تھے۔ مثلاً فردوسی نے لکھا ہے:۔

کہ دین مسیحانہ دارد درست

رہ گبرکی ورزد وزند واست

یا عنصری نے لکھا ہے:۔

تو مردِ دینی ایں رسم رسمِ گبراں ست

روا نہ داری بر دین گبرکاں رفتن

مزدلیسنا تالیف ڈاکٹر معین کے ص ۳۹۵ پر درج ہے کہ لفظ گبر کی بنیاد ایرانی نہیں بلکہ یہ

عربوں کے کلمۂ " کافر" سے مشتق ہے۔لفظ " کافر" چونکہ ایرانیوں کے لئے بیگانہ تھا اسلئے انہوں نے اسے بہ ہیئت " گبر" اور " گور" استعمال کیا اور ایران سے ہمسایہ ممالک میں اس کلمہ نے رواج پایا۔ایرانی چونکہ عربوں کے حملوں کے ابتدائی دور میں سامی اور عرب لغت سے واقف نہ تھے، اور نہ ہی وہ عرب لغت کے الفاظ کو صحیح ادا کر سکتے تھے اسلئے ابتداء میں وہ نماز بھی فارسی زبان میں پڑھا کرتے تھے۔اور مسجد کے لئے لفظ " مزکت" استعمال کیا کرتے تھے۔مثلاً شاعر سوزنی لکھتے ہیں:۔

تو مشرف تری ز ہر مردم

ہچو بیت الحرام از مزکت

اسی طرح " گبر"، " گبرک" اور " گبرکی" بمعنی دین زردشتی فارسی نظم اور نثر میں بہت استعمال ہوا ہے۔

فردوسی لکھتے ہیں:۔

بہ فرمان یزداں چو ایں گفتہ شد

نیالیش ھمانگہ پذیرفتہ شد

بہ پیرید سیمرغ و برشد بابر

ھمین حلقہ زد بر سر مرد گبر

زکوہ اندر آمد چو ابر بہار

گرفتہ تن زال را در کنار

اسی طرح "عالم آرائے عباسی" تالیف اسکندر بیگ ترکمان (جو شاہ عباس بزرگ کا منشی تھا) نے شاہ طہماسپ کے گرجستان پر حملے کا ذکر کرتے وقت گرجستان کے لوگوں کو" گبر" لکھا ہے حالانکہ گرجستانی اُس وقت عیسائی تھے اور اب بھی وہاں عیسائی موجود ہیں۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مورخین نے لفظ" گبر" کو جہاں زردشتی کے معنی میں استعمال کیا وہاں اسے عیسائیوں اور یہودیوں کے لئے بھی استعمال کیا ہے کیونکہ یہ لوگ اسلامی عقیدہ کے مخالف بے دین تصور ہوتے

تھے۔ بے دینی کے اس تصور کو مدِ نظر رکھتے ہوئے زردشتیوں نے اپنے لئے " گبر " کے بجائے "بھدین" (Behen Din) کا لفظ استعمال کرنا شروع کیا۔ یعنی دیندار۔

فرانس کا تاجر تاورنیہ (Tavernier) نے خرید وفروخت کے سلسلے میں گبریوں کے مابین تین ماہ گذارے، لکھتا ہے کہ کرمان میں دس ہزار سے زائد زردشتی موجود ہیں جو پشم کا کاروبار کرتے ہیں کرمان سے چار منزل کے فاصلے پر ان کی ایک پرستشگاہ ہے جہاں ان کا مذہبی پیشوا رہتا ہے اور زندگی میں ایک بار ہر زردشتی وہاں زیارت کے لئے جاتا ہے۔ خاندان صفوی کے عہد میں یورپ کے جتنے سیاح ایران آئے سب نے زردشتیوں کے متعلق اپنے سفرناموں میں ذکر کیا ہے۔ مگر شاہ عباس نے زردشتیوں کو ختم کردیا۔ اُن کو جبراً مسلمان بنایا اور جو مسلمان نہ ہوئے وہ ملک بدر کردئے گئے۔ البتہ کچھ زردشتی " گبرآباد" میں باقی رہ گئے جو اصفہان کے قریب واقع ہے۔ شاردن (Chardin) جو ۱۰۷۵ھ تا ۱۰۸۱ھ شاہ عباس دوم اور سلیمان اول کے زمانے میں ایران آیا تھا، اپنے سفرنامہ میں لکھتا ہے کہ زردشتیوں کو ہندوستان میں پارسی کہا جاتا ہے۔ جبکہ ایران میں (گور) کہا جاتا ہے۔ لہجۂ سمعانی میں " گبر" کو" گور" اور آذربائیجان میں " گاوور" (Giaour) کہا جاتا ہے۔ پئیترو (Pietro) سیاح نے لکھا ہے کہ گبری اصفہان اور برزن کو گبرستان (Gabristan) کہتے ہیں۔ یہ زردشتی عربوں سے نالاں ہیں اور خود کو گبر کہنے کی بجائے بھدین کہتے ہیں۔

اوستائی زبان میں لفظ " گبر" مذکر اور "نر" کے لئے استعمال کیا گیا ہے جس کا مطلب ہے " بہادر" آدمی یا" دلیر" ۔ اور آرامی زبان میں اس کا معادل " گبرہ" ہے جس کے معنی مرد مطلق کے ہیں۔ المختصر زردشتیوں کو" گبر" نام عربوں کے کلمہ" کافر" کے مترادف دیا گیا ہے۔ اور یہ ایک قسم کی گالی ہے جو ایران اور ایران کے مذہب کے دشمنوں نے یادگار چھوڑی ہے۔ ناصر خسرو نے "وجہ دین" میں لکھا ہے:۔

" گوئیم بہ توفیق خدائے تعالیٰ کہ جہاد کردن واجب است بر مسلمانان باترسایان، وجہود و مغان و گبراں و کافران۔"

خلاصۂ بحث:۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ لفظ " گبر" "مغ" کا مترادف ہے جو زردشتیوں (آتش پرستوں) کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ اس کے معنی قوی و دلیر بھی ہیں۔ مورخین اور شعراء نے اسے اسلام کے مخالف بے دین لوگوں کے لئے استعمال کیا اور اس کلمہ کو" کافر" کے مترادف گردانا ہے اور عیسائی، یہود اور زردشتیوں کے لئے یکساں استعمال کیا ہے۔ جب زردشتیوں نے دیکھا کہ لفظ گبر اب اسمِ تحقیر بن چکا ہے تو انہوں نے اپنے آپ کو بھدین (Behen Din) یعنی دیندار کہلانا شروع کردیا کیونکہ زردشتی بھی دراصل اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور وحدانیت کے قائل ہیں اور جزا وسزا اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اوستائی تہذیب کے پس منظر میں بلخ اور سیستان زردشت کے دین کے مراکز تھے اور یہاں کے حکمران پہلوانوں کے گھرانے سے تعلق رکھتے اور بہادر اور جنگجو لوگ تھے اس لئے من حیث القوم اُنہوں نے اپنے آپ کو گبر یا گبری کہلانا پسند کیا جو ان کا مدنی اور قومی تشخص تھا۔

گبری:۔

گبری کی تشریح کے بعد" گبری" کے معانی کو سمجھنے میں چنداں دقت نہ ہوگی۔ گبری بطور زبان، لہجہ گبر کو کہتے ہیں۔ اور اس سے مراد زردشتیوں کی زبان ہے اور بطور مدنیت" گبربودن" دین مجوسیت داشتن یا دین گبر داشتن مراد ہے۔ یعنی دین زردشت کا پیروکار بننے والے شخص کو گبری کہا جاتا ہے۔

مورخین نے لکھا ہے کہ گشتاسپ کی بادشاہی کے تیس سال گزر چکے تھے کہ زردشت نے دین زردشتی کی پرچار ایران میں شروع کی۔ محمد علی کہزاد کے مطابق زردشت بلخ میں پیدا ہوا اور بلخ کے بادشاہ گشتاسپ کو جو خاندان اسپـــــہ سے تعلق رکھتا تھا اپنے دین کا پیروکار بنایا۔ گشتاسپ کی حکمرانی بلخ سے سیستان تک تھی اس لئے شمال مشرقی افغانستان میں دین زردشت کو شاہی سرپرستی حاصل رہی۔ زردشت خود بھی خاندان اسپہ سے تعلق رکھتا تھا۔ اُسکے باپ کا نام

(پوروش اسپہ) = پورشسب تھا۔ دادا کا نام پیستیمان اور چہارم دادا کا نام (ھچت اسپہ) تھا۔ اپنے دین کی تبلیغ کے بعد زردشت نے خاندان اسپہ سے تعلق استوار رکھا اور (جم اسپہ = جاماسپ) جو گستاسپ بادشاہ (۱) کا وزیر تھا کی بیٹی (فراشترا) سے شادی کی اور اپنی بیٹی (پورچیست) کی شادی (جم اسپہ = جاماسپ) سے کردی محمد علی کہزاد کے مطابق:۔

''ایں ہمہ تعلقات ثابت می سازد کہ زراتشترا نسل بعد نسل در بلخ می زیست در ہمیں شہر تولد شدہ در ہمیں جا بہ تبلیغ پرداخت و بالآخر در ہمیں شہر دراثر حملہ تورانیاں کشتہ شدہ است'' (۲)

''گبر'' اور ''گبری'' کے اس پس منظر میں قبیلہ تاجک سواتی (سوادی) کی پہچان مشکل نہیں۔ یہ لوگ ایرانی اور پارسی الاصل تاجک ہیں۔ موجودہ مورخین کے مطابق بعض عربوں نے عجمی عورتوں سے شادیاں کیں اور ان کے اختلاط سے جو اولاد پیدا ہوئی ان کو تاژیک یعنی عربوں کی اولاد کہا جانے لگا مگر ''گبر اور گبری'' کا وجود اسلام سے قبل تھا اس لئے وہ ان تاژیک سے نہیں جو عربی اور عجمی خون کے اختلاط سے پیدا ہوئے وہ خالصتاً فارسی الاصل تاجک ہیں۔

تاجک اور افغانوں میں نسبی تمیز:۔

میجر بلیو (Major Bellew) نے اپنی تصنیف " Races of Afghanistan" کے ص ۱۱۲۔۱۰۹ پر تاجک پر مختصر مگر پر مغز تبصرہ کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے:۔

"The Tajik or, as he is frequently called the Parsiwan Constitutes a numerous and widely spread portion of

---

(۱) یہ گستاسپ خاندان اسپہ کا حکمران بلخ و سیستان تھا اور ۱۲۰۰ یا ۱۴۰۰ ق م کا حکمران تھا جبکہ داریوش کا والد ویشتاسپ چھٹی صدی قبل مسیح کا ہخامنشی نجیب تھا اور خاندان ہخامنشی کے شعبہ فارس سے تعلق رکھتا تھا یہ خود بادشہ نہ تھا بلکہ اس کا بیٹا داریوش کمبوچیہ ابن کورش کبیر کی وفات کے بعد دولت پارس (ایران) کا بادشہ بنا تھا۔ ان کا ذکر آئندہ اوراق میں کورش کبیر (ذوالقرنین) کے باب میں ہوگا۔

(۲) ''افغانستان در پرتو تاریخ۔ مقالہ ھژدہم'' از محمد علی کہزاد''۔

the inhabitants of Afghanistan from whom they differ in language, internal government and manners and customs. They are the representatives of the ancient Persian inhabitants of the country, as the Afghans are of the ancient Indian inhabitants.

''تاجک جسے عام طور پر فارسی وان بھی کہا جاتا ہے کافی تعداد میں افغانستان کے (مختلف علاقوں میں) پھیلے ہوئے باشندے ہیں۔ اور یہ دیگر افغانوں سے زبان' داخلی نظام' عادات اور رسم ورواج میں مختلف ہیں۔ یہ افغانستان کے قدیم ایرانی باشندوں کے نمائندے (پس ماندگان) ہیں جسطرح کہ افغان قدیم ہندوستانی باشندوں کے نمائندہ گان ہیں''۔

اور آگے لکھتے ہیں:۔

"The term Tajik, it is said, is derived from the ancient persian name for the Arabs......And hence it is that the term Taz applied to the Arab only in Perssia; and every thing, connected with him or proceeding from him, was called by the persians Tazi or Tazik, which are the same as Taji or Tajik..... By some, however, the term is said to signify "Persian" and there is also reason to believe that the (Taochi) of the Chines is the same word as the modern Tajik. If so, and the latter appears to be the correct version, the former explanation must be rejected, and Tajik be held to be merely the ancient

name for the Persian cultivator or peasent. The word in fact being a Persian one, is restricted to the teritories which formerly owned the Persīan Sovereignty. Hence its absence from India, and presence in Turkistan.... The term is also applied to the representatives of the ancient persian inhabitants of Badakhshan and its inaccessible Mountain glens....These people are divided into distinct communities, who have long centuries maintaned their independence though they are nominally subject of Kabul Government. They are professedly Musalmans of either the Sunni or Shia Sect, claim to be descendents of Alexander the Great, and his Greek soldiers, differ in appearance as well as in some of thier manners and customs from the Tajiks of the plain Counry, and speak different dialects of Persian, which are supposed to be off shoots of the ancient Pahlavi. They are known as the Badakhshi, the Wakhi, the Shughni, the Roshani (&.c) of Badakhsan, Wakhan, Shugnan, (&.c) and in this respect differ from the Tajiks of the plain, who has no such sub-divisional

distinction, but is simply a Tajik, wheter of Herat, Kandhar, Kabul or elsewhere.

مفہوم:۔

تاجک کی اصطلاح عربوں کے قدیم نام سے مشتق ہے۔یہی وجہ ہے کہ ایرانی عربوں کے لئے ’تاز‘ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں۔اور ہر وہ چیز جس کا تعلق عرب سے ہو ایرانی اُسے تازی یا تاژک کہتے ہیں جو تاجی یا تاجک کے مترادف ہے۔بعض (مورخین) کے خیال میں یہ اصطلاح خالصتاً ایرانی (فارسی) ہے اور اسکے ایرانی ہونے کے بارے میں دلائل موجود ہیں۔ان مورخین کا خیال ہے کہ (فارسی کی اصطلاح) تاجک‘ چینی لفظ (تاوَچی) کا مترادف ہے جو کشاورزوں کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ درست بھی ہے اس لئے پہلی توجیہہ یا تفصیل کو رد کر دینا چاہیے۔چونکہ تاجک کی اصطلاح خالصتاً فارسی ماخذ سے ہے اس لئے اس کا استعمال بھی صرف ان علاقوں میں ہے جو ایرانی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ یہ لفظ ہندوستان میں مستعمل نہیں اور ترکستان میں استعمال ہوتا ہے۔

یہ اصطلاح بدخشان اور اُسکے قریب ناقابل عبور دروں میں قدیم فارسیوں کے لئے بھی استعمال ہوتی ہے۔یہ لوگ (بدخشانی وغیرہ) کافی صدیوں سے آزاد چلے آرہے ہیں اگرچہ اب وہ کابل حکومت کے برائے نام ماتحت ہیں۔مذہبی اعتبار سے مسلمان ہیں جو سنی یا شیعہ عقیدہ کے پیرو کار ہیں۔اور اپنے آپ کو اسکندر اعظم (اسکندر مقدونی) اور اُسکے سپاہیوں کی اولاد بتلاتے ہیں۔وہ شکل وصورت بعض عادات ورواجات میں میدانی علاقے کے تاجکوں سے مختلف ہیں اور مختلف لہجہ کی فارسی بولتے ہیں جو پہلوی زبان سے مشتق ہے۔ان لوگوں کو (علاقائی نسبت سے) بدخشی ’وخی‘شغنی یا روشانی = (روغانی) کہا جاتا ہے۔

مذکورہ بالا طویل اقتباس سے مندرجہ ذیل پہلو آشکارا ہوتے ہیں:۔

۱۔ یہ کہ تاجک فارسی الاصل کشاورز اور دہقان ہیں اور ان کو عرب اور عجمی خون کے اختلاط سے وجود میں آنے والی نسل کہنا درست نہیں۔

۲۔ لفظ تاجک کا استعمال صرف ان علاقوں میں ہوتا ہے جو ایران کے مقبوضات تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اصطلاح ترکستان میں استعمال ہوتی ہے مگر ہندوستان میں اس کا استعمال نہیں۔

۳۔ بدخشان اور اسکے قرب وجوار کے پہاڑی علاقے صدیوں سے آزاد چلے آرہے ہیں اور اب کابل حکومت کے برائے نام ماتحت ہیں۔

۴۔ بدخشاں اور دیگر شمالی پہاڑی علاقوں کے لوگ شکل وشباہت۔ مزاج ورسم ورواج اور زبان میں میدانی علاقے کے تاجک سے مختلف ہیں۔ یہ قدیم فارسی لہجہ میں گفتگو کرتے ہیں جو پہلوی زبان سے مشتق ہے۔ یہ لوگ اپنے آپ کو اسکندر اعظم (مقدونی) اور اس کے سپاہیوں کی اولاد گردانتے ہیں۔

تبصرہ:۔

۱۔ قبیلہ سواتی کے لوگ کنڑ کے درہ پیچ سے تعلق رکھتے تھے۔ میجر راورٹی نے سلطان بہرام کو سلاطین پیچ کی نسل سے لکھا ہے(۱) اور اُسے اسکندر مقدونی کی نسل سے بتایا ہے یورپین مورخین نے اسکندر ذولقرنین کو اسکندر مقدونی تصور کیا ہے لیکن موجودہ تحقیق سے ثابت ہے کہ اسکندر مقدونی قرانی ذولقرنین نہیں بلکہ کورش کبیر ہے جس نے مشرق ومغرب شمال اور جنوب کے علاقے فتح کر کے دولت ایران کی بنیاد رکھی تھی اور اسکندر مقدونی کے مقابلے میں بہترین فاتح اور عادل بادشاہ تھا اسکندر ذولقرنین اور اسکندر مقدونی پر آئندہ ابواب میں تفصیلی بحث ہوگی۔

۲۔ گذشتہ اوراق میں ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ یوسف زئیوں اور بابر کے حملے کے وقت سوات کے گبری سلاطین ومتراوی وممیالی شاخیں ''گبری اور دری'' زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ گبری لہجہ گبر کو بھی کہتے ہیں اور یہ اوستا اور ژند کی زبان ہے۔ ژند پہلوی میں لکھی گئی تھی۔ چونکہ سواتی ذولقرنین کی اولاد سے ہونے کے ساتھ ساتھ

---

۱ (Notes on Afghanistan and Baluchistan "By Mjor Reverty P. 51

زردشت کے مذہب کے بھی قائل تھے اس لئے اُنہوں نے اپنی مدنیت کے ساتھ ساتھ اپنی زبان کو بھی برقرار رکھا۔ جو قدیم بولیاں (Dialect) بدخشان' واخان' کنڑ وغیرہ میں بولی جاتی ہیں جن کو بلیو (Bellew) نے پہلوی زبان سے مشتق قرار دیا ہے دراصل یہی گبری لہجہ ہے جس کی ترقی یافتہ شکل دری ہے۔ بدخشاں کنڑ وغیرہ کے لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو اسکندر کی اولاد بتایا ہے دراصل قبیلہ سواتی کے ہم نسب تاجک ہیں جو عہد قدیم سے (کورش کبیر کے عہد سے) پارسی وان چلے آتے تھے اور یہ لوگ میدانی علاقوں میں رہنے والے تاجکوں سے جدا قوم اور گھرانہ ہے۔ تاجکستان کے تاجک یا غوری تاجک یا افغانستان کے دیگر علاقوں میں رہنے والے تاجک اسکندر ذولقرنین کی اولاد نہیں بلکہ وہ عام فارسی وان ہیں۔ جبکہ بدخشاں' واخان' کنڑ وغیرہ شمالی علاقوں کے تاجک جن میں قبیلہ سواتی کی تینوں شاخیں (گبری' متراوی اور ممیالی) شامل ہیں اسکندر ذولقرنین (کورش کبیر) کی نسل سے ہیں۔ نسب کے اعتبار سے یہ تمام لوگ ہخامنشی کیانی ہیں کیونکہ ہخامنشی خاندان کے بادشاہوں کو بھی کیانی بادشاہوں کی نسل شمار کیا جاتا ہے۔

۳۔ بدخشاں اور اسکے مضافات کے تاجکوں کو میجر بلیو (Major Bellew) نے دہقان یا دہگان بھی لکھا ہے۔ قدیم زمانے میں (ماد) کے بادشاہوں بلخ اور سیستان کے حکمرانوں اور فرمانرواؤں کے لئے بھی لفظ دہقان استعمال ہوا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی بحث آئندہ اوراق میں کی جائیگی۔ البلاذری کی ''البلدان'' اور تاریخی سیستان میں دہگانوں پر واضح تبصرہ موجود ہے اور دہقان لقب افتخار ہے۔ اور اس کا کم از کم درجہ ''رئیس دیہہ'' کا تھا۔ قبیلہ سواتی کے لوگ طبقاتی طور پر دو طبقات میں منقسم تھے۔ ایک طبقہ حکمران جن کو ''سلطان'' اور انکے خاندان کو ''سلطانی'' کہا جاتا تھا اور دوسرا طبقہ ''دہقان'' جو خود مختار مرزبان تھے اور جنگوں کی صورت میں دشمن سے مقابلہ بھی کرتے تھے اور صلح کے عہد نامے بھی باندھتے تھے اور باج وخراج کی شرائط بھی طے کرتے تھے۔ یہی طبقاتی تقسیم سوات میں بھی سواتیوں کے عہد میں قائم رہی جس کا تذکرہ میجر راورٹی نے اپنی تصنیف ''Notes on Afghanistan & Balkuchistan'' میں کیا ہے اور ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' میں بھی اس کا تذکرہ موجود

ہے۔جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبیلہ تاجک سواتی نے نہ صرف اپنے قدیم مدنی نام 'گبر یا گبری' کو برقرار رکھا بلکہ دیگر تاجکوں اور افغانوں سے اپنے آپ کو ممیز کرنے کے لئے اُنہوں نے اپنے نظامی وسیاسی ڈھانچے کو بھی اپنے اقتدار کے آخری ایام تک قائم رکھا۔

گبر اور گبری کے اس پس منظر میں تاجک سواتی ایک مخصوص حکمران گھرانہ ہے جن کی مدنیت قبل از اسلام دین مجوس (دین زردشت) تھی۔یہ گبری یا (مغ) زردشتیوں کے قاضی اور مجاور آتش کدہ بھی تھے۔اس لیئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سواتیوں کی مدنیت کو واضح کرنے کے لیئے دین زردشت پر اجمالی بحث کی جائے:۔

ظہور زردشت و دین زردشت

"ریاض السیاحۃ" تالیف قطب العارفین مولانا مرزا زین العابدین شروانی بہ تصحیح ومقابلہ مرحوم اصغر حامد ربانی کے ص ۱۶۷ تا ص ۱۸۱ پر زردشت کے حالات اور زردشتیوں کے طریقہ عبادت پر مختصر بحث کی گئی ہے جس کا خلاصہ پیش خدمت ہے:۔

ذکر احوال زردشت موافق اخبار زردشتیاں:۔

دانشوروں اور عقلمندوں سے مخفی نہ ہو کہ زردشت کے پیروکار اور "مغ" زردشت کے ظہور اور بادشاہ گستاسپ سے اس کی ملاقات کے بارے میں اس طرح رقم طراز ہیں کہ جب گستاسپ بادشاہ بنا تو اُس زمانے میں دیوتاؤں کی پوجا اور سحر وافسوں کا دور دورہ تھا اور کاہنوں نے جادوگری کا پیشہ اپنا رکھا تھا۔دنیا فسق وفجور میں مبتلا تھی اور ظلم وتعدی کا دور دورہ تھا۔ان حالات میں خداوند کریم نے بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لئے زردشت کو مبعوث فرمایا۔

پیدائش:۔

آپ پورشسب بن تبرسب کے گھر پیدا ہوئے۔والدہ ماجدہ کا نام رغدویہ تھا۔باپ اور ماں دونوں فریدون (بادشاہ) کی نسل سے تھے۔باپ کا نسب نامہ یہ ہے۔پورشسب بن تبرسب جو فریدون بن القیان بن جمشید کی نسل سے تھا۔آپ کی پیدائش گستاسپ کے جلوس کے وقت ہوئی۔"ریاض السیاحۃ" ۱۲۳۷ھ میں تالیف ہوئی اور مولف نے آپ کا سن پیدائش ۲۲۵۰ سال قبل بتایا ہے۔گویا کہ زردشت ۱۰۹۳ سال ق م میں پیدا ہوئے۔جب آپ پیدا ہوئے تو آپ ہنس رہے تھے اور آپ کے ہنسنے کی آواز ان تمام لوگوں نے سنی جو آپ کی پیدائش کے وقت قریب موجود تھے۔آپ کے والد نے آپ کے ہنسنے کو معجزۂ خداوندی قرار دیا کیونکہ پیدائش کے

وقت ہر نومولود روتا ہے جبکہ زردشت ہنس رہا تھا۔

آپ کے ہنسنے کی خبر عام ہوئی تو ایک کاہن جس نے سنا تھا کہ ایک شخص پیدا ہونے والا ہے جو اہرمن کے پیروکاروں کو نیست و نابود کر دیگا فوراً آپ کے دیدار کے لئے آیا اور آپ کو گہوارہ سے نکال کر اپنے ایک خادم کے حوالے کر دیا اور حکم دیا کہ آپ کو تلوار سے دو نیم کر دیا جائے مگر خادم نے جونہی تلوار اٹھائی تو اس کا ہاتھ فوراً خشک ہو گیا۔ اس بات کا چرچا عام ہوا تو کاہنوں نے مل کر آپ کو مارنے کا پروگرام بنایا مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ آپ شروع ہی سے دنیا کی بے ثباتی اور لوگوں کی عداوت اور شر پسندی کو نفرت سے دیکھتے تھے اور خدا کی عبادت میں مشغول رہتے تھے۔
چنانچہ جب آپ تیس سال عمر کو پہنچے تو اپنے خویش و اقارب کو لے کر گھر سے نکل پڑے۔ ایک دریا کے کنارے پہنچ کر ڈیرا ڈالا اور دریا میں نہانے کے بعد خدا کی عبادت شروع کی۔

جبرائیلؑ کا ظہور:۔

آپ دریا کے کنارے عبادت میں مشغول تھے کہ بہمن (جبرائیل) ظاہر ہوئے اور آپ سے حالات استفسار کرنے کے بعد پوچھا کہ آپ دنیا اور آخرت میں کس چیز کو فوقیت دیتے ہیں تو آپ نے جواب دیا کہ ''غیر از رضائے پروردگار و خوشنودئی کردگار'' دیگر کسی چیز کی آرزو نہیں رکھتا اور ''بجز صدق و صفا و مہر و وفا طریق دیگر نمی سپارم''۔ مجھے خدا کے دیدار کا شوق ہے۔ اس وقت بہمن (جبرائیل) نے زردشت سے فرمایا کہ خدا تم پر درود و سلام بھیجتا ہے۔ اٹھ اور حضرت یزداں کے حضور جا اور جو کچھ پوچھنا چاہتا ہے یزداں سے پوچھ۔ بہمن (جبرائیل) کے اشارے پر آپ نے آنکھ بند کی اور جب آنکھ کھولی تو آپ نے اپنے آپ کو فرشتوں اور حوروں کی محفل میں پایا جو آپ کے استقبال کے لئے آگے بڑھے اور آپ کو حضرت یزداں کے پاس لے گئے۔ حضرت یزداں سے زردشت نے سوال کیا کہ دنیا میں سب سے بہتر انسان کون ہے؟ حضرت یزداں نے جواب دیا ''جو سچائی اور صداقت'' کے راستے پر چلے اُسکے بعد دیگر سوالات و جوابات ہوتے رہے پھر حضرت یزداں نے آپ کو افلاک کی سیر کرائی۔ ''ریاض السیاحہ'' کے الفاظ یہ ہیں۔
''آنکہ حضرت خلاق از روئے اشفاق او را بر گردش افلاک و سکون خطہ خاکِ دانا و بر سیر اختران و

سعود و نحوس ایشاں بینا گردانید و بر حقیقت حیات پرنور و قصور پر حور و جحیم پر سقیم و دوزخ پر جحیم واقف و بر عالم بقاء و حقیقتِ فنا و سر کنوز آغاز و رموز انجام عارف نمود''۔

''بعد ازاں حضرت یزداں کتاب ''زند'' و ''اوستا'' را بدو عنایت فرمود'' اس طرح اللہ تعالیٰ نے زردشت کو رسالت سے سرفراز فرما کر حکم دیا کہ وہ خدا کے پیغام کو سب سے پہلے ''گشتاسپ کو پہنچائے۔ اور اُسے تاکید کرے کہ دیوتاؤں کو پوجنے اور جادوگروں کی سحر انگیزی اور افسوں سے کنارہ کش ہو جائے اور خدا کی پرستش کرے اور عبادت کے وقت روئے توجہ آگ کی طرف کرے۔ کیونکہ ''مخلوقات زمینی محتاج آذر زند'' اور اس کی روشنی کا فروغ یزداں کے نور سے ہے جو زمین میں باعث آسائش روح و بدن ہے۔ یزداں نے بہشت' حور' قصور اور غلماں کو نور سے پیدا کیا ہے۔ جبکہ دوزخ اور جہنم کو ظلمت سے پیدا کیا ہے۔ جب زردشت خلعت رسالت سے مفتخر ہوا اور اُسکی منزلت آسمان سے بھی بڑھ گئی تو وہ خدا کے حکم سے لامکاں سے خطہ مکان کی طرف واپس لوٹے۔ یعنی معراج سے واپسی ہوئی۔ مولف لکھتا ہے۔

''مخفی نماند کہ میان علماء زردشتیان اختلافست کہ معراج زردشت روحانی بودہ یا آنکہ در عالم جسمانی رخ نمودہ۔ علماء ظاہر بین زردشت آئین متفقند بر اینکہ معراج زردشت با پیکر انسانی و جسد عنصری اتفاق افتادہ''

بہرکیف علماء معرفت جویاں کا خیال ہے کہ بہمن (جبرائیل) بشکل انسان مجرد زردشت پر ظاہر ہوئے اور اُن سے باتیں کیں اور جب آنکھیں بند کرنے کا حکم دیا اور زردشت کو یزداں کے حضور لے گئے تو اس موقع پر زردشت کو علائق بدنی سے قطع کر دیا کیونکہ روح آسمانوں پر جو بہشت جاوداں ہیں مجرد ہو جاتی ہے اور عروج حاصل کرتی ہے۔ انجمن اول نفوس علوی سے کنایہ اور انجمن دوم عقول سماوی کی طرف اشارہ ہے اور ملائکہ سے گفتگو سے مراد نفس کا عالم علوی میں وجود ہے۔ نفس اس جہاں سفلی (دنیا) میں غریب اور مسافر ہے مگر جذبۂ جبرائیل اور عقل سے (نفس) بلندی کی طرف بڑھا تو ملائکہ شاد و خرم ہو گئے۔

زردشتیوں کی کتاب میں لکھا ہے کہ جب زردشت دل پر نور و مسرور سے افلاک سے

واپس دنیا میں آئے تو گشتاسپ کے پاس گئے۔ اور اُسکے دربار کو ہر طرف سے عقلمندوں اور دانشوروں سے آراستہ پایا۔ فلسفی وحکماء اُسکے اردگرد بیٹھے ہوئے تھے کیونکہ بلخ کا بادشاہ (گشتاسب ان کو بہت دوست رکھتا تھا۔ زردشت نے بادشہ کو ان حکماء کے درمیان دیکھ کر فصیح البیانی اور ملیح السانی سے مخاطب ہو کر آفرین کہی۔ اُس وقت زردشت کے ہاتھ میں ایک آگ تھی جو اُسے نقصان نہ پہنچاتی تھی۔ اُس نے اُس آگ کو برکف بادشہ رکھا جس سے اُس کو کوئی گزند نہ پہنچا۔ پھر زردشت نے اُس آگ (آذر) کو دانشمندوں کے ہاتھ پر رکھا انکو بھی کوئی نقصان نہ پہنچا۔ اُس کے بعد زردشت نے اُس آگ کو بادشہ کے سینہ پر پھینکا مگر بادشہ سلامت رہا اور کسی قسم کا گزند نہ پہنچا۔ بادشاہ نے رسول خدا کے اس کارنامے کو دیکھ کر کرسی قریب لانے کا حکم دیا اور زردشت کو اپنے پہلو میں بٹھا دیا۔ زردشت نے جو دل میں تھا بتا دیا۔ فضلا و حکماء جو دائیں بائیں بیٹھے تھے مناظرہ کرنے لگے اور زردشت نے ان تمام کو مات دے دی اور اپنی دلکش تقریر سے ان کو خاموش کر دیا۔

گشتاسب کے پاس ساٹھ دانشوروں کا مجمع رہتا تھا جنہوں نے گھر واپس لوٹ کر اپنی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا تا کہ دوبارہ زردشت سے مناظرہ کریں۔

''وآں گروہ دانشوراں مجمع عظیم ترتیب و تنظیم دادند و در الزام وخشور خدا بنیاد مشوت نہادن۔ سرور انجمن ابتدائے سخن نمودہ و زبان شکایت با اہل مجلس کشودہ کہ ایں مرد بیگانہ ما مردم فرزانہ را نزد شہریار خوار و بی اعتبار ساخت و خود لوائے عزت و اقتدار برافراخت ازیں گونہ سخنان درمیان آوردند و در الزام او اندیشہ ہا کردند و کمر عداوت آں رسول حق را بمیان بستند و عزت خود را در ذلت برگزیدۂ خدا دانستند''

دوسرے روز یہ دانشور اور علماء بادشاہ کے دربار میں حاضر ہوئے اور ایک دوسرے کی مدد سے پیغمبر خدا (زردشت) پر الزام تراشی کرنے لگے حکماء نے مناظرہ و مجادلہ کا آغاز کیا مگر بلآخر ہار گئے اور سر تسلیم خم کیا۔ گشتاسب نے زردشت کو آفرین کہا۔ زردشت نے بادشہ کو مخاطب ہو کر کہا کہ ''میں خدا کا رسول ہوں'' اور خدا نے آسمان و زمین' عرش اور ستاروں کو پیدا کیا ہے اور تمام

محسوسات، معقولات عدم سے ظہور میں لایا ہے اور تجھے عقل متین اور دولت فراواں بخشی ہین اور مجھے راستی اور درستگی کا حکم دیا ہے اور ہدایت عباد کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور تیرے پاس بھیجا ہے کہ خدا کی کتاب اوستاوزند پر ایمان لائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دنیا میں کامگار اور با اعتبار بنایا ہے تا کہ در عاقبت تمہیں بہشت جاوداں میں جگہ ملے اور عذاب الیم سے تمہیں محفوظ رکھے۔

بادشاہ نے اس سلسلے میں زردشت سے معجزہ پوچھا جواب میں زردشت نے خدا کا کلام ''اوستاوزند'' نکال کر دکھائی جس میں دو جہانون کے راز اور زمین و آسماں کے راز اور گردون چرخ ولیل و نہار و کیفیت روزگار اور ستاروں کا فن اور ان کے سعود و نفوذ کے بارے میں معلومات اور معرفت اشیاء و سلوک طریق خدا درج ہیں۔ بادشاہ کی فرمائش پر زردشت نے چند فصلیں زند و اوستا کی پڑھ کر سنائیں۔ مگر بادشاہ پر اسکا فوری اثر نہ ہوا اور بولا ''دعویٰ بزرگ و ادعائی سترگ نمودی و بر کیش تازہ و ملت جدید زبان کشودی۔ ایں بہ تعجیل راست نیاید۔۔۔۔ چند روزی ایں کتاب را غور نمایم و با تامل ایں عقدہ را گشایم'' اور زردشت سے کہا کہ اس دوران دربار میں حاضر رہا کر فلسفیوں کو یہ بات ناگوار گذری اور وہ زردشت کو مارنے کی فکر میں لگ گئے۔

ان دانشوروں نے غلیظ اشیاء از قسم خون' بال و استخوان مردہ، دربان کی مدد سے زردشت کے سرہانے کے نیچے اسکی سرائے میں رکھ دیں اور بادشاہ کے پاس شکایت لے گئے کہ یہ شخص جادوگر ہے اور فتنہ وفتور برپا کرنا چاہتا ہے اور اس کے کمرے سے یہ غلیظ اشیاء برآمد ہوئی ہیں۔ اسے سزا دی جائے۔ بادشاہ غضبناک ہوا مگر زردشت نے صداقت سے ان اشیاء کو اپنے کمرے میں رکھنے سے انکار کیا اور بادشاہ سے مطالبہ کیا کہ تفتیش کی جائے۔ چنانچہ بادشا نے دربان کو قید کر کے تفتیش شروع کر دی اور دربان نے بیان دیا کہ ان غلیظ اشیاء کو زردشت نے رکھا ہے۔ اس پر بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور اوستا اور زند کو زمین پر پھینکا اور زردشت کو قید کر دیا۔ ابھی زردشت کو قید کئے ایک ہفتہ نہیں ہوا تھا کہ بادشاہ کا ایک گھوڑا جو رفتار میں باد صبا سے بھی تیز تھا بیمار پڑھ گیا۔ بادشاہ کو یہ گھوڑا بڑا عزیز تھا۔ تمام اطباء اور حکماء کو طلب کیا مگر کسی سے بھی اسکا علاج نہ ہو سکا۔ بادشاہ بہت غمگین تھا۔ اس دوران جب حاجب زردشت کے لئے کھانا لایا تو گھوڑے کی

بیماری اور بادشاہ کی پریشانی کا حال بیان کیا۔ زردشت نے حاجب سے کہا کہ بادشہ کے غم والم اور گھوڑے کی بیماری کا علاج میرے پاس ہے۔ چنانچہ حاجب نے اس امر کی اطلاع بادشاہ کو دی۔ زردشت کو حاضر کیا گیا۔ زردشت نے بادشاہ سے کہا ''اگر در چہار کار بامن پیمان نمائی چہار دست و پائے اسب رابسلامت مشاہدہ فرمائی'' (اگر تو مجھ سے چار چیزوں کا وعدہ کرے تو گھوڑے کے چاروں پیر اور ٹانگیں سلامت دیکھے گا)۔ بادشاہ نے قبول کرلیا۔ زردشت نے بادشاہ کو الگ کر کے کہا کہ بادشاہ پہلی بات یہ ہے کہ تو صدق دل سے اقرار کر کہ میں خدا کا رسول ہوں اور مجھ پر اور خدا پر ایمان لا۔ بادشاہ نے قبول کرلیا اور گھوڑے کی ایک ٹانگ شکم سے باہر آ گئی۔ دوسری بات یہ ہے کہ تو اپنے بیٹے اسفندیار سے وعدہ لے (کہ تیرے بعد) تقویت دین اور آئین خداوندی پر کمر بستہ رہے۔ اسفندیار نے وعدہ کیا اور گھوڑے کی دوسری ٹانگ شکم سے باہر آ گئی۔ تیسری بات یہ ہے کہ بانوشہریار (بادشاہ کی بیوی) میری رسالت کا اقرار کرے بادشاہ کی بیوی نے اقرار کردیا اور گھوڑے کی تیسری ٹانگ شکم سے باہر آ گئی۔ چوتھی بات یہ ہے کہ دربار طلب کریں اور درباریوں کو حکم دیں کہ کس شخص نے مجھ پر سحر و افسوں گری کا الزام لگایا تھا؟ چنانچہ بادشاہ نے دوبارہ تفتیش شروع کی اور دربان کو قید کر کے اُسے طمع و لالچ دے کر پوچھا تو دربان نے اقرار کرلیا کہ ان حکیموں نے اُسے رشوت دے کر زردشت کے خلاف الزام لگانے اور بات کو خفیہ رکھنے کو کہا تھا۔ چنانچہ بادشاہ غصہ میں آیا اور ان تمام حکما کو قتل کرنے کا حکم دیا جو اس سازش میں شریک تھے۔ اور اس طرح گھوڑے کی چوتھی ٹانگ بھی شکم سے باہر آ گئی اور گھوڑا صحت مند ہو گیا۔ بادشاہ نے سابقہ رویہ پر زردشت سے معافی مانگی اور حکم دیا کہ کتاب اوستا و زند کو گائے کے سات سو خوبصورت چمڑوں پر خوشخط لکھا جائے۔ اور مؤیداں اور ہیر بداں کا ایک گروہ اُسکی حفاظت پر مامور فرمایا اور کمینہ اور رذیل لوگوں کو اسکی تعلیم سے منع کیا۔ کہتے ہیں کہ اسکندر یونانی کے وقت 'زند' اور 'اوستا' تباہ ہو گئی اور اب گبروں کے پاس اسکا کچھ حصہ باقی ہے۔

''درشارستان کہ یکے از تالیفات مغاں است مذکور است کہ روزے گشتاسب بہ زردشت گفت۔ مرا چہار آرزو است اول آنکہ قبل از ممات مرتبہ خود را در آخرت مشاہدہ نمایم۔ دوم

اینکہ روئین تن شوم کہ در جنگ الٰہی بمن نہ رسد۔ سوم اینکہ نیک و بد ایں جہاں را بدانم۔ چہارم اینکہ زندہ جاوید بمانم''

زردشت نے کہا کہ خداوند ایزد سے تمہاری یہ چار خواہشوں کا میں طلب گار ہوں۔ تب زردشت نے فرمایا کہ شراب و شیر و بہ اور آگ لے آئیں تا کہ میں دعا مانگوں۔ چنانچہ زردشت نے گشتاسب کو شراب کا پیالہ دیا جسکو پی کر وہ مدہوش ہو گیا اور اُسکی روح خلد (جنت) میں پہنچ گئی اور حوروں و غلماں اور جنت کی تمام نعمتوں اور نیکوکاروں کی منزلت اور اپنے مقام کا مشاہدہ کیا۔ پھر زردشت نے شوتن کو کاسئہ شیر پلایا اور وہ بھی موت کے رنج سے نجات پا گئی اور حیات جاوید حاصل کر گئی۔ بعض دانشوروں نے اس کی توضیح یوں کی ہے کہ زندگی جاوید سے مراد معرفت ذات نفس ہے (یعنی اپنے نفس کو پہچاننے کا ادراک ہے) جو ہرگز فنا نہیں ہوتا۔ اس کے بعد زردشت نے (بہ) جاماسب کو کھلایا اور اُس پر علوم اولین و آخرین ظاہر ہوئے اور آگ (انار) کو اسفندریار کو دے دیا وہ روئین تن (روح) میں بدل گیا اور آلام اور زخموں سے مبرا ہو گیا۔ اس کے بعد گشتاسب نے اعلان کیا کہ تمام لوگ دین بہی اختیار کریں اور مملکت میں آتش کدہ تعمیر کریں۔

زردشت کی اصل کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ زابلستان سے تعلق رکھتا تھا بعض کا خیال ہے کہ وہ ولایت 'ری' سے آیا تھا جبکہ اکثر موبدوں کا خیال ہے کہ وہ آذربائیجان سے آیا تھا مگر محمد علی کہزاد لکھتا ہے کہ وہ بلخ میں پیدا ہوا اور وہیں وفات پائی۔ اور اسی طرح زردشت کی وفات کے سلسلے میں مختلف روایات ہیں علماء مغان کا خیال ہے کہ شقی القلب گروہ نے اُسے شہید کر دیا تھا۔ دین زردشت کو ''دین بہی'' بھی کہتے ہیں اور زردشت کو وخشور یزداں (پیغمبر یزداں) گردانتے ہیں اپنی کتابوں میں زردشت کے کافی معجزات کا ذکر کرتے ہیں اور زردشت کی بعض حکایات جو بوذرجمہر کے حالات کے متعلق ہیں، بیان کرتے ہیں۔

ذکر طریقِ اہل سلوک زردشتیاں:۔

زردشتیوں میں ''اہل حال و صاحب کمال'' لوگوں کا بھی ایک گروہ ہے جو طریق ریاضت و مجاہدات (ورزشِ باطنی) پر عمل کرتے ہیں۔ اور تزکیہ نفس و تصفیہ قلب و تخلیہ روح میں

کوشش کرتے ہیں اور پرہیزگاری، توکل، وبردباری کالبادہ پہنتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ طالب یزداں کوسب سے پہلے اپنے آبا کا دین ترک کرنا چاہیے اور تمام مخلوق سے صلح کر کے دانائی کا طلب گار ہونا چاہیے۔اور مدار ریاضت پانچ چیزوں پر مشتمل ہے:۔

۱۔ گرسنگی

۲۔ خاموشی

۳۔ بیداری

۴۔ تنہائی

۵۔ یادیزداں

طریقہ رضائیت واذکار:۔

زردشتیوں کے بہت سے طریقہ اذکار ہیں اور پسندیدہ طریقہ کو "ذکر مکت روب" کہتے ہیں۔ان کی لغت کے مطابق (مکت) کا مطلب (چہار) ہے اور روب سے مراد ضرب ہے۔یعنی ذکر "چہار ضرب" اور ان میں طریق جلسہ بھی کافی ہیں۔ان کے پسندیدہ طریق جلسہ چودہ ہیں اور ان چودہ میں سے پنج طریق برگزیدہ متصور ہوتے ہیں اور ان پنج میں سے بھی یہ دو طریق جلسہ کو اختیار کرتے ہیں۔

پہلا طریقہ ذکر:۔

ایک طریقہ یہ ہے کہ چاروں زانو بیٹھ کر دائیں پاؤں کو بائیں پاؤں کے اوپر رکھتے ہوئے اور بائیں پاؤں کو دائیں ران کے اوپر رکھتے ہیں اور ہاتھوں کو پیچھے لے جا کر دائیں ہاتھ سے بائیں پاؤں کے انگوٹھہ کو پکڑتے ہیں اور اس طرح بائیں ہاتھ سے دائیں پاؤں کے انگوٹھہ کو پکڑتے ہیں اور آنکھیں ناک پر مرکوز ہوتی ہیں اس جلسہ کو "فرنشیں" کہتے ہیں۔اور اگر ذاکر چاہے تو "ذکر مکت" میں مشغول ہو جائیں۔ چارزانو ہو کر بیٹھ جائیں اور آنکھیں بند کر کے دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ کر پشت کو سدھے کئے دونوں بغلوں کو کھلا رکھ کر سر سامنے جھکا کر اور نفس کو تمام قوت

کے ساتھ ناف سے اوپر لا کر سر کو پھر درست کرتا ہے (اٹھاتا ہے) اور "ہستی" کہتے ہوئے دائیں پستان کی طرف اشارہ کر کے بائیں پستان کے نیچے دل کے قریب اشارہ کرتا ہے۔اور اگر ہو سکے تو یکدم یہ ذکر کرتا ہے۔"کہ نیست ہستی مگر یزداں" یعنی (لا اللہ الا اللہ) یا یہ "نیست ایزدی جز یزداں" یا "نیست بایستی جز بائیست" یا پرستش سزائے ایں معنی است کہ بایستہ بود با آنکہ "او بیچون وبچگونہ وبیرنگ ونمونہ است"

مذکورہ بالا ذکر بلند آواز میں بھی جائز ہے مگر ہیربداں خفی ذکر کو پسند کرتے ہیں۔اور شرط یہ ہے کہ ذاکر ذکر کرتے وقت تین چیزوں کو حاضر وناظر جانے اور خود کو ان تینوں سے غافل نہ سمجھے۔پہلی (یزداں) دوسری (دل) اور تیسری (روح) پیر۔

دوسرا طریقہ ذکر:۔

دوسرا طریقہ ذکر یہ ہے کہ ناک کے دائین نتھنے کو پکڑ کر ایزد کا نام ایک سے شانزدہ بار پکارے اور اپنے نفس کو اوپر کھینچتے ہوئے دونوں نتھنوں کو پکڑ کر ایزد کا نام ۶۴ بار پڑھے اور سانس چھوڑتے وقت ناک کے دائیں نتھنے سے ۳۲ مرتبہ کہے۔اور نفس (سانس) گنتے وقت سانس کو اوپر کھینچے اور چھ مرتبہ گننے کے بعد جب ساتویں ذکر پر پہنچے (جسے ہفت پایہ کہتے ہیں) تو اسکا نفس فورا کی مانند جہد کرے۔اس طرح پہلے سانس کو نشستن گاہ "دوم کوتہی گا" سیم ناف" چہارم دل صنوبری پنجم نای گلو، ششم میان دوابرو، ہفتم تارک"۔اور جو نفس کو یہاں تک پہنچاتا ہے۔خلیفہ خدا سمجھا جاتا ہے۔

طریق دیگر اپنے پیر کے فرمان کے مطابق بیہودہ کاموں سے کنارہ کشی اختیار کرنا اور ناپسندیدہ افعال سے اجتناب اور گوشۂ خلوت میں قدم رکھنا اور دل کو عالم بالا سے وابستہ کرنا اور دل میں حرکت زبان کے بغیر "یزداں" کہنا۔ذکر الٰہی کا آسان طریقہ ہے خواہ وہ کسی زبان میں بھی ادا کیا جائے۔

طریق دیگر:۔

سالک کیلئے ضروری ہے کہ وہ درحین ذکر تصور پیر اس طرح کرے ''کہ جو کچھ انسان کی حقیقت کا جامعہ ہے وہ کائنات علوی و سفلی سے مفصل ہے۔ اگرچہ خداوند تعالیٰ زمان و مکاں سے معرا اور اجسام کے ساتھ اتحاد سے مبرا ہے پھر یزداں اور قلب صنوبری کے مابین ایک تعلق قائم ہے اس وجہ سے پیکر پیر کو دل میں تصور کر کے سالک یہ سمجھے کہ (یزداں) حاضر و ناظر ہے اور حقیقتِ پیر کو بیچوں و چگونہ اور بے مثل و نمونہ سمجھے اور تمام ظاہری اشکال و رنگوں اور صفات سے منزہ سمجھے اور پیر کے پیکر کے فکر سے غائب نہ ہو اور اپنے تمام حواس ظاہری و باطنی کو اُس پر مرکوز کرے اور اس خیال کے باوجود تمام موجودات کو عدم محض تصور کرے۔ اس حال میں بلاشبہ کیفیت غیبیت و بیخودی طاری ہوتی ہے اور سالک پر بیرنگی اور بیچگونگی کے دروازے کھلتے ہیں۔ اور سالک اس حال میں یک رنگی اور یگانگت کا مشاہدہ کرتا ہے اور اُسکے دل سے)دوئی کا خیال معدوم ہو جاتا ہے اور بے اختیار کہتا ہے ''لا موجود الا اللہ'' اوراسطرح سالک ''لیس فی الوجود الا اللہ'' کی نغمہ سرائی کرتا ہے۔

گر گل بود اندیشۂ تو گل باشی   ور بلبل بیقرار، بلبل باشی
تو جزوی و اوکل، و تو گر روزی چند   اندیشۂ کل خود کنی، کل باشی

انگریز مورخین کی رائے:۔

اب اختصار سے انگریز مورخین کی رائے زردشت اور اُسکے مذہب کے سلسلے میں پیش خدمت ہے۔ آر ایچ مستری (R.H.Mistry) اپنی تالیف "Zoroaster & Zoroasterianism" میں لکھتے ہیں کہ آج سے ایک سو سال پہلے بعض مورخین کا خیال تھا کہ زردشت ایک (Mythical) کردار ہے جسکا اصل وجود نہیں لیکن دور جدید میں قدیم خط شناسی کا علم (Philological Researches) نے اتنی ترقی کی ہے کہ اب اس شبہ کی گنجائش نہیں رہی۔ ''زند'' اور اوستا'' (Zend & Avesta) کا مطالعہ پہلے کی نسبت کہیں

آسان ہو گیا ہے۔ آج بمبئی میں بہت سے ایسے لوگ ہیں جو ان مذہبی کتابوں کو پہلے کی نسبت زیادہ بہتر سمجھتے اور تشریح کر سکتے ہیں۔ اور موجودہ دور کے مورخین زردشت کو (Mythical Personality) کے بجائے ایک متشخص اور زندہ جاوید پیغمبر عقلمند و دانا گردانتے ہیں۔

"Samual Laing in his "A Modern Zoroastrian " Says at page 198:- "In the Case of Zoroaster the argument of his historic existence seems even stronger, for his name is connected with historical reigns and places and his genuine early history contains nothing super natural and improbable. He is represented as simply a deep thinker and powrful preacher, like Luthar, who gave new form and expression to the vague religions and philosophic ideas of is age and nation, reformed its superstitions and abuses, and converted the leading minds of his day, including the monorchs, by the earnestness and eloquence of his discourses"

On Page 21 of his book Mr. R.H. Mistri determines the age of Zoroaster as under :-

۱۔ 1906 AD موجودہ سال
536 BC+ وہ سال جس میں سائرس نے میڈین کو شکست دے کر (ماد) پر قبضہ کیا

۲۔ 2442

+700 وہ عرصہ جب اسوریوں اور ماد نے ایران پر حکومت کی

۳۔ 3142

+300 وہ عرصہ جو مورخین نے گستاشب کے عہد سے (Oxarthes) (جو کیانی بادشاہوں کا آخری حکمران تھا) کے درمیان گذرا جس کو نائنس (Ninus) نے شکست دی

۴۔ 3442 زردشت کا زمانہ یعنی زردشت کو 1906 تک تقریباً 1400 سال گذرے ہیں۔

نوٹ:

اس تخمینہ سے زردشت 1400 سال ق م کی شخصیت ہے۔

تمام مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ زردشت نے دنیا سے تخلیہ اختیار کیا تو اس کی عمر 30 سال تھی اور اس نے تنہائی میں دس سال گذارے اور اس کے بعد مزید پانچ سال گذرے جب گشتاسب نے دین زردشت اختیار کیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زردشت 45 سال کا تھا جب گشتاسب نے دین زردشت اختیار کیا زردشت کو تقریباً 3400 سال گذر چکے ہیں زردشت نے 77 سال کی عمر میں وفات پائی اور گشتاسب کو دین زردشت اختیار کئے 35 سال گذر چکے تھے۔

زردشت کی دینی کتابیں:۔

زردشت کی مذہبی کتابوں کے نام ''زند'' اور ''اوستا'' ہیں اور جس زبان میں یہ کتابیں لکھی گئی ہیں (اوستائی) کہلاتی ہے۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قدیم بلخ میں اوستائی زبان بولی جاتی تھی جو آرین زبانوں سے ملتی جلتی ہے خصوصاً ویدک سنسکرت سے مشابہ ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گستاسب کے عہد میں ''اوستا'' درباری زبان بھی تھی۔

دستور جاما سب جی (Jama sp-ji) کے مطابق زند'' کا مطلب '' ''علم'' ہے اور زند اوستا'' سے مراد خدا کے دین کا علم ہے۔ ڈاکٹر مارٹن ہینگ (Martin Hang) لکھتے ہیں۔

"The meaning of the term "Zand" varied at different periods. Originally it meant the interpretation of the sacred Texts descending from Zarathushtra and his disciples by the successors of the prophet. In the course of time these interpretations being regarded equally sacred with the orignal text, both were then called Avesta".

اس سے ظاہر ہوا کہ (زند) دراصل اوستا کی تفسیر ہے اور اوستا کی زبان چونکہ بہت قدیم تھی اس لئے عام فہم نہ رہی تھی۔ ساسانی دور میں اوستا کو پہلوی زبان میں لکھا گیا پہلوی زبان میں لکھی گئی تفسیر کو زند کا نام دیا گیا ہے۔

آوستا کا قدیم ترین حصہ (گاتھا) کہلاتا ہے اس کی زبان قدیم ترین اور شاعرانہ ہے اس لئے ان کو سمجھنے میں بڑی دقت ہوتی ہے۔ یہ (گاتھا) زردشت کے لکھے ہوئے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ یہ (وحی) ہوں۔ ان کی تعداد پانچ ہے اور ہر (گاتھا) ایک جدا مضمون سے متعلق ہے۔ (اوستا) کی بعد کی کتابوں میں (گاتھا) کے حوالہ جات موجود ہیں جبکہ (گاتھا) میں دیگر کتابوں کے حوالے نہیں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (گاتھا) سب سے قدیم اور زردشتی فلسفہ اور مذہب کی اصل روح ہیں۔ ان کو مندرجہ ذیل حصص میں تقسیم کیا گیا ہے۔

1) Ahunavaiti or Hon_vad (Wisdom)
2) Doshtavaiti or Osta_vad (Bliss)
3) Spento-mainyo or Spendo mad (Good Spirit)
4) Vohukhshthra Vohukhashthra (Power)
5) Vahishtoisti (Divine Will)

ان گاتھاؤں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ زردشتی صرف (اھورا مزدا)=(خدائے یکتا) کی پرستش کرتے ہیں۔اوران کے مطالع سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ہر فرد کو (خدا) نے مکمل اختیار دیا ہوا ہے کہ وہ اپنے لئے سچائی کا راستہ اختیار کرے یا گناہ کا۔

In Yasna 30, Verse 3, it is written:- (1)

"In the beginning there was a pair of twins, two spirits, each of a peculiar activity, These are the good and the base in thought, word and deed ! Choose one of these two spirits! be good not base."

And in verse 4, it follows:-

"And these two spirits united, created the first (Material things);one, the reality, the other, non-reality. To the liars (the worshipers of the Devas) i.e. good existence will become bad,while the believers in the true God enjoys prosperity."

and again in Yasna 30, Verse 5

"Of those two spirits you must choose one, either the evil, the originator of the worst actions, or the true holy spirit, some may wish to have the hardest lot (i.e. those who will not have the polytheistic dev religion), others adore Ahura-Mazda by means of sincere actions"

In Yasna 30 Verse 10, it follows:-

"Wisdom is the shelter from lies, the annihilation of the destroyer (i.e. the evil spirit). All perfect things are garnered up in the splended

---

(1) "Zoroaster & Zoroastrianism" by R.H. Mistri _ PP 80 - 81.

residence of the good mind (Vohunmano), the Wise (Mazda) and the Righteous (Asha) who are known as the best Things."

and in Yasna 31, Verse 8:-

"When my eyes beheld Thee, the essence of Truth, the creator of life, who manifests his life in his works, then I knew Thee to be the Primeval Spirit, Thou Mazda so high in mind as to create the world, and the father of the good mind."

and agian in Yasna 32 , Verse 5:-

"Ye devas and thou evil spirit! Ye by means of your base mind, your base words, your base actions, rob mankind of its earthly and immortal welfare by raising the wicked to power."

''یسنی کے مذکورہ بالا اقتباسات سے ظاہر ہوتا ہے کہ زردشت ایک خدا(Ahura Mazda) کی پرستش کا قائل تھا دیوتاؤں اور بری ارواح کا مخالف اوران کوانسانی زندگی میں فتنہ وفتور کا سبب سمجھتا تھا۔نیکی، عقل اور فلاح و بہبود اسکے فلسفے کے بنیادی نقاط تھے۔دیوتاؤں کی پیروی اور بُری ارواح کو ماننا نا قابل معافی جرم اور شرک تھا۔

زردشت سزا و جزا روز محشر اور موت کے بعد ابدی زندگی کا قائل تھا۔سزا اور جزا کے سلسلے میں (پُل صراط) پر گذرنا بھی اسکے دین کا لازمی جز ہے۔دنیا میں زردشت پہلا پیغمبر ہے جس نے اعمال کی بنیاد (Free will) اور (Free choice) پر رکھی اور یہ انسان کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اپنے لئے کونسا راستہ اختیار کرتا ہے۔نیکی اور اچھائی کا راستہ یا بدی کا راستہ۔

زردشتی مذہب اپنے پیروں کاروں کو ایک خدا (اھورا مزدا) کی عبادت اور پیروی کا حکم دیتا ہے۔خدا (Supreme Being) اور کائنات کا (Creator) ہے اور خدا سب چیزوں کا مسبب ہے اور دنیا کے نظام کے لئے وہ دو بڑی روحوں (Principal Spirits) کے ذریعہ

نظام چلاتا ہے۔ ایک روح (قوت) کو (Spentomainyo)=اچھی روح جبکہ دوسری روح کو (Angromainyo)=بدی کی روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ان دو روحوں کے درمیان اس کائنات میں مسلسل جنگ جاری ہے لیکن خدا (اھورامزدا) نیکی کی راہ پر چلنے والوں کی خوشحالی اور نیک انجام کا خواہش مند ہے اس لئے انسان کو اپنی تقدیر کا مالک بنایا گیا ہے اور اسے اختیار ہے کہ وہ زندگی میں کون سا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اچھی روح (Spentomainyo) کی ترجمان یزداں (Y a z d a n) ہے جبکہ سروش وہ فرشتہ ہے جو روح کی رہنمائی =(C h i n v a t B r i d g e) پُل صراط سے گذرنے میں مدد کرتا ہے۔ اس طرح (Angromainyo) بدی کی قوت کی رہنمائی کرتا ہے اہرمن (Ahreman) کے ذریعہ ہوتی ہے۔ لیکن اہرمن نہ خدا ہے نہ خدا کا متبادل وہ خدا کی طرح حاضر وناظر نہیں اور نہ ہی وہ خدا کی طرح قوّت کل (Omnipotent) ہے۔ بلکہ نیکوکار شیطان پر غالب ہوتے ہیں اور وہ اُن کو بدراہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے یہ کہنا کہ (زردشتی مذہب) شرک پر مبنی ہے غلط ہے۔

زردشتی مؤحد ہیں اور ایک خدا (Ahura Mazda) کی پرستش کا حکم دیتے ہیں۔ یزداں اور اہرمن فرشتوں کی صورت میں نیکی اور بدی کی طرف لے جانے والی قوّتیں ہیں اور بدی (اہرمن) بالآخر فنا ہوگی اسے دوام نہیں اس کا ثبوت بہمان یشت (Behman Yasht) سے ملتا ہے۔ بہمان یشت خدا اور زردشت کے درمیان گفتگو کا منظر پیش کرتے ہیں۔ بہمان یشت میں زردشت نے اپنے لئے لافانی زندگی خدا سے مانگی مگر خدا نے اسکا یہ سوال ان الفاظ میں رد کردیا:۔

"When I shall make thee immortal, O Zara Thusht Spitaman! Then Turi. Bradarvash the karap, will become immortal and when Tur-I-Bradarvash becomes immortal, the resurrection and future existence are not possible."

اس سے ظاہر ہے کہ انسان کو غیر فانی بنانے سے بدی کی قوّتوں کو بھی غیر فانی بنانا ہوگا اور اس طرح

روز جزاوسزا اور موت کے بعد دائمی زندگی کا مفہوم بے مقصد ہو جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان کا وجود انسانی زندگی کے ساتھ اس دنیا میں موجود ہے۔ یوم جزا کے بعد شیطان کے وجود کا امکان ختم ہو جاتا ہے اور قیامت کے بعد نئی زندگی میں نیکی اور بدی کا دوبارہ دخل نہیں۔

زردشتی مذہب میں گناہ کبیرا

زردشتی مذہب میں مندرجہ ذیل گناہِ کبیرہ ہیں

۱۔ غیر فطری جماع

۲۔ مردوں سے مباشرت کرنا

۳۔ نیک آدمی کا قتل

۴۔ شادی کے بندھن کو توڑنا

۵۔ متبنّے کی ذمہ داری سے دست برداری

۶۔ متبرک آگ کو خراب (گندہ) کرنا

۷۔ ماشکی (آب بردار) کو قتل کرنا

۸۔ بت پرستی

۹۔ ہر مذہب کی پیروی اور عبادت کرنا

۱۰۔ کسی کے مال کو غبن کرنا۔ بددیانتی

۱۱۔ کسی شریر آدمی کی مدد کرنا تاکہ وہ جھوٹوں کی مدد کرے

۱۲۔ کوئی کام نہ کرنا اور بغیر تشکر کے غیر قانونی طور پر کھانا

۱۳۔ افواہیں پھیلانا

۱۴۔ سحر (جادوگری)

۱۵۔ ملحد ہونا

۱۶۔ دیوتاؤں کی پوجا کرنا

۱۷۔ چوری کا ارتقاب یا اسکی اعانت

۱۸۔ وعدہ خلافی کرنا

۱۹۔ کینہ رکھنا

۲۰۔ لوگوں کو لوٹنا اور مجبور رکھنا

۲۱۔ نیک آدمی کو گزند پہنچانا

۲۲۔ الزام تراشی

۲۳۔ تندی/شوخی کا اظہار

۲۴۔ تعدی/ظلم

۲۵۔ ناشکری/احسان فراموشی

۲۶۔ جھوٹ بولنا

۲۷۔ مردہ لوگوں کے متعلق بے بنیاد خبریں پھیلانا

۲۸۔ برے کاموں سے خوشی محسوس کرنا

۲۹۔ گناہ کی ترغیب دینا اور اچھے کام کو پس پردہ رکھنا

۳۰۔ دوسروں کی ترقی اور خوشحالی پر غم زدہ ہونا

مذکورہ بالا بحث سے معلوم ہوا کہ قدیم مذاہب میں زردشتی مذہب کے اصول تمام الہامی مذاہب کی روح کے مطابق ہیں۔ بت پرستی۔ بدکاری۔ جھوٹ فریب اور احسان فراموشی سنگین جرائم ہیں۔ خدا کو عظیم ترین قوت اور کائنات کا مسبب سمجھنا اور اسکی وحدانیت اور یکتائی کا اقرار یہ سب ایسے عقائد اور اقدار ہیں جو دین موسیٰ و دین عیسیٰ اور دین محمدؐ کے ساتھ مطابقت رکھتے ہیں۔ جہاں تک طریقہ عبادات و اذکار کا تعلق ہے ہر مذہب کا طریقہ جدا گانہ رہا ہے مگر زردشتی مذہب کے اذکار بھی خدا کی واحدانیت کے اقرار پر مبنی ہیں جیسا کہ گذشتہ اوراق میں بتا دیا گیا ہے۔

خلاصہ بحث:۔

المختصر خلاصہ بحث یہ ہے کہ زردشتی مذہب کے علماء اور قاضی اور اسکے پیروکار جن کو (گبری اور (مغ) کہا گیا ہے وہ اپنے عہد کے پکے خدا پرست و یکتا پرست تھے ان کی اپنی قدیم مدنیت کسی اور مدنیت سے کم نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان فاتحین کے ہاتھوں انہوں نے فوراً اسلام قبول نہیں کیا بلکہ آہستہ آہستہ اسکی روح سے آشنا ہو کر انہوں نے اسلام کو عقیدے کے طور پر اختیار کیا ہے۔ مگر اسلام قبول کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے اپنی عجمی شناخت کو برقرار رکھا وہ پہلے بھی خداء یکتا (آہورامزدا) کی پرستش کرنے والے تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد بھی ایک (آہورامزدا) خداء واحد (لا الٰہ الا اللہ) کی پرستش کرنے والے مسلمان تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ کی یکتائی کے ساتھ ساتھ اپنی قدیم مدنی پہچان کو برقرار رکھتے ہوئے (گبری) اور (مغ) کہلانا کوئی عار نہیں گردانا بلکہ اسے اپنی عظمت رفتہ کا نشان سمجھ کر اپنے قومی تشخص کو برقرار رکھا اور اگرچہ ان کے مقبوضہ علاقوں کو مورخین نے مملکت (گبر) (Gibar Country) لکھا ہے یعنی آتش پرستوں (Fire worshippers) کا ملک مگر تاجک سواتی کی تینوں شاخیں (گبری متراوی۔ ممیالی) اسلام قبول کرنے کے بعد ٹھیٹھ قسم کے پکے مسلمان تھے۔ وہ مسلمان ہونے سے قبل بھی خدائے یکتا پر ایمان رکھتے تھے اور مسلمان ہونے کے بعد بھی وہ خداء واحد کی پرستش کو اپنے ایمان اور عقیدے کا لازمی جز سمجھتے تھے۔ وہ ملحد تھے نہ مشرک بلکہ میجر راورٹی کے مندرجہ ذیل بیان کے مطابق وہ مطلق خدا پرست پکے مسلمان تھے:۔

"The Gibaries were orthodox Musalmans and had been for a very long period." (1)

یہ لوگ پٹھان ہوں یا نہ ہوں مگر علاقائی نسبت کے اعتبار سے افغان ضرور ہیں کیونکہ بدخشاں، بلخ اور کنڑ شمالی افغانستان کے حصے ہیں ان کی حکمرانی بلخ، بدخشاں، سیستان وغیرہ علاقوں میں عہد قدیم

"Notes on Afghanistan & Baluchistan" By Maj. Raverty PP 156 (1)

سے قائم رہی ہے اور ساسانیوں کے عہد میں سیستان کا علاقہ خصوصاً ان کی فرمان روائی کا علاقہ تھا۔ عربوں نے جب سیستان پر حملے شروع کیے تو ان کو گبری فرمانرواؤں اور دہقانوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان جنگوں کے حالات البلاذری کی (فتوح البلدان) میں تفصیل سے درج ہیں۔ رخد (قندھار)، بست، زرنج، غزنی اور غور اور مشرق میں مکران اور کوہ سلیمان کے علاقے ان کے زیر نگین تھے۔ پہلی صدی ہجری سے تیسری صدی ہجری کے وسط تک ان کے حکمران خاندان کا لقب (رتبیل) تھا۔ رتبیل اول سے رتبیل نہم تک کا مختصر ذکر عبدالحیٔ حبیبی نے اپنی تصنیف ''افغانستان بعد از اسلام'' میں کیا ہے اور رتبیل نہم جسکا نام ''گبر'' تھا یعقوب لیث کے ہاتھوں ۲۵۸ھ میں قید ہوا اور اُسکے ساتھ ہی اس خاندان کا نام و نشان باقی نہ رہا۔

تیسری صدی ہجری کے وسط میں افغانوں کے روحانی پیشوا تین بھائی ہیں جن کے نام ''غورغشت''، بیٹن اور سڑہ بن پسران، عبدالرشید کیس، (۱) اور ان پر سب سے قدیم تبصرہ سلیمان ماکو (۶۱۲ھ) نے اپنے تذکرہ میں کیا ہے۔ ان تینوں بھائیوں کا گروہی اور قبیلوی نفوذ حدود (250 تا 300ھ) کوہسار غور سے لیکر کوہ سلیمان تک رہا ہے۔ خرشبون قبیلے کے افغان، مشرقی افغانستان میں پھیلے ہوئے تھے، چنانچہ عبدالرزاق سمرقندی نے اپنی تصنیف (مطلع سعدین) میں ان کا ذکر غزنین و برمل کے علاقوں میں بنام (افغاناںِ خرشوانی) کیا ہے۔ (۲)

یہ بھی واضح رہے کہ کوہسار غور سے کوہِ سلیمان تک کے علاقے اور جنوب میں بلوچستان اور مکران کے علاقے رتبیل ہشتم کی قلمرو میں شامل تھے جسے یعقوب لیث (صفاری) نے ۲۵۵ھ میں شکست دے کر قتل کر دیا تھا اور اس کے بھائی (احرس) اور بیٹے رتبیل نہم جسکا نام (گبر) تھا کو بست کے قلع میں قید کر دیا تھا اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ افغان کوہسار غور سے کوہِ سلیمان تک قبائلی حکمرانی ساتھ ساتھ رتبیلان زابلستان (سیستان) کے مرکزی نظام کے تابع تھے۔ رتبیلان سیستان و

(۲،۱) تاریخ مختصر افغانستان ص ۱۲۶۔۱۲۵ بحوالہ مطلع سعدین ج ۲ جز اول ص ۳۵۹، طبع لاہور تالیف عبدالرزاق سمرقندی (۸۲۰ھ)

زابلستان مدنیت کے اعتبار سے (گبری) تھے اور ان کی زبان بھی (گبری) تھی جو اوستائی اور پہلوی زبان کی ترقی یافتہ شکل ہے اور اسی سے دری اور جدید فارسی وجود میں آئی ہے۔ چونکہ پشتون ان علاقوں میں گبری رتبیلوں کی رعیت تھے اس لئے یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام قبول کرنے سے قبل افغانوں کی زبان بھی گبری اور دری ہو اور رفتہ رفتہ ان مقامی زبانوں کے اختلاط سے پشتو وجود میں آئی ہو۔ قندھار میں (سیر المتاخرین ص ۶۵) کے مطابق (ہر طائفہ زبان خویش بسراید) مثلاً ترکی، مغولی، فارسی، ہندی، افغانی، تیراہی، گبری، ترسائی، لمغانی، غربی ایماقی وغیرہ۔

الحتصر قبیلہ تاجک سواتی کا گبری تشخص ان کے آریائی اصل پر دلالت کرتا ہے وہ بنی اسرائیل نہیں بلکہ روایت تواترہ کے مطابق ذوالقرنین (سائرس) کی نسل سے ہیں جو ہخامنشی خاندان کا بانی اور عظیم حکمران تھا اس پس منظر میں تاجک سواتیوں کے نسب کے تعین میں اسکندر ذوالقرنین پر مختصر بحث کی گئی ہے کیونکہ سواتی قبیلہ کے نسب نامے ذوالقرنین پر منتج ہوتے ہیں۔ بعض مورخین نے کورش کبیر (سائرس) کے بجائے اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین تصور کیا ہے جس کے سبب تاجک سواتیوں کے نسب ناموں میں اسکندر مقدونی کا غلط اندراج ہوا ہے۔ اور اس غلطی کے سبب تاجک سواتیوں کو ایرانی الاصل ہونے کے بجائے یونانی الاصل بنا دیا گیا ہے یہ غلطی ابن البلخی کے (فارس نامہ) (۱) میں اسکندر مقدونی کے لکھے گئے نسب نامہ کی وجہ سے پیدا ہوئی لہٰذا آئندہ اوراق میں کورش کبیر (سائرس) ہخامنشی اور اسکندر مقدونی پر تاریخی حوالوں سے مختصر بحث کی جائے گی تاکہ ذوالقرنین کی شخصیت اور کردار کو سمجھنے اور سواتیوں کی اصل کو جاننے میں آسانی ہو۔

---

(۱) ابن البلخی۔ کنیت مورخی ایرانی معاصر محمد بن ملک شاہ سلجوقیو اودرزما سلطان محمد مستوفی فارسی بودو کتاب فارس نامہ ازاوست (بحوالہ علی اکبر دھخدا لغت نامہ ص ۲۹۶

نوٹ: ابن البلخی کی تائید میں ابو علی سینا نے اپنی کتاب (شفا) میں مناقب ارسطو کے بیان میں اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین تصور کیا۔ ابن اثیر کی تالیف (المرصع) میں بھی یہی تحریر ہے۔ مگر آقائے علی اکبر دھخدا نے اپنی تالیف (لغت نامہ) میں ص ۱۲۴۔۱۹۲ میں ایک مفصل روئیداد لکھی ہے اور مختلف روایات کو زیر بحث لا کر مولانا ابو الکلام آزاد کی مطابقت میں کورش کبیر کو ذوالقرنین قرآنی ثابت کیا ہے۔

باب پنجم

قبیلہ تاجک سواتی کے متعلق مختلف تاریخی بیانات اور روایت ذوالقرنین

قبیلہ تاجک سواتی کے متعلق مختلف تاریخی بیانات درج ذیل ہیں۔

۱۔ پہلا بیان از اخون درویزہ (956ھ تا 1048ھ):۔

اخون درویزہ نے اپنی تصنیف (تذکرۃ الابرار والاشرار) کے صفحہ 113 پر اپنی والدہ محترمہ کا نسب نامہ لکھ کر اپنی والدہ کو سلطان بہرام ابن سلطان کہجامن سے منسوب کیا ہے۔نسب نامہ درج ذیل ہے۔

''مسمات قراری بنت نازو خان بن ملک داور پائے بن ملک بابو بن سلطان قران بن سلطان خواجہ بن سلطان تومنا بن سلطان بہرام بن سلطان کہجامن بن سلطان ہندو بن سلطان جرس بن سلطان جمار وسماع است کہ سلطان جمار از اولاد سلطان شموس است و سلطان شموس پسرے بود از پسران سلطان سکندر ذوالقرنین''

۲۔ آئین اکبری (فارسی) از ابوالفضل ص 186 در ذکر سرکار سواد:۔

سرکار سواد:۔

''دروسہ ولایت۔بنیر۔سواد و بجور

نخستین (بنیر) دراز شانزدہ کروہ۔ پہنا دوازدہ۔شرقی پکلی، شمالی کتور و کاشغر جنوبی اٹک بنارس غربی سواد۔از ہندوستان دوراہ رود، گریو شیر خانی و کوتل بلندی اگرچہ، ہر دو دشوار گذار لیکن اولین سخت تر۔

دوم:۔

(سواد) دراز چہل کرہ پہنا از پنج تا پانزدہ برآمد۔آفتاب بنیر، شمالی کتور کاشغر جنوب بگرام

(پشاور) فروشدن آفتاب بجور۔فراواں درہ دارد و نزدیک درہ و مغارکہ بہ کاشغر پیوندد۔قصبۂ منگلور حاکم نشین۔از ہندوراہ رود، گریو ملکنڈ بج شیر خانہ۔گرما و سرما بسیار نشود۔ برف بارد لیکن در دشت زیادہ از سہ چہار روز نبود۔در کوہسار ہمہ سال زمستاں بہار ہنگام بارش ہندوستان ساریزش ابر شود۔بہار و خزاں او بسی شگف آور۔گلہائے توران و ہندوستان درو بنفشہ و نرگس خود رو۔صحرا گونا گوں میوہ ہائے خود رستہ۔شفتالو و ناشپاتی خوب شود۔باز و جرہ و شاہین گزیدہ بہم رسد۔وکان آہن درو۔

سوم:۔

(بجور) دراز بست و پنج کروہ۔ پہنا از پنج تا دہ۔خاور سوسواد۔شمال کتور و کاشغر، جنوب بگرام باختر (پشاور) نورگل۔از کابل فراواں درہ درو۔بقۂ باستانی۔قلعہ استوار دارد و حاکم نشین۔ گویند امیر علی ہمدانی دریں جارخت ہستی بربست و بحکم وصیت بختلان بردند۔

ہوائے او سواد آسا و لیکن سردی و گرمی لختے افزوں۔بیش از سہ راہ ندارد یکے راہج و دیگر کنیر (کنڑ) و نورگل و آسان ترین دانش کول۔ پیوست ایں دشتے است میان کوہ و دریائے کابل و سندھ دراز سی کروہ پہنا از بست تا بست و پنج۔ ہمگی ایں سرکار از کوہ و دشت۔ یوسف زئی را بنگاہ در زمان مرزا الغ بیگ کابلی از کابل بدین سرزمین رسیدند و از سلطانان کہ خود را دختری نژاد سکندر ذوالقرنین میگیرند، گرفتند۔گویند سلطان برخے خزائین خود را با بعضے خویشاں دریں بلا گذاشتہ بود و ہنوز چندے از یں گروہ دریں کوہستان بسر برند و نسب نامہ سکندری در دست''

۳۔ عالمگیر نامہ ص 1040:۔

''و در آں سرزمین گروہے کہ لقب (سلطانی) یافتند و خود را از نژاد دختری سلطان اسکندر می پنداشتند ،مرزبان بودند''

۴۔ چوتھا بیان: سیر المتاخرین ص 64:۔

''یوسف زئی را بنگاہ در زمان مرزا الغ بیگ کابلی (از) کابل بدیں سرزمین رسیدہ از داؤد

سلطان کہ خود را دختر زادۂ سلطان سکندر ذوالقرنین می گیرند، بر گرفتند گویند سلطان برخے ابنائے خود را بالختے فوج وخویشاں دریں بلاد گذاشتہ بود و ہنوز چندے ازیں گروہ دریں کوہستان بسر برندو نسب نامۂ سکندری در دست دارند

۵۔پانچواں بیان۔ تاریخ مختصر افغانستان از عبدالحیٔ جیبی ص 193 - 192:۔

''درحدود (۸۰۰ھ =۱۳۹۸ء) کہ تاخت وتاز تیمور در صفحات افغانستان جاری بود۔ در درہ ہائے کنڑ خانوادۂ محلی حکمرانی داشتند کہ آنہارا بلقب (سلطان) میخواندند۔ ایں دودمان در درۂ (پیچ) کنڑ مرکزی داشتند وافسانہائے محلی آنہارا باولاد ذوالقرنین منسوب می دانستند۔ از مشاہیر ایں دودمان سلطان پکھل وسلطان بہرام دو برادر ند فرزندان سلطان کہجامن بن بندو کہ سلطان پکھل از لغمان تا کنڑ و باجوڑ وسوات و کشمیر حکم میراند وموضع پکھلی (واقع ضلع ہزارہ صوبہ سرحد) منسوب بہ اوست ودر درہ ہائے کنر (کنڑ) کتیبہ ہائے ازو باقی ماندہ است وبعد از و پسرانش در سوات بہم آویختند وجنگی عظیم کردند اما سلطان بہرام لغمان وننگر ہار را بہ تصرف آوردہ وبرخی از مخالفان خود را بہ پشاور نفی کرد ومرکز حکمرانی او پاپین دامنۂ سپین غر بود و بعد از برادر اراضی متعلقہ را تا کشمیر بدست آورد و بر مملکت از حدود کابل تا کشمیر حکم راند و بعد از و سلطان تومناز مام حکمرانی بدست گرفت ولی حکمرانی ایں خاندان در سلاسل کوہائے شنوار و کنڑ و سوات و باجوڑ تا ضلع ہزارہ و کشمیر محدود ماندہ در دامنہ ہائے ودشتہائے کابل وننگرہار و پشاور مہاجرت ہائے اقوام پختون صفحات قندھار و مجرائے نہر ارغنداب در عصر اولاد تیمور آغاز شد''

یہ عبارت وضاحت طلب ہے سلطان پکھل نے کنڑ،لغمان،باجوڑ،سوات و پکھلی (ہزارہ) تا کشمیر فتح کئے اوراس کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں کے درمیان سوات میں جنگ عظیم ہوئی چنانچہ سلطان بہرام نے اپنے بھائی کی وفات کے بعد ان علاقوں کو دوبارہ فتح کیا اور کابل تا کشمیر مملکت گبر قائم کی راورٹی نے اسے گبر امپائر لکھا ہے۔دوسری اہم بات یہ ہے کہ یوسف زئی وغیرہ امیر تیمور کے بعد اس کی اولاد کے زمانے میں قندھار سے کابل پشاور لغمانات میں آ گئے تھے مگر ابتدا میں یہ لوگ سواتی سلاطین کی رعیت کے طور پر رہ رہے تھے مملکت گبر چنگیز خان کے حملے

سے قبل کابل تا کشمیر قائم ہو چکی تھی جو امیر تیمور کے عہد تک (۲۰۰ سال تک) قائم رہی اور امیر تیمور کے عہد میں لغمان اور ننگرہار اور کنڑ اس سے الگ ہو گئے تھے اور تیموری سلطنت کا حصہ بن گئے تھے۔جبکہ سوات،بنیر اور باجوڑ اشنغر پر مشتمل پکھلی سرکار تشکیل کر کے کشمیر سے الحاق ہو گیا تھا۔

۶)چھٹا بیان از میجر روٹی:۔

راورٹی نے اپنی تصنیف Notes on Afghanistan & Baluchistan کے ص ۵۱ اور ص ۵۲ پر تحریر کیا ہے:۔

"This place(Nangarhar) Sultan Behram, a descendant of sultans of Pich, who claimed descent from a son of Alexander of Macedon took possession of and conquerred the tracts as far as the sufaid koh of Nangarhar."....................

and on page 156 of "Notes" he writes :-

"The Badshahs of Badakh-shan, who were Musalmans claimed descent from Sikandar-e-Zulfqarnain, who had hither-to been independet, all joined Amir Timur against Amir Hussain."

۷)ساتواں بیان:۔

میجر ایچ۔ڈبلیو بلیو(Major H.W. Bellew) اپنی تصنیف (The Races of Afghanistan P109-112) میں ''تاجک'' رکھتے وقت بدخشاں اور اُسکے مضافات میں پہاڑی دروں میں رہنے والے تاجکوں پر بحث کرتے لکھتے ہیں:۔

"Thus the Indian Races on the Southern slopes of Hindu-Kush who have been converted to Mohammadanism and speak persian (as well as to some extent their dialects) are commonly called Tajik. The term is also applied to the representatives of the ancient Persian

inhabitants of Badakhshan and its inaccessible Mountain glens, ..."They are professedly Musalmans of either the Sunni or Shia sects; claim to be descendants of Alexander the Great and his Greek Soldiers.........and speak different dialects of Persian, which are supposed to be off shoots of the ancient Pahlavi"

تبصرہ:۔

مذکورہ بالا ساتوں بیانات تاریخی بیانات ہیں اوران کا تاجک قبیلہ کے حسب ونسب سے تعلق ہے اس لئے تاریخی پس منظر میں ان کا تنقیدی جائزہ پیش کرنا ازحد ضروری ہے۔ گذشتہ اوراق میں بیان کیا جاچکا ہے کہ قبیلہ تاجک سواتی کنڑ اور بدخشاں کے تاجک کی اُس شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنے آپ کو سلطان سکندر ذوالقرنین کی اولاد بتاتے ہیں۔ ذوالقرنین کی روایات ان سات تاریخی حوالوں میں تسلسل سے موجود ہے البتہ سلسلہ نمبر ۶ و ۷ پر انگریز مورخین کی روایت کے مطابق ذوالقرنین اسکندر مقدونی ہے جبکہ دیگر حوالہ جات میں (۱ تا ۵) ذوالقرنین کا ذکر موجود ہے مگر اسکی شخصیت اور پہچان کے بارے میں کوئی تبصرہ نہیں کیا گیا۔

موجودہ تحقیق کے مطابق ہخامنشی خاندان کا ساتواں فرمانروا کورش کبیر جسے یونانی اور یورپین مورخین نے سائرس، عربوں نے خورس یا (کے خسرو) یہود نے اخسویرس یا اخوبرش لکھا ہے، قرآنی ذوالقرنین ثابت کیا گیا ہے۔ اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ کورش کبیر اور اسکندر مقدونی پر مختصر تبصرہ کیا جائے تا کہ قارئین ذوالقرنین کے متعلق موجودہ تحقیقات کے حوالے سے خود بھی رائے قائم کرسکیں کیونکہ قبیلہ تاجک سواتی کے نسب ناموں میں ذوالقرنین تواتر سے موجود ہے مذکورہ بالا تاریخی حوالوں میں ''آئین اکبری'' ''عالمگیر نامہ'' ''سیر المتاخرین'' میں تاجک سواتی حکمرانوں کو سکندر ذوالقرنین کی دختری اولاد لکھا گیا ہے جبکہ اخوند درویزہ نے اپنی تصنیف ''تذکرہ'' میں ان کو سلطان سکندر ذوالقرنین کے بیٹے سلطانشموس کی اولاد لکھا ہے۔

عبدالحئی حبیبی نے اپنی تصنیف ''تاریخ مختصر افغانستان'' میں مقامی روایات کے مطابق ان

کو اسکندر ذوالقرنین کی اولاد لکھا ہے مگر سلطان پکھل اور سلطان بہرام کے دور کے تعین میں غلطی کی ہے اور سواتی سلاطین کو یوسف زئی سرداروں سے خلط ملط کر کے ان کو امیر تیمور کے دور سے منطبق کر دیا ہے جو تاریخی لحاظ سے غلط ہے۔ گذشتہ اوراق میں بتا دیا گیا ہے کہ کونڑ (ننگر ہار، باجوڑ، سوات، بنیر، اشنغر اور پکھلی (ہزارہ)) پر مشتمل مملکت گبر (Gibar Country) یا بالفاظ میجر راورٹی (Gibar Empire) چنگیز خان کے حملے سے قبل تشکیل پا چکی تھی اور چنگیز خان نے سلطان جلال الدین خوارزم شاہ اور اغراقیوں کے تعاقب میں ولایت گبر (سوات، باجوڑ) میں تین ماہ قیام کیا تھا (۱) چنگیز خان نے ۶۱۸ھ (۱۲۲۰/۲۱ء) میں حملہ کیا تھا۔ اس سے کافی عرصہ قبل مملکت گبر وجود میں آچکی تھی جس کے بانی سلطان پکھل اور سلطان بہرام تھے جو تاجک سواتیوں کے مورث ہیں اور کنڑ کے درہ پیچ کے سلاطین کی نسل سے ہیں اس لئے ان کو ۸۰۰ھ یا ۸۱۰ھ کے حکمران قرار دینا تاریخی غلطی ہوگی۔ البتہ ۸۰۰ھ کے دوران قندھار اور نواحی علاقوں سے افغانوں کی ہجرت شروع ہوگئی تھی جو امیر تیمور کے بعد اُسکی اولاد کے زمانے میں لغمان اور ننگرہار میں آباد ہو گئے تھے۔

حوالہ نمبر ۶، ۷ مذکورہ بالا کے مورخین انگریز ہیں جنہوں نے بہ نفس نفیس بدخشاں، کنڑ، لغمان باجوڑ، سوات وغیرہ علاقوں کا دورہ کیا اور مقامی لوگوں اور قبائل کے سرداروں سے ملاقاتیں کیں اور اسکے علاوہ ان افغان اقوام کے متعلق سابقہ کتب تاریخ کا وسیع مطالعہ بھی کیا تھا اور اپنے علمی اور ذاتی معلومات کی بنا پر ان کو تاجک لکھا ہے مگر ذوالقرنین کی روایت پر خاموشی برتنے کے بجائے اسے اسکندر مقدونی قرار دیکر بدخشاں اور کنڑ کے پہاری دروں میں رہنے والے لوگوں کو اسکندر مقدونی کی اولاد لکھ دیا ہے حالانکہ میجر بلیو (Major Bellew) اور میجر راورٹی (Major Raverty) دونوں نے ان تاجک کو قدیم فارسی نژاد قرار دیا ہے (۱) اور قدیم فارسی الاصل یا پارسی نژاد لوگ یونانی الاصل مقدونیوں کی اولاد نہیں ہوسکتے خصوصاً جب اُنکی مقامی زبان

---

(۱) Notes on Afghanistan & Baluchistan by Maj. Raverty P 156

بھی پہلوی یا پہلوی سے برآمد شاخیں ہوں۔ یہ زبان (اوستا اور زند) کی زبانیں ہیں جو بلخ، بدخشاں اور شمالی ایران میں بولی جاتی تھیں۔ ان لہجوں اور زبان کا یونانی زبان سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی یونانی نژاد لوگ پہلوی زبان میں گفتگو کرتے تھے۔ اس سے قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ بدخشاں اور کنڑ کے مضافات میں رہنے والے لوگوں نے جس سکندر ذوالقرنین اور اُسکے سپاہیوں کا ذکر کیا ہے وہ یونانی سکندر اعظم اور اُسکی سپاہ نہیں ہو سکتے بلکہ وہ کورش کبیر (سائرس) ہے۔

حوالہ نمبر ۱، ۲، اور ۳ مذکورہ بالا میں سریحاً لکھا گیا ہے کہ سلطان سکندر نے اپنی اولاد اور رشتہ داروں کو کچھ فوج اور خزانوں کے ساتھ اس علاقے میں چھوڑ دیا اور یہ لوگ اِس سلطان سکندر اور اُسکی اولاد و رشتہ داروں اور سپاہ کے پس ماندگان ہیں نہ کہ سکندر مقدونی کے، کیونکہ سکندر مقدونی کی کوئی نرینہ بالغ اولاد نہ تھی جس سے بدخشاں کے تاجکوں کی نسل پھیلی ہو اور اُنھوں نے اسکندر مقدونی کے عہد سے تقریباً ایک ہزار سال قبل وجود رکھنے والی زبان (پہلوی) بولنا سیکھی ہو۔

المختصر میجر بلیو اور میجر راوٹی نے ایرانی الاصل ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی گردان کر تاجکوں کے اس مخصوص طبقہ کو اسکندر مقدونی کی اولاد قرار دیا ہے جو غلط ہے۔ ان تاجکوں کی زبان، روایات، رسم رواج ہی ان کو غیر یونانی ثابت کرنے کے لئے کافی تھیں۔ اس لئے آئندہ اوراق میں کورش کبیر ہخامنشی شہنشاہ ایران اور اسکندر مقدونی پر مختصر بحث کی جائیگی کیونکہ ذوالقرنین کی غیر متعینہ شخصیت کے باعث بعض مسلمان علماء اور مورخین نے بھی اسکندر مقدونی کو قرآنی ذوالقرنین کا مترادف قرار دیا ہے جس کے باعث غالباً بلیو (Bellew) اور راورٹی (Raverty) نے بھی اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین گردانا ہے اور اسی غلطی کے سبب اسکندر مقدونی کو قبیلہ تاجک سواتی کا مورث گردان کر اُسکے نام کا اندراج قبیلہ سواتی کے نسب ناموں میں کر دیا گیا ہے۔ ابن البلخی پہلا مورخ ہے جس نے اسکندر بن فیلقوس کو ذوالقرنین تصور کر کے اپنی تصنیف (فارس نامہ) میں اسکندر مقدونی کا نسب نامہ مرتب کر کے لکھا ہے جسے طبقات ناصری کے مصنف منہاج سراج جوزجانی نے بے اصل قرار دیا ہے۔ جوزجانی نے طبقات ناصری جلد

اول ص ۲۷۴ حاشیہ ۱۵ پر لکھا ہے

(طبری نے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ اسکندر بن بیلبوس بن مطریوس۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ابن مصریم بن ہرمس بن ہردس بن میطون بن رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نویہ بن سرجون بن رومیہ بن ترتط بن نوفیل بن رونی بن الاصفر بن الیفر بن العیص بن اسحاقؑ تھا۔ یہ سب نسب نامے بے اصل ہیں۔)

ابن بلخی کے "فارس نامہ" کے نتیجہ میں اسکندر مقدونی قبیلہ سواتی کے نسب ناموں میں بحیثیت مورث درج کر دیا گیا اور کسی نے بھی یہ جاننے کی کوشش نہ کی کہ بلخ کی فتح کے بعد اسکندر نے اپنی کسی اولاد کو فوج اور خزائن دے کر بلخ کی حکمرانی سونپی تھی؟ یہ تحقیق کوئی مشکل کام نہ تھا کیونکہ اسکندر مقدونی کے تفصیلی حالات یونانی مورخین نے قلمبند کئے ہیں اور اُسکی عقدی اور غیر عقدی بیویوں اور ان کی اولاد کا تذکرہ موجود ہے۔ اسکندر کی کوئی بالغ اولاد نہ تھی اور نہ ہی اُس نے کسی شموس نام بیٹے کو اپنی دیگر اولاد اور رشتہ داروں اور فوج کے ساتھ اس علاقے میں چھوڑا تھا۔ اسکے برعکس کورش کبیر اور ہخامنشی خاندان کے حکمرانوں کے حالات مکمل طور پر دستیاب نہیں اور جو کچھ ایران باستان کی تاریخ کے متعلق دستیاب ہے وہ بھی ملی افسانوں اور ادبیات سے ماخوذ ہے یا یونان کے ان مورخین کی تحریروں کا نتیجہ ہے جو ایرانی دربار کے ملازم تھے۔ کورش کبیر کے حالات بھی انہی ملی افسانوں کے رہین منت ہیں۔ کیونکہ ایرانی مورخین کی لکھی تاریخ اسکندر کے حملے کے نتیجے میں ضائع ہوگئی۔ یونانی مورخین ہردوت اور کزنفون نے کورش کبیر کا نسب نامہ حسب ذیل لکھا ہے جس کی تصدیق (نقش رستم) اور فریدون بدرہ ای کی تالیف (کورش کبیر) در قرآن مجید و عہد عتیق ص ۸ سے ہوتی ہے۔

یونان کے اکثر مورخین ایرانی دربار کے ملازم تھے انہوں نے ہخامنشی بادشاہوں کی سیاسی اور نظامی سرگرمیوں کا تذکرہ کیا ہے مگر ان کی نجی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات فراہم کی ہیں۔

شجرۂ نسب خاندان ہخامنشی

۱۔ ہخامنشی (AKLHAMENES)

۲۔ چیشپش (TEISPES-I)

۳۔ کمبوجیہ اول (CANBYSES-I)

۴۔ کوروش اول (CYRUS - I)

۵۔ چیشپش دوم (TEISPES - II)

شعبۂ پارس

۱۔ اریامنا(ARIARMENES)

۲۔ ارشام(ARSAMES)

۳۔ ویشتاسپ(HYSTASPES)

۹۔ داریوش(Darius)(523ق م تا486ق م

۱۰) خشیارشا(XERXES)=(486-456ق م)

۱۱۔ اردشیر اول(ARTAXERXES) =456-423ق م

۱۲۔ داریوش دوم=(DARIUSII)(423-404)ق م

۱۳۔ اردشیر دوم 404-358ق م

۱۴۔ اردشیر سوم = 358 - 338

(ARTAXERXES-III)ق م

۱۵۔ [illegible]شک(ARSES) 338-336ق م

شعبۂ انشان

۶۔ کورش دوم (Cyrus-II)

۷۔ کمبوجیہ دوم(CAMBYSES-II)

۸۔ کورش کبیر(Cyrus The Great)

(۵۵۰ق م تا۵۲۹ق م)

۹۔ کمبوچیہ سوم(Cambyses-III)

(۵۲۹۔۵۲۳ق م)

نوٹ:۔

کمبوچیہ نے مصر پر چڑھائی کی اور فتح کرنے کے بعد وہاں رک گیا اسکی عدم موجودگی میں ماد کے لوگوں نے بغاوت کردی مصر سے واپس ہوا مگر شام پہنچ کر مارا گیا یا طبعی موت مر گیا اور حکومت امرا کی مرضی سے داریوس ابن وشتاشب جو شعبہ پارس سے تعلق رکھتا تھا کو منتقل ہوگئی۔

اسکندر اعظم کے حملے کے وقت ہخامنشی خاندان کا ایک فرد جس کا نام بسوس (Besus) تھا بلخ کا حکمران تھا اور یہ وہی شخص ہے جو داریوش (اردشیر سوم) کو اپنے ساتھ بلخ لے جانا چاہتا تھا مگر اردشیر کے انکار پر اُس نے اپنے ساتھیوں سمیت اردشیر کے رتھ پر تیروں کی بارش کردی جس سے اردشیر ذخمی ہو کر ہلاک ہو گیا تھا۔ اسکندر اعظم نے بسوس(Besus) کا تعاقب کر کے اسے شکست دیکر گرفتا کرلیا تھا اور ہمدان میں اُسے پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ اس کا تفصیلی تذکرہ آئندہ اوراق میں کیا جائیگا۔ بہر حال بسوس کا مختصر حوالہ اس لئے دیا گیا ہے تا کہ سواتیوں کے مورث اعلی سلطان شموس (S e m u s) سے اسکا تعلق تلاش کیا جا سکے۔ ''بسوس'' (Besus) اور شموس دونوں نام اور الفاظ ایک ہی ریشہ اور زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یونانی زبان میں حرف ''ش'' کا استعمال نہیں ہوتا اور حرف 'س' اور 'ش' کے لئے یونانی حرف ''S'' (ایس) استعمال کیا جاتا ہے اس لئے شموس کو یونانی لہجہ میں (semus) لکھا جائیگا جو لغوی اعتبار سے ''بسوس'' (Besus) کا ہم ریشہ نام ہے۔ اس لئے قیاساً کہا جا سکتا ہے کہ 'شموس = (Semus) پہلا شخص ہوگا جس کو کورش کبیر (Cyrus) نے بلخ اور بدخشاں کی فتح کے بعد کچھ فوج اور خزانہ دیکر حکمران بلخ بنا دیا ہوگا جسکی پانچویں یا چھٹی پشت سے بسوس((Besus ہوگا جو اسکندر اعظم کے حملے کے وقت حکمران بلخ تھا اور ہخامنشی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی لئے بسوس (Besus) نے اردشیر سوم کے قتل کے بعد اردشیر چہارم کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا مگر اسکندر اعظم نے اسے شکست دیکر قید کر دیا اور بعد میں پھانسی دے دی۔

اسکندر اعظم نے بلخ کی فتح کے بعد بدخشاں کا رخ کیا مگر وہاں کے حکمران جسکا نام خوری نس(Khorienes) تھا نے اسکندر کی اطاعت قبول کرلی تھی اور اسکندر نے پہاڑی قبائل کو مطیع کرنے کے بعد خوری نس (Khurienes) کو بدخشاں کی حکومت پر برقرار رکھا (۱)

---

(1) Gates of India by Col. Sir Thomas Holdich P 93.

خورنیس بھی بلخ کے حکمران بسوس کا ہم نسب ہخامنشی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ہخامنشی خاندان کے بادشاہوں کا یہ دستور تھا کہ وہ صوبوں یا ولایتوں کے حکمران شاہی خاندان کے افراد کو مقرر کیا کرتے تھے۔ قیاس یہی ہے کہ کورش کبیر نے بلخ اور بدخشاں کو فتح کر کے یہاں اپنے نبیرگان کو حکومت سپرد کی ہوگی جس کے سبب بدخشاں اور اسکے توابع کے پہاڑی تاجک باشندوں نے اپنے آپ کو اسکندر ذوالقرنین کی نسل سے ظاہر کیا ہوگا۔ ان شمالی علاقوں کے رہنے والے تاجک میدانی علاقے میں رہنے والے دوسرے تاجکوں سے اسی اعتبار سے ممیز ہیں کیونکہ دیگر تاجک اسکندر ذوالقرنین کی نسل سے ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہی وہ گبری یا پہلوی لہجہ کی قدیم زبانوں میں گفتگو کرتے ہیں۔ میجر بلیو (Major Bellew) نے بدخشاں اور اُسکے ملحقہ پہاڑی دروں میں رہنے والے بدخشی، وخشی اور روغانی (روشانی) قبیلے کے تاجکوں کو زبان۔ رسم و رواج اور شکل و صورت میں افغانستان کے دیگر تاجکوں سے مختلف قرار دیا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو روایت تواترہ کے مطابق ہمیشہ اپنے آپ کو ذوالقرنین کی نسل سے بتاتے ہیں اور بدخشاں کنز وغیرہ علاقوں میں ہخامنشی دور سے ان کی آزاد مقامی حکومتیں قائم رہی ہیں۔

اخون درویزہ نے تاجک سواتی کے مورثین سلطان پکھل اور سلطان بہرام کو از اولاد سلاطین (پیخ) (دراصل پیچ) لکھا ہے مگر ان کو بلخ کے سلاطین سے بھی منسوب کیا ہے۔ راقم الحروف نے انٹرنیٹ کے ذریعہ معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر کامیابی نہیں ہوئی۔ تجسس جاری ہے شاید آنے والے وقت میں ان کتبوں کے متعلق معلومات حاصل ہو جائیں۔ البتہ فی الحال روایت ذوالقرنین کو ملحوظ رکھتے ہوئے ذوالقرنین پر آئندہ باب میں لکھنے کی سعی کی جائیگی۔

گذشتہ تاریخی حوالہ جات میں ذوالقرنین کا تواتر سے ذکر موجود ہے اس لئے اس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ مگر ذوالقرنین کے ساتھ ایک اور روایت بھی شامل ہے جو ابوالفصل، عالمگیر نامہ اور سیر المتاخرین نے لکھی ہے اور وہ ہے قبیلہ تاجک سواتی کا ذوالقرنین کی دختری اولاد سے ہونے کا تذکرہ۔ ذوالقرنین کی اولاد کے متعلق مکمل معلومات کتب تاریخ میں نہیں البتہ اُس زمانے

ے امراء اور بادشاہ عقدی اور غیر عقدی بیویاں رکھتے تھے اس لئے یہ تصور کرنا کہ کورش کبیر کی صرف ایک بیوی ہوگی بعید از قیاس ہے۔ اس لئے حتمی طور پر یہ کہنا کہ کورش کبیر کا صرف ایک ہی بیٹا ہوگا درست نہ ہوگا۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا (میکروپیڈیا) ص 410-409 کے مطابق کورش کبیر (Cyrus -II The Great) کی اولاد کے متعلق درج ذیل معلومات فراہم ہوتی ہیں۔

" Little is known of the family life of Cyrus. He had two sons, one of whom, Cambyses, succeeded him, the other Bardia (Smerdis of the Greeks) was probably secretly put to death by Cambyses, after he became ruler. Cyrus had at least one daughter Atossa, who married her brother Cambyses, and possibly two others, but they played no role in history."

ترجمہ:۔

سائرس کی نجی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات ہیں۔ اُسکے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام کمبوجیہ (Cymbyses) تھا جو (باپ کے بعد) بادشاہ بنا۔ دوسرے کا نام باردیا تھا (جسے یونانی سمردس کہتے تھے) جسے غالباً کمبوجیہ نے بادشاہ بننے کے بعد خفیہ طور پر مروا دیا تھا۔ سائرس کی ایک بیٹی تھی جسکا نام اتوساتھا (Atossa) تھا اور جس نے اپنے بھائی کمبوجیہ سے شادی کر لی تھی اور غالباً (سائرس) کی دو اور بیٹیاں تھیں جن کا کوئی تاریخی کردار نہیں''

اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ سائرس کی ازدواج اور اولاد کا کوئی سرکاری ریکارڈ موجود نہیں ماسوائے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے گرچہ امکانی طور پر دو اور بیٹیوں کا ذکر بھی کیا گیا ہے جنہوں نے تاریخ میں کوئی اہم کردار ادا نہیں کیا۔

سائرس کی جن دو گمنام بیٹیوں کا ذکر انسائیکلوپیڈیا میں ہوا ہے۔ قیاساً ان میں سے ایک بیٹی قبیلہ تاجک سواتی اور بدخشاں کے بادشاہوں کی مورثہ ہو اور اُسکی شادی بھی اپنے ہی بھائی شموس (Semus) سے ہوئی ہو جس کو ذوالقرنین (سائرس) نے کچھ دیگر رشتہ داروں اور فوج

اور کچھ خزانوں کے ساتھ بلخ اور بدخشاں کی حکمرانی پر مامور کردیا ہو۔ اور غالباً اسی قیاس کے تحت ، ابوالفضل نے آئین اکبری میں ان سواتی حکمرانوں کو ذوالقرنین (سائرس) کی دختری اولاد لکھا ہو جسکی بعد میں عالمگیر نامہ سیر المتاخرین میں تائید کی گئی ہے۔ اس قیاس کو حال ہی میں دریافت ہونے والی (Mysterious Mummified Prinees) سے بھی تقویت ملتی ہے۔ جس کا نام اخبارات میں حورالکیان دختر کورش (Cyrus) آیا ہے اور تابوت پر میخی زبان میں تحریر ہے۔ آج کل یہ مجسمہ کراچی میوزیم کی زینت بنا ہوا ہے اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ یہ ایک (Fake) مجسمہ ہے اور اصل نہیں۔ ہمارے ہاں تحقیق کا ویسے بھی فقدان ہے اس لئے یہ ممکن ہے کہ آنے والے دور میں اس مجسمہ کے متعلق مزید معلومات ہو جائیں۔ یہاں اس کا حوالہ اس لئے دیا گیا ہے تاکہ یہ واضح ہو سکے کہ کورش کبیر (سائرس) کی اور اولادیں بھی تھیں۔ قبیلہ سواتی کے نسب ناموں پر آئندہ اوراق میں بحث کی جائیگی یہاں صرف اتنا واضح کردینا مقصود ہے کہ لعل خان مرحوم جاگیردار گلی باغ کے مرتبہ نسب نامہ میں سکندر ذوالقرنین کے 23 (تیئس) بیٹوں کا ذکر موجود ہے جن میں ایک ''سلطان شموس'' ہے جو مورث قبیلہ تاجک سواتی ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ اولادیں غیر عقدی (حرموں) سے ہوں جو تخت و تاج کی وارث نہ تھیں جسکے باعث کمبوچیہ ابن کورش کبیر کی وفات کے بعد حکومت داریوش کو منتقل ہوگئی جس نے سائرس کے مفتوحہ علاقوں میں امن بحال کیا' بغاوتوں کو فرو کیا اور دولت ایران کو مستحکم کیا جو دو سو سال تک اس خاندان میں قائم رہی اور ہخامنشی تمدن کو فروغ دیا۔ انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے مطابق :۔

" Cyrus was undoubtedly the guiding genius in the creation of not only of a great empire but in the formation of Akhamined culture and civilization. It was no accident that Xenophon chose Cyrus to be the model of a ruler for the lessons he wished to impart to his fellow Greeks."

ایلامی تہذیب اور مشرقی ایران:۔

شمالی ایران کا علاقہ ''ماد'' کہلاتا تھا جبکہ نینوا (شمالی عرق) پر سامی الاصل بادشاہوں کا تسلط تھا۔ ماد یا مدین حضرت ابراہیم کی بیوی قطورہ کے بیٹے مدین کی نسل سے ہین جبکہ جزیرۃ العرب کے شمال مشرقی حصہ میں حضرت نوحؑ کے بیٹے سام کی نسل آباد تھی۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے یافث کی نسل چین اور ترکستان میں آباد ہوئی اور انکی ایک شاخ ''آرین'' کہلائی جو کچھ ہندوستان میں کچھ ایران میں اور کچھ یورپ میں آباد ہوئی۔ ''ماداور'' سامی الاصل نینوا کی تہذیب کے اختلاط سے جو تہذیب وجود میں آئی وہ ''ایلامی تہذیب'' کہلائی جبکہ عراق کے جنوب میں ''آرامی'' تہذیب نے جنم لیا۔

آرام یا ارم حضرت نوح کے ایک بیٹے سام کا بیٹا تھا اور اسی آرام یا ارم کی نسل سے ''عاد'' نسل پھیلی جن کی عظمت وجلالت تفوق سیاسی اور قوت جسمانی مسلم تھی اور ان کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ وہ خوبصورت اور بڑی عالیشان عمارتیں بناتے اور باغات لگاتے تھے۔(۱) گویا ''ماد ''اور عراق کا مشرقی اور جنوبی علاقہ تہذیبی مراکز تھے جس سے نینوا اور بابل کی تہذیبیں ابھریں ''ایلامی تہذیب مغربی ایشیا کی تہذیب تھی۔ 701 ق م سے 650 ق م تک ماد کے مندرجہ ذیل حکمران رہے ہیں۔

ماد کے حکمران:۔

(۱) دیوکس (Deices) یادھگان (708 ق م تا 655 ق م)

(۲) قرہ اورتس پسر دیوکس (655 ق م تا 633 ق م)

(۳) ہوذخشتر = (کواکزار = سیاکذار) (633 ق م تا 585 ق م)

(۴) استیاگس (Astyages) = اژدھاک پسر ہوذخشتر (585 ق م تا 535 ق م)

استیاگس نے ۳۵ برس حکومت کی مگر اپنے نواسے کورش کبیر (Cyrus) کے ہاتھوں شکست کھائی اور کورش (Cyrus) نے ماد پر قبضہ کرلیا۔ استیاگس ایک ظالم اور جابر بادشہ تھا۔ رعایا

---

(۱) ''جزیرۃ العرب'' تالیف مولانا محمد رابع حسنی ندوی ص 109

اس سے تنگ تھی اس لئے ماد کے لوگوں نے کورش کو بادشہ تسلیم کرلیا کیونکہ وہ ماں کی طرف سے استیاگس کا نواسہ تھا۔کورش نے ماد اور پارس کی حکومتوں کو یکجا کر دیا اور شمالی ایران اور جنوبی ایران کی ایک متحدہ حکومت وجود میں آ گئی۔ جو مملکت فارس کہلائی اور بعد میں دولت ایران کہلائی کیونکہ کورش نے مغربی اور شمالی ملکوں کو فتح کر کے دولت ایران میں شامل کرلیا تھا۔

کورش کبیر (سائرس) کے ابتدائی حالات:۔

کورش کبیر کی ابتدائی زندگی حضرت موسیٰؑ کی ابتدائی زندگی کی طرح فوق العادہ واقعات سے وابستہ ہے۔کورش کی ماں ماد کے بادشاہ استیاگس کی بیٹی تھی جسے ''انشان'' کے حکمران کمبوچیہ سے بیاہ دیا گیا تھا۔ نجومیوں نے استیاگس کو پیشن گوئی کی کہ وہ اس نومولود نواسے کے ہاتھوں مارا جائیگا اور اُسکی حکومت کا خاتمہ ہوگا چنانچہ استیاگس نے اپنے ایک امیر کو مامور کیا تا کہ وہ کورش نومولود کو مار ڈالے مگر اس امیر کے دل میں کورش کے لئے رحم پیدا ہوا۔ اسے مارنے کے بجائے جنگل کی طرف لے گیا اور ایک گڈریے کے حوالے کر کے اُسکی کفالت کا ذمہ لیا۔

کورش جب جوان ہوا تو اپنے حسن اخلاق اور دلیری کے سبب شہرت پائی اور لوگوں نے اُسے بغیر کسی جنگ کے انشان کا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ استیاگس ایک ظالم بادشاہ تھا، کورش نے اس پر چڑھائی کر دی اور شکست دیکر ماد کی سلطنت پر قبضہ کر کے پارس اور ماد کی دونوں سلطنتوں کو یکجا کر دیا۔ یہ دونوں سلطنتیں قبل ازیں اشوریوں کے ماتحت تھیں۔ مگر 612ق م میں نینوا کی تباہی کے بعد ماد آزاد ہو گیا تھا اور جنوبی ایران میں ایک نئی حکومت بنام ''انشان'' وجود میں آ گئی تھی۔ کورش کی اس فتح سے شمالی اور جنوبی ایران ایک تسلط کے تحت ایک آزاد حکومت کی حیثیت سے ابھرے۔ مگر ابتدا میں یہ دونوں حکومتیں (شمالی وجنوبی) ایران اتنی مشہور نہ تھیں کیونکہ نینوا کے زوال کے بعد بابل کی حکومت بہت مضبوط ہو چکی تھی اور بابل کے حکمران نبوکدنصر (بخت نصر) تمام مغربی ایشیا کو اپنے تسلط میں لے آیا تھا۔ کورش نے جب شمالی ایران (ماد) اور جنوبی ایران (پارس اور انشان) کی متحدہ حکومت قائم کی تو لیدیا (اناطولیہ) کا حکمران کروسس (Crosus) متوحش ہوا۔ لیدیا جو اس وقت ترکی کا حصہ ہے، اُس زمانے میں یونان کی ایک مضبوط حکومت تھی۔

کروسس (افسانوی قارون) نے کورش پر حملے کی تیاری شروع کر دی۔ کورش کو جب اس کی اطلاع ملی تو وہ بجلی کی طرح اپنی حدود سے نکل کر کروسس (Crosus) کے مدمقابل ہوا اُسے شکست دی۔ نتیجتاً بحرہ اسود اور بحرہ روم تک کا تمام علاقہ کورش کے قبضہ میں آ گیا کورش نے اپنے ابتدائی بارہ سالہ حکومت کے دوران کدروسیا (مکران و بلوچستان) بابل گندھارا (کابل) اور بلخ فتح کر کے ایک عظیم امپائیر کی بنیاد رکھی۔ ان حالات کا تذکرہ آئندہ اوراق میں کیا جائیگا۔ کورش کی زندگی کے حالات مندرجہ ذیل یونانی مورخین نے لکھے ہیں:۔

۱۔ ھردت (484ق م میں پیدا ہوا تھا۔)

۲۔ کتریاس جو ایران کے دربار میں ملازم تھا۔

۳۔ کزنفوں (Xenophon) فلسفی جو سقراط کا شاگرد تھا۔

ھردوت اور کزنفوں نے کورش کا جو نسب نامہ لکھا ہے اسکی تصدیق کتیبۂ داریوش سے بھی ہوتی ہے۔ جس کی تفصیل گذشتہ اوراق میں درج ہو چکی ہے۔

ہخامنشی خاندان کا پہلا عظیم فاتح حکمران کوروش کبیر (بزرگ) ساتویں نمبر پر آتا ہے۔ اُسکے بعد اسکا بیٹا کمبوجیہ تخت پر بیٹھا جس نے اپنی بہن اتوسا (Atossa) سے شادی کی تھی اور مصر کی فتح کے بعد وہیں مقیم ہو گیا تھا۔ بابل اور پارس میں بغاوت کے سبب واپس لوٹا مگر شام پہنچ کر قتل ہوا یا طبعی موت مرا۔ سلطنت داریوش اول کو منتقل ہوئی جو کوروش کبیر کا ماموں زاد تھا۔ داریوش نے کمبوجیہ کی بیوی اتوسا سے شادی کرلی۔ بغاوتوں کو فرو کیا اور کوروش کے تمام مفتوحہ علاقوں میں امن قائم کر کے حکومت کرنے لگا۔ کوروش بزرگ نے مغرب میں سواحل مدتیرانہ (تک اور مشرق میں وورنہ گانہ = (گرگان) و پرثوہ = (پارت) واریا = ھریو = (ھرات) جسکا پایہ تخت ارتہ کنہ (Artacana) تھا اور زرنگہ = درنگہ = درنگیانہ = (سیستان) بر کنار رود آتیمان روس = (ھیومتن = ھلمند) وھاوروتیش = (ھرووتی = اراکوزی = ارغنداب) و وادئ رودِ کوبا = (کابل) وکوھسار اور پیری سینہ = (پارو پامیز = ہندوکش) وگزکہ (غزنہ) وولایت گندھارہ (از ننگرھار تا کنار سندھ = (وادئ پشاور کابل) و باختر یش (بکتریہ = باختر = بلخ) تا جبال سکا
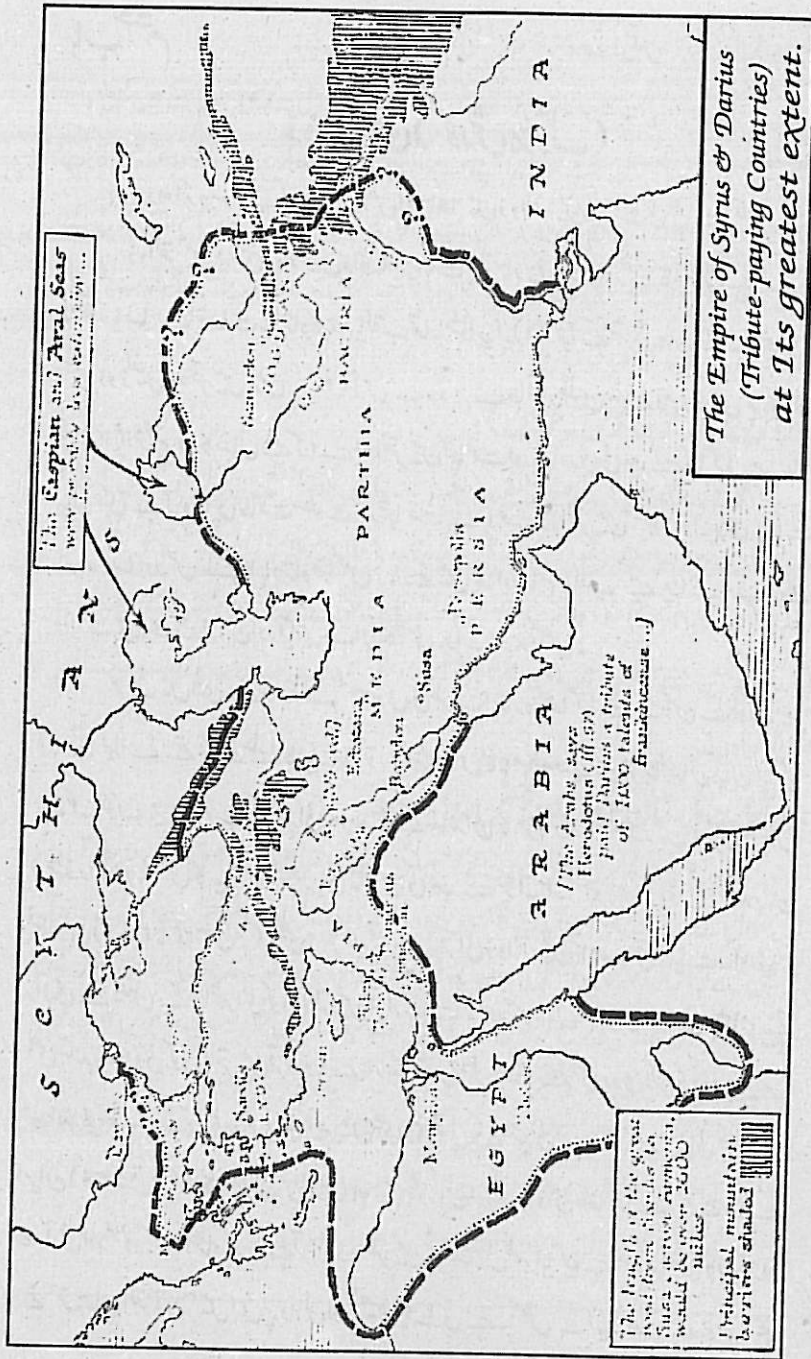
ھومہ ورگا (پامیر) اور ماوراالنہر کا علاقہ سوگودو (سغد) تا اور کساوتس (سیز دریا) اور مضافات خیوہ و ھوارزمہ (خوارزم) مرگیانہ (مرو) کو فتح کر کے ہخامنشی تسلط کے علاقوں میں شامل کر دیا (۱) اور ایک متمدن، عظیم الشان اور وسیع سلطنت کی بنیاد رکھی۔

---

(۱) ''تاریخ مختصرِ افغانستان'' از عبدالحئی حبیبی ص 34

باب ششم

ذوالقرنین (کورش بزرگ)

اردو دائرہ معارف کی جلد نمبر ۱۰ ص ۶۱ تا ۶۲ میں ذوالقرنین پر بحث کی گئی ہے۔ لکھا ہے:۔

ذوالقرنین (یعنی دو سینگوں والا) اس بات پر تو تاریخ، لغت اور تفسیر کا اتفاق ہے کہ یہ کسی طاقتور یا صاحب فتوحات بادشاہ کا نام یا لقب تھا۔ مثلاً یہ کہ (۱) دنیا کے مشرق و غرب تک پہنچا (۲) اُسکی دو زلفیں = قرنیں تھیں۔ (۳) اُس نے دو بڑے طاقتور ملکوں یعنی روم و فارس پر حکمرانی کی (۴) الزمخشری کا خیال ہے کہ اُسے ذوالقرنین شجاعت اور بہادری کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ عام خیال یہی ہے کہ وہ اپنی طاقت سطوت اور شجاعت کے باعث ذوالقرنین مشہور ہوا۔ رہی یہ بات کہ وہ کونسا اور کس ملک کا بادشاہ تھا کس زمانے میں تھا اور نام یا لقب کیسے پڑا؟ یہ سب الجھے سوالات ہیں اور بغیر قرائن اور قیاس کے ان کا قطعی جواب موجود نہیں۔

عرب میں اس سے چار مختلف شخصیتوں کی طرف اشارہ سمجھا گیا ہے ۱۔ یمن کے ملوک حمیر (جو تبع کہلاتے تھے) کے سلسلے کا ایک طاقتور بادشاہ جس کا نام الصعب بن قرینا الہمال بیان کیا گیا ہے ۲۔ ملوک جیرا (عرب کی ایرانی سرحد) کے خاندان کا فرمانروا المنذر بن اسری القیس (منذر الاکبر) جس کا یہ لقب گھونگریالی زلفوں کی وجہ سے پڑا۔ ۳۔ مشہور یونانی فاتح اسکندر بن فیلقوس (۳۵۶ تا ۳۲۴ ق م) کو بھی اکثر مورخین نے قرانی ذوالقرنین کا مصداق بنایا ہے۔ اور امام رازی نے یقین کے ساتھ اسی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے۔ مورخین میں الطبری اور ابن ہشام نے بھی سکندر مقدونی کو ذوالقرنین قرار دیا ہے اور یہی شرح اہل لغت نے بھی درج کر دی ہے۔ مفسّر عبداللہ یوسف علی نے اپنی انگریزی تفسیر میں بھی اسی قول کی تائید کی ہے۔ ۴۔ خورس بانی سلطنت ایران (۵۳۹ ق م) جسکا نام سائرس (Cyrus)، کوروش اور کیخسرو بھی لکھا گیا ہے۔ اپنے زمانے کا عادل اور کشور کشا بادشاہ گذرا ہے قرانی ذوالقرنین کا مصداق ٹھہرایا گیا ہے خصوصاً ابوالکلام آزاد نے "ترجمان القرآن" میں اس پر دلائل اور تفصیلی بحث کی ہے۔ بعض نے ایک اور سکندر جو ابراہیم

کا ہمعصر تھا اور سکندر یونانی سے دو ہزار سال قبل گذرا ہے ذکر کیا ہے۔

مذکورہ بالا شخصیات میں سائرس (کوروش) اور سکندر مقدونی دو ایسی شخصیات ہیں جن کے متعلق مفسرین نے با تفصیل بحث کر کے اپنے اپنے خیالات کا اظہار کر کے ان کو ذوالقرنین ثابت کیا ہے۔ کوروش اسکندر یونانی سے دو سو سال پہلے گذرا ہے اور اُس نے بھی وہ تمام علاقے فتح کئے تھے جو بعد میں سکندر مقدونی نے فتح کئے۔ ان کی کشور کشائی اور مدنیت پر مختصر بحث سے قرآنی ذوالقرنین کے تعین میں مدد ملی گی۔

کوروش بزرگ (سائرس۔خورس)

علی اکبر دھخدا (۱) نے اپنی تالیف (لغت نامہ) میں ذوالقرنین پر مدلل اور تفصیلی بحث کی ہے اور کورش کبیر اور اسکندر مقدونی کا تقابلی جائزہ لیکر وہ مولانا ابوالکلام آزاد سے متفق ہو تے ہوئے کورش کبیر (Cyrus) کو ذوالقرنین تصور کرتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ کہف میں چند آیات ایک ایسے شخص سے منسوب ہیں جو قدیم تاریخ میں ذوالقرنین سے ملقب ہے "وَ یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْن"..

ان آیات کی شان نزول اور بعض روایات:۔

ان آیات کا ظاہری اسلوب یہ ہے کہ حضورؐ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال پوچھا گیا اور اس سوال کے جواب میں ان آیات کا نزول ہوا۔ ترمذی ونسائی اور امام احمد سے روایت ہے کہ قریش نے بہ اشارۂ علماء یہود بعض امور کے سلسلے میں پیغمبرؐ سے کچھ باتیں دریافت کیں جن میں ایک ذوالقرنین کے متعلق تھی اُنھوں نے دریافت کیا کہ "ایں مرد کیست و اعمال او چہ بودہ است" چنانچہ ذوالقرنین کے متعلق قرآن مجید میں اس طرح ذکر موجود ہے۔

۱۔ جس شخص کے متعلق پیغمبرؐ سے پوچھا گیا ذوالقرنین نام تھا۔ یعنی یہ نام قرآن نے از خود وضع نہیں کیا بلکہ اُن لوگوں (یہودیوں) نے ذوالقرنین نام کا اطلاق کیا تھا۔

۲۔ خداوند کریم نے اُس کو بادشاہت عطا فرمائی اور اُسکے اسباب مہیا کئے اور اسے غلبہ عطا

۱۔ "لغت نامہ" از علی اکبر دھخدا ص ۹۲ تا ۱۲۴

فرمایا

۳۔ اعمال بزرگی جو اُس نے جنگہائے عظیم میں سرانجام دئے یہ ہیں :۔

اول اپنی مملکت کی حدود سے مغرب جانب متوجہ ہوا اور وہ اُس مقام تک پہنچا جو اُس کے مطابق مغرب تھا اور وہاں اُس نے سورج کو اس طرح دیکھا جیسے کہ وہ کسی چشمہ میں غروب ہو رہا ہو۔

دوم مشرق کی طرف وہ زمین کے اُس حصے تک پہنچا کہ جو آباد نہ تھی اور اُس جگہ ''قبائل بدوی'' سکونت رکھتے تھے۔

سوم وہ اُس مقام پر پہنچا کہ جہاں پہاڑوں کے درمیان تنگ گذرگاہ (تنگ نائے) تھی۔ اور پہاڑ کے عقب سے ایک گروہ جسے یاجوج وماجوج کہتے تھے رہتا تھا۔ جو اس سر زمین کے لوگوں پر ہر طرف سے یلغار کرتے تھے اور ان کو غارت کرتے تھے۔ اور یہ (یاجوج و ماجوج) وحشی اور مدنیت اور عقل سے محروم لوگ تھے۔

چہارم بادشاہ نے یاجوج وماجوج کی غارت گری سے بچاؤ کے لئے پہاڑوں کے درمیان تنگ درہ میں ایک سد (دیوار) بنائی تھی

پنجم یہ سد محض پتھروں سے نہ بنی تھی بلکہ اس میں لوہے اور پیتل (مس) کا استعمال ہوا تھا اور اتنی بلند تھی کہ یاجوج وماجوج کی دست رس سے باہر تھی۔

ششم یہ بادشہ خدا اور آخرت پر ایمان رکھتا تھا۔

ہفتم یہ بادشاہ دادگر تھا اور رعیت کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا تھا اور کشور کشائی اور غلبہ کے موقع پر قتل و غارت اور کینہ پروری کی اجازت نہ دیتا تھا۔ اس سبب سے جب اُس نے مغرب کے لوگوں پر حملہ کیا تو (مغربی) لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بھی دیگر حملہ آوروں کی طرح خونریزی کریگا مگر اُس نے ایسا نہ کیا بلکہ اُن سے کہا کہ نیک عمل کرنے والے بے خطر ہیں اُن کی کوئی پاداش نہ ہوگی باوجود اس کے کہ وہ قوم اُسکے ہاتھ میں تھی۔ ان سے انصاف کیا اور ان کے دل

جیتے۔

ہشتم اُسے مال و دولت کی حرص نہ تھی۔ سد باندھتے وقت لوگ اُسکے پاس ہدیے لے گئے جو اُس نے قبول نہ کئے اور کہا کہ خدا نے مجھ پر بہت مہربانی فرمائی ہے تمارے مال کی ضرورت نہیں بلکہ تم قوت بازو سے میری مدد کرو۔

پس جس شخص میں یہ صفات موجود ہونگی وہی ذوالقرنین ہوگا۔ مفسرین نے اس ضمن میں کافی تحقیق کی ہے اور پہلی بات جو ان کے لئے باعث تشویش رہی وہ اس شخص کا نام یا لقب تھا۔ کیونکہ ایسا آدمی جسکی ''قرنین'' ہوں تاریخ میں نہیں تھا۔ اور جس بادشاہ کا یہ لقب تھا تاریخ میں موجود نہ تھا اس وجہ سے اکثر مورخین نے قیاس سے کام لیکر مختلف آرا کا اظہار کیا ہے۔ بعض مورخین کے خیال میں قرن لغوی معنوں میں استعمال نہیں ہوا بلکہ اس بادشاہ کی کشور کشائی اور طویل مدت تک حکومت کرنے سے مراد ہے۔ اس ضمن میں بعضوں نے قرن کو ۳۰ سال بعض نے ۲۵ سال اور بعض نے ۱۰ سال بھی شمار کیا ہے۔ ابن جریر طبری نے یہ سوال اٹھایا ہے کہ آیا ذوالقرنین نبی ہے یا غیر نبی، بشر یا فرشتہ مگر اُسکی شہادتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ذوالقرنین عہد کہن میں زندہ تھا۔ بعض نے اُسے ابراہیمؑ کا ہمعصر اور پیغمبر گردانا ہے۔ بخاری نے اُسے انبیائے قدیم میں سمجھ کر اسکا نام ابراہیمؑ سے مقدم لکھا ہے۔ ابوریحان بیرونی نے ''اثار الباقیۃ'' کے ص ۴۰ پر اسی نظریہ کی تائید کی ہے لیکن یہ نظریہ غلط ہے کیونکہ اس کے تاریخی شواہد موجود نہیں۔ حضورؐ سے سوال کرنے والے لوگ یہودی تھے اور اگر یہ مان لیا جائے کہ قریش نے یہود کے اشارے سے یہ سوال پوچھا تھا کیونکہ اُنکے شاہان حمیر مشہور و معروف تھے، یہ امر بھی تسلی بخش نہیں کیونکہ عربوں کی روایات یا صحابہ کرام اور تابعین کی احادیث میں اس بات کا ذکر ہوتا۔ اس سے قطع نظر ایک بات واضح ہے کہ سوال پوچھنے والوں کا مقصد حضورؐ کو عاجز کرنا تھا۔ ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ وہ خصائص جن کا قرآن میں ذوالقرنین کے بارے میں ذکر ہے کسی یمنی حمیری بادشاہ پر منطبق ہوتے ہیں؟ جواب نفی میں ہے اس لئے انکے نام کے ساتھ ''ذو'' کا لکھا جانا انہیں ذوالقرنین نہیں ثابت کرتا۔ قرآن

اور ''سد مارب'' اور ''سد ذوالقرنین'' میں مشابہت نہیں۔(۱) بعض مورخین نے سکندر مقدونی کو بوجہ فتوحات در مشرق و مغرب، ذوالقرنین قرآن سمجھا ہے اور شیخ ابو علی سینا پہلا شخص تھا جس نے اپنی کتاب ''شفا'' میں اس کا ذکر کیا ہے اور مناقب ارسطو کے بیان میں لکھا ہے:۔

''او معلم اسکندر است، یعنی ہماں اسکندر کہ قرآن وی را

ذوالقرنین نامیدہ و بر ایمان و سلوک قویم او ثنا گفتہ است''

اور امام فخر الدین رازی نے سینا کی پیروی میں اسکندر یونانی کو ذوالقرنین سمجھا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ سکندر مقدونی نے زندگی میں کوئی سد نہیں بنائی اور نہ ہی وہ ایک خدا پر ایمان رکھتا تھا اور مغلوب فوجوں کے ساتھ اُس نے کوئی نرمی یا مہربانی کا برتاؤ نہیں کیا۔ سکندر مقدونی کے زندگی کے حالات تاریخ میں تفصیلاً درج ہیں اور کسی صورت بھی وہ قرآن کے ذی القرنین سے مشابہ نہیں۔ امام رازی بھی سکندر مقدونی کی زندگی کے ان پہلوؤں کے اثبات سے عاجز رہے۔

تاریخ ملی یہود و تصور شخصیت ذی القرنین:۔

روایات تصریح موجود ہیں کہ یہ سوال یہود کی طرف سے تھا اس لئے یہ لازم ہے کہ یہود کے مفسرین سے رجوع کیا جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ آیا ان سے کسی ایسے ثبوت کا ملنا ممکن ہے جس سے ذوالقرنین کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہو۔

سفر دانیال اور اُسکی رویا:۔

در ''کتاب عہد عتیق'' (۲) سفرے است کہ آنرا بہ دانیال نبی نسبت دادہ اند و دراں بعض اعمال دانیال ذکر کردہ و آنچہ را در رؤیا بروی کشف شدہ بہ ہنگام اسارت یہود و بابل نیز آوردہ اند''

---

(۱) یمن کی قوم سبا نے شہر مارب میں ایک زبردست بند بنوایا تھا جس سے ایک بڑی وادی کا پانی روکتے تھے اور تقریباً ۳۰۰ مربع میل کا علاقہ سیراب ہوتا تھا (جزیرۃ العرب از مولانا محمد رابع حسینی ندوی ص ۱۲۳ (اسی قوم سبا کی شہزادی حضرت سلمان کا محل اور ہیکل دیکھنے یوروشلم گئی تھی۔

(۲) تورات۔ دانی ایل باب ۸

(یعنی عہد عتیق کی کتاب میں دانیال نبی سے منسوب ایک سفر کا ذکر ہے جس میں دانیال نبی کے بعض اعمال کا ذکر ہے۔ اور جو کچھ اُسے رؤیا میں کشف ہوا (یہود کی اسیری جو بابل میں گذری) کے سلسلے میں یہ واقعات بیان ہوئے ہیں۔

اسارت، یہود کے لئے ابتلائے عظیم ہے کیونکہ ان کا ملک اور بادشاہی دوسروں کے تصرف میں چلے گئے۔ ان کی قوم ذلت میں ڈوب گئی۔ ہیکل مقدس تباہ کر دیا گیا۔ اور یہود نہ جانتے تھے کہ ان کی اسارت اور ذلت کیسے اور کب ختم ہوگی۔ دانیال نبی کو بابل کے بادشاہ بیلشصر کی حکومت کے تیسرے سال کشف کے ذریعہ معلوم ہوا کہ وہ ''قصر شوشان'' جو کشور عیلام میں ہے موجود تھے اور خواب میں دیکھا کہ وہ نہر اولائیم کے کنارے کھڑے ہیں اور جب اُنہوں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو ان کو دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا دکھائی دیا'' جسکے دو سینگ ہیں۔ دونوں سینگ اونچے تھے لیکن ایک دوسرے سے بڑا تھا اور بڑا دوسرے کے بعد نکلا تھا۔ میں نے اُس مینڈھے کو دیکھا کہ مغرب، شمال و جنوب کی طرف سینگ مارتا ہے یہاں تک کہ نہ کوئی جانور اُسکے سامنے کھڑا ہو سکا اور نہ کوئی اس سے چھڑا سکا۔ پر وہ جو کچھ چاہتا تھا کرتا تھا یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا۔ اور میں سوچ ہی رہا تھا کہ ایک بکرا مغرب کیطرف سے آکر تمام روئے زمین پر ایسا پھرا کہ زمین کو بھی نہ چھوا اور اُس بکرے کی دونوں آنکھوں کے درمیان ایک عجیب سینگ تھا اور وہ اس دو سینگ والے مینڈھے کے پاس جسے میں نے دریا کے کنارے کھڑا دیکھا آیا اور اپنے زور سے قہر سے اُس پر حملہ آور ہوا اور میں نے دیکھا کہ وہ مینڈھے کے قریب پہنچا اور اسکا غضب اُس پر بھڑکا اور اُس نے مینڈھے کو مارا اور اسکے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور مینڈے میں اسکے مقابلے کی تاب نہ تھی پس اس نے اسے زمین پر پٹک دیا اور اسے لتاڑا اور کوئی نہ تھا کہ مینڈھے کو اس سے چھڑا سکے۔ اور وہ بکرا نہایت بزرگ ہوا اور جب وہ نہایت زور آور ہوا تو اُسکا بڑا سینگ ٹوٹ گیا اور اسکی جگہ چار عجیب سینگ آسمان کی چاروں ہواؤں کیطرف نکلے۔ اور ان میں سے ایک سے ایک چھوٹا سینگ نکلا جو جنوب اور مشرق اور جلالی ملک کی طرف بے نہایت بڑھ گیا۔ اور وہ بڑھ کر اجرام فلک تک پہنچا اور اس نے بعض اجرام فلک اور ستاروں کو زمین پر گرا دیا اور اُن کو لتاڑا۔ بلکہ اُس نے

اجرام کے فرمانروا تک اپنے آپ کو بلند کیا اور اُس دائمی قربانی کو چھین لیا اور اسکا مقدس گرادیا اور اجرام خطاکاری کے سبب دائمی قربانی سمیت اسکے حوالے کئے گئے اور اس نے سچائی کو زمین پر ٹپک دیا اور وہ کامیابی کے ساتھ یوں ہی کرتا رہا تب میں نے ایک قدسی کو کلام کرتے سنا اور دوسرے قدسی نے اس قدسی سے جو کلام کرتا تھا پوچھا کہ دائمی قربانی اور ویران کرنے والی خطاکاری کی رویا جس میں مقدس اور اجرام پائمال ہوتے ہیں، کب تک رہیگی ؟ ۔ اور اُس نے مجھ سے کہا کہ دو ہزار تین سو صبح وشام تک اُسکے بعد مقدس پاک کیا جائیگا۔''

پھر جبرائیل اُسے رویا کا مطلب سمجھانے آیا اور اُس سے (دانی ایل) سے کہا ''جو مینڈھا تو نے دیکھا اُسکے دونوں سینگ مادا اور فارس کے بادشاہ ہیں اور وہ جسیم بکرا یونان کا بادشاہ ہے اور اسکی آنکھوں کے درمیان والا بڑا سینگ پہلا بادشاہ ہے اور اُسکے ٹوٹ جانے کے بعد اُسکی جگہ جو چار اور نکلے چار سلطنتیں ہیں جو اُسکی قوم میں قائم ہونگی لیکن اُن کا اقتدار ان کا سا نہ ہوگا۔

اس رویا میں کشور مادا (میدیا) و پارس کو دو شاخوں سے تشبیہ دی گئی ہے جبکہ ان کے ادغام سے ایک عظیم ایرانی سلطنت وجود میں آئی ہے مگر اس ایرانی سلطنت کو جو شخص مسخر کریگا وہ یونان کا اسکندر اعظم ہوگا۔

اس رویا میں جو بات قابل ذکر ہے وہ یہ ہے کہ کلمہ ''قرن'' لغت عربی و عبری میں مشترک ہے اور ان کا مطلب ذوالقرنین ہے۔ نیز اس رویا میں یہودیوں کے لئے بشارت ہے کہ ان کی اسارت ذوالقرنین کے بادشاہ بننے پر ختم ہوگی اور یہ وہی بادشاہ ہوگا جو یہودیوں کو آزادی دینے کے سلسلے میں برگزیدہ ہوگا۔ یونانی اسکو سائرس اور یہودی اسکو ''خورس'' کہتے ہیں۔ جس نے ماد اور پارس کی حکومتوں کو یکجا کیا اور ایک بڑی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ دانیال نبی نے رویا میں دیکھا کہ کورش کی دو شاخیں غرب و شرق و جنوب کی طرف بڑھ رہی ہیں۔ کورش نے اولاً مغرب میں فتح پائی، دوسری مرتبہ مشرق میں اور تیسری مرتبہ جنوب میں یعنی بابل میں فتح حاصل کی۔ اور بابل کی فتح کے بعد کورش نے یہودیوں کو آزادی دے دی اور فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی تا کہ وہ ہیکل (بیت المقدس) کی دوبارہ تعمیر کرسکیں۔ اور کورش کی پیروی میں تمام ہخامنشی

بادشاہوں نے یہودیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔

یشعیا و برمیا کی پیشنگوئیاں:۔

سفر دانیال کے علاوہ تورات میں دو دوسرے سفر میں بھی اسی موضوع پر پیشن گوئیاں موجود ہیں۔ یہودیوں کا اعتقاد ہے کہ کورش سے ۱۶۰ سال قبل کتاب یشعیا (۱) لکھی گئی جبکہ ۶۰ سال قبل کتاب یرمیا لکھی گئی اور ان دونوں کا ذکر کتاب عذرا میں تفصیل سے موجود ہے۔ کتاب عذرا میں لکھا ہے کہ بابل کی فتح کے موقع پر کورش کو دانیال نبی کی پیشن گوئی کی اطلاع ہوئی، تو اُس نے اس سبب سے یہودیوں کی آزادی کا فرمان جاری کیا اور ہیکل کی تعمیر کا حکم دیا۔ یشعیا کی کتاب پہلے یروشلم کی بربادی کی پیشن گوئی ہے اور پھر خورس کے ہاتھوں اُسکے دوبارہ آباد ہونے کے متعلق لکھا گیا ہے اور (خورس) کا نام لکھا گیا ہے اور کورش کو ''شبان من اوست'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ یشعا باب ۴۴ آیت ۲۸ کے الفاظ یہ ہیں:۔

''جو خورس کے حق میں کہتا ہوں کہ وہ میرا چرواہا ہے اور میری مرضی بالکل پوری کریگا اور یروشلم کی بابت کہتا ہوں کہ وہ تعمیر کیا جائیگا اور ہیکل کی بابت کہ اُسکی بنیاد ڈالی جائیگی''

باب ۴۵ آیت ۱ میں پھر یوں لکھا ہے۔

''خداوند اپنے ممسوح خورس کے حق میں یوں فرماتا ہے کہ میں نے اُسکا دہنا ہاتھ پکڑا کہ امتوں کو اسکے سامنے زیر کروں اور بادشاہوں کی کمریں کھلوا ڈالوں اور دروازوں کو اُسکے لئے کھول دوں اور پھاٹک بند نہ کئے جائینگے۔ میں تیرے آگے آگے چلوں گا اور ناہموار جگہوں کو ہموار بنادونگا میں پیتل کے دروازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کردونگا اور لوہے کے بینڈوں کو کاٹ ڈالوں گا اور میں ظلمات کے خزانے اور پوشیدہ مکانوں کے دفینے تجھے دونگا تا کہ تو جانے کہ میں خداوند اسرئیل کا خدا ہوں جس نے تجھے نام لیکر بلایا ہے۔''

میں نے اپنے خادم یعقوب اور اپنے برگزیدہ اسرائیل کی خاطر تجھے نام لیکر بلایا۔ میں

۱۔ تورات۔ یسعیا باب ۴۴ آیت ۱تا ۲ باب ۴۵ آیت ۱ (خورس نام سے پکارا گیا ہے)

نے تجھے ایک لقب بخشا اگر چہ تو مجھے نہیں جانتا میں ہی خداوند ہوں اور کوئی نہیں۔ میرے سوا کوئی خدا نہیں۔ میں تیری کمر باندھی اگر چہ تو نے مجھے نہ پہچانا تا کہ مشرق سے مغرب تک لوگ جان لیں کہ میرے سوا کوئی نہیں میں ہی خداوند ہوں میرے سوا کوئی دوسرا نہیں۔ میں ہی روشنی کا جوہراور تاریکی کا خالق ہوں میں سلامتی کا بانی اور ہلاکت کو پیدا کرنے والا ہوں۔ میں ہی خداوند یہ سب کچھ کرنے والا ہوں"(۱)

مذکورہ بالا آیات سے دو باتیں سامنے آتی ہیں:۔

ایک یہ کہ "کوروش" کو "خورس" کے نام سے خداوند تعالیٰ نے پکارا جو بنی اسرائیل کا نجات دہندہ اور یروشلم اور ہیکل کی تعمیر نو کریگا۔ دوسری بات یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنا چرواہا (شبان) کہا اور خداوند اُسکی رہنمائی فرمائیگا اور وہ ہر جگہ فتح پائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُسے لقب سے نوازا۔ اگر چہ اسکا نام "خورس" لیا گیا مگر لقب "ذوالقرنین" ہوگا جو دانیال نبی کی پیشن گوئی اور رویا میں بتایا گیا ہے۔

وہ کلام جو خداوند نے بابل اور کسدیوں کے ملک کی بابت یرمیاہ نبی کی معرفت فرمایا:۔(۲)

"قوموں میں اعلان کرو اور اشتہار دو اور جھنڈا کھڑا کرو منادی کرو۔ پوشیدہ نہ رکھو۔ کہدو کہ بابل لے لیا گیا۔ بیل رسوا ہوا اور مردوک سراسیمہ ہو گیا۔ اسکے بت خجل ہوئے۔ اسکی مورتیں توڑ دی گئیں کیونکہ شمال سے ایک قوم اُس پر چڑھی چلی آتی ہے جو اسکی سرزمین کو اجاڑ دیگی یہاں تک کہ اُس میں کوئی نہ رہیگا۔ وہ بھاگ نکلے۔ وہ چلائے کیا انسان کیا حیوان۔ خداوند فرماتا ہے ان دنوں میں بلکہ اسی وقت بنی اسرائیل آئینگے۔ وہ اور بنی یہوداہ اکھٹے روتے ہوئے چلیں گے اور خداوند اپنے خدا کے طالب ہونگے۔ وہ صیون کی طرف متوجہ ہو کر اسکی راہ پوچھیں گے کہ آؤ ہم خداوند سے ملکر اُس سے ابدی عہد کریں جو کبھی فراموش نہ ہو"

---

(۱) تورات۔یسعیا باب ۴۵ آیت ۱ تا ۷ باب ۴۴ آیۃ ۲۸

(۲) (تورات۔یرمیا باب ۵۰ آیت ۱ تا ۷

اور پھر باب ۵۱ آیت ۵۸ میں لکھا ہے:۔

'رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ بابل کی چوڑی فصیل بالکل گرا دی جائیگی اور اُسکے بلند پھاٹک آگ سے گرا دیئے جائینگے۔ یوں لوگوں کی محنت بے فائدہ ٹھہرے گی اور قوموں کا کام آگ کے لئے ہوگا اور وہ ماندہ ہونگے"

لیکن بعض مورخین کا خیال ہے کہ جو کتاب یشعیا نبی سے منسوب ہے وہ تین اشخاص کی تالیف ہے جو تین مختلف زمانوں میں گذرے ہیں۔ ("کتاب مذبور از باب اول تا باب ۳۹ تالیف یک تن واز باب ۴۰ تا آیہ ۱۳ از باب ۵۵ تالیف مولف دومی و بقیہ کتاب را مولف سومی فراہم آوردہ است") اور ان کے مولفین کو یشعیا اول، دوم وسوم سے تعبیر کیا ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یشعیا اول ۱۶۰ سال "پیشن از کوروش" اور یشعیا دوم دور اسارت بابل میں موجود تھا جبکہ (یشعیا سوم پس از زمان یشعیا دوم است) یشعیا سوم نے جو حالات بیان کئے ہیں وہ یشعیا اول کے بیان کردہ واقعات سے مختلف ہیں۔ نبوکدنصر ادر اسارت یہود اور کوروش کے ظہور کے متعلق مربوط پیشن گوئیاں یشعیا دوم نے تحریر کی ہیں اور اس کے کلام کو یشعیا اول کے کلام سے نسبت نہیں دی جاسکتی۔ محققین کے مطابق یشعیا سوم کے کلام میں "تصور خدائے عام برائے ہر بشر" ملتا ہے جبکہ دیگر دو کے کلام میں خدا کو صرف یہود یا بنی اسرائیل کا خدا گردانا گیا ہے۔ اس طرح محققین کا خیال ہے کہ دانیال نبی اسرائیل کا خدا گردانا گیا ہے۔ اس طرح محققین کا خیال ہے کہ دانیال نبی سے منسوب وہ حصہ جو سلطنت روم کی قوت اور عظمت بیان کرتا ہے۔ یہ بعد کی تحریر ہے یعنی سکندر مقدونی کے عہد میں لکھی گئی ہے۔ بعض محققین تو دانیال نبی کے وجود سے بھی انکاری ہیں جو درست نہیں۔ (۱) اگر یہ تصور بھی کرلیا جائے کہ یہ پیشن گوئیاں الہامی نہیں تو تب بھی یونانی مورخین کی تحریروں سے تطبیق کے باعث ان کی تاریخی اہمیت کم نہیں ہوتی کیونکہ کوروش (خورس) اور اُسکے جانشینوں کے متعلق یونانی مورخین نے تفصیلی واقعات درج کئے ہیں۔

---

(۱) محققین کی یہ رائے کہ دانیال نبی کا وجود نہیں تاریخ کو جھٹلانے کے مترادف ہے۔ فتوح البلدان ص کے مطابق دانیال کا وجود ثابت ہے۔

علائق یہودوزردشتیاں:۔

زمانۂ قدیم میں بت پرستی تقریباً تمام دنیا کا مذہب تھا ماسوائے یہود اور مذہب مزدیسنا یعنی دین زردشتی۔ یہ دونوں مذاہب بت پرستی کے خلاف اور خدا کی وحدانیت اور قیامت و جزاو سزا پر یقین رکھتے تھے۔ شاید اسی دینی مماثلت کے باعث کوروش نے یہود کو آزادی دی اور اُن کے ساتھ مہربانی سے پیش آیا۔ مگر یہودی علماء نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ مذہب زردشتی، دین موسوی سے متاثر ہوکر رواج پذیر ہوا ہے۔

مجسمۂ کوروش کی دریافت:۔

آقائے فریدون بدرہ ای نے اپنی تالیف ''کورش کبیر درقرآن مجید وعہد عتیق'' کے ص ۱۴۰ تا ص ۱۴۶ میں کورش کبیر کو ذوالقرنین ثابت کرنے کے لئے جو دلائل پیش کئے ان میں آثار قدیمہ کا ایک کتبہ بھی شامل ہے جو قصر کوروش کے خرابہ سے (جو پاسارگاد میں واقع تھا) ملا ہے اس کتبہ کے متعلق آقائے علی اکبر دھخدا نے بھی اپنی تالیف ''لغت نامہ'' کے ص ۱۱۲ پر مختصر بحث کی ہے۔ ان دونوں مورخین کے مطابق یہ کتبہ جو سنگ مرمر پر کندہ ہے کورش کبیر (خورس) کے متعلق ذوالقرنین ہونے کا بین ثبوت ہے جسکی تردید ممکن نہیں۔ اول الذکر ص ۱۴۲ پر لکھتے ہیں:۔

''سند معتبری برسینۂ سنگہائے خرابۂ قصر کورش در پاسارگاد بجای ماندہ است کہ بگفتۂ مولانا ابوکلام آزاد ''ہیچ احتیاجی نیست کہ ذوالقرنین را در شخص دیگرے غیر از کورش بجوئیم'' ایں سند معتبر پیکرہ ایست از کورش کہ اورا با دو بال و دو شاخ می نمایاند (تصویر صفحہ مقابل) توضیح آنکہ در مشرق کاخ بار کورش۔۔ بفاصلۂ صدو شصت میتر کاخے است کہ ۵۸۰ میتر مربع (26,36x22,07) وسعت دارائے سہ درگاہ است۔۔۔ ایں درگاہ ہا از سنگ سیاہ صیقلی شدہ۔۔۔ وتقریباً نظیر درگاہائے قصر آپادانا در تخت جمشد است۔۔۔ درگاہ شمالی از سنگ سفید یک پارچہ بودہ کہ اینک یک سنگ آں برجا و روئے آں حجاری شخصے است کہ از لحاظ صفت و

خصوصیات وطرز لباس جائز اہمیت است و قیواں آں را قدیمی ترین حجاری آثار ہیخا منشیاں دانست، دستہای ایں پیکر بحالِ دعا دنیاز بسوی آسمان دراز وعصای کوتاہی کہ شاید برسم باشد در دست دارد۔ چہار بال بزرگ دوتارو بہ بالا ودوتارو بپایاں در پشت مجسمہ دیدہ میشود۔ حواشی لباس بلنداو کہ تابالای قوزک پاست بہ گلہائے کوچک بایں فرین گشتہ وشبیہ لباسہائے عیلامی میباشد۔ اما ارائش سروحلقہ حلقہ بودن موہای صورتش مانند مجسمہ ہائے تخت جمشید است۔

ناوک ایں مجسمہ تاج است کہ از سہ گل کشیدہ ترکیب یافتہ وقاعدہ اش بسان دوشاخ است و ایں وضع کاملاً استثنائی است وہیچ وجہ بہ تاج سایر بادشاہان ہخامنشی مانند داریوش وخشارشاہ شبیہ نیست۔ بلندی ایں مجسمہ سہ مترست ولی آنچہ از نوشتہ ہائے مورخین وباستان شناساں وقرن پیش برمی آمد۔، در بالائے سرمجسمہ سہ سطر خط میخی بدیں مضمون ''منم کورش۔ شاہ ہخامنشی'' نوشتہ شدہ بودہ، کہ از اواخرن قرن نوزدھم در حدود سال ۱۸۸۵ء بہ بعد مفقود گردیدہ است ہنگامیکہ در ۱۸۴۱ فلاندن وگست ایں مجسمہ رادیدہ واز روی آں تصوریری کشیدہ اند ہنوز ایں خطوط میخی باقی بودہ است''

آقائے علی اکبر دھخدا اپنی تالیف ''لغت نامہ'' کے ص ۱۱۲ پر لکھتے ہیں کہ سفر دانیال کے مطالعہ کے بعد پہلی بار قرآنی ذوالقرنین کا خیال ذہن میں آیا اور جو کچھ یونانی مورخین نے اس ضمن میں لکھا تھا اُس سے واقفیت ہوئی کیونکہ تورات کے علاوہ اور کوئی دلیل یا ثبوت اس سلسلے میں دستیاب نہ تھا اور یونانی مورخین کی تحریروں میں کوئی ایسا ثبوت نہ تھا کہ (ذوالقرنین) کی صحیح پہچان ہوسکتی۔ مگر کئی سال گذرنے کے بعد ایران کے آثار قدیمہ پر لکھنے والے دانشمندوں کی تحریروں سے یقین کی صورت پیدا ہوگئی

''ونزدمن ثابت شد کہ مقصود از ذوالقرنین بے شک وتردید فقط کورش است''

(یعنی میرے نزدیک یہ ثابت ہوگیا کہ ذوالقرنین سے مراد کورش ہے) اور یہ علم مجھے ایران قدیم کے آثار قدیمہ سے ہوا یہ مجسمہ ایران قدیم کے پایہ تخت استخر سے کچھ فاصلہ پر نہر مرغاب کے کنارے پر ایک خرابہ سے ملا اور موریر (Morier) پہلا شخص ہے جس نے اس مجسمہ کے وجود کی خبر دی۔ اور اس کے کئی سال بعد رابرٹ کیر پورٹر (Robert kerr

Porter) مجسمہ کی جگہ پر آیا اور اس مجسمہ کو ''مورد تفحص دقیق'' قرار دے کر اپنی کتاب میں (جو ایران اور گرجستان کی سیاحت کے بارے میں ہے) ذکر کیا ہے۔ گذشتہ اوراق میں تشریح کردی گئی ہے کہ تصور ذوالقرنین یہودیوں کے مذہبی عقائد کے مطابق دانیال نبی کی رویا اور یشعیا اور یرمیا کی پیشن گوئیوں کے مطابق وجود میں آیا ہے اور یہ ضروری نہیں کہ اس تصور کے موجد ایران کی فکری تصور سے مطابقت رکھتے ہوں۔ کیونکہ ایرانی تہذیب میں ''قوچ'' یا ''برہ'' سے تشبیہ کا تصور موجود نہیں بلکہ یہود میں یہ تصور ''قربانی اسحاق'' تا ''کفارۂ مسیح اور ''از کتاب خلق (پیدائش) تا مکاشفۂ یوحنا تمثیلات بہ قوچ، برہ یا بزغالہ یکی پس از دیگرے مشاہدہ میکنم وبرعکس درخیال ایرانی و زردشتی ہیچگونہ تمثیلی یافت نمیشود، کلیہ ادب اوستا از نظر ایں گونہ تصورات خالی است''(۱)

سکندر اعظم کے حملے سے قبل ایران کی تاریخ افسانوں کی شکل میں موجود ہے جسے صحیح تاریخ کا نام نہیں دیا جاسکتا اور نہ ہی یقین کے ساتھ یہ کہا جاسکتا تھا کہ ان افسانوی شخصیات کا اصل وجود بھی تھا یا نہیں۔ مثلاً جمشد وضحاک ورستم واسفندریار وسام ونریمان، اگرچہ ان لوگوں کا تذکرہ کثرت سے افسانوں میں موجود ہے (ولیکن نمی دانیم آہا براستی وجودِ خارجی داشتہ اند یا افسانہ ہائے ملی ایران باستان آنہارا آفریدہ است''

چونکہ پہلوی دور کی کتب تاریخ اسکندر یونانی کے حملے کے سبب نابود ہوگئیں اس لئے یہ افسانے، تاریخ کے جانشین ہوئے۔ مگر ایران قدیم کے حالات تین یونانی مورخین کی تحریروں سے ماخوذ ہیں:۔

۱۔ ھردوت۔ جو ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا۔

۲۔ کترپاس۔ ایران کے شاہی دربار سے مسلک تھا۔

۳۔ کزنفن (Xnophon) فلسفی جو سقراط کا شاگرد تھا اور ایران کے دربار میں ملازم تھا۔ ان یونانی مورخین کی تحریروں سے ایران قدیم کے بادشاہوں کے کتبوں کے مندرجات کی

۱۔ لغت نامہ از علی اکبر دھخدا ص ۱۱۴ (جلد دوم)

تصدیق ہوتی ہے۔ مثلاً کنز نفوں اور ھرودت نے کورش کا جونسب نامہ لکھا ہے وہ داریوش کے کتبہ میں اُسی طرح ملتا ہے اور اسی طرح بابل کے متعلق کئی تاریخی واقعات کی تصدیق بھی یونانی مورخین سے ہوتی ہے۔

ظہور کورش:۔

۵۶۰ ق م سے پہلے ایران دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک ماد جسے یونانی (میدیا) اور اعراب)ماہات) کہتے تھے۔ یہ ایران کا شمالی حصہ تھا اور دوسرا جنوبی ایران جسے پارس کہتے تھے۔ یہ دونوں حصے اسوریوں اور بعد میں بابلیوں کے ماتحت تھے قبائلی امرا کے ذریعے اسوری اور بابلی ایران کے ان دونوں حصوں پر حکومت کرتے تھے۔۶۱۲ ق م نینوا ویران ہوگیا اور اشوری بادشاہ مر گیا اور اسکے نتیجہ میں شمالی ایران کے امرا (ماد کے امرا) اشوریوں کے تسلط سے آزاد ہوگئے اور اپنی سلطنت قائم کردی۔ ان کے دیکھا دیکھی ایران کے دیگر شہروں میں آزادی کی لہر پہنچی اور اس طرح ایک اور ریاست بنام ’’انشان‘‘ وجود میں آئی۔ مگر یہ دونوں ریاستین ابتدا میں کسی شہرت کی حامل نہ تھیں کیونکہ نینوا (اشور) کے زوال کے بعد بابل قوت پذیر ہو چکا تھا اور بابل کے بادشاہ نبوکدنصر (بخت نصر) نے تمام مغربی ایشیا کو اپنے تسلط میں لے لیا تھا۔

۵۵۹ ق م کوروش (خورس) نامدار ہوا۔ یونانیوں نے اسے (سائرس) لکھا ہے جبکہ عرب اُسے (کورش یا خشیارشا) کے نام سے پکارتے ہیں۔ امرائے پارس نے اسے فرمانروا مقرر کیا اور تھوڑے عرصہ میں اُس نے ماد پر بھی تسلط جما دیا۔ اس طرح تاریخ میں پہلی بار ماد اور پارس کو یکجا کر کے ایک متحدہ حکومت وجود میں آئی جو ایک مضبوط اور مستحکم حکومت تھی۔ لیدیا (Lydia) جو اس وقت ترکی کا حصہ ہے اور اس دور میں یونانیوں کے قبضہ میں تھا یونان کی ایک مضبوط ریاست تھی جسکی حکمرانی کروسس (Crosus) (افسانوی قارون) کے پاس تھی۔ کروسس نے ایران پر حملہ کے لئے فوج روانہ کردی تا کہ اس کی بڑھتی ہوئی طاقت کو ختم کیا جا سکے۔ کورش بھی فوجیں لیکر مقابلہ کے لئے اپنی حدود سے آگے بڑھا۔ کروسس کو شکست دی اور اس طرح بحرہ اسود اور بحرہ روم تک تمام علاقہ کورش کے مطیع ہوگیا۔ ۵۳۰ ق م میں کورش نے کیدروسیا کو فتح کیا۔ علاقہ جنوبی

ایران اور سندھ کے درمیان واقع ہے اور موجودہ بلوچستا اور مکران اس میں شامل تھے۔ یہاں سے کورش نے کابل کا رخ کیا اور گندھارا (وادئ پشاور) کو فتح کر کے کابل اور بعد ازاں بلخ فتح کیا۔ اس طرح کورش نے مغرب اور مشرق دونوں کو مطیع کر کے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔

فتح بابل:۔

۵۳۵ ق م کے لگ بھگ بابل کے لوگوں نے کورش کو بابل پر حملے کی دعوت دی بیل شاذر جو بخت نصر کے بعد بابل کا حکمران تھا بڑا ظالم اور متکبر بادشاہ تھا۔ بیل شاذر کا ایک امیر جس کا نام گبریاس تھا اور (آرامی نسل) تھا کورش کے پاس آیا اور بیل شاذر کے ظلم کی داستاں سنائی اور بابل پر حملے کی ترغیب دی اور اپنی فوجوں کو کورش کی امداد پر مامور کیا۔ بیل شاذر نے بارہا فلسطین اور شام کو غارت کیا تھا اور اسکے رعب اور دبدبے کی داستانیں ہر طرف مشہور ہوگئی تھیں۔ ایرانی افواج نے بابل پر حملہ کیا اور ارد گرد کے علاقوں کو فتح کر کے آخری حملہ بابل پر کر دیا۔ اس حملے کی کمان گبریاس کے پاس تھی۔ شہر فتح ہوا اور کوروش فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوگیا۔ اس طرح جنوب میں کورش کی فتوحات مکمل ہوگئیں۔

یہود کی رہائی:۔

بابل کی فتح کے بعد جب کورش نے یہود کے نبیوں، دانیال، یشعیا اور یرمیا کی پیشن گوئیوں کا سنا تو وہ مسرور ہوا اور یہودیوں کو اسارت سے آزادی اور یروشلم واپس جانے کی جازت دی اور ھیکل کے تمام برتن اور دیگر قیمتی سامان جو بخت نصر لوٹ کر لے آیا تھا واپس کرنے کا حکم صادر کیا۔

کورش کے فرمان کے الفاظ درج ذیل ہیں:۔

’’شاہ فارس (خورس) یوں فرماتا ہے کہ خداوند آسمان کے خدا نے زمین کی سب مملکتیں مجھے بخشی ہیں۔ اور اُس نے مجھ کو تاکید کی ہے کہ میں یروشلم میں جو یہوداہ میں ہے اُسکے لئے ایک مسکن بناؤں پس تمارے درمیان جو کوئی اُسکی ساری قوم میں سے ہو خداوند اسکا خدا اُسکے ساتھ ہو اور وہ یروشلم کو جو یہوداہ میں ہے جائے اور خداوند اسرئیل کے خدا کا گھر جو یروشلم میں ہے بنائے

یہود کی روایات ملی سے ظاہر ہے کہ ہخامنشی خاندان کے بادشاہوں میں کورش۔ داریوش اور اردشیران کے لئے کافی احترام رکھتے تھے۔اور اردشیر کے بارے میں یہودیوں نے لکھا ہے کہ اُس نے ایک یہودی لڑکی جسکا نام ''آستر'' تھا سے شادی کی تھی۔ کتاب مقدس میں ''استر'' کے نام کا باب موجود ہے۔

نہضت سوم کورش بہ شمال:۔(۱)

ایران شمالی جسے ماد کہا جاتا تھا کی حدودات بحیرہ اسود اور بحیرہ خذر کے درمیان تک تھیں اور اس علاقے کو ایرانی ''کوہ قاف'' کہتے ہیں جبکہ یہ علاقہ ''قفقاز'' کہلاتا ہے اور قفقار کی موجودہ زیاست ان دو دریاؤں کے ساحلی پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔

یہاں کے باشندے، وحشی سکائی قبیلے کے لوگوں سے بہت تنگ تھے چنانچہ ان لوگوں کی حفاظت کے لئے کورش شمال مغربی ایران کی طرف بڑھا ایک دریا سے گذرا جو اب بھی کورش کے نام سے مشہور ہے اور دریائے ''کر'' یا ''کورش'' کہلاتا ہے بلند پہاڑوں کے درمیان تنگ درے سے گذر کر کورش نے وحشی قبائل جو قرآن میں یاجوج و ماجوج کہلاتے ہیں، کا تعاقب کیا اور درہ میں لوہے کی سلوں کو جوڑ کر ایک مضبوط سد بنائی تا کہ قفقاز کے رہنے والے ان یاجوج و ماجوج کی غارتگری سے بچے رہیں یہ دیوار اتنی بلند اور مضبوط تھی کہ یاجوج و ماجوج کے لئے اسے عبور کرنا ممکن نہ تھا۔اس درے کو اب بھی درہ کورش کہا جاتا ہے اور اس جگہ کو اب بھی (''بہاک کورائی''، اور ''کابان کورائی'') یعنی گذرگاہ یا درۂ کورش۔ اس سے یہ بات یقینی طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ ''کورش بہ سمت شمال رفتہ واز نواحی کہ امروز بنام دربند ومعبر داریال معروفست درگذشت و آنجا سدے بنا کردہ تا مانع ہجوم سکاہا بشود۔ وبہ ہمیں جہت درۂ مذبور بنام اودرہ کورش نامیدہ شدہ'' (۱)

وفات کورش (۵۲۹ ق م):۔

کورش بابل کی فتح کے بعد دس سال زندہ رہا اور ۵۲۹ ق م میں وفات پائی۔ اور ایران

---

(۱) ''کورش کبیر در قرآن مجید وعہد عتیق'' از فریدون بدرہ ای ص۴۰''

باستان کے آثار میں سے (جواب دریافت ہوئے ہیں ایک میں) دفن ہوا۔اس مقبرہ کی دریافت سے پتہ چلتا ہے ''کہ دفن مردگان درمیان زردشتیاں قدیم معمول بودہ واگر عمومیت نداشتہ لااقل شاہان و بزرگان مردم رادفن میکردہ اند ہم چناں کہ بدست آمدن آرامگاہ داریوش نیز کہ عامہ او رانقش رستم می خوانند مؤیداین نظر است۔(۱)

کورش کے اسلاف واخلاف:۔

یونانی اور پہلوی زبانوں میں تلفظ کے اختلاف سے بعض مورخین غلطی کے مرتکب ہوئے ہیں۔کورش کا نسب نامہ جو مورخ ہر دوت اور کزنفون (Xonophone) نے لکھا ہے، کی تصدیق سنگ نوشتہ داریوش سے ہوتی ہے۔کورش کے دادا کے والد کا نام ہخامنش ہے جسے یونانیوں نے ا کیمنس (Achaemenes) لکھا ہے اُسی کے نام سے خاندان مشہور ہوا اور خاندان کا نام ''ہخامنشی'' پڑا۔ ہخامنشی کے بیٹے کا نام ستائش بیز تھا جسے یونانی تائز بیز کہتے ہیں اور ''کامبیز'' شائش بیز کے بیٹے کا نام ہے جسے یونانی کم بی سس اور اعراب اُسکو کمبوشیا لکھتے تھے۔اور کورش اسی کامبیز (کم بی سز۔کمبوچیہ) کا بیٹا ہے۔کورش نے اپنے پہلے بیٹے کا نام بھی (کامبیز) رکھا۔اور لقب سلطنتی ''اھشورش'' رکھا جو بعد کے ہخامنشی بادشاہوں کا سلطنتی (بادشاہی) لقب رہا۔ یونانی اس کو ''اھاسورس'' اور اعراب ''اخشورش'' لکھتے ہیں۔کورش (وفات ۵۲۹ ق م) کے بعد اسکا بیٹا ''کامبیز'' (Cambysus) تخت پر بیٹھا مگر ۵۲۵ ق م میں مصر پر حملہ آور ہوا اور وہیں مقیم ہو گیا۔ جب وہ مصر میں قیام پذیر تھا تو خبر ملی کہ ماد کے لوگ بغاوت کر گئے ہیں اور ایک شخص ''گوماتا'' نام ہے اپنے آپ کو ''کامبیز'' کا بھائی کہہ کر تخت وتاج کا دعویدار بن گیا ہے۔اور اپنا نام ''بردیا'' برادر کامبیز بتاتا ہے۔ بردیا کو یونانی ''سردیز'' نام سے پکارتے تھے۔ جب یہ اطلاع کامبیز کو پہنچی تو وہ مصر سے ایران کی طرف روانہ ہوا مگر جب شام کے ملک میں پہنچا تو فوت ہو گیا یا مارا گیا۔ چونکہ کامبیز کے بعد کورش کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی اس لئے امرا نے داریوش جو کورش کا

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر از دہخدا ص ۱۱۷

ماموں زادتھا'' کوتخت نشین کردیا۔داریوش نے سرکشوں کی بیخ کنی کی اور'' گوماتا'' غاصب کوقتل کیا اورایران کی سلطنت کوعزت وافتخار بخشا یہ داریوش گستاسپ کا بیٹا تھا جسے یونانی ''ہستاسپ بیز'' لکھتے ہیں۔داریوش کا جانشین اردشیر (ارتخشیشت) جسے یونانی ''ارتازرکس'' اوراعراب ''اردشیر'' کہتے ہیں۔ان چار بادشاہوں کے نام یعنی (کورش، اخشورش، داریوش اوراردشیر کے نام) اسفار یہود میں ملتے ہیں۔یروشلم کے ہیکل کی تعمیرنو کورش کے زمانے میں اُسکے حکم سے شروع ہوئی اور اردشیر کے زمانے میں پایہ تکمیل کو پہنچی۔

ذوالقرنین درقرآن مجید:۔

کوروش کی فتوحات اوراخلاق، بہادری، اول العزمی، بردباری اور مفتوحہ لوگوں سے نیک برتاؤ کے باعث یہ ثابت ہوجاتا ہے کہ اُس میں وہ تمام صفات موجود ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔اختصار سے قرآن میں بتلائی گئی خوبیوں اور خصائص کا کورش کے حالات سے موازنہ کیا جاتا ہے۔قرآن مجید کی سورۂ کہف میں آیا ہے۔:۔

انا مكنا له في الارض و آتينا من كل شيى سببا

خداوندکریم نے اُسے ملک میں پائیداری اور سلطنت بخشی اور تقویت فرمانروائی اور تکمیل فتوحات کے لئے اُسے تمام ساز وسامان فراہم کیا گیا۔کورش کی شخصی کامیابیاں اور وسعت سلطنت دراصل از جانب خدااوراُسکی رحمت کا نتیجہ تھیں۔اللہ تعالیٰ نے جواسلوب سخن ذوالقرنین کے لئے اختیار کیا وہی اسلوب یوسفؑ کے لئے بھی اختیار کیا اور ذوالقرنین کا یوسفؑ کی طرح غیر عادی انداز میں حکمران بننا، خداوندکریم کی خاص عنایت ہے۔اس لئے یہ کہنا مناسب ہے کہ کورش، قرآن کے ذوالقرنین سے مطابقت رکھتا ہے۔کورش کے نانا نے سفاکانہ نظر سے اُسے دیکھا مگر جس شخص کو اُسے مارنے پر مامور کیا، اُس شخص کے دل میں خدا نے اُس کے لئے رحم بھر دیا اور اُس نے اُسے جنگل میں چھوڑ دیا اور وہ (کورش) ایک بیگانہ اور گمنام گڈریے کے ہاں پلا پوسا اور پرورش پائی اور پھر کورش کو اچانک بغیر جنگ وجدل کے حکمران اور فرمانروا بنا دیا اور ماد اور پارس کی دونوں سلطنتیں اُسکے زیرنگیں ہوگئیں اور دنیا کی مضبوط ترین سلطنت بن گئی۔

نخستین مہم غربی:۔(۱)

جب کورش ماد اور پارس کی مشترکہ حکومت قائم کر چکا تو ایشیائے صغیر کے بادشاہ کروسس (Crosus) نے اُس پر چڑھائی کر دی۔اس کی سلطنت کا نام لیدیا(Lydia) تھا اور اس حکومت کی بنیاد کورش سے ایک سو سال پہلے پڑی تھی اور اسکا پایۂ تخت (ساردیز) تھا۔کورش کے زمانے سے قبل بھی (لیدیا) اور (ماد) کے درمیان جنگیں ہوتی رہی ہیں۔بالآخر لیدی کے حکمران کروسس (Crosus) کے والد اور کورش کے دادا (نانا) استیاگس کے درمیان صلح ہوئی اور ازدواجی رشتے بھی ہوئے مگر کروسس نے صلح نامہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کورش پر حملہ کر دیا۔کورش ناچار ماد کے پایۂ تخت ہگ متانا=(ہمدان) سے باہر آیا اور بجلی کی طرح دشمن پر آ جھپٹا اور کشور لیدی کو صرف دو جنگوں یعنی جنگ (پتریا) اور جنگ ساردیز (سادس) کے بعد مطیع بنا لیا۔ ہردوت نے ان جنگوں کا حال تفصیل سے لکھا ہے۔کورش نے ہمدان سے لیدی تک دو ہزار چار سو میل مسافت طے کی مگر سمندر کی موجوں کو عبور کرنے پر قادر نہ تھا اس لئے مغربی سمندر تک پہنچ کر رک گیا اور ناگہاں دیکھا کہ سورج ساحلی خلیج کے چشمہ میں غروب ہو رہا ہے۔اور یہ اقامتگاہ اُسکے لئے بے شک مغرب شمس یعنی نہایتِ مغرب تھی(وجدها تغرب في عين حملة وجد عندها قوما) ۔لغت نامہ'' ص۱۲۰ پر علی اکبر دہ خدا نے ذیل الفاظ میں اس موقع کا نقشہ کھینچا ہے:۔

''اگر نقشۂ ساحل غربی آسیائی صغیر را در پیش خود بگزاریم خواہیم دید کہ بیشتر ساحل را خلیج ہائے کوچک قطع کردہ است، مخصوص در نزدیک ازمیر کہ خلیج شکل چشمۂ بخود گرفتہ است۔ ساردیز در نزدیک ساحل غربی بود واز شہر ازمیر کنونی چنداں دور نبود۔پس ما چنیں بگوئیم کہ کورش پس از آنکہ بر ساردیز استیلا یافت ونیز ہم از آنجا پیشتر میرفت در ساحل دریائے (اژہ) بجایگاہی در نزدیک ازمیر رسید وساحل رابداں ساں دید کہ بہ چشمۂ شباہت داشت واین ہماں است کہ

---

(۱) لغت نامہ'' تالیف دہ خدا (ص۱۱۹ (بندسوم)

قرآن از آں بدیں آیہ تعبیر کردہ است (وجدھا تغرب فی عین حملۃ) یعنی بنظر او چناں آمد کہ خورشید در جایگاہ تیرۂ از آب غروب میکند ۔ واضح است خورشید در ہیچ مکانی غروب نمیکند ۔ لیکن اگر آسمان بر ساحل دریا بایست، خورشید را چناں می بیند کہ گوئی اندک اندک در دریا فرو میرود‘‘۔

مہم شرقی:۔

ذوالقرنین کی دوسری مہم مشرق کیطرف تھی ۔ ھرودوت اور کتریاس ہر دونوں نے اس مہم شرقی کو فتح لیدی (Lydia) کے بعد اور بابل کی فتح سے پہلے بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ صحرانشین وحشی قبائل کے ایک گروہ کی سرکشی اس مہم کا سبب بنی ۔ جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے (حتی اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علی قوم لھم من دونھا ستراً) اس سے منطبق ہے کیونکہ جب وہ نہایت مشرق میں پہنچا تو دیکھا کہ خورشید ایک ایسی قوم پر چمکتا ہے کہ جن کے پاس اپنے آپ کو سورج کی گرمی سے چھپانے کے لئے پوشاک (جامہ) نہیں ہے ۔ یہ لوگ قبیلہ چادر نشین سے تعلق رکھتے تھے جو شہروں میں سکونت نہ رکھتے تھے اور اپنے لئے گھر نہ بناتے تھے ۔ یہ چادر نشین کون تھے؟ اور یونان کے مورخین کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ باختر (بکتیریا) کے قبائل تھے یعنی بلخ کے لوگ ۔ اگر نقشہ دیکھیں تو معلوم ہو جائیگا کہ بلخ ایران کے مشرق بعید میں واقع ہے اور بلخ کے بعد زمین میں بلندی آجاتی ہے اور راہ مسدود ہو جاتی ہے اور ظاہراً ایسے معلوم ہوتا ہے کہ ’’ قبائل کیدروسیا نے مشرقی علاقوں میں فساد برپا کر رکھا تھا۔ کورش ان کی سرکوبی کے لئے نکلا اور بلخ تک پہنچ گیا۔ کیدوروسیا کو اب مکران اور بلوچستان کہا جاتا ہے۔

مہم سوم شمالی وسد یاجوج وماجوج:۔

اس مہم کا اجمالی ذکر پہلے ہو چکا ہے ۔ یہ قفقاز (کوہ قاف) کی مہم ہے جس کے پہاڑوں کی دوسری طرف سے یا جوج و ماجوج آکر قفقاز کے لوگوں پر تاخت کرتے تھے ۔ ذوالقرنین اس علاقے میں اُس جگہ تک پہنچا جو دو پہاڑوں کے درمیان تنگ گھاٹی تھی ۔ قرآن نے اس کو اسطرح بیان کیا ہے (حتی اذا بلغ بین السدین و جدمن دونھا قوما لا یکا دون یفقھون قولا) ’’یعنی یہ لوگ ’’ مردمان کوھستانی ومتوحش انداز مدنیت و عقل و فہم محروم شدہ اند‘‘ اور

جو سد بنائی گئی وہ قفقاز کے پہاڑوں کے درمیان تھی جس کے دائیں طرف بحر خذر اور بائیں طرف بحر اسود ہے ان پہاروں کے درمیان ایک بلندی دکھائی دیتی ہے ۔ جو قدرتی دیوار کی مشابہت رکھتی ہے ۔ کورش نے ان پہاڑوں کے بیچ ایک سد (دیوار) بنائی تا کہ پہاڑوں سے اُس طرف رہنے والے یا جوج ماجوج اس درہ سے گذر کر اس طرف کے رہنے والے لوگوں کو غارت نہ کریں ۔ اور اس طرح اس سد (دیوار) کے باعث نہ صرف قفقاز کے لوگ محفوظ ہو گئے بلکہ ایران کے مغرب کی طرف بسنے والی تمام قوموں کو امن نصیب ہوا۔

’’ایں سد بہ منزلہ دروازہ مقفلی میان آسیائی غربی و کشور ہائی شمالی بود‘‘ جن لوگوں کو کورش نے وہاں دیکھا (یا جوج ماجوج) تھے ’’یونانیوں نے ان کو ’’کولش‘‘ لکھا ہے جبکہ داریوش کے کتبے میں ان کو ’’کوشیا‘‘ لکھا گیا ہے چونکہ یہ لوگ شہروں سے دور رہتے تھے قرآن میں ان کو ’’زبان نہ سمجھنے والوں‘‘ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا بحث سے ظاہر ہوا کہ قرآنی ذوالقرنین کورش کبیر (Cyrus the Great) ہے اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد خرابۂ پاسارگاد سے کورش کبیر کا کتبہ دریافت ہونے کے بعد اب کسی اور شخصیت کو ذوالقرنین سے منسوب نہیں کیا جاسکتا۔

قبیلہ تاجک سواتی کے نسب ناموں میں ذوالقرنین کا ذکر موجود ہے اور بدخشاں اور کنڑ کے باشندوں پر تبصرہ کرتے وقت انگریز مورخین (Maj. Bellew) اور (Raverty) نے اپنی تصانیف میں بھی ذوالقرنین کا تذکرہ کیا ہے اگر چہ اُنہوں نے ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی گردانا ہے جو ابن البلخی کی کتاب ’’فارس نامہ‘‘ میں اسکندر مقدونی کا غلط نسب نامہ درج ہونے کا نتیجہ ہے ۔ ذوالقرنین (کورش کبیر) بانی دولت ایران ہے اور اسکندر مقدونی نے اردشیر سوم سے (جو کورش کے بعد ہخامنشی خاندان کا پانچواں حکمران تھا) مملکت ایران فتح کی تھی اور ایران کی امپائر کا خاتمہ کر دیا۔

قبیلہ تاجک سواتی کے اسلاف کورش کبیر کے زمانے سے بلخ اور سیستان اور بدخشان کے حکمران چلے آرہے تھے جب انکی نسل بڑھتی گئی تو مقبوضہ علاقوں کو مزید تقسیم کر کے ان لوگوں

نے مقامی حکومتیں قائم کیں مگر اپنی زبان اور رسم و رواج پر قائم رہے۔ ان کی زبان گبری پہلوی زبان کی شاخ تھی اور قومی شناخت کے طور پر بھی دیگر افغانوں اور ایرانیوں سے اپنے آپ کو ممیتز رکھنے کے لئے انہوں نے اپنی قومیت کو (گبر) یا (گبری) سے منسوب کیا اگر چہ اسلام کے ابتدائی دور سے تیسری صدی ہجری کے وسط تک یہ بہ تدریج مسلمان ہو چکے تھے۔ ابن البلخی کے "فارس نامہ" کی تائید میں اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین تصور کر کے اپنے نسب نامے مرتب کئے جس کے باعث آج تک اسکندر مقدونی تاجک سواتی کے نسب ناموں کی زینت بنا ہوا ہے۔ اس لئے آئندہ باب میں اسکندر مقدونی پر مختصر بحث ہوگی تا کہ ذوالقرنین کے پس منظر میں اُس کی شخصیت کا جائزہ لیا جا سکے۔

باب ہفتم

اسکندر مقدونی

اسکندر ابن فلپ دوم ۳۵۶ ق م میں پیدا ہوا اور بیس سال کی عمر میں باپ کے قتل کے بعد تخت پر بیٹھا۔ اسکی ماں کا نام اولمپیاس (Olymbias) تھا جو بادشاہ ملس (Molosses) جسکا نام (نئہِ اوپ تولم۔ (Neoptoleme) تھا کی بیٹی تھی جو آشیل (Achille) پہلوانِ داستانی یونانی کی نسل سے تھا۔ اسکندر کو یونانی مورخین نے باپ کی طرف سے ہرکول (Hercule) =نیم ب النوع یونانی سے منسوب کیا ہے جبکہ ماں کی طرف سے مذکورہ آشیل (Achille) سے منسوب کیا ہے۔ مگر ایران کی داستانوں میں اسکندر کی ماں کا نام ناھیدہ لکھا گیا ہے اور اسکندر کے متعلق فوق العادہ داستانیں مشہور کر دی گئی ہیں جن کو (کنت کورت) اور "پلوتارک" نے بڑی شدومد سے بیان کیا ہے ان سے صرف نظر کرتے ہوئے (دیودور) کی مطابقت میں اسکندر کے مذکورہ نسب نامے (یعنی اسکندر ابن فلپ دوم) پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

اسکندر کی پیدائش کے بعد اسکے والد فلپ دوم نے اسکندر کی تعلیم و تربیت پر توجہ فرمائی اور ارسطو کو (جوان دنوں افلاطون کے مکتبہ سے منسلک تھا) اسکندر کی تربیت پر مامور کیا جس نے اسکی تعلیم و تربیت کا ذمہ اٹھایا۔ (کنت کورت کتاب اول بند۲) کے مطابق اسکندر کی جسمانی ساخت اس طرح تھی:۔

"اعضائے بدنش قوی و متناسب، قامتش پست پوستے داشت سفید۔ دماغ مانند بینی عقاب، چشمش چپ سبز فام و چشم راست سیاہ در حرکات رفتار چست و چالاک۔۔ در سختی ہا و شدائد بہ اعلی درجہ بردبار بود" (۱)

اسکندر عہد طفولیت میں ارسطو کے لئے بہت احترام رکھتا تھا اور کہتا تھا کہ

"اگر فلپ بمن حیات دادہ ارسطاطالیس مرا تعلیم کردہ کہ با شرافت و نام زندگانی کنم"

---

(۱) "لغت نامہ" از علی اکبر دہخدا ص ۶۹۔۲۳۶۷

اسکندر کہا کرتا تھا کہ ''درمیانِ فیوض زندگانی شرف ونام بالاتر از ہر چیز است''

او بالآخر اس کی جاہ طلبی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ اپنے آپ کو خدا کہلانا پسند کرتا تھا اور اس نے اپنے مورخ کالیستان (جو ارسطو کا رشتہ دار تھا) کو اس لئے قتل کرادیا کہ وہ اسکندر کے دعوئ الوہیت کا مخالف تھا حتیٰ کہ اسکندر آخری ایام میں ارسطو کو بھی اپنا دشمن سمجھنے لگا۔

ایران کی قدیم تاریخ کا علم مفقود ہے اور جو کچھ آج ہمارے پاس موجود ہے وہ بھی یونانی مورخین کی تحریروں سے اخذ کیا گیا ہے۔ مستشرقین تک ایرانی تاریخ صرف افسانوں کی حد تک موجود تھی۔ اس لئے کورش یا ھخامنشی خاندان کے دیگر بادشاہوں سے مورخین اور علماء مکمل معلومات کی عدم دستیابی کے باعث واقف نہ تھے اور بہمن اور داراب کے متعلق جو کچھ افسانوں سے ملا وہی تاریخ کا حصہ بنا۔ اسکندر مقدونی کے ابتدائی حالات بھی ان افسانوں کے نذر ہوئے۔ ''ریاض السیاحہ'' تالیف شمس العارفین مولانا مرزا زین العابدین شیروانی میں ص ۱۸۶ پر سکندر بن فیلقوس کا ذکر موجود ہے۔ لکھتے ہیں سکندر مقدونی کے نسب میں بہت اختلاف ہے۔ بعض اُس کو داراب'' کا بیٹا گردانتے ہیں اور بعض اسکو فیلقوس کا صلبی بیٹا سمجھتے ہیں۔ ''اسکندر بالفظ یونانی حکمت دوست باشد۔ زمرۂ ناقلان اخبار اوراذوالقرنین اصغر بینامندو صاحب سدیاجوج وماجوج کہ در قرآں مجید مذکور است ذوالقرنین اکبری دانند''

مورخین اسکندر کو ''بادشاہ پرشکوہ'' اور عقلمند بادشاہ تصور کرتے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ باپ کی وصیت کے مطابق جب وہ تخت سلطنت پر بیٹھا تو رعیت سے عدل و انصاف سے پیش آنے لگا اور رعایا پروری عدل گستری کا قانون نافذ کیا تھوڑے ہی عرصہ میں ''از حدود روم وفرنگ وفارس زنکبار تا ختاوختن، چین و ماچین وحبش ویمن وھندوستان'' پر بحیثیت حکمران مسلط ہوگیا۔ ''مدت نہ سال اوقات خود را بہ محاربہ مصروف داشت وہشت سال دیگر باطمینان خاطر وفراغ بال عمر گذاشت، زمان عمرش سی وشش سال بود۔ ارسطو معلم او بود و در تحصیل حکمت ملازمت اورامی نبود''

طبقات ناصری جلد اول ۲۶۸ پر منہاج (۱) سراج جوز جانی نے لکھا ہے کہ ''سکندر بن فیلقوس رومی'' کا نسب یوں ہے۔

---

(۱) مکمل نام ابوعمر منہاج الدین عثمان ابن سراج الدین۔ جوز جانی ہے (تاریخ ہندوستان از ایلیٹ وڈاوسن ص ۲۵۹ ج دوم ''طبقات ناصری'' تعلیقات میں جوز جانی نے اپنے مکمل حالات بیان کئے ہیں۔

''سکندر بن فیلقوس بن ہرمس، بن ہردس بن میطون، بن رومی بن اقطو بن نویان بن یافث بن سرجون بن رومیہ بن شرط بن نوفل بن رومی بن الاصف بن التفق بن اعیص بن اسحاق النبی علیہ السلام

''سکندر بن بیلبوس بن مطریوس۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ ابن مصریم بن ہرمس بن ہردس بن فیطون بن رومی بن لیطی بن یونان بن یافث بن نویہ بن سرجون بن رومیہ بن ترتط بن نوفیل بن رومی بن الاصفر بن التفق ابن العیص بن اسحاق تھا۔ یہ نسب نامے بے اصل ہیں مزید لکھتے ہیں کہ اس کا نام اسکندر کیوں رکھا گیا؟

بعض کہتے ہیں دارائے اکبر نے فیلقوس کی بیٹی سے شادی کی تھی جب اُسے ایران لائے تو اسکے بدن سے بدبو آتی تھی لہٰذا اسے باپ کے پاس واپس بھیج دیا۔ وہ حاملہ تھی اسے ایک گھاس میں رکھا گیا جس کا نام بھی سکندر تھا اس لئے بیٹے کا نام سکندر تجویز ہوا۔ درحقیقت وہ دادائے اکبر کا بیٹا تھا۔ اور حاشیہ نمبر ۱۵ میں مترجم لکھتا ہیں کہ اس داستان کے بارے میں کچھ عرض کرنے کی ضرورت نہین۔ ہاں یہ عرض کردینا چاہیے کہ سکندر یونانی قطعاً ذوالقرنین نہ تھا، نہ وہ صالح تھا، نہ عادل اور نہ خدا پرست۔ بلاشبہ بہت بڑا فاتح اور غیر معمولی صلاحیتوں کا جرنیل ضرور تھا۔ اس کے نام اور کنیت کے بارے میں جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب بے اصل ہے۔ تازہ ترین تحقیق یہ ہے کہ سائرس (یہود کا خورس) اور عربوں کا خسرو ذوالقرنین تھا اور اس نے جو سد شمالی جانب کی وحشی قبائل کی ترک تازیوں کو روکنے کے لئے بنائی تھی وہ کوہستان قفقاز کے وسط میں درہ ''داریال'' کے مقام پر بنائی تھی۔ (۱)

---

(۱) منہاج سراج جوزجانی (۶۲۴ء = (۱۲۲۷ھ) غور سے سندھ (اوچ) آئے تھے اور بعد میں ناصر الدین محمود کے عہد میں طبقات ناصری لکھی۔ اُس نے ابن البلخی کے ''فارس نامہ'' میں لکھے ہوئے نسب نامہ اسکندر کو بے اصل قرار دیا ابن البلخی کے متعلق ''لغت نامہ'' میں علی اکبر دھخدا نے ص ۲۹۶ پر لکھا ہے:۔

نوٹ:۔ ابن البلخی: کنیت مورخی ایرانی معاصر محمد بن ملک شاہ سلجوقی واو در زمان سلطان محمد مستوفی فارس بود وکتاب فارس نامہ ازاوست''

ابن البلخی کی تائید میں ابوعلی سینا نے اپنی کتاب ''شفا'' میں مناقب ارسطو کے بیان میں اسکنسر مقدونی کو ذوالقرنین تصور کیا ہے۔ ابن اثیر کی تالیف (الرصع) میں بھی یہی تحریری ہے۔ مگر آقائے علی اکبر دہخدا نے اپنی تالیف ''لغت نامہ میں ص ۱۹۲۔۱۲۴ ایک مفصل روئیداد لکھی ہے اور مختلف روایات کو یکجا کر کے مولانا آزاد کی مطابقت میں کورش کبیر کو ذوالقرنین قرآنی ثابت کیا ہے۔

اسکندر مقدونی کی فتوحات کا ذکر کرنے سے قبل یونان کی قدیم تاریخ کا مختصر جائزہ پیش خدمت ہے تاکہ اسکندر کے نسب نامے اور حالات کو یونانی (مقدونوی) پس منظر میں دیکھا جا سکے۔

مقدونیہ:۔

یہ مملکت شبۂ جزیرہ بالخان میں واقع تھی۔ اس کی حدود میں تغیر رونما ہوتا رہا۔ اسکندر کے باپ فلپ دوم کے زمانے میں مقدونیہ کو غیر معمولی شہرت حاصل ہوئی۔ مشرق میں رود (نیس تس)(Nestes) اسے ترکی سے جدا کرتی تھی جبکہ جنوب میں ساحل سمندر اور جزیرہ کالی۔سی۔ دیک (Chalicidlique) اسے یونان سے جدا کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ دو قسم کے تھے۔ ایک خارجی جو ہندوستان اور یورپ کے ممالک سے تعلق رکھتے تھے اور دوسرے مقامی مقدونی لوگ تھے یہاں مختلف زبانیں بولی جاتی تھیں۔ یونان کے لوگ مقدونیوں کو اپنے سے کم تر سمجھتے تھے۔ مقدونیہ کی قدیم تاریخ اخفا میں ہے مگر امین تاس جو اسکندر اول کا باپ تھا کے زمانے میں مقدونیہ یونان کے دیگر ممالک سے مربوط ہو گیا۔ امین تاس ایران کی طرف سے مقدونیہ کا حکمران تھا اور اسکا بیٹا اسکندر اول خشیار شاہ (ہخامنشی) کے عہد میں۔ ایرانی فوجوں کی طرف سے یونانیوں کے خلاف لڑ رہا تھا۔ مگر باطن میں یونانیوں کا طرفدار تھا۔ جنگ پلاتہ (۴۷۹ ق م) کے بعد تراکیہ اور مقدونیہ، ایران کے تسلط سے نکل گئے۔ مقدونیہ (۵۱۴۔۴۷۹ ق م) ایران کے زیر نگین رہا تھا۔ پرڈیکاس کے زمانے میں یونانی فلسفی، شعرا اور ادیب مقدونیہ میں آ کر آباد ہونے لگے اور اسکے بیٹے آرخی لاؤس (Archilaus) نے مقدونیہ میں سڑکوں کا جال بچھا دیا تھا اور لاتعداد یونانی معماروں کو مقدونیہ لے آیا تھا۔ مگر اسکی موت کے بعد اختلاف نے جنم لیا۔ سکندر اول کے نبیرہ آمین تاس سوم نے شورشوں پر قابو پایا۔ امین تاس سوم کے بعد اسکا بیٹا اسکندر دوم مقدونیہ کے تخت پر بیٹھا۔ تسالیوں سے چھیڑ چھاڑ کرنے پر تسالیوں اور ان کے حمایتیوں نے مقدونیہ پر حملہ کر دیا۔ اس انتشار کے باعث امین تاس کے داماد بطلیموس نے اسکندر دوم کے خلاف بغاوت کر دی جسکے نتیجہ میں ہر دو کو مقدونیہ پر حکمرانی کا اختیار مل گیا مگر جلد ہی اسکندر دوم قتل ہوا اور بطلیموس (Ptolemee) پورے مقدونیہ کا حکمران ہو گیا۔ مگر بہت جلد پرڈیکاس پسر امین تاس سوم نے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ مگر پرڈیکاس، تمیدیوں کے خلاف جنگ میں مارا گیا اور پرڈیکاس کا بھائی فیلپ (Phillip) تخت نشین ہوا اور فلپ دوم کے نام سے (۳۵۹ ق م) مقدونیہ کا بادشاہ بنا۔

فیلپ دوم (Phillip II):۔

امین تاس سوم نے ایلیر یا سے جنگ میں شکست کے بعد مجبوراً خراج و باج دینا منظور کیا تھا اور اپنے سب سے چھوٹے بیٹے فلپ کو ایلیرین کے پاس گروی رکھ لیا تھا۔ بعد میں ایلیر یا والوں نے فلپ کو تبیوں کے حوالے کر دیا اور تبی سردار اپامی نونداس (Apaminon das) نے فلپ کو اپنے بیٹے کیساتھ فیثا غورث فلسفی کے ایک شاگرد کے پاس تعلیم کے لئے بھیج دیا اور اس طرح فلیپ فیثا غورث کے فلسفہ کا حامی بن گیا۔

فیلپ جب مقدونیہ کے تخت پر بیٹھا تو مقدونی فوجوں کی تربیت اور اصلاح پر لگ گیا۔ اور ان کو بہترین اسلحہ سے لیس کیا۔ فلپ نے مقدونیوں کو نوازنے اور دشمنوں میں پیسہ تقسیم کر کے پھوٹ ڈالنے کی پالیسی اختیار کی۔ آتنی سردار مان تیاس نے مقدونیہ پر حملہ کر دیا۔ فلپ نے مقابلہ کر کے آتنیوں کو بھگا دیا۔ اس کے بعد فلپ نے پونیون (Peoniens) کو شکست دیکر انکے ملک کو مقدونیہ میں شامل کر دیا۔ اور بعد ازاں فلپ نے ایلیر یا پر حملہ کر دیا اور وہاں کے بادشاہ کو شکست دیکر مقدونیہ کا وہ علاقہ جو اس سے قبل ایلیر یا والوں نے فتح کر کے اپنے ساتھ ملا لیا تھا، واپس لے لیا۔ اسکے بعد فلپ نے امفی پولس (Amphipolis) پیدنا (Pydna) اور النت (Olynth) کرنیداس (Crenedas) کو فتح کیا اور کرینداس کی سونے کی کان سے کافی زر وصول ہوئی اور مقدونیہ کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی اور اس نے ایک جرار لشکر تیار کر دیا۔ بادشاہ تراکیہ، الیریا اور یونیہ نے اتحاد کر کے فلپ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا مگر فلپ نے ان کو موقع نہ دیا اور ان پر حملہ کر کے شکست دی اور اپنا مطیع بنا لیا۔ وہ دشمن میں پیسے کی وجہ سے پھوٹ ڈالنے میں ماہر تھا۔ اور اپنے مخالفین کے اخلاق کو فاسد کر کے انہیں غداری پر اکساتا تھا۔ مقدونیہ کی ترقی سے آتن والے خوف زدہ ہوئے اور قرب و جوار کے سرداروں کو فلپ کے خلاف اکسانے لگے مگر دیودور کیمطابق خیانت کاروں کی کمی نہ تھی جو لالچ کے باعث فلپ کے گرد جمع ہو گئے تھے۔

جنگ مقدس:۔

اس دوران یونان میں جنگ مقدس شروع ہو گئی جو دس سال تک جاری رہی۔ یہ جنگ معبد دلف کے باعث لڑی گئی تھی اس معبد میں سورج کا دیوتا تھا۔ فی لومیلس (Philomelus) فوصیدی نے اس معبد

پر قبضہ کر لیا تھا۔ یونان اس جنگ میں دو حصوں میں بٹ گیا۔ آتن، اسپارت اور بعض پلو پونس قسیدیوں کے طرف دار ہو گئے۔ جب جنگ نے طول پکڑا تو اہائی تب نے ایران کے دربار میں ایلچی بھیج کر داریوش سوم) سے مالی امداد طلب کی۔ داریوش سوم (اردشیر سوم) نے 16,80,000 فرانک طلا (بمطابق دیودور) دئے۔ جبکہ فوسیدیوں کے سرداروں نے معبد دلس سے قیمتی اشیاء چرالیں جنکا تخمینہ بمطابق دیودور دس ہزار تالان بنتا ہے۔ معبد کی اس لوٹ میں آتن اور لاسدمون بھی شامل تھے۔ اس جنگ سے یونان تباہ ہو گیا۔ بلآخر یہ جنگ ۳۴۶ ق م میں ختم ہوئی۔

جنگ خیرونہ:۔

آتنی اور فلپ کی فوجوں کا امنا سانا ہوا فلپ نے دائیں طرف کی فوجوں کی کمان اسکندر کو دی جو اگرچہ نوجوان تھا مگر بہادری اور عقل کے سبب قابل توجہ تھا، سکندر نے س جنگ میں بہادری کے جوہر دکھائے اور آتن والوں کو شکست ہوئی۔ اس جنگ کے بعد فلپ دراصل مقدونیہ اور تمام یونان کا بادشاہ بن گیا اور اس نے اعلان کیا کہ اب وہ ایرانیوں سے جنگ لڑیگا تا کہ سابقہ جنگوں میں ایرانیوں کے ہاتھوں یونانیوں کے معبد کو جو نقصان پہنچا ہے اسکا بدلہ لے۔ یہ اعلان عام یونانیون کے لئے باعث اطمینان ٹھہرا اور فلپ نے یونانی سرداروں کو اکھٹا کر کے اپنے حق میں تمام یونان کی سپہ سالاری کا اعلان کرا دیا اور لامحدود اختیارات حاصلہ کر لئے۔ فلپ نے آسیا صغیر کے خلاف لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ فلپ نے دیوتاؤں سے اپنے اس حملے کے بارے میں دریافت کے سلسلے میں معبد دلف کو اپنے آدمی روانہ کئے تا کہ (پی تی) سے جواب حاصل کریں۔ اس عورت نے جواب دیا'' گاؤ نر تاج بر سر نہادہ (۱) وکار آمیختن طعام با ادویہ بانجام رسد شخصی کہ باید گاو نر را بکشند 'منتظر است'' دیودور لکھتا ہے کہ اس خواب کی تعبیر فلپ نے یوں کی کہ'' گاو نر سے مراد شاہ ایران'' ہے جو مارا جائیگا حالانکہ '' گاو نر'' پھولوں کا تاج جو فلپ نے خود پہنا ہوا تھا، خود اُسکا تاج تھا اور مقدر میں اسکے مارا جانا لکھا تھا۔ البتہ فلپ نے اس خوشی میں اپنی بیٹی کالو پاتر (Cleopatre) جو الپیاس ملکہ مقدونیہ کی بیٹی اور اسکندر کی بہن تھی) کی عروسی کی تقریبات کے سلسلے میں ضیافتوں کا اہتمام شروع کر دیا۔ کلوپیتر کا عقد شاہ اپیر سے ہونا تھا۔ فلپ نے اس ضیافت میں اپنے دوستوں اور بیگانوں کو بلایا اور یونانیوں کو ایک پر تکلف ضیافت دی۔ ضیافت کے بعد کھیلوں کا

---

(۱) ''ایران باستان'' از پیرنیا ص ۱۲۰۶

اہتمام ہوا اور اس کے لئے لوگوں کا ہجوم نمائش گاہ (میدان) کی طرف ہوا۔ اور دوسری صبح فلپ بھی نہایت شان وشوکت سے نمائش گاہ کی طرف گیا اور وہ ایک دیوتا کیطرح تخت پر بیٹھا تھا۔ نمائش گاہ کے تمام لوگ بادشاہ کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ بادشاہ سفید لباس میں ملبوس (میدان) کی طرف بڑھا اس نے محافظوں کو اپنے سے دور رکھا جب تمام لوگ بادشاہ کو دیکھنے کے منتظر تھے، اتنے میں ایک شخص جس کا نام پوزانیاس (Pausanias) تھا آگے بڑھا اور بادشاہ کو چھرا گونپ دیا اور بادشاہ (فلپ) مر گیا۔ (۱) اسکے بعد اسکندر مقدونیہ کا بادشاہ بنا اس پس منظر میں سابقہ لکھے ہوئے نسب نامے بے اصل ہیں۔

اوضائع دربار فلپ وافسانہ ہائے پیدائش اسکندر:۔

پیشتر اس کے کہ مقدونیہ کے وقائع بعد از فات فلپ بیان کئے جائیں یہ ضروری ہے کہ فلپ کی موت سے قبل مقدونی دربار کی اخلاقی کیفیت بیان کی جائے۔ پلوتارک مورخ لکھتا ہے کہ ''فیلپ چند سال قبل از کشتہ شدنش بہ معاشقہ وعیش وعشرت بازنا مشغول شدہ ''الپیاس'' را کہ ملکہ و مادر اسکندر بود) از خود دور کردہ چند زن گرفت۔ براثر ایں رفتار حسد وہم چشمی زناں نسبت بیکدیگر باعث اشوب واختلالی بزرگ در دربار مقدونی گردید و بین فلیپ واسکندر کدورت ہائے روئی داد۔ الپیاس مادر اسکندر ھم کہ بسیار متکبر وکینہ توز بود آسودہ نہ نشست ورفتار او ایں کدورت را شدیدی تر کرد'' (۲) چنانچہ کلوپیتر کے جشن عروسی کے موقع پر ایک یونانی بنام آتالوس نے کہا کہ'' دعا کریں کہ فیلپ کو اور کلو پاتر کو خدا ایک ہلال وارث تخت عطا فرمائے۔ اس پر اسکندر کو سخت عصہ آیا آتالوس اور اسکندر کی پیدائش کے متعلق مختلف مورخین نے افسانوی روایات بیان کی ہیں جو درست معلوم نہیں ہوتیں۔ کنت کورت لکھتا ہے کہ وہ ایک دن فلپ اپنی نو بیاہتا بیوی کلوپیتر کو اپنے محل میں لے آیا اس کے ساتھ اسکا ماموں (بقول دیودور۔ برادر زادہ) آتالوس بھی تھا، آتالوس نے سکندر کو دیکھتے ہی اس کی ننگ نامیء پیدائش کا طعنہ دیا کیونکہ فلپ بھی یہ کہا کرتا تھا کہ سکندر اس کا بیٹا نہیں ہے۔ کنت کورت بالآخران افسانوں کو رد کر کے لکھتا ہے کہ زیوس زادگی کا شوشا اس لئے چھوڑا گیا تا کہ نگتانت شاہ مصر سے منسوب حکایت کو رد کیا جا سکے جبکہ زیوس

---

(۱) (ایران باستان) از پیرنیا (سابقہ مشیر الدولہ) ص ۱۲۰۶

(۲) (لغت نامہ) تالیف علی اکبر دھخدا ص ۲۳۶۷

(Zeus) کے بیٹے کا تصور بھی دروغ تھا اور مصر کے بادشاہ سے الپیاس کے تعلقات کا افسانہ بھی جھوٹ تھا کیونکہ جب نکتانب مقدونیہ آیا تو اسکندر کی عمر اس وقت چھ سال تھی۔ کنت کورت مزید لکھتا ہے کہ:۔

''چیزے کہ متفق علیہ ہمہ می باشد ایں است چوں نطفۂ اسکندر لبتہ شد تا زمانے کہ او بدنیا آمد معجزہ ہائے گونا گوں وعلاماتی دلالت می کرد کہ مردی فوق العادہ بدنیا خواہد آمد''

یعنی اسکندر کے نطفہ کے ٹھہرنے اور پیدائش کے درمیان عرصہ میں گونا گوں واقعات رونما ہوئے جن سے یہ لگتا تھا کہ کوئی فوق العادہ انسان جنم لینے والا ہے۔ پلوتارک مورخ نے ان افسانوں کا ذکر کیا ہے مگر ان کا یقین نہیں کیا۔ البتہ جب اسکندر بادشاہ بنا اور اُسے پے در پے کامیابیاں نصیب ہوئیں تو اس نے خود اپنے آپ کو زیوس کا بیٹا کہنا شروع کیا اور لوگوں کو بھی باور کرایا کہ وہ مافوق االفطرت طاقت کا وجود رکھتا ہے۔ اسکندر اپنے اتالیق ارسطو کا بہت قدردان تھا اور کہتا تھا کہ اگر فلپ نے مجھے مادی وجود دیا ہے تو ارسطو نے مجھے تعلیم دی ہے کہ میں شرافت سے زندگانی بسر کروں۔ یہ بات ذہن نشین ہو کہ اسکندر بنیادی طور پر جاہ طلب تھا اور اس جاہ طلبی میں ارسطو کی تعلیم کا اثر بھی تھا جس نے اسکندر کو یہ ذہن نشین کرایا کہ زندگی میں شرف اور نام تمام چیزوں سے بالاتر ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ اسکندر ایک جنگ کے بعد دوسری جنگ میں کود پڑتا تھا اور بالآخر جاہ طلبی کو اس حد تک بڑھادیا کہ وہ چاہتا تھا کہ اُسے خدا گردانا جائے۔ چنانچہ اسکندر نے اپنے مورخ کالیستن کو اسی سبب سے قتل کردیا اور یہی سبب بعد میں اسکندر اور ارسطو کے مابین نفاق کا باعث بنا کیونکہ ارسطو اپنے شاگردوں کو اسکندر کے اس دعوے کی تردید کرتا تھا کہ وہ ایک بشر نہیں بلکہ مافوق الفطرت وجود ہے۔

اسکندر ہومر (شاعر) کی بڑی تعریف کرتا تھا اور اسکی کتاب کو ہمیشہ اپنے سرہانے اپنی شمشیر کے ساتھ رکھا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا

''ایں دو چیز در سفر ہائے جنگی توشۂ راہ من است''

یعنی یہ دونوں چیزیں (خنجر و کتاب) جنگوں کے سفر میں میرے لئے بہترین توشۂ راہ ہیں)

فلپ کو جب اسکندر کی صلاحیتوں کا علم ہوا تو اس نے اسے اپنے ساتھ جنگوں میں شریک رکھا۔ آتنی ہا کے ساتھ جنگ میں اور محاصرۂ بیزانس کے موقع پر اسکندر نے اپنی قائدانہ صلاحیتوں اور دلیری کا لوہا منوالیا۔ ابتدائی دور میں اسکندر لہولہب سے دور رہتا تھا اور زمانۂ شباب میں عورتوں کے ساتھ اختلاط

سے گریزاں رہتا تھا۔ شراب پیتا تھا مگر اتنی کہ اسے بدمست نہ کرے۔ اس وجہ سے اسکی والدہ الپیاس پریشان رہتی تھی کہ کہیں ''عنین'' نہ ہو۔ مگر فتوحات کے بعد اسکندر یکسر بدل گیا اور جو خصوصیات جوانی کے ابتدائی دور میں رکھتا تھا انکو فاقد کردیا اور اسکے پاس ۳۶۰ عورتیں تھیں۔ لہولہب کا عادی ہو گیا اور ہر فتح کے بعد عیش ونشاط کی محفل جمایا کرتا تھ۔ا

اسکندر بحیثیت فاتح:۔

اسکندر بڑا مدبر، دلیر اور جرأت مند انسان تھا۔ ہر جنگ میں اپنے سپاہیوں اور سرداروں کی دلبستگی کرتا تھا اور ان کے شانہ بشانہ لڑتا تھا۔ اس نے اپنے تدبر اور قائدانہ صلاحیتوں سے یونان کی سلطنتوں کے حکمرانوں کو اپنا مطیع بنالیا تھا۔ جو لوگ اس کے باپ فلپ کے سخت مخالف تھے وہ بھی اسکندر کے گرد جمع ہو گئے۔ اسکندر نے فوجوں کی تربیت اور گونا گوں ورزشوں پر توجہ مرکوز کی۔ فلپ کی موت سے قبل اسکی دوسری بیوی کلوپیٹر (Cleopetre) سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ چونکہ کلوپیٹر آتالوس کی قریبی رشتہ دار تھی اس لئے اسکندر آتالوس سے خطرہ محسوس کرتا تھا کہ کہیں وہ سپاہیوں کو اکسا کر بغاوت نہ کردے۔ آتالوس ان دنوں آسیائے صغیر میں فارسیوں کے خلاف مہم میں مصروف تھا۔ چنانچہ اسکندر نے اپنے ایک دوست ھکاتہ (Hecatee) کو فوج دیکر روانہ کیا تا کہ آتالوس کو قید کر کے پیش کرے یا قتل کردے۔ ھکاتہ فوج لیکر آتالوس اور (یارمن ین) کی افواج سے ملحق ہو گیا اور موقع کی تلاش میں تھا۔ ادھر آتن کے لوگ جو مقدونیوں کے سخت مخالف تھے، فلپ کی موت کے بعد دموستن کی سرکردگی میں اسکندر کے خلاف متحرک ہو گئے اور اردگرد کے لوگوں کو بھی مقدونیوں کے خلاف بھڑکایا جس کے نتیجہ میں وہ لوگ جو فلپ کے زمانے میں مقدونیہ کے مطیع ہو گئے تھے، بغاوت پر آمادہ ہو گئے۔ ان تحریکات کے سبب مقدونیہ کے لوگ متوحش ہو گئے مگر اسکندر نے مقدونیوں کو اکھٹا کر کے تسلی دی اور کہا کہ میری اور تمھاری نسل ہرکول (Herculus) سے ملتی ہے۔ اسکندر نے تسالی کے راستے سے ساحلی علاقوں پر چڑھائی کر کے ان کو مطیع کیا اسکے بعد قادمہ (Cadmee) میں ڈیرا ڈالا اور تبیوں میں وحشت پھیلا دی اور ان کاروائیوں کے سبب (آتن کے لوگ) بھی متوحش ہوئے اور جو اسکندر کے مخالف تھے اب اسکی تابعداری کرنے لگے۔ دموستن نے ایران سے سازباز کر کے مقدونیہ کے خلاف جنگ کے لئے کافی رقم بطور امداد حاصل کی تھی۔ اسکندر نے آتن کے ایلچیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کیا اور اسکے بعد کرنت میں یونان کے

نمائندوں کو اکھٹا کیا اور ان سب نے اسکندر کو یونان کی سپہ سالاری پر مقرر کر دیا اور ایران کے خلاف جنگ کرنے کو کہا۔ اس دوران ھکاتہ (Hercatee) نے آتا لوس کو قتل کر ڈالا اور اس طرح اندرونی شورشوں کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اسکندر نے اس کے بعد ترا کیہ کا رخ کیا اور کوہ اموس (Emus) کے دامن میں پہنچ گیا۔ اموس کا قلعہ فتح کیا۔ پھر تری بال (Triballes) پر حملہ کیا اور وہاں کے بادشاہ سیر موس (Syrmos) کو شکست دی۔ اس کے بعد اسکندر نے گت (Gets) کے لوگوں پر حملہ کر کے صلح کر لی۔ ایلیریا کے بادشاہ کلیتوس (Clitus) نے ایلیریا کے دوسرے حصہ کے بادشاہ گلوسیاس سے متحد ہو کر اسکندر کے خلاف آمادہ جنگ ہوئے۔ اسکندر ایک تنگ درہ سے جنگ کرتے گذر گیا اور ناگہاں شب خون مار کر ایلیریا کی آدھی فوج کو قتل کر دیا۔ جب اسکندر ترا کیہ میں مصروف جنگ تھا خبر ملی کہ یونان میں اسکندر کی موت کا چرچا ہو چکا ہے۔ یونانی موقع کی تلاش میں تھے اور ارک کا محاصرہ کر لیا۔ دموستن جو موقع کی تلاش میں تھا، نے کوشش کی کہ آتن والے تبیوں (تبی ہا) کی مدد کریں اور جب آتن والوں کی طرف سے کمک نہ پہنچی تو اس نے تبیوں کو رقم اور اسلحہ فراہم کیا۔ آریاں مورخ کے مطابق ایرانیوں نے دموستن کو سی صد تالان دئے تھے (۱)۔ مگر آن تی پاتر (Antipatee) جو مقدونیہ میں اسکندر کا جانشین تھا، نے کوشش کی کہ پلوپونسی، تبیوں کی مدد کے لئے نہ آئیں مگر دموستن نے پلوپونسیوں کو رقم دی تا کہ وہ تبی ہا کی مدد کے لئے روانہ ہوں۔ اس خبر کے سنتے ہی اسکندر نے یونان کا رخ کیا اور شہر پیلن (Pellene) آ پہنچا۔ وہاں سے فوراً تب کیطرف روانہ ہوا اور تبیوں سے ایک فرسنگ کے فاصلے پر ڈیرے ڈال دئے۔ تبی ہا اس کے آچانک وارد ہونے سے بے خبر رہے۔ اسکندر نے شہر پر حملہ کر دیا۔ خونریزی ہوئی۔ تبیون نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا مگر اسکندر نے تازہ دم فوج میدان میں جھونک دی اور شہر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ تبی ہا نے اطاعت قبول کر لی اور مورخ کنت کورت کے مطابق بہت زیادہ قتل و غارت ہوئی۔

عورتوں اور بچوں نے معابد میں پناہ لی۔ ساٹھ ہزار تبی قتل ہوئے اور تیس ہزار کے قریب قید ہوئے۔ اور اسکندر کو چار سو چالیس تالان مال غنیمت حاصل ہوا۔ اس جنگ کو تمام مورخین نے بطور وحشت لکھا ہے۔ پلوتارک، کنت کورت، ذوستن سب نے اس جنگ کو وحشتناک قرار دیا ہے۔ تب کی جنگ کے

---

(۱) ایک ملین اور پانچ سوائی ہزار فرانک
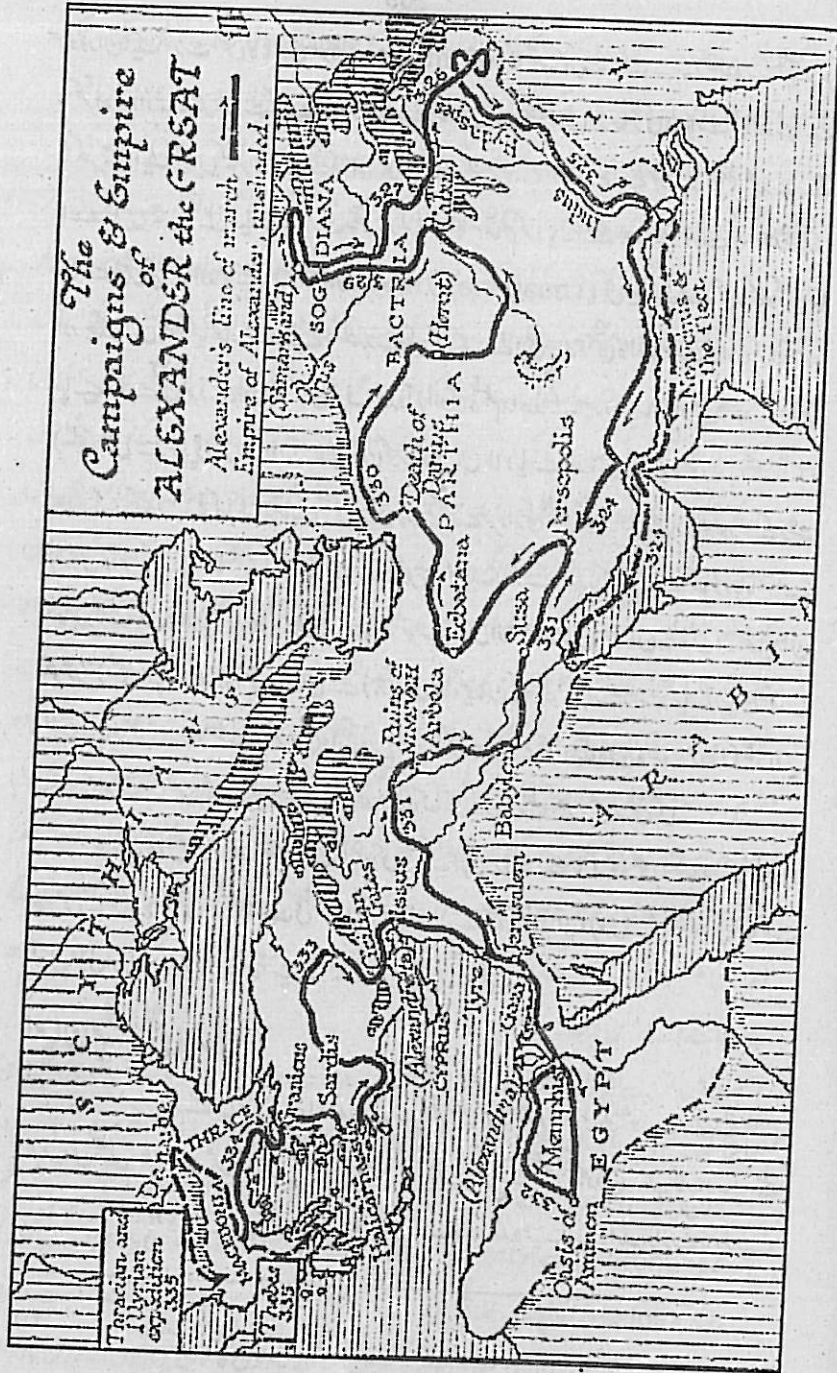
دوران ایک عورت جس کا نام تی موکلا (Timoclee) تھا کا قصہ عبرت ناک ہے۔ اسکندر کے ایک سر
کردہ سردار نے اس عورت کو بے آبرو کرنے کے بعد اُس سے قیمتی مال و ذخائر کی دریافت کی عورت نے
گھر میں ایک کنویں کیطرف اشارہ کیا اور جونہی سردار کنویں کے اوپر سے نیچے جھانکنے لگا تو عورت نے
اسے کنویں میں دھکیل دیا اور اوپر سے پتھر مار کر اسکا کام تمام کر دیا۔ اسکے بعد اس عورت کو اسکندر کے
سامنے پیش کیا گیا اور پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ تہ آذن (Theagene) کی بیوی ہے جو تبی ہا کا رئیس تھا
اور جنگ میں مارا گیا تھا۔ عورت نے اسکندر سے کہا کہ میں نے اپنی بے حرمتی کا انتقام لیا ہے اور اگر اسکندر
چاہیے تو اُسے قتل کر دے اور کہا ''من شرف خود و آزادی وطنم را بہ خاک سپردہ، د با وجود ایں ہنوز زندہ ام''
(یعنی میں نے اپنی عزت اور آزادی وطن کو خاک میں ملا دیا ہے اور اس کے با وجود اب تک زندہ
ہوں)۔ اسکندر نے کہا کہ یہ تماری غلطی نہ تھی بلکہ میرے سردار کی غلطی تھی۔ اس عورت کو اور اسکے رشتہ
داروں کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ مقدونیوں نے شہر تب کو ایک روز کے اندر بیخ و بن سے اکھاڑ دیا ماسوائے
معابد و مجسمہ ہائے خدایاں یونانی جو سالم رہے اور شہر تب ''پس از ہشت قرن از زمان بنا لیش از صفحہ یونان
محو شد'' (یعنی تب کا شہر جو آٹھ سو سال سے وجود میں تھا، یونان کی صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ آریان مورخ
لکھتا ہے کہ ''اثرات وحشت انگیز ایں واقع در یونان چنیں بود کہ نظیر آں ہیچگاہ دیدہ نشدہ بود(1) یعنی اس
واقعہ کے وحشت انگیز اثرات یونان میں اس قدر تھے کہ ایسی کوئی اور نظیر کہیں بھی نہ ملتی تھی۔

تب کی فتح کے بعد اسکندر نے آتن کی طرف ایلچی روانہ کئے تا کہ وہ بھی اسکندر کے مطیع ہو
جائیں۔ اگر چہ دموستن نے مخالفت کی مگر تب کے حالات کے پیش نظر آتن والوں نے اسکندر کی اطاعت
قبول کر لی اور اسکندر یونان سے آسیائے صغیر کی طرف روانہ ہو گیا۔

ایران پر لشکر کشی:۔

ایران پر حملے کی غرض سے اسکندر نے اپنے قریبی اور معتمد دوستوں کو مشورت کے لئے طلب
کیا۔ اس مجلس مشاورت میں آن تی پاتر اور یار من ین جو یونان کے عظیم جنگجوؤں میں شمار ہوتے تھے،
نے اسکندر کو مشورہ دیا کہ ایران پر حملہ سے قبل وہ شادی کر لے اور مقدونیہ کے لئے ایک وارث چھوڑ دے

---

(1) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دھخدا ص ۲۲۷۳

کیونکہ فلپ کی موت کے بعد اسکندر کے علاوہ کوئی اور شخص اسکی اولاد میں بادشاہی کے قابل نہ تھا۔ اسکندر
نے اپنی والدہ المپیاس کی تحریک کے مطابق فلپ کی دوسری بیوی کلوپیتر کی اولاد کو نیست و نابود کر دیا تھا۔
فقط ایک بھائی جو ضعیف العقل تھا، جس کا نام آریدہ (Aridie) تھا زندہ تھا۔ آریدہ کی ماں
رقاصہ تھی جس کا نام آرین نا (Arinna) تھا جو بداعمال عورتوں میں شمار ہوتی تھی۔ اسکندر نے آن تی پاتر
اور (یار من ین) کی تجویز کو پسند نہ کیا اور کہا کہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ مقدونیہ اور یونان کی شورشوں کو
فرو کرنے کے بعد ہم آرام طلبی میں مبتلا ہو کر سپاہیوں کو سست و کاہل بنا دیں۔ داریوش کی سلطنت کی اساس
اب کمزور ہے۔ اور (باگواس) کے قتل کے سبب اسکی حالت عوام میں مشکوک ہے اور لوگ اسے حق ناشناس
تصور کرتے ہیں کیونکہ (باگواس) کی مدد سے اسے تخت و تاج ملا تھا۔ اگر ہم دیر کر دیں گے تو داریوش اپنی
اساس کو مستحکم کر دیگا اور وہ ایران میں حالات پر قابو پانے کے بعد جنگ ہمارے ملک پر وارد کر دیگا۔ اس
لئے سب سے اول کام مہم ایران ہے کیونکہ ہمارے لئے مناسب نہیں کہ سابقہ ادوار میں ایران نے یونان
کے ساتھ جو بدسلوکی روا رکھی اُسے نظر انداز کر دیں اور یونانیوں نے جس مقصد کے لئے مجھے سپہ سالارِ
یونان مقرر کیا ہے اسے یکسر فراموش کر دیں۔ علی اکبر دھخدا لکھتا ہے کہ

(سارد اور اسکے معبد کو آتنیوں کے ہاتھوں جلانا، ایرانیوں کے ہاتھوں آتن کو جلانے سے زیادہ
مقدم ہے۔ دوسرا یہ کہ ایرانیوں نے یونان میں اسی قدر ظلم اور تعدی نہیں کی جس قدر اسکندر نے تب میں کی
ہے۔ ایرانیوں نے نہ تو شہر برباد کئے اور نہ اہالی شہر کو بردہ وار فروخت کیا۔ مذکورہ بالا استدلال محض اسکندر
کی ہوس دولت کو ظاہر کرتا ہے جو ایران اور آسیائے صغیر کے ملکوں میں دیکھ رہا تھا۔ ایرانی سلطنت کے
اندرونی خلفشار سے فائدہ اٹھانے کے لئے اسکندر جیسا جاہ طلب اور جویائے نام شخص اس موقع کو ہاتھ
سے جانے دے، ممکن نہ تھا۔

اسکندر مقدونیہ سے نکل کر ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھا کیونکہ وہ یونانی کی بحریہ سے زیادہ دور نہیں رہنا
چاہتا تھا۔ یونان کی بحریہ کمزور تھی۔ یونان کی بحریہ (سرسی نت) (Cercinite) اور رود
ستریمون (Storimon) سے ہوتی ہوئی (آم فی پولس) (Amphipolis) آ پہنچی۔ اسکندر خود
مارونہ (Maronee) سے ہوتا ہوا ہبر (Habre) سے گذر گیا رود ملانا (Melanee) سے گذر کر
سس تس (Sestos) پہنچا۔ یہ علاقہ یورپ کی آخری سرحد تھی۔ وہاں سے اسکندر دشت الیون
(Ilion) پہنچا اور آشیلے (Achillè) کی قبر کا طواف کیا اور پھولوں کا تاج یونانیوں کے اس پہلوان

داستانی کی قبر پر رکھا اور قربانیاں کیں۔اس سے یونانیوں کو تقویت دینا مقصود تھا۔

جنگ گرانیک:۔

ایران کی افواج مم نن (Memnon) کی سرکردگی میں رودگرانیک (Granique) کے کنارے جمع ہو گئیں اور جب اسکندر کو علم ہوا کہ ایرانی رودگرانیک کے ساتھ جمع ہیں تو اسکندر تیزی سے آگے بڑھا اور دشمن کے مقابلے میں صف آرا ہوا۔

سپیترا دات (Spithrodate) جو گرگان کا حکمران اور داریوش کا داماد تھا، نے بڑی بہادری کا مظاہرہ کیا اور اسکندر کی طرف اپنی زوبین پھینکی اور اسکندر کے شانہ کو کاری ضرب لگی مگر اسکندر نے زوبین کو باہر کھینچا اور جواباً سپیتر ادات پر حملہ کیا جس سے نیزہ اسکے سینے میں پیوست ہو گیا۔اس وقت دونوں صفوں میں صدائے آفرین بلند ہوئی۔والی گرگان تلوار نکال کر اسکندر پر حملہ کے لئے بڑھا مگر اسکندر نے اسکے قریب آنے سے قبل اسکی پیشانی پر ایسا وار کیا کہ سپیتر ادات گر گیا۔اسکے ساتھ ہی اسکا بھائی روزسس (Rosaces) اسکندر پر حملہ آور ہوا اور ضرب لگائی کہ اسکندر کا خود اڑ گیا ابھی وہ دوسری وار کی تیاری کر رہا تھا کہ اتنے میں کلیتوس نے اسکا بازو کاٹ ڈالا اور سکندر بچ گیا۔اسکے بعد ان دو سرداروں کے اقرباء جمع ہوئے اور اسکندر پر تیروں کی بارش کر دی مگر وہ ہراساں نہ ہوا اور مقابلہ کرتا رہا۔اس جنگ میں پارسیوں کا کافی نقصان ہوا۔ایرانیوں کو شکست ہوئی اور وہ میدان سے فرار ہونے لگے۔اسکندر کے ہاتھوں مہرداد جو داریوش کا داماد تھا، مارا گیا۔اس جنگ کے تفصیلی حالات دیودور، پلوتارک اور کنت کورت نے لکھے ہیں۔اسکندر نے فتح کے بعد یونانی مقتولین کو اعزاز کے ساتھ دفن کیا اور جنہوں نے جنگ میں بہادری دکھائی تھی ان کو انعام سے نوازا۔گرانیک کی جنگ کے بعد آسیائے صغیر کے تمام ملک جو کوہ ہائے تورس (Taurus) کے اس طرف واقع تھے، اسکندر کے تابع ہو گئے فریگیہ کے حکمران نے خودکشی کر لی تھی اس لئے سکندر نے کالاس نامی شخص کو جو تسالی کا سردار تھا. فریگیہ کا والی مقرر کر دیا۔اسکے بعد اسکندر نے ارگ پر بغیر جنگ کئے قبضہ کر لیا اور وہاں پر زوس (Zeus) کے لئے معبد تعمیر کرنے کا حکم دیا اور سابقہ بادشاہوں کے قصر کی جگہ معبد کی تعمیر کے لئے منتخب کی گئی۔

اسکندر نے افس کا رخ کیا جہاں ایک معبد تھا جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتا تھا جسے ہیروسترات (Herostrate) نے آگ لگا دی تھی۔اسکندر نے اس معبد کی تعمیر کے لئے شہر کی آمدنی

وقف کر دی اور جب بعد میں ایران کے دیگر علاقے فتح کئے اور داریوش کے خزانوں پر قبضہ کیا تو افس کے لوگوں کو لکھا کہ معبد کی مرمت اور تعمیر کے لئے مزید رقم ارسال کی جا سکتی ہے بشرطیکہ معبد کی تختی پر لکھا جائے کہ اسے اسکندر نے تعمیر کیا ہے۔افس والوں نے اسکندر کی پیشکش منظور کر لی۔اسکندر نے آسیائے صغیر میں تمام یونانی شہر جو میلت اور ہالیکارناس کے درمیان واقع تھے، قبضہ میں لے لئے اور اعلان کر دیا کہ اندرونی طور پر یہ تمام شہر آزاد ہونگے اس دوران ادا (Ada) سابق ملکہ کاریز جسے پکسودار (Poxodare) نے تخت سے محروم کر دیا تھا، کو دوبارہ تخت پر بٹھا دیا۔

اسکندر نے لیکیہ کا محاصرہ کیا۔لیکیہ کے جوانوں نے عورتوں اور بچوں کو اپنے ہاتھوں قتل کر دیا اور خود مردانہ وار اسکندر کی افواج سے جنگ کرنے قریب کے پہاڑوں میں پہنچ گئے۔اس کے بعد اسکندر نے پامیفیلیہ کا رخ کیا۔اس ولایت میں آسپاندیان (Aspandiens) قبیلہ کے لوگ رہتے تھے۔ان کو مطیع کیا اور ساتھ ہی شہر پرگا (Perga) پر قبضہ کر لیا اور کیلیکیہ کے دربند کو عبور کر کے ''کاپادوکیہ'' میں داخل ہوا تو اُسے مم نن (۱) کی موت کی خبر ملی۔مم نن کی موت کی خبر اسکندر کے لئے نیک شگون تھی۔اسکندر نے (اردوگاہ کوروش) کے مقام پر پڑاؤ ڈالا جس سے ڈیڑھ فرسنگ کے فاصلے پر ایک تنگ درہ ہے جس کا نام پیل (Pylles) تھا اور یہ جگہ کیلیکیہ کو جانے کا ایک دروازہ ہے۔اس معبر سے گذر کر اسکندر شہر تارس پہنچا جو کیلیکیہ کا دارالخلافہ تھا ایرانیوں نے شہر کو آگ لگا کر خالی کر دیا تھا۔اسکندر گرمی کے سبب رود سیدنوس (Sydnus) میں نہانے کی غرض سے اتر گیا۔مگر پانی اتنا ٹھنڈا تھا کہ فوراً بے خود ہو گیا اور بڑی مشکل سے حکیم فیلیپ نے اسکی جان بچائی۔

اسکندر شہر تارس سے ایک روزہ مسافت طے کرنے کے بعد شہر آن خیالن (Anchialon) پہنچا۔اس شہر کو ''اسور'' کے بادشاہ ساردانا پال (Sardanapale) نے تعمیر کیا تھا۔اور ساردانا پال کا مقبرہ اب تک وہاں موجود تھا۔''لغت نامہ'' (۲) کا مولف لکھتا ہے کہ ''در یں جا کتبہ ایست بہ زبان آسوری۔۔مفادش چنیں (ساردانا پال پسر آناسین داراکس) (Anacyndarax) شہر آن خیالن و تارس را در یک روز بنا کرد''۔

---

(۱) مم نن ایک قابل جرنیل تھا جو یونانی الاصل تھا، داریوش نے اُسے آسیائے صغیر کی فوجوں کا کمانڈ مقرر کیا۔

(۲) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دهخدا ص ۲۳۸

اسکندر کی مہمات از کیلیکیہ تا مصر:۔

مم نن کی موت داریوش کے لئے پریشانی کا سبب بنی کیونکہ یونانی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اب داریوش کے پاس کوئی آزمودہ کار جرنیل موجود نہ تھا۔ چنانچہ داریوش نے خود فوجوں کی کمان سنبھالی اور کیلیکیہ کا رخ کیا۔ امین تاس مقدونی جو اسکندر سے ناراض ہوکر ایران چلا گیا تھا، نے داریوش کو مشورہ دیا کہ کیلیکیہ کی طرف بڑھنے کے بجائے کسی وسیع میدان کی تلاش کیجائے جہاں ایرانی افواج کو جنگی ترتیب سے آراستہ کرنا آسان ہو کیونکہ کثرت کے باعث تنگ میدان میں ایرانی فوج موثر انداز میں نہ لڑ سکے گی۔ مگر داریوش نے امین تاس کے مشورے پر عمل نہ کیا اور کیلیکیہ کیطرف آگے بڑھا۔ شاہی افواج کی حمل وحرکت دیکھ کر خاری دم (۱) نے داریوش سے کہا کہ "سیم وزر" سے درخشندہ اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والے اسلحہ سے لیس ایرانی فوج اسکندر کی تربیت یافتہ اور وحشتناک فوج کا مقابلہ نہ کر سکے گی مگر داریوش پر اسکا اثر نہ ہوا اور وہ ایسوس کی طرف بڑھا ایسوس، خلیج اسکندرون کے کنارے واقع ہے۔ دونوں فوجوں کا دشت مجاور میں آمنا سامنا ہوا۔ یہ دشت (۲ تا ۳ میل چوڑا ہے) جہاں داریوش کی کثیر فوج نہ سما سکتی تھی۔

جنگ ایسوس (۳۳۳ ق م):۔

اس جنگ کے حالات مورخ دیودور کنت کورت اور آریان نے تفصیل سے لکھے ہیں۔ ایران اور یونان کی فوجوں کا آمنا سامان ہوا۔ شور وغل اور نعرے بلند ہوئے۔ اسکندر داریوش کو دیکھ کر اسکی طرف بڑھا۔ جانبین بڑی بہادری سے لڑ رہے تھے۔ اس روز کافی نامی گرامی اشخاص مارے گئے۔ ایران کی طرف سے آتی زی اس (Atizyes)، رأمتریس (Reomithres) اور تازیاسس (Tasiaces) والی مصر مارے گئے۔ اسی طرح مقدونیوں سے بھی کافی جانی نقصان ہوا۔ داریوش کے رتھ کے گھوڑے زخمی ہو گئے تھے اور خدشہ تھا کہ داریوش کہیں رتھ سے گر کر دشمن

---

(۱) خاری دم سردار مجرب آتنی ھا تھا جو اسکندر سے دشمنی کے سبب آتن سے ایران چلا آیا تھا۔ داریوش کی فوجوں پر برملا تنقید کے سبب قتل کیا گیا اگرچہ داریوش بعد میں اسکے قتل پر پشیمان تھا۔

کے قابو میں نہ آجائے۔ چنانچہ رتھ کو تبدیل کیا گیا، مگر جونہی داریوش کو ایک رتھ سے نکال کر دوسرے رتھ میں ڈال رہے تھے تو داریوش متوحش ہوگیا۔ بادشاہ کی وحشت سے ایران کی فوجوں میں خوف وہراس پیدا ہوگیا اور فرار ہونے لگے۔ حالت فرار میں کافی مارے گئے اور جو بچے انہوں نے قریب کے دیہات میں پناہ لی اور ہزاروں سپاہی پہاڑوں کی تنگ گھاٹیوں میں داخل ہو گئے۔ تیس ہزار یونانی سپاہ جو ایران کی طرف سے امین تاس کی قیادت میں لڑ رہی تھی، میدان جنگ سے کنارہ کش ہوگئی اور ایک پہاڑ کیطرف چلے گئے۔ بطلمیوس پسر سلکوس داد شجاعت دیتے ہوئے ایک سو بیس مقدونی سپاہیوں کے ساتھ مارا گیا۔ داریوش بھی ایرانی سپاہ کے فرار کے باعث اپنے رتھ پر سوار میدان سے بھاگ نکلا اور ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر اپنے شاہی لباس کو اتار کر گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہو گیا۔ تقدیر کا یہی فیصلہ تھا کہ ایشیا کی شہنشاہیت ایرانیوں سے نکل کر مقدونیوں کے ہاتھ آئے جس طرح کہ اس سے قبل آسوریوں سے ماریوں کو اور بعد میں مادیوں سے فارسیوں کو نصیب ہوئی تھی۔

آریان لکھتا ہے کہ مقدونیوں نے رات آتے ہی ایرانیوں کے کیمپ خصوصاً شاہی خیموں میں لوٹ مار شروع کر دی اور ہر قیمتی چیز اٹھا کر لے گئے۔ شاہی حرم کی عورتیں بے یار ومددگار روتی اور چلاتی رہیں۔ مقدونیوں نے انکے لباس پھاڑ دئے اور وہ بے ستر ہو گئیں۔ داریوش کی والدہ، بیوی، بیٹی، اور چھ سالہ بیٹا اپنی عظمت اور اقبال کو ڈوبتا دیکھ رہے تھے۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ داریوش زندہ ہے یا مارا گیا ہے۔ میدان میں فقط خیمہ وبارگاہ داریوش کھڑے نظر آرہے تھے۔ وہ بھی اس لئے کہ دستور کے مطابق فاتح، مغلوب کے خیمہ میں نزول فرماتا تھا۔ اسکندر کو خیمہ داریوش میں آنا تھا۔ اور وہ تمام خدام جو داریوش کی خدمت پر مامور تھے اب اسکندر کے لئے فرش آراستہ کر رہے تھے۔ اسکندر کی خواہش تھی کہ جو تجملات داریوش کے لئے ہوا کرتے تھے وہی اس کے لئے بھی کئے جائیں۔ اسکندر نے داریوش کی ماں، بیٹی اور بیٹے سے اچھا سلوک کیا اور بری نظر سے ان کے قریب نہ گیا۔ اور بیشتر اس کے کہ کسی عورت کو بیوی بنائے ماسوائے برسین (۱) (Barsine) کے کسی عورت سے واقف نہ تھا۔ پلوتارک لکھتا ہے کہ اسکندر

---

(۱) بارسین، یہ عورت زوجۂ مم نن تھی اور اسکی موت کے بعد بیوہ ہوگئی تھی۔ اور دمشق میں اسیر ہوگئی تھی۔ وہ ارتا باز (والی ایران) کی بیٹی تھی اور اسکی ماں، دختر شاہ ایران تھی اسے ادبیات یونانی سکھائے گئے تھے۔ یارمن ین اسکندر نے اس سے وابستگی رکھی تھی۔

از دو چیز خود را فانی می دانست وایں دو چیز خواب و عشق بود (یعنی اسکندر اپنے آپ کو دو چیزوں سے فانی سمجھتا تھا ایک خواب دوسرا عشق اور اسکندر کہا کرتا تھا ''خستگی و شہوت دو علامت بنی ست از ضعف انسان'' اوسکندر داریوش کی والدہ (سی سی گامبس) اور اسکی بیوی بچوں کے ساتھ شفقت سے پیش آیا اور وہ جب تک اسکی حراست میں رہے ان کو حسب سابقہ شاہی مراعات کے ساتھ رکھا گیا۔

سوریہ کی طرف روانگی:۔

الیسوس کی فتح کے بعد اسکندر سوریہ کی طرف روانہ ہوا اور دمشق کے والی کے پاس پارمن ین کو بھیجا تا کہ داریوش کے خزانوں کو قبضہ میں لے لے۔ دمشق کے والی نے خزانے اسکندر کے حوالے کر دیئے مگر اُس کے ایک ساتھی نے اُسے قتل کر کے اسکا سر داریوش کے پاس لے گیا۔ دمشق کی اطاعت کے بعد سوریہ کے دیگر شہر بھی یکے بعد دیگرے اسکندر کے قبضہ میں آگئے اور حاکم جزیرہ آراد (ارواد) جس کا نام ستراتون (Stra ton) تھا، نے بھی اطاعت قبول کر لی اسکے بعد اسکندر ''مارات'' کے شہر جو آراد کے بالمقابل ہے آیا۔ یہیں اسے داریوش کیطرف سے ایک خط ملا جس میں داریوش نے فلپ (اسکندر کے والد) کے ساتھ معاہدہ یاد دلایا اور باہمی روابط قائم کرنے کے لئے تجویز پیش کی۔ اپنی والدہ، بیوی اور بچوں کی رہائی کی درخواست بھی کی۔ داریوش نے اُسے رود ھالیس سے مغرب کی طرف کے تمام علاقے اور بیٹی کا رشتہ دینے کا وعدہ کیا۔ مگر اسکندر نے صلح قبول نہ کی کیونکہ اسکی نظریں پورے ایران کو فتح کرنے پر جمی ہوئی تھیں۔ داریوش بابل میں سپاہی اکھٹے کر رہا تھا اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اسکندر بعد ازاں قفقیہ کی طرف روانہ ہوا اور بیب لس (Byblus) پر قبضہ کر کے صیدا کی طرف بڑھا جو ستراتون کے زیر نگیں تھا۔

امین تاس کا انجام:۔

امین تاس اسکندر کی دشمنی کے باعث دربار ایران میں پناہ گزیں تھا الیسوس کی جنگ کے بعد وہ چار ہزار یونانی سپاہ کے ساتھ طرابلس چلا آرہا۔ وہ نہ تو اسکندر کے پاس جا سکتا تھا اور نہ ہی داریوش کے پاس۔ داریوس سے الیسوس کی جنگ کے بعد مایوس ہو گیا تھا۔ اس لئے اس نے مصر پر حملہ کرنے کا تہیہ کیا۔ پلوزیوم کی بندرگاہ پر قبضہ کرنے کے بعد وہ مصر کے دارالخلافہ فینس پر حملہ آور ہوا اور شہر کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یونانی اپنے آپ کو فاتح سمجھ کر نواحی علاقوں میں غارت گری کرنے لگے۔ مگر ماز اسس

(Mazaces) ایرانی نے مصریوں کی ہمت باندھی اور یونانیوں کے مقابلہ پر ڈٹ گئے۔ جنگ ہوئی۔ امین تاس اور اسکے یونانی سپاہیوں کو شکست ہوئی اور سب کے سب مارے گئے۔ اس جنگ کا فائدہ بھی مقدونیوں کو ہوا۔

صور کا محاصرہ:۔

صور فینیقیہ کی مشہور بندرگاہ اور ایران کا تجارتی مرکز تھا۔ دوسرے شہروں کی طرح صور کے لوگوں نے بھی اسکندر کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر وہ مقدونیہ میں ضم ہونے کے بجائے ایک اتحادی کے طور پر رہنا چاہتے تھے اس لئے اسکندر نے صور پر چڑھائی کر دی۔ صور ایک بلند ٹیلے پر واقع تھا جس کے تین طرف سمندر تھا۔ اس شہر کو فتح کرنے میں اسکندر کو کافی دقت پیش آئی اگر ایرانیوں کی کمک پہنچ جاتی تو شاید اسکندر اس شہر کو فتح نہ کر سکتا۔ صور کے لوگوں نے بڑی بے جگری سے اسکندر کا مقابلہ کیا۔ بالآخر طویل محاصرہ اور مسلسل جنگ کے باعث اسکندر نے صور کو فتح کر لیا۔ بقول آریان و دیودور، 'ہفت ہزار نفر از دم شمشیر گذشتہ دو ہزار نفر جوانان صور را مقدونیہا بطول ساحل بدار آویختند۔ سیزدہ ہزار نفر را اسیر کردہ زنان واطفال را بہ حکم اسکندر بردہ وار فروختند۔۔۔ شہر طعمۂ حریق و کلنگ انہدام گردید۔ ازاں جز خرابہ ہائے چیزے باقی نماند'۔۔۔ ''ایں شہر کہ اول بندر تجارت آسیائے غربی بشمار رفت و مستعمرات و تجارت خانہ ہائے بسیار در سواحل دریائے مغرب ایجاد کردہ۔ بالآخر از شقاوت مقدونی ہا مبدل بہ خرابہ ہائے گردید و از جہت خراب شدن آں تجارت مشرق با مغرب سکتۂ بزرگ وارد آمد۔ بعدہا بخصوص در دورۂ امپراطوری روم، صور از میان خرابہ ہائے خود از نو برخاست ولی بر رونق سابق برنگشت'' (۱) اسکندر کو صور کا محاصرہ سات ماہ تک جاری رکھنا پڑا تھا اور ایران یا قرطاجنہ کی طرف سے کوئی کمک ان کو نہ پہنچی جس کے باعث سقوط شہر واقع ہوا۔

محاصرہ غزہ:۔

غزۂ دریائے مغرب کے کنارے، صور سے ۱۵۰ میل کے فاصلہ پر جنوب میں واقع تھا یہ شہر فلسطین

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دہخدا ص ۲۴۰۱

کے شہروں میں ایک عمدہ شہر تھا۔ شہر دو میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اسکندر نے شہر میں داخل ہونے کے لئے نقب لگائی اور محاصرہ کے دوران دو دفعہ زخمی ہوا تبیس حاکم غزہ نہایت جوانمردی سے لڑا مگر قید ہو کر اسکندر کے سامنے لایا گیا۔ اسکندر نے اس سے کچھ سوال کئے مگر وہ خاموش رہا اور نہ ہی تعظیم کے لئے جھکا۔ اسکندر بہت غضبناک ہوا اور حکم دیا کہ تبیس کے پاؤں میں سوراخ کر کے چمڑے کی رسی پاؤں میں ڈال کر رتھ کے ساتھ باندھ کر گھوڑوں کے ذریعے رتھ کھینچا جائے اور اسی حالت میں تبیس کو شہر کے گرد گھمایا گیا اور وہ مر گیا۔ جنگ غزہ میں تقریباً دس ہزار ایرانی و عرب مارے گئے۔ ''اسکندر تمام زناں واطفال را بردہ کردہ بفروخت''

مصر پر چڑھائی:۔

مصر خشیارشا اول، اردشیر اول وسوم کے زمانے میں ایران کا مطیع ہوا تھا، مگر مصر کے تمام لوگ ایران سے خوش نہ تھے۔ مصریوں کی دشمنی اردشیر سوم کے زمانے میں حد سے بڑھ گئی تھی۔ اسکندر دریائے نیل کے مشرقی ساحل کے ساتھ ھیلیو پولس (Heliopolis) سے گذر کر منفیس (جو مصر کا دارالخلافہ تھا) کی طرف بڑھا۔ مازاسس (والی ایران در مصر) نے مقابلہ کرنے میں فائدہ نہ دیکھا اور اسکندر کے استقبال کے لئے منفیس سے نکل آیا اور ایران کا تمام مصری خزانہ اسکندر کے حوالے کر دیا۔ منفیس پہنچ کر اسکندر نے معبد آمون (Ammon) کو جانے کا قصد کیا تا کہ غیب گوئی ژوپی تر کے ساتھ معبد میں ملاقات کرے۔ چونکہ اسکندر، اپنی والدہ المپیاس کے کہنے کے مطابق ژوپی تر کا بیٹا تھا، اس نے بھی معبد مذکور کو جانے کا مصمم ارادہ کیا۔ اسکندر جب معبد میں داخل ہوا تو کاہن اسکندر سے ایسے مخاطب ہوا جیسا کہ ژوپی تر اور کہا (خدا استدعائے تو اجابت کرد) (خدا نے تمھاری استدعا قبول کر لی ہے) اور مزید کہا (فتوحات تو دلالت میکند کہ تو پسر خدا ہستی۔ تاحال کسی تو را مغلوب نہ کردہ و در آیندہ نیز مغلوب نہ خواہی شد)(۱) (تماری فتوحات اس بات کی دلیل ہیں کہ تو خدا کا بیٹا ہے۔ ابھی تک کسی نے تمہیں مغلوب نہیں کیا اور نہ آئندہ مغلوب کر سکے گا۔ پلوتارک کے مطابق اسکندر اسکے بعد غیر یونانی لوگوں کے ساتھ بے حد متکبر ہو گیا اور چاہتا تھا کہ اسے خدا کا بیٹا تسلیم کیا جائے۔)

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دھخدا ص ۲۴۰۵

ژوستن اپنی کتاب (کتاب ۱۱ بند ۱۱) میں لکھتا ہے:۔

اسکندر اپنے مقدر اور پیدائش کے اسرار معلوم کرنے کے لئے معبد آمون گیا مگر اپنے مامور کئے ہوئے آدمیوں کے ذریعے معبد کے کاہنوں کو خریدا اور ان سے اپنی خواہشات کے مطابق جوابات حاصل کئے تا کہ اسکندر کو ایک غیر فانی شخصیت کا نژاد قرار دیکر اسکی والدہ کی پاک دامنی پر مہر تصدیق لگ سکے۔ اسکندر نے آمون کے معبد سے واپسی پر اسکندر یہ کا شہر آباد کیا۔ بعد میں ''آپ پولونیوس'' (Appolenius) کو مصر کے ساتھ ملحقہ افریقائی ولایتوں کا والی مقرر کر کے خود آسیا کی طرف روانہ ہوا۔ مصر سے مراجعت کے بعد اسکندر فینیقیہ میں موجود تھا کہ اسی اثنا میں ملکہ (داریوش کی بیوی) فوت ہو گئی۔ اسکندر نے اسکے لئے باشکوہ دفن کا اہتمام کیا۔

داریوش کی پیش کش:۔

داریوش نے اپنی بیوی (ملکہ) کی وفات کے بعد اپنے اقرباء سے دس افراد کا چناؤ کر کے اسکندر کے پاس نئی پیش کش کے ساتھ روانہ کئے تا کہ دونوں کے درمیان صلح ہو جائے۔ داریوش نے تمام ممالک جو ھلس پونت اور فرات کے درمیان واقع ہیں دینے کا وعدہ کیا اور اس طرح اسکندر کی سرحد مملکت رود ھالیس جولیدیا کی سرحد ہے قرار پائی۔ داریوش نے تیس ہزار تالان طلا بھی دینے کا وعدہ کیا اور معائدے کی تکمیل تک اپنے بیٹے اخس کو گروی رکھنے کا بھی کہا جو پہلے سے اسکندر کی حراست میں تھا۔ اسکندر نے ان نئی شرائط کو بھی ٹھکرا دیا۔ داریوش نے جنگ کی تیاری شروع کر دی اور مملکت کے سرداروں کو بابل میں اکٹھا کیا اور مختلف علاقوں سے فوجیں اکٹھا کیں۔ داریوش کی فوجوں میں مختلف ممالک کی افواج اور مختلف زبانیں بولنے والے لوگ موجود تھے اس لئے داریوش کو ان کے درمیان اتحاد کی غرض سے فکر لاحق ہوئی تا کہ ان کے درمیان اختلافات کے سبب ان میں نااتفاقی پیدا نہ ہو۔

اسکندر فینیقیہ سے روانہ ہو کر گیارہ دن بعد فرات کے کنارے آ پہنچا اور پل بنا کر دریائے فرات کو عبور کر دیا اور چار روز کی مسافت کے بعد وہ دجلہ کے کنارے آ پہنچا۔ مگر بابل کا رخ کرنے کے بجائے اسکندر دجلہ کی طرف بڑھا۔

عبور از دجلہ:۔

دریائے دجلہ کا پانی تند و تیز ہونے کے ساتھ دریا کی تہ پتھروں سے بھری ہے۔ اسکندر کی

افواج کواس دریا سے عبور میں کافی مشکلات کا سامنا تھا۔ پانی سپاہیوں کے قدھوں تک پہنچتا تھا۔ اسلحہ سر پر اٹھائے ہاتھ اسے ہاتھ پکڑے بڑی مشکل سے اس رود کو عبور کیا اگر ایرانی سپاہ یہاں موجود ہوتی تو اسکندر کو کافی جانی نقصان اٹھانے کے ساتھ ساتھ شکست کا بھی سامنا ہو سکتا تھا مگر ایرانی افواج کی عدم موجودگی نے اسکندر کا کام آسان کر دیا۔

اسکندر کے داردانل کے عبور سے لیکر دجلہ کے عبور تک ایرانی افواج کسی جگہ مزاحم نہیں ہوئیں اور نہ ہی ان افواج میں تیبس کو توال غزہ اور آری برزن کی طرح فدا کاری کے لئے کوئی تھا اور ایرانی سپاہ اب سپاہ کوروش جیسی سپاہیانہ خوبیوں سے عاری تھی اور جسمانی اور وحانی طور پرست اور عیش پرست ہو گئے تھے یہی وجہ تھی کہ دروں اور گذرگاہوں کی حفاظت نہ کر سکی اور شکست سے دوچار ہوتی رہی۔

جنگ گوگمل (۳۳۱ ق م):۔

بعض مورخین نے داریوش کی آخری جنگ کا ذکر کرتے ہوئے اسے جنگ اربیل لکھا ہے مگر اکثر کا خیال ہے کہ یہ جنگ اربیل نہیں بلکہ جنگ گوگمل ہے۔ گوگمل رود بومادوس (Bumadus) یا (رود بوماد) پر واقع ہے۔ اربیل سے ۵ فرسنگ مغرب کی طرف واقع ہے اور موصل سے بطرف شمال مشرق واقع ہے۔ جنگ گوگمل کا تذکرہ مورخین قدیم نے کیا ہے مثلاً (آریان کتاب ۳ فصل ۴ تا ۷ پلوتارک کتاب اسکندر بند ۲۳ تا ۷۴ ژوستن کتاب ۱۱ بند ۱۳، ۱۴ پولی ین کتاب ۴)۔(۱)

اسکندر نے جب دجلہ عبور کیا تو اسے اپنی فتح کا یقین تھا۔ داریوش جب اسکندر سے صلح کرنے سے مایوس ہو گیا تو اُس نے کچھ فوج مامور کی تا کہ اسکندر کی پیش قدمی روکی جائے۔ اسکندر نے اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کر کے ان کے پہلو میں سواروں کا دستہ حفاظت کے لئے رکھا۔ اور اسکندر تیزی سے داریوش کی طرف بڑھا۔ داریوش کی فوجوں میں باختریوں، سغدیوں اور ہندی افواج کی کمان بسوس (Bessus) حاکم باختر کے پاس تھی۔ سکا ماباسس (Mabaces) کی سرداری میں تھے، برساتس (Barsaetes) والی رخج قندھار) ہندوستانی فوجوں کا کماندار تھا۔ ساتی برزن (Satibarzanes) ہراتیوں کا سردار تھا اور فراتافرن (Phrathaphernas) کے زیر

(۱) لغت نامہ از علی اکبر دہخدا ص ۲۳۱۱

کمان پارتی، گرگانی اور تپوری سوار تھے مادیہا، کا روسیان اور سا کا سینیان (Sacesiniens) آتر پات (Athropates) کی فرماندہی میں تھے۔ ساکاسینان چینی ساکا ہاتھے اور روی اُس زمانے میں چین کو سینا کہتے تھے۔ اور دریائے احمر کے لوگوں کی قیادت اور نتباسس (Orontobates) وآری برزن (Ariobarzanes) اور (اکسی نس)=(Oxines) کر رہے تھے۔ بابلیوں کی کمان (سی تا کیان)=(Sitaciens) کے ہاتھ میں تھی اور کاریان، بوپار اور ارمنی بہ سرداری ارونت (Aronte) ومیتر وس تس لڑ رہے تھے۔ اور کاپادوکیھا، بہ سرداری "آری آرسیس" (Ariarces) اور سل سوریاں (Coele Syren) اور بین النہرین (دجلہ وفرات کے رمیانی علاقے) کے لوگ مازہ والی بابل کی فرماندہی میں تھے۔ (۱) داریوش کی پیدل فوج ایک ملین اور سواراہ نظامی چاسو ہزار تھی۔ پلوتارک کے مطابق پیادہ اور سوار دونوں ایک ملین تھے دیودور پیادہ سپا کو آٹھ سو ہزار اور سواروں کو ۲۲ ہزار کنت کورت پیادہ کو بائیس ھزار اور سواروں کو ۴۵ ھزار لکھتا ہے۔ شاید کنت کورت درست ہو۔

طرفین نے صف آرائی کی اور دونوں طرف کی فوجیں ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑیں ایرانیوں کے رتھوں کے گھوڑے وحشت کے باعث بے قابو ہو گئے اور دوران جنگ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو گئیں کہ تن بہ تن جنگ شروع ہو گی۔ داریوش اور اسکندر آمنے سامنے ہوئے اور اسکندر نے زوبین داریوش کی طرف پھینکی مگر اس سے داریوش کو ضرب کاری نہ لگی اور زوبین اُسکی ران کے گرد لگی اور آسے سرنگوں کر دیا۔ داریوش کے گرنے سے بعض سرداروں نے خیال کیا کہ داریوش مارا گیا ہے اور بھاگنا شروع ہوئے اور اُنکے فرار کے باعث ایک صف تا صف دیگر متاثر ہوتی گئی۔ نتیجتاً صفوف جنگی درہم برہم ہو گئیں۔ داریوش اپنے آپ کو مدافعین سے خالی پا کر خود بھی خوف میں مبتلا ہو گیا اور فرار ہو گیا۔ فارسی سپاہ کے فرار اور اسکندر کے سوارہ نظامی کے تعاقب کے باعث اتنا غبار اٹھا کہ یہ پتہ نہ چل سکا کہ داریوش کس طرف فرار ہوا ہے۔ (مازہ) والی بابل نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا اور یونانی فوجوں کو کافی نقصان پہنچایا۔ (پارمن ین) نے اسکندر کو اطلاع دی کہ کمک ارسال کی جائے ورنہ مازہ کے ہاتھوں یونانی شکست سے دو چار ہو جائینگے۔ اسکندر اس وقت داریوش کے تعاقب میں تھا۔ مازہ کو جب خبر

(۱) "لغت نامہ" از علی اکبر دہخدا ص ۲۳۱۲ (بروایت آریان)

ملی کہ داریوش میدان سے بھاگ نکلا ہے تو اگرچہ اُسے کامیابی نصیب ہوئی تھی، مگر وہ اور اُسکی افواج داریوش کے فرار کی خبر سے سست پڑ گئیں اور (یارمن ین) نے حملہ کر کے مازہ کو شکست دے دی۔ مازہ فرار ہو کر دجلہ سے گذر گیا اور بابل کی طرف روانہ ہو گیا۔

داریوش بھاگ کر رود لیکوس (Lycus) تک پہنچا اور پل بنا کر رود کو عبور کیا و راربیل جا پہنچا۔ اسکندر نے اپنی فوجوں کو قیام کا حکم دیا اور داریوش کا تعاقب ترک کر دیا۔ داریوش رود لیکوس (Lycus)۔ جسے اب (رود ذھاب کہا جاتا ہے) سے گذر کر اربیل کے محل جا پہنچا تھا اور وہاں سے ارمنستان کے راستے سے ہوتا ہوا ماد کی طرف چلا گیا۔

بابل پر قبضہ:۔

اسکندر نے اپنی فوجون کو بابل کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ جب مازہ (والیٔ بابل) نے سنا کہ اسکندر بابل کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ اپنی اولاد کے ہمرا اسکندرہ کے استقبال کے لئے نکلا اور اسکندر کا مطیع ہو گیا۔ اسکندر نے اس طرح بغیر کشت وخون کے بابل پر قبضہ کر لیا اور مازہ اور اُسکی اولاد کے ساتھ اسکندر شفقت سے پیش آیا۔ بابل کے شہر میں داخل ہونے کے بعد اسکندر معبد مردوک (جو بابلیو کا خدائے بزرگ ہے) گیا۔ یہ وہی معبد ہے جس کو کوروش بزرگ نے تجلیل وتعمیر کیا تھا۔ اس زمانے میں ''باغہائے معلق''، جن کو بخت نصر نے (ملکہ بابل) کے لئے بنوایا تھا (جو (ھورخ شتر) شاہ ماد کی بیٹی تھی) اور یہ معلق باغ '' یکے از عجائب یگانہ عالم قدیم بہ شمار می رفت'' اب تک موجود تھے۔ اسکندر نے دوسرے شہروں کی نسبت یہاں زیادہ دیر قیام کیا کیونکہ بابل کا شہر اطاعت گذاری کے لحاظ سے مضر نہ تھا۔

بابلیوں کی تہذیب

نت کورت لکھتا ہے:۔

''زیرا اخلاق بابلیہائے بقدرے فاسد بود کہ از ہیچ چیز برائے تحریک شھوات نفسانی مضائقہ نمی کردند و مردان بابلی درازائی وجہی کہ بآنھا دادہ میشد، علانیہ زنان و دختر انشاں بہ فحشاء تشویق میکردند۔ بابلیہا در مجالس بزم شراب میآشامند و در حال مستی مرتکب اعمال قبیح میشوند۔ در ابتدا زناں آنہا باحجب اندولی دیری نمی گذرد کہ شروع بہ کندن لباس روی کردہ سینہ ہائے خود را نشان میدھند و پس از آں بمر ور ہر

گونہ حجب وحیا را بیک سو نہادہ و برہنہ گشتہ مرتکب کارہائے نکوھیدہ و زشت میشوند۔ تصور نرود زنانِ بدعمل دارای چنیں اخلاقی می باشند۔ زناں و دختران خانوادہ ھائی ممتاز نیز ایں نوع اعمال قبیحہ را از شرائط ادب میدانند'' (۱)

مفہوم بابلیوں کے اخلاق اس قدر فاسد تھے کہ شہوت نفسانی کو متحرک کرنے کے لئے کسی چیز سے پرہیز نہ کرتے تھے۔ اور بابلی اعلانیہ اپنی عورتوں اور بیٹیوں کو اس بے حیائی کی طرف ترغیب دیتے تھے۔ اور بابلی مجالس میں شراب بہت پیا کرتے تھے اور حالت مستی میں اعمال قبیح کے مرتکب ہوتے تھے۔ (مجلس) کی ابتدا میں اُنکی عورتیں حجاب میں ہوتی تھیں لیکن بہت جلد اپنا لباس چاک کر لیتی تھیں اور اپنے سینے ظاہر کر دیتی تھیں اور اُس کے بعد شرم وحیا کو ایک طرف رکھ کر برہنہ ہو جاتی تھیں اور برے کاموں میں مصروف ہو جاتی تھیں حتی کہ یہ تصور کرنا بھی مشکل ہوتا تھا کہ بدعمل عورتیں اس قسم کے اخلاق رکھتی ہونگی۔ کونکہ اچھے خاندانوں کی عورتیں اور بیٹیاں بھی اس قبیح عمل کو شرائط ادب شمار کرتی تھیں۔

اس قسم کے ماحول میں یونانی سپاہ نے ۳۴ دن بابل میں قیام کیا اور سست اور عیاش ہو گئے تھے مگر اس دوران آندرومن (Andromenes) کا بیٹا یورپ سے وارد ہوا اور اپنے ساتھ تازہ دم فوج چھ ہزار پیادہ اور پانچ صد سوار مقدونی لے آیا۔ اسکندر نے بابل سے شوش جائے کا حکم دیا۔

حرکت اسکندر بطرف شوش:۔

بابل سے اسکندر نے شوش جانے کا حکم دیا۔ اور بیس روز بعد شوش پہنچا۔ شوش کا والی ابولیت (Abulete) نے اپنے بیٹے کو اسکندر کے استقبال کے لئے روانہ کیا اور شوش کا خزانہ اسکندر کے حوالے کر دیا۔ والی شوش نے دریائے خوآسپ (Choaspes) (جس کو اب دریائے کرخہ کہتے ہیں) کے کنارے اسکندر سے ملاقات کی اور شوش کے خزانے اسکندر کے حوالے کئے۔ شوش میں اسکندر کی خواہش تھی کہ شاہان ایران کے تخت پر بیٹھے مگر اسکندر کا قد پست تھا وہ تخت تک نہ پہنچ سکتا تھا چنانچہ ایک میز اُسکے پاؤں کے نیچے رکھی گئی تا کہ وہ تخت تک پہنچ سکے۔ اسکندر نے کچھ دن شوش میں گذارنے کے بعد فارس جانے کا ارادہ کیا اور چار روز کی مسافت طے کرنے کے بعد رود پاسی تیگر

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دھخدا ص ۲۴۱۷

(Pasitigries) پہنچا۔ اس رود کا نام اب رود کارون ہے۔ قدیم زمانے میں ایرانی اس کو "پس تیگر" یعنی "پس دجلہ" کہتے تھے۔ یہ رود اوکسیان (Uxiens) کے پہاڑوں سے نکلتی ہے۔

شوش سے پرسی پولس (تخت جمشید) تک کا راستہ بلند پہاڑوں اور گھاٹیوں سے گذرتا ہے اور دشوار گذار ہے۔ اسکندر شوش سے چل کر ولایت اوکسیان (Uxiens) میں داخل ہوا جسکا حکمران مادالتس (Madates) نامی شخص تھا اور داریوش کا رشتہ دار تھا۔ اوکسیان اور خوزستان کے درمیان ایک تنگ درہ میں مادالتس کے آدمیوں نے اسکندر کی فوج پر حملہ کر دیا اور پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر برسائے مگر اسکندر کی فوج مقابلہ کرتے آگے بڑھتی گئی اور بالآخر درہ عبور کر کے فارس کی سرحد پر آپہنچے۔ اس اثنا میں آری برزن چالیس سواروں اور پانچ ہزار پیادہ سپاہ کے ساتھ اسکندر کی فوجوں کے درمیان سے لڑتا ہوا آگے نکل گیا۔ اُس کا خیال تھا کہ پارس (پرسی پولس) پہنچ کر دفاع کریگا اور اسکندر کو شہر میں داخل ہونے سے روکنے کی کوشش کریگا۔ مگر اسکندر نے پہلے ہی سے اپنے تین سرداروں آمین تاس، فیلوتاس اور سینوس کو فوج کے ایک حصہ کیساتھ بھیج دیا۔ آری برزن شہر میں داخل نہ ہو سکا اور اسکندر نے اُسکا تعاقب کرتے ہوئے اُسے جالیا اور اسکو اور اُسکے تمام سپاہی قتل کر دئے۔ اب اسکندر بے خطر تخت جمشید کی طرف بڑھا اور شہر کے قریب ڈیرے ڈال دئے۔

تخت جمشید کی تباہی:۔

اس شہر کا قدیم نام پارس تھا مگر تاریخ میں یہ تخت جمشید سے پکارا اور لکھا جاتا ہے۔ شہر کے تمام خزانون پر اسکندر نے قبضہ کر لیا اور شہر کو غارت کرنے کا حکم دے دیا۔ آریان کے مطابق ایران کا کوئی دوسرا شہر (از حیث ثروت و ذخائر بہ تخت جمشید نمید سید) (یعنی دولت اور ذخائر کے اعتبار سے تخت جمشید ایران کے تمام شہروں میں ممتاز تھا۔ یونانی فوج نے اس کے بیش بہا ذخائر لوٹے اور شہر کو آگ لگا دی اور قتل عام کیا۔ اسکندر نے جشن فتح منایا۔ شراب کا دور چلا اور جب سب بدمست ہو گئے تو ایک بدکار رقاصہ جسکا نام تائیس (Thais) تھا نے اسکندر سے کہا (کہ اگر او قصر شاہان پارس را آتش بزند یونانیہا حق شناسی ابدی نسبت بہ او خواہند داشت) (اگر وہ شاہان پارس کے محلات کو آگ لگا دے تو یونانی ابد تک اُسے یاد رکھیں گے)۔ اسکندر نے جواباً کہا۔ "بسیار خوب معطلی برائے چیست؟ (بہت خوب۔ دیر کس بات کی ہے) چنانچہ اسکندر نے خود مشعل اٹھائی اور محل کو آگ لگا دی اور اُسکی تائید میں دوسرے یونانیوں

نے بھی مشعلیں محل میں پھینکیں اور محلات خاکستر ہو گئے۔ اور اس طرح دنیا کا متمدن ترین شہر صفحہ ہستی سے مٹ گیا۔ تخت جمشید کے خزانے لوٹنے کیساتھ ساتھ پاسارگاد کے خزانے بھی اسکندر کے ہاتھ لگے۔ اسکے بعد اسکندر نے ہمدان کا رخ کیا جہاں داریوش جا پہنچا تھا اور فوج اکٹھی کر رہا تھا۔

ہمدان جانے کے راستے میں اسکندر "مردھا" کی ولایت میں داخل ہوا یہ لوگ غاروں میں رہتے تھے اور ان کا لباس مشکل سے گھٹنوں تک پہنچتا تھا۔ وحشی تھے اسکندر نے ان کو بھی مطیع کیا اور پندرہ روز کی مسافت طے کر کے ہمدان پہنچا مگر اس کے پہنچنے سے قبل داریوش وہاں سے نکل کر پارت کیطرف جا رہا تھا۔ اسکندر نے تعاقب جاری رکھا۔ راستہ میں بیمار سپاہی چھوڑ دئے اور کئی گھوڑے بھی مر گئے مگر اسکندر بکمال سرعت کے ساتھ گیارہ دن بعد "رے" جا پہنچا۔ وہاں اُسے معلوم ہوا کہ داریوش بحرہ حذر کے دروازے سے گذر چکا ہے۔ اسکندر پانچ دن کے توقف کے بعد داریوش کے تعاقب میں نکلا۔ راستے میں اُسے خبر ملی کہ بسوس (Basus) والی باختر نے نبیر زن (Naburzane) برادر اور برازاس (Brazas) والی رخج (قندھار و سیستان) کی مدد سے داریوش کو قید کر دیا ہے۔ بسوس والی باختر داریوش کے اقربا سے تھا اور باقی اُسکے ماتحت حاکم تھے۔ اسکندر نے تیرہ فرسنگ (چار سو استاد) راستہ طے کر کے ان کو جالیا۔ بسوس وغیرہ داریوش کو رتھ سے اتار کر گھوڑے پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے جانا چاہتے تھے مگر داریوش کے انکار پر انہون نے رتھ پر تیر برسائے جس سے داریوش زخمی ہو گیا اور رتھ کے گھوڑے بھی زخمی ہو گئے۔ وہ رتھ کو چھوڑ کر فرار ہو گئے۔

کنت کورت (کتاب ۵ بند ۸۱۹) کے مطابق۔ بسوس باختر کی طرف اور نبرزن گرگان کیطرف بھاگ نکلے۔ داریوش کے رتھ کے زخمی گھوڑے بغیر رتھ بان کے داریوش کے رتھ کو ایک چشمہ تک لے گئے اور وہان رک گئے۔ پولیس ترات (Polystrate) نامی ایک یونانی چشمہ پر پانی پینے کی غرض سے آگیا اور رتھ میں ایک شخص کو حالت نزع میں کراہتے سنا۔ نزدیک گیا تو داریوش جو ابھی زندہ تھا، نے اُس سے کہا کہ اسکندر تک اسکا پیغام پہنچا دے۔ یہ کہ اسکندر داریوش کے تخت پر بیٹھ جائے مگر حکمرانی پارس کے نجبا کے ذریعہ کرے۔ دوسرا میرے قاتلوں کو قتل کرے۔ تیسرا یہ کہ میری بیٹی روشناک سے شادی کرے۔

مورخین نے خیال ظاہر کیا ہے کہ روشناک دراصل رخسانہ (Roxana) دختر اکسیارتس (Xiartes) (جو سغد کے نجبا سے تھا) تھی اور اسکندر نے اس سے شادی کی تھی۔ جبکہ داریوش

کی بیٹی کا نام استاتیر تھا جس سے بعد میں اسکندر نے شادی کی تھی۔ داریوش کا پیغام اسکندر کو سنایا۔ داریوش ۳۳۰ ق م میں قتل ہوا اور جہاں اُسکی لاش اسکندر کو ملی وہ جگہ سمنان اور شاہ رود کے درمیان تھی جو دامغان کے قریب واقع ہے۔ یہ جگہ موجودہ حاجی آباد کے شمال اور سفید کوہ کے جنوب مشرق میں ہے۔

تسخیر ممالک شرقی:۔

بسوس نے باختر آ کر اپنے آپ کو اردشیر چہارم کے نام سے مشہور کر کے بادشاہت کا اعلان کیا داریوش ۳۳۰ ق م میں قتل ہوا مگر مشرق وسطی اور مشرق ایران کی مہمات ابھی باقی تھیں۔ اسکندر داریوش کی موت کے بعد چھ یا سات سال مزید زندہ رہا۔ داریوش کی وفات کے بعد یونانیوں کا خیال تھا کہ اسکندر کی فتوحات کا خاتمہ ہو چکا ہے اور اب جلدی وہ یونان واپس لوٹ جائینگے مگر ایسا نہ ہوا۔ اسکندر نے تمام سرداروں کو جمع کر کے تقریر کی اور کہا:۔

''باید ممالک شرقی ایران را تسخیر کنیم تا دولت من کمتر از دولت ھخامنشی نہ باشد و دیگر انیکہ اگر مردمان ایالات شرقی پارس را مطیع نہ کنیم بیم آں میرود کہ بعدھا آیالات دیگر پارس ہم از اطاعت ما سر بپیچیند'' (۱)

خزانہ داروں نے اسکندر کو ہشت ہزار تالان (تقریباً ۹۶ ملین ریال) دیئے جو اُس نے سپاہیوں میں تقسیم کر دیئے۔ اسکے علاوہ دیگر قیمتی اشیا جن کی قیمت تیرہ (۱۳) ہزار تالان (۱۵۶ ملین ریال) بنتی تھی وہ بھی سربازوں میں تقسیم کر دیں۔ اسکندر پارت کے اندرونی علاقوں میں داخل ہوا اور ایک شہر میں آیا جسکا نام ھیکاتم پیلوس تھا یعنی ایک سو دروازوں والا شہر اور اکثر مورخین کا خیال ہے کہ یہ شہر جنوب غربی دامغان میں واقع تھا۔ یہاں اسکندر نے چند دن توقف کیا۔ ضیافتیں دیں اور عیش و عشرت میں پڑ گیا۔

کنت کورت لکھتا ہے کہ اسکندر فارسیوں کے اسلحہ کے مقابلہ میں مغلوب نہ ہوا مگر اُن کے عیوب نے اسے مغلوب کر دیا۔ ''شراب بے حد، شب نشینی ہائے بسیار، دستہ دستہ زنان بدعمل، ہمۂ ایں چیز ہا می نمود کہ اسکندر عادات خارجی را اختیار می کند۔۔ چوں سازندگان و خوانندگان کہ

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دھخدا ص ۲۴۳۱

اسکندر از یونان خواستہ بود کفاف عیش و عشرت او را نمید اند امر میکرد از زنان محلی خوانندہ و رقاصہ بیاورند''

(بے حد شراب نوشی، رات بھر جاگنا اور دستہ دستہ بدعمل عورتوں کا جمع ہونا۔ یہ سب باتیں یہ ظاہر کر رہی تھیں کہ اسکندر نے خارجیوں کے عادات اپنا لئے ہیں۔۔ چونکہ یونانی رقاصائیں اور گانی والی اسکندر کی خواہش کو پورا نہ کر سکتی تھیں اس لئے اُس نے حکم دیا کہ مفتوحہ مقامی رقاصائیں اور گانے والی لائی جائیں)۔

اسکندر کے سپاہی بھی ان عیاشیوں کے سبب سست پڑ گئے تھے۔ اسکندر نے یونانی سپاہیوں کی بزدلی بھانپ لی اور اُن کو اکٹھا کر کے جوشیلی تقریر کی اور کہا:

''شما گماں میکنید کہ ایں ہمہ مردمان کہ بہ سلطنت بادشاہی دیگر عادت کردہ بودند با ما ہیچ گونہ علاقتی از حیث مذہب، و اخلاق و زبان ندارند با یک فرصت مطیع ما گشتہ اند؟ نے۔ آں ہا در مقابل اسلحہ مغلوب شدہ اند نہ اینکہ خواستہ باشند مطیع شما گردند اگر حاضر باشید مطیع اند و ھمیکہ غائب شدید دشمنان شما خواہند بود۔۔۔۔۔ سغدی ہا، داھی ہا، ماشارت ہا۔ ساکاہا (ساکاہا) ہندی ہا، ھنوز در اطاعت ما نیامدہ اند تمام ایں مردماں یک ملت اند زیرا برائے تمامی آنھا ما بیگانہ ایم و خارج از نژاد آناں۔۔۔ پس باید ہر چہ گرفتہ ایم از دست بدہیم یا انچہ را کہ نداریم تسخیر کنیم۔۔۔ دشمن را حقیر نباید شمرد از بے اعتنائی او قوی تر خواہد شد'' (۱)

اسکندر کی اس تقریر کے بعد سپاہی ہر جگہ لڑنے کے لئے تیار ہو گئے۔

گرگان کی فتح:۔

اسکندر گرگان کی طرف بڑھا اپنی فوجوں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا مگر سبک اسلحہ فوج اپنی کمان میں رکھی اور دوسرے حصہ کو کراتر کی کمان میں دے کر مملکت تپوریا کی طرف روانہ کیا جبکہ تیسرا حصہ اسکندر کے عقب میں آ رہا تھا۔ اسکندر جب گرگان پہنچا تو زادراکرت (Zadracata) موجودہ استر آباد۔ کی طرف گیا اور اس مقام پر کراتر اس سے آملا۔ ارتہ باز معہ تین فرزندوں، ا۔ سوفن (Sophene)

---

(۱) ''لغت نامہ'' دھخدا ص ۲۴۳۶۔

۲۔ آری برازن(Aribaraznes) ۳۔ وارسام(Arsame)۔ ان کے ساتھ پتوریوں کا والی ات فرادت(Autophra date) بھی تھا۔ اسکندر گرگان میں داخل ہوا اور اسکے تمام شہروں پر قبضہ کر لیا۔

اسکندر گرگان سے والایت 'مردھا'' کو گیا اور ان کو بھی مطیع کیا۔ ''مردھا'' یا ماردھا پتوریون کی ہمسائیگی میں رہتے تھے۔ یہ لوگ آریوں کے آنے سے پہلے اسی علاقے میں آباد تھے۔

اس زمانے میں اسکندر کی عادات میں کافی تبدیلی آچکی تھی۔ دیورود کیمطابق اسکندر جب اقتدار کی بلندی پر پہنچا تو ''وضع خودرا تغیر داده تجملات پارسی ہاو درخشندگی دربار آسیائی را پزیرفت ۔۔ او مانند داریوش زنان غیر عقدی بسیار از میاں زیبا ترین زنان تمام ممالک آسیا برگزید۔ عدۂ آنہا بعدۂ روز ہائے سال بود و ہر شب تمام ایں زنہا در رختخواب او جمع میشد ندر ایں انتظار کہ اسکندر یکے را از میاں آناں برائے آں شب برگزیند۔۔ اوا جازہ دادہ مردم درپیش او بخاک افتند''

اسکندر کا باختر پر حملہ:۔

اسکندر زاد را کرت (Zadracarta) = (آستر آباد) سے روانہ ہو کر شہر سوسیا (Susia) جو آریان (ھرات) کے شہروں میں سے ایک شہر ہے پہنچا۔ ساتی برزن والی ھرات اسکندر کے استقبال کیلئے یہاں آیا اور ملاقات کی بعد واپس چلا گیا۔ اسکندر نے انا کسیپ (Anaxippe) کو کچھ فوج دیکر مامور کیا کہ اسکے اس علاقے سے عبور کے وقت نگرانی کرے۔ آریان لکھتا ہے کہ فارسیوں نے اسکندر کو اطلاع دی کہ بسوس نے ارغوانی لباس پہن کر اپنے آپ کو اردشہر چہارم کا خطاب دیکر بادشاہت کا اعلان کر دیا ہے۔ باختری اور سکا اُسکی مدد کر رہے ہیں۔ اس اثنا میں اسکندر کو خبر ملی کہ ساتی برزن والی ھرات نے انا کسپ اور اسکے جوانوں کو قتل کر دیا ہے۔ اس لئے اسکندر باختر جانے سے پہلے ساتی برزن پر حملہ کرنے کی غرض سے بڑھا۔ اور دو دن میں ۱۱۶۰۰ استاد (بیس فرہنگ) کا راستہ طے کر کے ارتا کوان (Aratacoan) آپہنچا۔ (ساتی برزن) چند سواروں کے ساتھ باختر کیطرف بھاگ نکلا اور بسوس سے جاملا۔ اسکندر نے اُسکے سپاہیوں کو قتل اور گرفتار کیا اور ہرات کی حکمرانی پر ارزاس (Arzaces) کو مقرر کر کے زرنگیان (سیستان) کیطرف روانہ ہو گیا۔ برزانت (Barzanet) جو داریوش کے قاتلیں میں سے تھا بھاگ کر دریائے سندھ کے مشرق کی طرف چلا گیا مگر وہاں کے لوگوں نے

اسے گرفتار کر کے اسکندر کو پیش کیا اور قتل کر دیا گیا۔

اسکندر کا اگریاسب، رخج (قندھار) اور باختر کی طرف کوچ:۔

سیستان کے معاملات سے فارغ ہو کر اسکندر نے اور گت (Orgetes) نامی قبیلہ کی طرف رجوع کیا۔ یہ لوگ دراصل اری ماسپ (Arimaspes) کہلاتے تھے مگر کوروش کبیر کی مدد کی تھی اس لئے کوروش نے ان کو اور گت کا نام دیا۔ ان لوگوں نے اسکندر کی اطاعت قبول کر لی۔ ان کے پڑوس میں بسنے والے گدروزیا (Gedrosie) (بلوچستان) کے لوگوں نے بھی اطاعت قبول کر لی تھی۔ اسکندر نے آم نیدس (Amnides) کو اورگت کا والی بنایا۔ رخج (آرکوزیا۔ موجودہ قندھار) کو فتح کر کے مم نن (Memnon) کو قندھار کا والی بنا دیا۔ اس کے بعد اسکندر پاراپامیزاد (Paraparmisades) = پامیر کی طرف بڑھا۔ یہ لوگ پتھر کے بنے مکانوں میں رہتے تھے۔ برف باری کی وجہ سے اس علاقے میں حیوانات نہیں تھے۔ برف کی وجہ سے یونانیوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں اس لئے یونانی مورخین نے اس علاقے کو ظلمات کے نام سے پکارا ہے مگر یہ (ہندوکش یا ترچھمیر) کا علاقہ تھا۔ مولف علی اکبر دھخدا کے خیال کے مطابق اسکندر ''از سیستان بہ طرف گوذ دزہ ورخج رفتہ بعد بہ طرف شمال افغانستان کہ درھمسائیگی باختر بود متوجہ گشتہ واز کوہ ھائے آں مملکت گذشتہ تا بہ باختر درآمد''

جغرافیائی اعتبار سے بھی قندھار سے شمالی افغانستان کا سفر، ہندوکش کے علاقوں یا ترچھ میر کے برف پوش پہاڑ ہو سکتے ہیں جن کو ظلمات سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اسکندر جب باختر میں داخل ہوا تو بسوس بھاگ کر سغد چلا گیا۔ اسکندر نے شہر باختر (بلخ) اور ارن (Aorne) پر قبضہ کر لیا۔ پھر سغد کی طرف بڑھا اور دریائے جیھون کو پار کر کے بسوس (Besus) پر حملہ آور ہوا۔ بسوس قید ہوا۔ اُسکے کان اور ناک کاٹ کر اُسے ہمدان لایا گیا جہاں اُسے سولی پر لٹکا دیا گیا۔ اسکندر کے پاس آبیان (Abiens) کا وفد آیا اور اطاعت قبول کر لی۔ یہ لوگ بڑے جانباز اور عادل تھے۔ ان کا تذکرہ ہومر (Homer) شاعر کی کتابوں الیاد (Iliad) اور اودیسیہ (Odysse) میں بھی ملتا ہے۔

اسکندر نے سغد کے شہر (کوروش) پر حملہ کیا اور تمام نوجوانوں کو تہ تیغ کرا ڈالا۔ اسکندر نے رود جیحون عبور کر کے سکا ہا پر حملہ کیا مگر سخت مقابلہ کے بعد ان لوگوں سے جنگ بے مقصد قرار دیکر واپس

ہو گیا اسکندر کا جرنیل ذوپی ریون (Zopirion) اپنی تمام فوج کے ساتھ سکہا کے ہاتھوں نیست و نابود ہو
گیا تھا۔ اس کے بعد اسکندر مرکنڈ (سمرقند) کی طرف بڑھا۔ پسی تامن بھاگ کر باختر چلا گیا۔ یونانی
مورخین کے مطابق سغد ایک بے آب و گیاہ حصہ ہے۔ اس میں ایک رود مستقیماً بہتی ہے اور ریگ زار میں
گم ہو جاتی ہے۔ اس رود کو آجکل زرمشاں کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

پسی تامن نے باختر کے ایک سرحدی قلع پر حملہ کر کے اُس پر قبضہ کرلیا اور بعد ازاں یونانی
دستوں پر حملہ کر کے آریستونیکوس (Aristonicus) یونانی کو قتل کر دیا اور پی تون (Pithon) کو قید کر
دیا۔ (ارتہ باز) والی باختر بوڑھا ہو چکا تھا اسکندر نے اُسکی جگہ آمین تاس کو باختر کا والی بنا دیا۔ پسی تامن کو
(ماساژ تھا) نے مار کر اسکا سر اسکندر کے پاس روانہ کر دیا تا کہ اسکندر اُن پر حملہ نہ کرے۔ اکسیارتس
(Oxyartes) جو سغد کے نجبا سے تھا اپنی بیوی اور بیٹیوں سمیت سغد کے ایک پہاڑ میں پناہ گزین ہوا۔
اسکندر نے اس پہاڑ کا محاصرہ کر کے اکسیارتس اور اُسکے اہل و عیال کو گرفتار کرلیا۔ اکسیارتس کی بیٹی رکسانہ
(رخسانہ) بھی ان قیدیوں میں تھی جو بہت خوبصورت تھی۔ اسکندر نے اُس سے نکاح کر کے اپنی بیوی بنا
لیا۔

اسکندر کا دعویٰ الوہیت:۔

اسکندر جب مقدونیہ میں تھا اپنے آپ کو زیوس (زوپی تر)۔Zeus کا بیٹا خیال کرتا تھا اور
جب مصر کے معبد آمون میں آیا تو کاہن نے از راہ چاپلوسی اُسے ژوپی تر آمون کے نام سے پکارا۔ اسکے
بعد اسکندر کے مغز میں یہ بات پوری قوت کے ساتھ سما گئی کہ اُسے (پسر خدا) کے خطاب سے
پکارا جائے۔ اور اُسکی اسی طرح پرستش کی جائے جیسے خدا کی پرستش کی جاتی ہے اسکندر کے قریب
چاپلوسوں کا حلقہ تھا مثلاً آذلیس (Agis) کلیوں (Clion) اور سی سی لی۔ اسکندر نے ایک بڑی ضیافت کا
اہتمام کیا جس میں یونانی اور پارسی نجبا اور سرداروں کو مدعو کیا۔ اسی ضیافت میں کلیون (Clion) نے
اسکندر کی مدح میں اشعار پڑھے اور عقیدت مندی کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

''بعقیدہ من برائے اظہار حق شناسی یگانہ وسیلۂ اینست: حالا کہ
اورا خدا می دانیم ایں عقیدت را اعلان کنیم''
(ہمارے لئے واحد وسیلہ یہ ہے کہ (اسکندر) کو خدا مانیں اور اس

عقیدے کا اعلان کریں)''

یونانی مورخین کے خیال کے مطابق اسکندر کو خدا ماننے کا نظریہ کالیستن
(Callisthene) (جو ارسطو کا بھانجا تھا) کی ضد میں پیش کیا گیا ہے۔ اسکندر نے اپنے خلاف شورش
کرنے والوں کے خلاف مجلس محاکمہ تشکیل دی جس کے نتیجے میں شورشی اور کالیستن قتل کر دئے گئے۔
اسکندر نے آمین تاس کو باختر کی حفاظت پر مامور کیا اور خود ہندوستان کی طرف روانہ ہو گیا۔ کالیستن اسکندر
کے اس قسم کے دعوے کو پسند نہ کرتا تھا اور اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتا تھا وہ اسکندر کا مورخ تھا مگر
اسکندر کو اس کی یہ روش پسند نہ تھی۔

اسکندر ہندوستان میں:۔

اسکندر پاراپامیز (Parapamise) = (پامیر) کو عبور کر کے شہر اسکندریہ پہنچا اور اُسکے
بعد نیکہ (Nicie) سے گذر کر ٹیکسلا اور اُسکے نواحی کے دیگر حکمرانوں کے پاس ایلچی روانہ کئے تا کہ وہ
سب اسکندر کے استقبال کے لئے آئیں۔ تاکسیل (بادشاہ ٹیکسلا) جو ایرانیوں کی طرف سے ٹیکسلا کا
سترپ (گورنر) تھا تحفے لیکر اسکندر کے استقبال کے لئے آیا اسکندر نے کچھ فوج ہفس تیون اور پردیکاس
کی کمان میں پیوسلاحید (پیوکلائٹس) (Peucelatide) = چارسدہ کی فتح پر مامور کی۔ تاکسیل اور
دیگر سردار جو اسکندر کے استقبال کے لئے آئے تھے۔ ان یونانی سرداروں کے ساتھ ہو لئے۔ اسکندر خود
فوج کے دوسرے دستے کے ساتھ آسپیان اور تیریان (Aspiens & Thyreens) کے ساتھ
جنگ کی غرض سے بڑھا اور رود خوئیس (Choes) (الی شنگ) سے گذر کر ان کے شہر پر حملہ کر دیا۔ اکثر
لوگ جنگلوں میں جا چھپے تھے۔ شہر پر قبضہ ہوا اور اسکندر کے حکم سے اس شہر کو بیخ و بن سے تباہ کر دیا گیا۔ اس
جنگ میں اسکندر کے شانہ پر زخم آئے اور (بطلیموس اور لؤناتوس) بھی زخمی ہوئے۔ اس اثنا میں شہر
اندراک (Andraque) بھی اسکندر کے قبضہ میں آگیا۔ اسکندر نے کچھ فوج کراتر کی کمان میں چھوڑ
کر خود اسپیان کے امیر کے تعاقب میں رود سواست (Soaste) کا رخ کیا۔ لوگ پہاڑوں اور جنگلو
میں جا چھپے تھے اسکندر نے ان کو گھیر کر قتل کر دیا۔ اسکے بعد اسکندر نے شہر آریژہ (Arigee) پر قبضہ کرلیا
اور اساکنیان (اساکین) (IAssaceniens) سے جنگ کر کے اُن کو شکست دی اور سینوس کو
بازیرا = (رستم) (Bazire) کی فتح پر مامور کیا۔ سخت جنگ ہوئی اور بازیژہ سے پانچ صد آدمی مارے

گئے اور ۶۰۵ قید ہوئے۔ اس اثنا میں اسکندر نے شہر اُور (Ore) پر حملہ کیا۔ اس خبر سے اہالئی مار تیر پہاڑی قلعہ (اورن) (Aorne) میں پناہ گزین ہو گئے اور بالآخیر مقدونیوں نے اسے بھی فتح کر لیا۔ اس کے بعد اسکندر نے حفاظت کوہ و ولایت کے لئے (سی سی کس توس) (Sisicostus) کو مامور کیا اور خود سندھ کی طرف روانہ ہوا۔ او ہند جانے سے قبل اسکندر نے ایمبولینا (Embolina) (موجودہ امب) میں کیمپ لگا کر ارنوس (مہابن) پر چڑھائی کی اور وہاں کے لوگوں کو مطیع کیا۔ جب سندھ کے کنارے (اوہنڈ) پہنچا تو تاکسیل (جو دریائے سندھ اور دریائے ھی داسپ (جہلم) کے درمیانی علاقہ کا حکمران تھا۔ ہدیے لیکر حاضر تھا۔ اان ہدیوں میں کچھ کشتیاں، بائیس تالان نقرہ (تقریباً ایک ملین اور ایک سو بیس ہزار فرانگ طلا) و سہ ہزار گاو نر دہ ہزار گوسفند اور تیس ہاتھی ارسال کئے تھے۔ اس کے علاوہ سات ہزار سوار ہندی بھی روانہ کئے۔ اسکندر دریائے سندھ کو عبور کر کے ٹیکسلا وارد ہوا اس کے بعد اسکندر اپنی فوج اور پانچ ہزار ہندی فوج کے ساتھ دریائے ھی داسپ (جہلم) کے کنارے پہنچا اور دوسری جانب سے پروس (راجہ پورس) بھی اپنی فوجوں سمیت آ پہنچا۔ لڑائی ہوئی۔ اسکندر کو فتح ہوئی۔ اسکندر ولائت گلوزس (Glauses) کی طرف بڑھا۔

گلوزس (Gluauses) کے لوگ مطیع ہو گئے۔ اسکندر بعد ازاں رود آل سہ زینس (Alcesines) سے گذر کر وہاں کے لوگوں کو جنگ اور مذاکرہ سے مطیع بنایا اور کاتیان (Catheens) اوکسی دراک (Oxydraques) و مالیان (Malliens) سے جنگ کی غرض سے آگے بڑھا اور شہر سنگالہ پر قبضہ کر لیا۔ اسکے بعد رود ھفاذ جو پنجاب کی نہروں میں سے ایک ہے کی طرف بڑھا اور وہاں سے (۳۲۶ ق م) میں واپسی کا حکم دیا۔ اور ولایت مالیان (ل ل) کو آیا اور رود ھید رااُتس سے گذر کر برھمنوں کے علاقے کو بڑی مشکل سے فتح کیا۔ اس دوران اسکندر کی موت کی خبر مشہور ہو گئی اور وہ یونانی جو مقدونیوں کے ساتھ سغد میں اکٹھے رہ رہے تھے نے بغاوت کر دی۔ اسکندر نے دریائے سندھ اور رود آل سہ زین کے مقام اتصال پر ایک شہر تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد سیب ہا (Sibes حکمائی برھنہ) سے جنگ کی اور سال ۳۲۵ ق مکران و بلوچستان سے گذر کر پاسارگاد کی طرف روانہ ہوا۔ اسکندر جب پارس کی سرحد پر پہنچا تو اتروپات والی، ماد آ پہنچا اور ایک شخص جو ماد کا رہنے والا تھا اور اسکا نام باریاکس (Bariax) تھا، حراست میں پیش کیا۔ اس شخص نے ماد اور پارس کا بادشاہ ہونے کا اعلان کیا تھا اسکندر نے اسے زجر سے مارنے کا حکم صادر کیا۔

ہندوستان سے مراجعت کے بعد اسکندر کے حالات:۔

ہندوستان سے واپسی پر پارساگاد میں قیام کے دوران اسکندر کو جس چیز نے مغموم رکھا وہ کوروش بزرگ کا مقبرہ تھا جو پارساگاد کے ایک باغ میں واقع تھا۔ اور اسکے اردگرد درخت، چمن زار اور نہریں تھیں۔ کوروش کی نعش کو سونے کے خلاف میں بند کیا ہوا تھا اور تابوت کو ایک میز پر رکھا گیا تھا جس کے پاؤں بھی سونے سے بنائے گئے تھے۔ اور تابوت پر رنگارنگ قیمتی شال بچھائے ہوئے تھے اس مقبرہ میں اندر کی طرف (مغوں) کا ایک چھوٹا سا طاق تھا۔ اور مغ کا یہ خاندان کوروش کی وفات کے وقت سے اس مقبرہ کا پاسبان تھا۔ اور ان کو ہر روز ایک گوسفند اور کچھ آٹا اور شراب ملا کرتی تھی۔ اور ہر ماہ مقبرہ کے سامنے ایک گھوڑا بطور قربانی ذبح کیا جاتا تھا۔ اس جگہ ایک کتبہ بہ خط فارسی موجود تھا جس پر یہ عبارت درج تھی۔

''اے مرد فانی! من کوروش پسر کبوجیہ ہستم۔ من دولت
پارس (آریان نوشتہ امپراطوری) رابنا کردم وحکمران آسیا
بودم۔ بہ ایں مقبرہ من رشک مبر''

اسکندر اس مقبرہ کے اندر جانا چاہتا تھا اور جب اندر گیا تو معلوم ہوا کہ مقبرہ کی تمام اشیا چوری کی گئی ہیں۔ چوروں نے کوروش کے تابوت کو بھی کھولنا چاہا تھا مگر بالآخر وہ جسد کو نہ نکال سکے اور اسی طرح چھوڑ دیا۔ اسکندر نے آریستوبول کو حکم دیا کہ باقی ماندہ اشیاء کو جمع کر کے تابوت میں رکھے اور دروازہ کو دیوار بنا کر بند کر دیا جائے اور دیوار پر اسکندر کی مہر لگا دی اور جو مغ مقبرہ کی حفاظت پر مامور تھے، ان کو موقوف کر دیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ اس چوری کا مرتکب کون ہوا ہے۔ جب اسکندر نے مقبرہ کے کتبہ کو دیکھا تو کتبہ کے اوپر یونانی ترجمہ بھی لکھوایا جو درج ذیل ہے۔

''اے مرد، ہر کہ باشی واز ہر جا کہ بیائی زیرا امیدانم
کہ خواہی آمد من کوروشم، کہ برائے پارسیہا ایں
دولت وسیع رابنا کردہ ام۔ پس بہ ایں زمین کی کہ تن
می پوشد رشک مبر''

خاتمہ بحث:۔

اسکندر کی ستائش کرنے والے مورخین کا خیال ہے کہ اسکندر کسی جگہ بھی مغلوب نہیں ہوا اور پے درپے جنگوں میں حیرت انگیز فتح پائی۔ وہ یقیناً ایک بڑا فاتح اور مدبر جرنیل تھا۔ مگر بحیثیت انسان وہ خامیوں سے بھی خالی نہ تھا۔ اُسکی جنگوں سے فائدہ کے بجائے نقصان زیادہ ہوا۔ وہ آندھی کی طرح آیا اور بگولے کی طرح چلا گیا اور جو کچھ سامنے آیا آسے نیست ونابود کر گیا۔ وہ مفتوحہ علاقوں میں مسلسل جنگوں کے باعث قابل قدر رفاہ عامہ کے کام نہ کر سکا۔ جن قبیلوں اور قوموں نے اُسکے خلاف اپنے دفاع میں جنگ لڑی اُن کا قتل عام کیا اور اُن کی بستیاں اور شہر بیخ وبن سے اجاڑ دئے۔ اسکندر کی فتوحات کروڑوں انسان کی زندگی کے بدلے حاصل ہوئیں۔

بعض مقامات پر اُس نے کافی عرصہ قیام کیا مگر یہ وقت بھی عیش وطرب میں گذاراحتی کہ یونانیوں کی تنقید سے بچنے کی غرض سے پھر نئی مہم پر نکل پڑتا۔ اسکندر سیحون سے گذرا مگر جلد واپس ہوگیا۔ اُس نے ہندوستان پر حملہ کیا مگر پنجاب سے آگے نہیں بڑھا۔ اُسکی فتوحات ہخامنشی تسلط کے علاقوں پر بھی محیط نہ تھیں۔ مگر یونانی مورخین کی نظر میں اُس نے دنیا کا شمال مشرقی حصہ فتح کیا تھا دراصل یونانی جنوبی ایشیا کے جغرافیائی حدود سے واقف نہ تھے حالانکہ ہخامنشی بادشاہوں کے متصرفات تمام ایشیا کا ہزارواں حصہ تھا۔ اُس بے خبری اور لاعلمی کی مثال اس سے دی جاسکتی ہے کہ:

''سترہ بون جغرافیہ دان معروف عالم قدیم کہ سہ قرن بعد از ہخامنشی

ھا میز یست چین را جزو ہند مید انست''

(یعنی عالم قدیم کا جغرافیہ دان ستر ابون، چین کو ہندوستان کا ایک جز سمجھتا تھا)

آریان مورخ کے مطابق حکیم ہندی کالانوس کی خودکشی اُس وقت ہوئی جب اسکندر تخت جمشید میں تھا۔ وہاں سے وہ شوش آیا جہاں اُس نے داریوش کی بیٹی برسین (Barsine) سے شادی کی۔ بعض مورخین نے اس شہزادی کا نام استاتیرا (Statire) لکھا ہے۔ اُسکے بعد اسکندر بغستان، اور ہمدان کو گیا اور وہاں سے بابل گیا اور ھفس تیون کے دفن کے مراسم سے فارغ ہوکر عیش وطرب میں غرق ہوگیا۔ اس وقت وہ اقتدار کی آخری سیڑھی پر چڑھ چکا تھا، مگر تقدیر نے اُسکی زندگی کو تنگ کر دیا اور وہ ۳۲۳ ق م میں فوت ہوگیا۔

''اسکندر شخصے بودہ شکیل ودارای سیمای خوش (اگر چہ قدرے کوتاہ بودہ) ھوشمند دغالباً ہوشیار دلیر وشجاع مرد تصمیم در مواقع خطرناک، صاحب عزم قوی وطاقتی خلل نا پذیر جویائے نام وجاہ طلب بحد افراط، بلند پرواز تا سرحد جنون میکسار دشہوت پرست، جواں مرد وبافتوحات۔۔۔مملو از غضب وبے رحم خود پسند وخودستای، تندخو، حسود، شقی وسفاک وبیباک در خونریزی وخراب کردن وقتل عام از زن ومرد۔ پیر وبرنا، وبزرگ دکوچک، برانداز ندۂ شہرہائے بسیار از بیخ وبن بردہ کن وبردہ فروش''(۱)

اسکندر نے مقدونیہ کو توسیع دی، یونان کو مطیع کیا، اور مما لک ایران ہخامنشی کو بہ استثنائے قفقازیہ قسمت شمال شرقی آسیائے صغیر وحبشہ اپنے تصرف میں لے آیا۔ ان فتوحات کو مندرجہ ذیل بربادیوں کی قیمت پر حاصل کیا۔

(تب کو) بیخ وبن سے اکھاڑنا، می لت کے غیر یونانی باشندوں کو بردہ کرنا ھار لیکارناس کی بربادی اور صور کی بندرگاہ کی بیخ کنی، غزہ کا جلانا شہر تخت جمشید کی تباہی وجلانا، برانخیدیوں کے مساکن کو اجاڑنا اور شہر کوروش کو برباد کرنا، اہالئی سغد کا قتل عام، شہر آسکینان (اساکین) کو نابود کرنا، شہر سنگالہ کو بیخ وبن سے اکھاڑنا، قتل عام در شہر مالیان اور دیگر شہر جو مقابلہ کرتے تھے۔ جو شہر برباد کئے ان کے مرد وزن کو بردہ کیا اور فروخت کیا۔ اسکندر نے اپنے محبوب ہفس تیون کی روح کو راحت پہنچانے کی خاطر ہزاروں انسانوں کی قربانی دی جبکہ داریوش اول نے ایلچی کے ذریعہ قرطاجنہ کے لوگوں کو انسانی قربانی دینے سے منع کیا تھا۔

مذکورہ بالا خصوصیات کے باعث اسکندر مقدونی قرآنی ذوالقرنین نہیں ہوسکتا۔

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دھخدا ص ۲۴۶۳

باب ہشتم

قبیلہ تاجک سواتی کے نسب نامے اور اسکندر مقدونی:۔

گذشتہ اوراق میں واضح کر دیا گیا ہے کہ قبیلہ تاجک سواتی کے نسب نامے اسکندر ذوالقرنین (۱) پر منتج ہوتے ہیں۔ ذوالقرنین کا ذکر قرآن کی سورۂ کہف میں موجود ہے مگر اسکی واضح تاریخ شناخت نہیں البتہ بنی اسرائیل کی دینی کتب میں یشعیا نبی کی پیشن گوئیوں میں ذوالقرنین کا واضح ذکر موجود ہے یہ پیشن گوئیاں بنی اسرائیل کو پیش آنے والے تاریخی واقعات کی نشان دہی کرتی تھیں اس لئے ان کا ادراک صرف یہودی علماء تک محدود تھا قریش مکہ نے یہودی علماء کی ایما پر حضور ﷺ سے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا تھا۔ حضورؐ نے ابتدا میں سکوت اختیار کیا حتیٰ کہ وحی نازل ہوئی۔ مسلمان مفسرین نے ذوالقرنین کی غیر واضح شخصیت کے سبب قیاس سے کام لیتے ہوئے مختلف شخصیات کو ذوالقرنین قرار دیا۔ اس ابہام کے نتیجے میں ابن البلخی نے اپنی تصنیف ''فارس نامہ'' میں اسکندر مقدونی کا مندرجہ ذیل نسب نامہ مرتب کیا جو سوادیوں کے نسب نامے میں شامل کر دیا گیا مگر جوز جانی نے اسے بے اصل قرار دیا ہے (۲)

''اسکندر مقدونی بن فیلقوس بن مصریم بن ہرمس بن ہردس بن میطون بن رومی

---

(۱) (تذکرۃ الابرار والاشرار) از اخون درویزہ ص ۱۱۶

(۲) منہاج سراج جوز جانی نے اس نسب نامے کو بے اصل قرار دیا ہے اور حاشیہ نمبر ۱۵ پر مترجم جناب غلام رسول مہر مرحوم نے لکھا ہے کہ موجودہ تحقیق کے مطابق ہخامنشی بادشاہ کورش کبیر (سائرس) ذوالقرنین ثابت ہوا ہے۔

نوٹ:۔ جوز جانی کے والد مولانا سراج الدین کو محمد غوری ۵۸۶ھ میں اپنے ساتھ لایا تھا اور ہندوستان کی فوجوں کا قاضی مقرر کیا تھا۔ جوز جانی غور سے اوچ (سندھ) اور ملتا کو ۶۲۴ھ (۱۲۲۷ء) میں آیا تھا۔ ناصر الدین قباچہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے بعد التمش نے اسے ۶۲۵ھ (۱۲۲۸ء) میں اپنے ساتھ رکھا ۶۲۹ھ میں اسے (Law Officer) اور مذہب اور انصاف کے معاملات کا انچارج بنا دیا تھا۔ ۶۳۹ھ میں بہرام شاہ نے اسے دہلی کا قاضی مقرر کر دیا مگر بہرام شاہ کے قتل کے بعد جوز جانی نے استعفیٰ دے دیا اور (۶۴۰ تا ۶۱۲ھ) بنگال کے دار الخلافہ لکھنوتی میں قیام کیا۔ ۶۴۴ھ (۱۲۷۶ء) میں جب ناصر الدین محمود تخت نشین ہوا تو منہاج سراج جوز جانی نے اس کی مدح میں قصیدہ لکھا اور بہت بڑا انعام وصول کیا۔ الغ خان معظم جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا، نے بھی جوز جانی کو انعام سے نوازا۔ جوز جانی نے اپنی تاریخ کو (ناصر الدین محمود) کے نام سے منسوب کر کے (طبقات ناصری) نام رکھا۔ (بحوالہ تاریخ ہندوستان، از ایلیٹ اینڈ ڈاوسن ج ۲ ص ۲۵۹)

بن لیطی (لطی) بن یونان بن ناسف (ناسف) بن نویہ بن سرجون بن رومیہ بن بریط بن نوفیل (نوفل) بن روم بن الاصغر بن البقن (البغر بمطابق طبری) بن عیص (ادوم) بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ ۔۔۔ واسکندر لقبے است ہم چو کیسر یا کسریٰ و معنی آں ملک است و ذوالقرنین را معنی است کہ خداوند دو قرن۔ یکے مشرق است و دیگر مغرب'' (۱)

پاسارگاد کے شاہی محل کے خرابہ سے کورش کا کتبہ دریافت ہونے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد نے بلاشک و تردید کورش کبیر (سائرس) کو اپنی تفسیر (ترجمان القران) میں ذوالقرنین تصور کیا ہے مگر قبیلہ تاجک سواتی کے نسب ناموں میں حسب سابق ابن البلخی کے (فارس نامہ) کی تائید میں اسکندر مقدونی کا نام لکھا موجود ہے۔ چونکہ اس نسب نامہ کو منہاج سراج جوز جانی نے بھی بے اصل قرار دے دیا ہے اس لئے یہ ضروری تھا کہ اسکندر مقدونی کا مذکورہ نسب نامہ تاجک سواتی کے نسب ناموں سے خارج کر دیا جاتا مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس بعض مورخین نے ابن البلخی کی روایت سے ہٹ کر (افغان۔ پٹھان) بننے کے شوق میں ذوالقرنین کی روایت کو رد کرتے ہوئے ایک اور اسکندر بن زمان بن عین بن بہلول سے جا ملایا اور قبیلہ تاجک سواتی کو بن یامین بن حضرت یعقوبؑ سے ملا دیا۔ اس طرح قبیلہ تاجک سواتی نہ صرف ذوالقرنین کی تاریخی روایت سے الگ کر دیا گیا بلکہ اپنی (گبری)=(زردشتی) شناخت (جو آج تک کاغذات مال اور تقسیم اراضیات و بندوبست کا مستقل اور بنیادی عنصر ہے) سے بھی محروم کر دیا گیا۔ قبیلہ تاجک سواتی کے چند مطبوعہ و غیر مطبوعہ شجرۂ نسب بحث اور تبصرہ کے لئے پیش خدمت ہیں:۔

۱۔ نسب نامہ مرتبہ محمد داؤد خان آف ملک پور (متراوی):۔

اسکندر رومی بن فیلقوس بن مصریم بن ہرمس بن ہردس بن منطون بن رومی بن لیطی بن یونان بن یاثف بن نونہ بن سرجون بن رومیہ بن نونط (بریط) بن نوفیل بن روم بن الاصغر بن ادوم (اوم) اسحاقؑ بن ابراہیم علیہ السلام

---

(۱) ''لغت نامہ تالیف علی اکبر دہخدا ص ۱۰۱ اور (طبقات ناصری) (از منہاج سراج جوز جانی ۲۷۷ حاشیہ ۱۵۔

۲۔ شجرہ نسب مرتبہ لال مرحوم جاگیر دار گل باغ (گبری) جہانگری:۔

سطان شموس بن سلطان سکندر مقدونی بن فیلقوس بن پطریوس (مصریم) بن ہرمس بن ہردس بن منطون بن لیطی بن رومی بن لیطے (اقطو) بن یونان بن یافث بن نو یہ بن سر جون بن رومیہ بن بریط بن توفیل بن روم (رومی) بن الاصغر بن ایلتفون (ایلتفق) بن عیص بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ ۔

۳۔ قلمی نسب نامہ مرتبہ حاجی علی گوہر خان مرحوم آف تا تار (متراوی جلنگیال)

اسکندر ذوالقرنین بن فیلقوس بن یاموس بن روما بن عیص بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ

۴۔ نسب نامہ مطبوعہ از جواہر خان مصنف "لمحات جواہری" سکنہ الائی (گبری) سواتی:۔

اسحاقؑ کا بیٹا یعقوبؑ کے بارہ فرزند اُن میں سے یمنؑ کے دو فرزند تھے۔ایک اعیص اور دوسرا انیس۔اعیس کی نسل سے سلطان روم تھا۔سلطان روم کا بیٹا یاملوس کا بیٹا فیلقوس کا بیٹا سلطان سکندر ذوالقرنین کے دو بیٹے اول شموس دوم سلطان براس۔سلطان شموس کی اولاد سواتی افاغنہ بنی اسرائیل اور براس کی اولاد تنولی افاغنہ بنی اسرائیل ہیں۔

۵۔ نسب نامہ مطبوعہ از سمیع الرجان مصنف "تحقیق الافغان" گبری ملکال:۔

مرحوم نے اپنی کتاب کے ص ۳۹ پر قبیلہ سواتی کا نسب لکھتے وقت ذوالقرنین کی روایت کو بالکل رد کر دیا ہے اور افغانوں کے نسب نامے میں سکندر نامی شخص کے دو بیٹے "شموس" (جد اعلی قوم سواتی) اور جلندر لکھ کر شجرہ یوں مرتب کیا ہے:۔

(۱) مسماۃ قراری والدہ اخون درویزہ (۲) بنت نارزو خان (۳) بن ملک داور پائے (۴) بن ملک بابو (۵) بن سلطان قران (۶) بن سلطان خواجہ (۷) بن سلطان تومنا (۸) بن سلطان بہرام و سلطان فلہل (۹) بن سلطان کہجا من (سلطان بلخ) بن سلطان ہندو بن سلطان جرس (۲۱) بن سلطان جمار (۱۳) بن سلطان شموس جد اعلیٰ سواتی (۱۴) بن اسکندر (۱۵) بن زمان (۱۶) بن عین (۱۷) بن بہلول (۱۸) بن سلم (۱۹) بن ملاح (۲۰) بن قارود (۲۱) بن عصیم (۲۲) بن فہول (۲۳) بن کرم (۲۴) بن عمال (۲۵) بن صدیقہ (۲۶) بن منہال (۲۷) بن قیس (۲۸) بن علیم (۲۹) بن شموئیل (۳۰) بن ہارون (۳۱) بن قمرود (۳۲) بن الی (۳۳) بن صلیب (۳۴) بن طلال (۳۵) بن لیوی (۳۶) بن

عاقل بن (۳۷) تارخ بن (۳۸) ارزند بن (۳۹) بن مندول بن (۴۰) سلم بن (۴۱) اب (افغنہ) بنی افغان بن (۴۲) ارمیاء بن (۴۳) ساؤل بن (۴۴) قیس بن (۴۵) ابی ایل بن (۴۶) صرور بن (۴۷) مکورت بن (۴۸) افیح بن (۴۹) یمین بن (۵۰) بن یعقوبؑ بنی اسرائیل اور ہارونؑ بن (۵۱) حضرت اسحاق بن (۵۲) ابراہیم علیہ السلام۔

۶۔ شجرہ نسب مرتبہ جہانزیب خان سکنہ کوٹکے (مانسہرہ) گبری جہانگیری:۔

حضرت یعقوب کا بیٹا یہورا کا بیٹا یسی کا بیٹا داؤد کا بیٹا ربیعہ کا بیٹا اعیص کا بیٹا کہرعن کا بیٹا یاملوس کا بیٹا فیلقوس کا بیٹا سلطان شمس الارض (اسکندر) کا بیٹا سلطان شموس کا بیٹا شاہ طوس (طہوس) کا بیٹا قبابوس کا بیٹا رانوس کا بیٹا کوارش (کورش) کا بیٹا خاقان (حقان) کا بیٹا قران (قبابوس) کا بیٹا شاہ ہرقس کا بیٹا عادل شاہ کا بیٹا طبار شاہ (طباد شاہ) کا بیٹا حرقان (صرنان) کا بیٹا زان شاہ (نوران انجور شاہ) کا بیٹا عابر شاہ (صابر شاہ) کا بیٹا قمر شاہ کا بیٹا زمرد شاہ (زمر شاہ) کا بیٹا ہدر شاہ کا بیٹا قباب شاہ کا بیٹا سلطان شاہ کا بیٹا جماد شاہ کا بیٹا جمار شاہ کا بیٹا (زوردس) کا بیٹا جرس شاہ کا بیٹا بحر ہند (سلطان ہندو) کا بیٹا سلطان کہجا من کا بیٹا سلطان بہرام و سلطان فھگل کا بیٹا سلطان تومنا کا بیٹا سلطان خواجہ کا بیٹا سلطان قران کا بیٹا ملک بابو کا بیٹا ملک داور پائے کا بیٹا نازو خان کی بیٹی مسماہ قراری والدہ اخون درویزہ۔

تبصرہ:۔

نسب نامہ سلسلہ ۱۔۲ ابن البلخی کی روایت کے مطابق مرتب ہوئے ہیں جو موجودہ تحقیق کے مطابق غلط ثابت ہو گئے ہین۔منہاج سراج جوز جانی نے طبقات ناصری میں ان نسب ناموں کو بے اصل قرار دیکر لکھا ہے کہ ذوالقرین کوروش کبیر ھخامنشی) تھا جس نے ایرانی امپائر کی بنیاد رکھی تھی۔کوروش کو یورپین مورخ سائرس اور اعراب خسرو لکھتے ہیں۔(کوروش کبیر (ذوالقرین) در قرآن و عہد عتیق پر گذشتہ اوراق میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔سکندر مقدونی پر بھی تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔اسکندر (۱) کے ورثا میں شموس نامی کوئی شخص موجود نہ تھا اور نہ ہی اسکی کوئی بالغ اولاد تھی جو تخت و تاج کی وارث بنتی۔

نسب نامہ مندرجہ سلسلہ نمبر ۳ از حاجی علی گوہر خان آف تا تار اگر چہ نامکمل ہے مگر چند نام جو

---

(۱) ملاحظہ ہو "ایران باستان" از حسن پیر نیا ص ۱۹۵۴۔

لکھے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نسب نامے میں بھی ''فارس نامہ'' میں دیا گیا نسب نامہ اپنا کر اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین تصور کیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ نسب نامہ بھی غلط ہے۔

۳۔ نسب نامہ مطبوعہ از جواہر خان تضادات کا مجموعہ ہے۔ اسکندر مقدونی کو ذوالقرنین تصور کر کے اسے اعص بن یمین بن یعقوب کی نسل سے ظاہر کر کے بنی اسرائیل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو بالکل غلط ہے۔ اسکندر کے دادا کا نام امین تاس (۱) تھا نہ کہ یاملوس یا یاموس یا پطریوس یا مصریم یہ سب نام غلط ہیں۔

۴۔ نسب نامہ مندرجہ سلسلہ نمبر ۴ مطبوعہ از سمیع اللہ جان مرحوم قبیلہ سواتی کو بنی اسرائیل اور افغان ثابت کرنے کی غرض سے افغانوں کے نسب نامے میں موجود سکندر بن زمان سے ملا کر سلطان شموس کو سکندر کا بیٹا لکھا گیا ہے۔ اس طرح سکندر کے دوسرے بیٹے جلند کی اولاد سے دیگر افغان جبکہ شموس کی اولاد سے سواتی افغان دکھائے گئے ہیں۔ افغانوں کے نسب ناموں اور روایت (اب) یا (افغانہ) یا قیس عبدالرشید پر تفصیلی بحث (تاریخ پشاور) از ہیسنگز میں ہو چکی ہے یہ نسب نامہ تورات سے مطابقت نہیں رکھتا قیس عبدالرشید اور ان کے تین فرزند (سڑہ بن، غورغش اور بیٹن) عبدالحئی حبیبی مصنف تاریخ افغانستان کے مطابق تیسری صدی ہجری کے بزرگ ہیں۔ اس سلسلے میں زیر نظر کتاب میں بھی بحث ہو چکی ہے لہٰذا یہ نسب نامہ بھی غلط ہے تورات کے مطابق ''اب'' یا ''افغانہ'' نام کا کوئی شخص ارمیا بن ساؤل (طالوت) کا بیٹا نہیں۔ ارمیا بھی ساؤل کا بیٹا نہیں۔ ساؤل کے تمام بیٹوں کا ذکر تورات میں موجود ہے جن میں ارمیا نام کا ذکر نہیں اور نہ ہی حضرت داؤد اور حضرت سلیمانؑ کے وزراء اور جرنیلوں میں افغنہ نام کا کوئی شخص ہے۔ اس لئے یہ نسب نامہ بھی بے اصل ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ قبیلہ سواتی تواتر سے تاریخ کی کتب میں گبر (گبری) لکھے گئے ہیں۔ تاریخ افغانستان بعد از اسلام'' از آقائے عبدالحئی حبیبی میں زابلستان کے حکمرانوں کو گبری لکھا گیا ہے۔ اسکے علاوہ تاریخ سیستان تاریخ طبرستان از بہاوالدین محمد بن حسن بن اسفندریار اور فتوح البلدان از البلاذری کے مطابق آذربائیجان جوزجان' طبرستان' بجستان وخراسان میں گبری حکمران تھے اور یہ گبری یا مغ دین زردشت کے پیروکار تھے اس لئے یہ حضرت یعقوب کی نسل کے بنی اسرائیل نہ تھے بلکہ ایران

---

(۱) ملاحظہ ہو ''ایران باستان'' از حسن پیرنیا س ۱۹۵۴ء۔

الاصل (پارسی نژاد) تھے۔ اس پہلو پر مزید بحث قبیلہ سواتی کے تاریخی حالات کے باب میں آئندہ اوراق میں کی جائیگی۔ لہٰذا گبریوں کو بے وجود افغانہ کی اولاد ظاہر کر کے افغان ثابت کرنا تاریخ کے ساتھ مذاق کے سوا کچھ نہیں۔ اکثر سواتی بھی اپنے آپ کو افغان کہلانے پر فخر محسوس کرتے ہیں کیونکہ انکی صدیوں سے قائم سلطنت اور اقتدار دسویں صدی ہجری کے اوائل (سولویں صدی عیسوی) میں افغانوں کے ہاتھوں تباہ ہوا اور وہ اپنی سابقہ تاریخ روایات سے الگ ہو گئے اور دور ابتلا میں افغانون کے درمیان اختلاط کے باعث اپنے آپ کو افغان کہنے لگے۔ ذوالقرنین کی غیر متعین شخصیت نے بھی ابن البلخی کے مرتبہ نسب نامے کے باعث حضرت اسحاق کی نسل سے (اسکندر مقدونی سے منطبق رکھا اور بعض نے حضرت اسحاق کے بجائے حضرت یعقوب کے بیٹے یہودا کی نسل سے نسب نامے جا ملائے۔ یہ نسب نامے نامکمل اور غلط ہونے کے علاوہ تاریخی تسلسل کو بھی برقرار نہیں رکھتے جو ''گبر اور ''مغ'' سے وابستہ ہے۔

نسب نامہ مندرجہ سلسلہ نمبر ۶ از جہانزیب خان گبری جہانگیری، میں قبیلہ سوادی کو یہودا کی نسل سے ظاہر کیا گیا ہے، مگر یہ نسب نامہ بھی نامکمل اور غلط ہے۔ اگر یہودا کی روایت کو برقرار رکھا جائے تو اسکی صحیح صورت درج ذیل ہوگی۔

۱) حضرت یعقوب
۲) یہودا
۳) فارص
۴) حضرون
۵) رام
۶) عمیناداب
۷) نحسون
۸) سلما
۹) بوعز
۱۰) عوبید
۱۱) یسی
۱۲) حضرت داؤد
۱۳) حضرت سلیمان
۱۴) ریحعام (رحعام)
۱۵) ابیاہ
۱۶) آساضامن
۱۷) یہوسفط
۱۸) یورام (یہورام)
۱۹) آخزیاہ
۲۰) یوآس
۲۱) امصیا
۲۲) عذریا (عزریا)
۲۳) یونام
۲۴) آخز

۲۵) خزقیاہ	۲۶) منسی
۲۷) امون	۲۸) یوسیاہ
۲۹) یہویقیم	۳۰) یکونیا
۳۱) خدایا	۳۲) زربابل
۳۳) حنانیا	۳۴) بنی سکعیاہ
۳۵) سمعیاہ	۳۶) نعریاہ
۳۷) الیوعینی	

نوٹ:۔مذکورہ بالانسب نامہ تورات کی مدد سے مرتب کیا گیا ہے۔

یکونیا سلسلہ نمبر ۳۰ کو بخت نصر قید کر کے بابل لے گیا تھا۔ اس کے ساتھ مردکی بھی قید تھا۔ مردکی ''آستر'' کا چچا تھا، جسکو (مردکی) نے بیٹی کی طرح پالا تھا ۵۳۵ ق م میں جب بابل فتح ہوا تو کورش کبیر (سائرس۔خورس۔ذوالقرنین) نے یہودیوں کو آزادی دے دی اور وطن واپس جانے کی اجازت دی۔مردکی بڑا چالاک ہشیار اور عقلمند آدمی تھا اسے بڑا عروج حاصل ہوا۔مگر ایران کی تاریخ سے یہ کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ یہودیوں کے اسیر شہزادوں میں سے کسی نے کورش کبیر یا داریوش کی بیٹی سے شادی کی ہو جس سے ''شموس'' پیدا ہوا اسکے برعکس اسکندر مقدونی ۳۶ سال کی عمر میں فوت ہوا تھا۔ ۲۰ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ ۹/۱۰ سال مسلسل جنگوں میں رہا اور مشکل سے ۶/۷ سال بابل میں رہ کر حکومت کی اور یہ دور بھی عیاشی میں گذر گیا۔ اسکی موت کے وقت اسکا کوئی بالغ وارث موجود نہ تھا اسکی عقدی اور غیر عقدی بیویوں اور ورثا کا ذکر حسن پیرینا (سابقہ مشیر الدولہ) نے اپنی تصنیف ''ایران باستان'' کے ص ۱۹۴ پر ان الفاظ میں کیا ہے:۔

''مقدمہ مرگ ناگہانی اسکندر و نبودن پسر بالغ از او کہ بر تخت نشیند و نیز وجود عدہ ای زیاد از سرداران اسکندر و رجال مقدونی کہ ہیچک از آنھا خود را کمتر از دیگرے نمیداشت باعث گرد۔۔۔۔رکسانہ آبستن بود و انتظار داشت وارثے برائے اسکندر بزاید۔ازطرف دیگر اسکندر تازہ استاتیرا (Statire) دختر داریوش را از دواج کردہ بود و سہ پسر ہم از زنان غیر عقدی داشت نخستین یعنی قدیم ترین آنھا را برسین (Barsine) بینا میدند این زن۔۔دختر ارتہ باز ایرانی و بیوہ مم نن (Memnon) بود و پسر اسکندر از وھراکلس (Heracles) نام داشت۔۔اشخاص دیگر ہم داعیہ سلطنت داشتند۔ یکے از آنھا آریدہ (Arihadee) برادر رکسانہ بعض تصور میکنند یونانی شدہ روشنک است ۔۔ این زن را دختر داریوش سوم یا دارا دانستہ اند و حال آنکہ موافق تاریخ دختر اکسیارتس بود، ناشروع اسکندر را از رقاصہ آرین نا (Arinna) بود، دومی المپیاس مادر اسکندر، سومی کلوپاتر (Cleopatre) خواہر او و ملکۂ اپیر بعد سینان (Cynane) دختر فلپ دوم (پدر اسکندر) واریٔ دیس (Eurydice) دختر سینان زن آریدہ''۔

اس سے ظاہر ہوا کہ اسکندر مقدونی کا کوئی بیٹا ''شموس'' نام نہ تھا اور شموس کو اسکندر مقدونی (ذوالقرنین) کا بیٹا لکھنا درست نہ تھا۔ ایک شخص سامی یوس (Samius) کا ذکر نینوا کے امیر البحر کی حیثیت سے ''لغت نامہ'' میں موجود ہے (۱) یہ شخص نینوا کا امیر البحر تھا اور اردشیر اول اور دوم کے عہد کی شخصیت ہے نہ کہ کورش کبیر کے عہد کا۔

اخون درویزہ نے اپنی والدہ کا شجرہ لکھتے وقت سلطان بہرام اور ذوالقرنین کے درمیان ناموں کی ترتیب یوں لکھی ہے۔ ''سلطان بہرام بن سلطان کہجامن بن سلطان ہندو بن سلطان جرس بن سلطان جمار۔ سماع است سلطان جمار از اولاد سلطان شموس است و سلطان شموس پسرے بود از پسران سلطان اسکندر ذوالقرنین۔

یہ پہلا مطبوعہ نسب نامہ ہے جو قبیلہ سواتی کے اجداد سلطان پکھل و سلطان بہرام کے متعلق لکھا گیا ہے۔ اخوند درویزہ ایک علمی شخصیت تھے۔ وہ خود ترک خاندان سے تھے مگر ان کی والدہ مسماۃ قراری، سلطان بہرام کی نسل سے تھی۔ اپنی کتاب ''تذکرہ'' کے ص ۱۰۵ پر لکھتے ہیں ''ومی گویند کہ قرابت مادری ما بسلاطین بلخ بازمی گردد'' اور صفحہ ۱۰۷ پر شیخ محمد مشہور کا بدھوں کے ہاتھوں شہید ہونے کا واقعہ لکھ کر ان بدھوں پر سلطان بہرام کی چڑھائی کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔

''سلطان بہرام و سلطان فکھل (پکھل) ہر دو برادران بودند از سلطانان (پج) دراصل یہ لفظ ''پج'' ماسوائے حرف 'پ' کے بے نقط رہ گیا ہے اور یہ لفظ پیچ'' ہے جو کنڑ کی ایک وادی کا نام ہے میجر راورٹی نے اپنے ''نوٹس'' کے ص ۵۱ پر اسے Pich لکھا ہے عبدالحئی حبیبی نے بھی اسے اپنی کتاب'' تاریخ مختصر افغانستان'' کے ص ۱۹۲ پر پیچ لکھا ہے جو درست ہے۔ اخوند درویزہ کی تحریر سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ درہ کنڑ کے سلاطین، بلخ کے سلاطین کی نسل سے تھے، اسکندر اعظم کے حملے کے وقت بلخ کا حکمران،

---

(۱) ''لغت نامہ'' از علی اکبر دھخدا ص ص ۱۷۲۷

(Besus) تھا جسکو اسکندر نے قید کر کے ہمدان میں پھانسی دے دی تھی کیونکہ (Besus - بسوس) نے اردشیر سوم کو قتل کر کے اردشیر چہارم کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا (۱) یہ بسوس (Besus) بھی قیا سأ سکندر ذوالقرنین (کورش بزرگ) کے بیٹے شموس کی پانچویں یا چھٹی پشت سے ہوسکتا ہے کیونکہ یہ دونوں نام (شموس) اور (بسوس) پہلوی زبان کے ایک ہی ریشہ سے تعلق رکھتے ہیں اور (شموس) ابن ذوالقرنین کی روایت قبیلہ سواتی کے نسب ناموں میں درست اور قدیم روایت ہے۔

ھخامنشی خاندان کی تاریخ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ۔نسب نامہ مرتبہ لعل خان جاگیردار گلی باغ کے مطابق ذوالقرنین کے ۲۳ بیٹے تھے جن میں ایک ''شموس'' تھا اور ''جمار'' اسی سلطان شموس کی اولاد سے تھا۔سلطان جمار تک قبیلہ تاجک سواتی کا نسب نامہ مکمل ہے۔شموس کے ساتھ ساتھ ''جمار'' کی تلاش بھی راقم الحروف نے کی مگر قدیم کتب تاریخ یا لغت نامہ میں ''جمار'' کا تذکرہ نہیں ملا۔البتہ فضائل بلخ پر لکھی گئی ''کتاب'' ''بخش بلخ'' جو عبداللہ ابن محمد بن القاسم الحسینی کی تصنیف ہے اور سال ۶۷۷ھ میں عبداللہ حسینی بلخی نے قصبۂ کفشگراں ٔ بلخ) میں اس کتاب کو عربی سے دری میں ترجمہ کیا اور اسکا نام ''بحر الاسرار'' رکھا۔اس کتاب کے ص ۳۷ پر ایک بزرگ کا نام ''حمار'' درج ہے۔عبارت درج ذیل ہے:۔

''چنانچہ ''حمار'' گفتہ روزی بہ ابوبکر حشیش گزشتم ،مرا گفت یا خراسانی بیا تا ترا مزدہ دہم۔بخدمت اوشتافتم۔فرمود ایوب صابرؒ از اہل بلخ است۔ایوب وھابیل وگشتا سب درمیدان آسودہ اند در مقبرۂ سرتل''

اور اسی کتاب کے صفحہ نمبر ۳۷ پر تحریر ہے:۔

''وجمار'' کہ یکے از ثقات علیہ است فرمود: کہ برابوبکر حشیش میگذشتم کہ مرا گفت: یا خراسانی بیا تا ترا مژدہ دھم بخدمت اوشتافتم فرمود ایوب صابر از اہل بلخ است''

مذکورہ بالا عبارات میں ایک جگہ ''حمار'' ہے اور دوسری عبارت میں ''جمار'' ہے اور قدیم فارسی لکھائی میں ''ر'' اور ''د'' کی بھی چنداں تفریق نہیں ہوسکتی اس لئے ممکن ہے کہ یہ نام جماد ہو یا حماد ہو یا جماد ہو۔ بہر کیف یہ نام اس قیاس کو تقویت نہیں بخشتا کہ یہ قبیلہ سواتی کے نسب نامہ کا ''جمار'' ہوگا۔البتہ ایک بات

---

(۱) لغت نامہ از علی اکبر دہخدا ص ۲۷۷

واضح ہے کہ تاجک سواتی کا نسب نامہ ذوالقرنین پر منتج ہوتا ہے جسکا ثبوت گذشتہ بیان کردہ تاریخی حوالوں اور نسب ناموں میں تواتر سے ملتا ہے۔لہٰذا ذوالقرنین کی روایت کو بیک جنبش قلم رد نہیں کیا جا سکتا جس طرح مرحوم سمیع اللہ جان مصنفت ''تحقیق االافغان'' نے کیا ہے اور ذوالقرنین کے بجائے افغانوں کے شجرۂ نسب میں اسکندر بن زمان کو سلطان ''شموس'' کا باپ قرار دیکر قبیلہ سواتی کو افغان اور بن یامین کی نسل بنا دیا ہے۔مرحوم موصوف خود بھی سواتیوں کی گبری شاخ سے تعلق رکھتے تھے اور ''گبری'' یا ''گبر'' کی وجہ تسمیہ کو بالکل نظر انداز کر کے بنی اسرائیل بن گئے حالانکہ (گبر یا گبری) کا دین موسوی سے کسی قسم کا مدنی رشتہ نہیں۔اس اصطلاح کا تعلق محض زردشتی مدنیت سے ہے جو پارسی الاصل ہے۔ذوالقرنین کی روایت صرف قبیلہ سواتی کی روایت ہی نہیں بلکہ بدخشاں کے حکمرانوں کی بھی یہی روایت ہے جن کو میجر بلیو(Major bellew) اور میجر راورٹی(Majowr Raverty) دونوں نے اسکندر ذوالقرنین کی نسل سے لکھا ہے اور ان کے پسماندگان کو تاجک لکھا ہے مگر یہ تاجک میدانی علاقے کے تاجکوں سے زبان، رسم ورواج اور شکل وصورت میں جدا حیثیت رکھتے ہیں۔ان کی زبان قدیم فارسی لہجہ (جو پہلوی سے مشتق ہے) تھی۔تاریخ حافظ رحمت خانی سے ثابت ہے کہ یوسف زئیوں کے حملہ کے وقت سواتی دو زبانوں میں گفتگو کرتے تھے سلاطین (گبری) میں (عوام) دری میں گفتگو کرتے تھے۔اس عبارت کو اگر میجر بلیو کی مندجہ ذیل عبارت سے یکجا کر کے تجزیہ کیا جائے تو اس نتیجہ پر پہنچنا آسان ہوگا کہ قبیلہ سواتی نے اپنی ملی روایات کو ۵۵۰ ق م سے دسویں صدی ہجری تک اپنی ثقافت زبان اور ملی شناخت کو برقرار رکھا اگر چہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر (گبر اور گبری) شناخت آج تک بدستور قائم ہے۔

میجر بلیو نے اپنی کتاب "The Races of Afghanistan" کے ص 109-112 میں تحریر فرمایا ہے:۔

"The Tajik or as he is frequalntly called Parsiwan, Constitutes a numierous and widely spread portion of the inhabitants of Afghanistan, from whom they differ in language, interenal government, and manners and customs, They are the representatives of the ancient Persian

inhabitants of the Country, as the Afghans are of its ancient Indian inhabitants."

اور صفحہ نمبر ۱۱۰ پر بدخشاں کے لوگوں کے متعلق لکھا ہے:۔

"They are professedly Musalmans of either the Sunni or Shia sects, claim to be descendants of Alexander The Great and his Greek Soldiers, differ in appearance, as well as in some of their manners and customs, from the Tajiks of the plain Country and speak different dialects of Persian which are supposed to be offshoots of the anctient Pahlavi. They are known as the Badakhshi, the Wakhi, the Shughni, the Roshani and so on of Badakhshan, Wakhan, Shughnan, &c. and in this respect differ from the Tajziks of the Plain, who has no such Sub-Divisional distinctions but is simply a Tajik, whether of Herat, Kandhar, Kabul or elsewhere."

جہاں تک میجر بلیو اور میجر راورٹی نے اسکندر ذوالقرنین کو اسکندر مقدونی قرار دیا ہے، گذشتہ اوراق میں ان پر تفصیلی بحث ہر چکی ہے۔ دہرائی طوالت کا باعث بنے گی۔ ذوالقرنین اسکندر مقدونی نہیں بلکہ کورش کبیر ہے ابوالفضل کی آئین اکبری، عالمگیر نامہ اور ''سیر المتاخرین سے ثابت ہے کہ کورش کبیر نے اپنی اولاد میں سے چند ایک کو بہ ہمراہی خویش وسپاہ اس علاقے میں چھوڑ دیا تھا۔ اس سے سلطان شموس کی روایت کو تقویت ملتی ہے کہ اسے کورش کبیر (Cyrus) نے بدخشاں اور بلخ کی فتح کے بعد اس علاقے کا حکمران بنا کر چھوڑ دیا ہوگا۔ اس لئے اخوند دویزہ نے جہاں قبیلہ تاجک سواتی کو ذولقرنین اور اسکے بیٹے ''شموس'' کی نسل قرار دیا ہے وہاں اپنی تصنیف (تذکرہ) میں ''سلطان پکھل اور سلطان بہرام'' کو از اولاد سلاطین بلخ بھی لکھا ہے اور اپنا تعلق بھی اپنی والدہ کی نسبت سے سلاطین بلخ سے جوڑا ہے۔ ذوالقرنین کی نسل سے ہونے کے باعث یہ قبیلہ تاجک گبری کہلایا جنہوں نے اپنی مدنیت اور گبری لہجہ

(زبان) کو برقرار رکھا اور یہی ان کی قومی اور ملی شناخت تھی۔ مسلمان ہونے کے بعد انکی مدنیت اور مذہب بدل گیا مگر انکی قبیلوی شناخت لفظ ''گبری'' سے وابستہ رہی۔ لفظ تاجک تمام پارسی وانوں کے لئے استعمال ہوتا ہے خواہ وہ ذولقرنین کی نسل سے ہوں یا نہ ہوں مگر (گبری) یا (مغ) کی اسطلاح تاجک کے ایک مخصوص طبقہ سے تعلق رکھتی ہے جو حکمران اور مرزبان گھرانے سے تعلق رکھتے تھے اور ان کی سماجی اور نظامی تقسیم دو طبقوں سے متعلق تھی ایک ''سلطان'' یا ''سلطانی'' اور دوسرا (دیگان یا دہگان یا دہقان) تھا اور یہ طبقاتی تقسیم اعلیٰ اور ادنی کے امتیاز کو ملحوظ خاطر رکھ کر نہ کی گئی تھی بلکہ محض سیاسی اور نظامی تقسیم تھی جو ایران قدیم، بلخ، بدخشاں اور سیستان میں مروج تھی۔ نسلی اعتبار سے ''سلطان'' اور ''دہقان'' ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے مگر حکمرانی کے لئے مخصوص طبقہ کو ''سلطان'' اور ''سلطانی'' خطاب سے مخاطب کیا گیا جبکہ دہگان یا دہقان کو با اختیار مرزبان اور فرمانروائے اقلیم کہا گیا۔ کیونکہ ایک بادشاہ کا ایک ہی بیٹا بیک وقت حکمران اعلیٰ بن سکتا تھا جبکہ باقی رشتہ دار یا اولاد عرف عام میں گذارہ خور، صوبوں، ولایتو، مخصوص اندرونی علاقوں اور شہروں کے فرمانروا ہوتے تھے جن کو دہگان کہا گیا۔ یہ آجکل کے عرف عام میں مزارعہ محض نہ تھے جن کو کاشتکار اور Peasant کا درجہ دیا گیا ہے بلکہ ان کی کم از کم حیثیت رئیس دیہہ کی تھی اور اپنے مقبوضہ علاقے میں اختیار کل کے مالک ہوا کرتے تھے اور دشمن اور دوست کے ساتھ معائدہ کرنے پر قادر لوگ ہوا کرتے تھے۔

قبیلہ تاجک سواتی میں ''سلطان'' اور ''دہگان'' کا تاریخی پس منظر:۔

''تاریخ مختصر افغانستان، میں عبدالحئ جیبی نے ص ۱۹۲ پر سلطان پکھل اور سلطان بہرام کا ذکر کرتے ہوئے ان مقامی حکمرانوں کے متعلق لکھا ہے:۔

''آنہار بلقب (سلطان) میخواندند۔ ایں دودمان در درۂ پیچ کنر (کنڑ) مرکز داشتند و افسانہائے محلی آنہارا باولاد ذواقرنین منسوب میدانستند'' اس عبارت سے واضح ہو جاتا ہے کہ سلطان بہرام و سلطان پکھل ہر دو برادران ابن سلطان کہجامن ابن ہندو کا خاندانی خطاب ''(سلطان) تھا اور ذوالقرنین کی نسل سے منسوب تھے مگر یہ اسکندر مقدونی نہیں جیسا کہ (Najor Bellew) اور Major Raverty) نے اپنی تصانیف میں ذکر کیا ہے۔ میجر راورٹی لکھتا ہے:۔

"When the Khashi tribe of the Afghans acquired pre dominance in Bajawar, Suwad and Buner and Parts adjacent, and Babar Badshah overcame Haider Ali, the Gibari Sutan of Bajawar, and occupied his strong hold (ie. gibar fort), and Sultan Awes, Son of Sultan Pakhal, the last Sultan of Suwad , also of the Gibari tribe, had to abandon his kingdom and take shelter in the Dara'h of N, Hak, Niaka'h or Niak, further north, the people of the territories in question consisting of the tribes of Tajzik race, also known as Dikkans and Dihgans, were either wholly expelled from them or with few exceptions abondoned their old seats to find new homes, where they might dwell in safety from Afghan invaders from the west-ward. As the tracts immediately west of the indus and north of Buner, extending from the eastern boundary of the Kashkan or Chitral State to Tahakot belonged to, and were Still inhabited, by people of their own race, who had not been interefered with(and have not, to this day, to any considerable extent), they were of necessity forced to cross the Indus, to find a new country, those of their own race, not having room for them to dwell with them.

"They began to cross the great river in the direction of Tahakot .... and following the example of Afghan invaders of their own country, they overcame the tribes of

Khakah and Bamdbah, whose chief had been the ancient ruler of these parts east of the Aba-Sin, Forced them back, and took possession of the territory of Pakhal for themselves.(1) Having for the most part, come from suwad, they were styled Suwadis or Suwathis ,, by their immediate neighbours; but they consisted chiefly of the triles refered to at page 117 and 237.

اس طویل اقتباس سے چند اہم باتیں سامنے آئی ہیں:۔

۱۔ باجوڑ کا حکمران حیدر علی ملک اور سوات کا حکمران سلطان اویس دونوں گبری سواتی ہیں۔

۲۔ سوات اور باجوڑ کے باقی لوگ بھی تاجک کی مختلف ساخیں ہیں (جنکو متراوی اور ممیالی لکھا گیا ہے) اور یہ دہگان اور دہقان بھی کہلاتے ہیں۔

۳۔ یہ لوگ (تاجک سواتی) سوات اور باجوڑ میں حکمرانی ختم ہونیکے بعد میدانی علاقوں سے نکل کر اپنے ہی ہم نسبوں کے ساتھ رہ رہے تھے جو علاقہ بنیر کے شمال میں چترال کے مشرقی پہاڑوں سے تھاکوٹ تک پھیلا ہوا تھا۔ (یعنی چغرزئی کے علاقہ سے لیکر کوہستان سوات چترال کے دمیان بشمول ضلع (شانگلہ موجودہ) مگر علاقہ کی تنگی کے باعث دریا سندھ عبور کر کے پکھلی پر قبضہ کرلیا۔

۴۔ پکھلی قوم کھکھا اور قوم بمبہ سے فتح کی جو دریائے سندھ کے مشرق میں قدیم حکمرانوں (ترکوں) کے ماتحت تھے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قوم (بمبہ) اور (کھکھا) بہت پہلے سے پکھلی میں ترکوں کے کاردار کی حیثیت سے رہ رہے تھے اور قوم بمبہ کی روایت جو تاریخ ولیس ہزارہ میں لکھا ہے کہ قوم یمہ دراصل قریش ہیں اور ان کا مورث سلطان کاشف جہانگیر کے دور میں پکھلی آیا تھا اور (سلطان کمال ترک کی بیٹی سے شادی کی تھی) درست نہیں۔ کیونکہ وہ جہانگیر کے وقت سے بھی قبل پکھلی کے ترکوں کے کاردار

(1) Raverty writes in the foot note: "The Jahangirian Sultans in ancient times possessed an empire extending from Nangarhar to Jehlum, but at the time the Khaki overran Suwad, their Sway did not extend beyond the Indus on the east.

چلے آ رہے تھے۔ امپیریل گزیٹیر آف انڈیا میں بھی یہ تحریر ہے کہ پکھلی میں بمبۂ اور کھکھا ترک فرمانرواوں کے کاردار تھے اسکندر مقدونی کے حملہ کے وقت بدخشاں اور کنڑ کا حکمران (خوری نس Khorienes) تھا۔ اسکندر نے پہاڑی دروں میں بسنے والے لوگوں کو مطیع بنایا اور بدخشاں اور کنڑ کی حکمرانی دوبارہ خوری نس (Khorienes) کے سپرد کر دی۔ بدخشاں اور کنڑ کے پہاڑی دروں میں بسنے والے لوگ کورش (Cyrus) کی اولاد اور اسکے رشتہ داروں اور سپہ کی نسل سے تھے جن کو کورش (سائرس) بلخ کی فتح کے بعد وہاں چھوڑ گیا تھا اور جس کا تذکرہ ابوالفصل نے آئین اکبری اور بعد میں عالمگیر نامہ اور سیر المتاخرین میں ہوا ہے۔ (خوری نس) = (Khorienes) حکمران بدخشاں اور بسوس (Besus) حکمران بلخ ذوالقرنین (کورش بزرگ) کی نسل سے ہیں اور قبیلہ تاجک سواتی انہی کے بنیرگان اور پسماندہ گان ہیں۔

بلخ اور بدخشاں کی مہمات سے فراغت کے بعد اسکندر مقدونی ہندوستان کی مہم پر روانہ ہوا۔ اُس نے ہندوکش (Parapamisas) کو دس دن میں عبور کیا۔ اور چاریکار کے قریب اسکندر (Alxandria) میں قیام کیا۔ یہ جگہ کابل کے شمال میں واقع ہے اور یہیں سے دریائے کابل کی وادیوں کی مہم کا آغاز ہوا۔ کوہ دامان میں اسکندر نے اپنی فوجوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا۔ فوج کے بڑے حصہ کی کمان ہفس تیون (Hyphaestion) کے سپرد کر کے اسے ٹیکسلا کی شاہراہ کے راستے (درہ خیبر سے) سیدھا بھیج دیا جبکہ دوسرے حصہ کی کمان خود سنبھال کر راستہ کے شمالی علاقوں میں بسنے والے قبیلوں کو مغلوب کرتے ہوئے آگے بڑھا (۱) اسکندر نے لغمان کے اسپاسین، پنجکوڑہ کے گوارین اور سوات کے اساکینین کو مغلوب کیا ان قبائل کے علاوہ کنڑ کے مشرق میں نیسائین (Nysan) بھی ملے جنھوں نے اپنے آپ کو یونانی الاصل بتایا یونانی نژاد لوگوں کا یہاں موجود ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ سائرس (Cyrus) کے دور سے قبل یہ علاقے آسوری اور (ماد) کی امپائر کا حصہ تھے جن کی حکمرانی یونان تک تھی اور اکثر یونانی اُن کی افواج میں ملازم تھے۔ ہخامنشی دور میں بھی داریوش اور اردشیر اول، دوم وسوم کی افواج کا بڑا حصہ یونانی سپاہیوں پر مشتمل تھا اور اسکندر اعظم کے ساتھ جنگ میں بھی (امین تاس) کے زیر کمان یونانی فوجی اسکندر کے خلاف صف آراء تھے۔ اس لئے نیسائن کا بکوس (Bacus) آسوریوں یا

Gates of India by Col: Thomus Holdich (۱)

ماد کا ملازم سپہ سالار ہو گا جس نے یہ علاقے آسوریوں یا ماد کے لئے فتح کیئے ہونگے اور کچھ یونانی ان علاقوں بس گئے ہونگے۔

اسکندر اعظم کے ان نسائن (Nasaen) اساسین اور گوارین کو ہخامنشی دور کے تاجک گبریوں کا مطیع اور رعایا گردانا درست ہوگا۔ قبیلہ تاجک گبری ذوالقرنین کے نسب سے ہونے کے باعث ان شمالی علاقوں میں ان قدیم باشندوں کے حکمران تھے اور اسکندر اعظم کے حملے کے وقت تک حکمران چلے آ رہے تھے۔ اگر ان حکمرانوں نے روایتاً اپنے آپ کو اسکندر ذوالقرنین کی اولاد ظاہر کیا ہے تو یہ اسکندر مقدونی نہیں بلکہ کورش کبیر (Cyrus) ہے۔ کیونکہ اسکندر مقدونی کے حملے کے وقت بلخ کا حکمران بسوس (Besus) اور بدخشاں کا حکمران خوری نس ہخامنشی خاندان سے تھے۔ سلطان پکھل اور سلطان بہرام تاجک گبری قبیلے کے حکمران کنڑ تھے جو کنڑ کے درہ پیچ کے سلاطین کے خاندان سے تھے جن کا نسب عبدالحئی اور اخوند درویزہ کے مطابق اسکندر ذوالقرنین سے ملتا ہے (۱)

''سلطان'' یا ''سلطانی'' کے علاوہ قبیلہ تاجک سواتی کا ایک اور سماجی پہلو قابل وضاحت ہے۔ ان کو دہگان یا دہقان بھی لکھا گیا ہے۔

میجر بلیو (Maj. Bellew) اپنی تصنیف "Races of Afghanistan" میں لکھتا ہے:۔

"Among the Tajiks are some agricultural communities who are called Dihwar in the west of Afghanistan, and Dihganas Dihcan in the eastern Provinces"(2)

مذکورہ بالا بیان سے تاجک کے متعلق دو قسم کے نظریات سامنے آئے ہیں ایک یہ کہ تاجک عربوں اور ایرانیوں کے اختلاط سے جو نسل پیدا ہوئی وہ تاجک کہلائی۔ مگر میجر بلیو نے اس نظریے سے اتفاق نہیں کیا۔

---

(۱) اخوند درویزہ (تذکرہ) ص ۱۰۷ اور عبدالحئی حبیبی (تاریخ مختصر افغانستان ص ۱۹۲)

(2) Races of Afghanistan by Maj. Bellew P 109-112

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ تاجک خالصتاً پارسی (ایرانی) ہیں اور دہقان کا نام صرف اُن فارسی وانوں کیلئے استعمال ہوتا تھا جو زراعت سے منسلک تھے یا کاشتکار تھے۔ یہ لفظ صرف ان علاقوں میں استعمال ہوتا تھا جو فارسی (ایرانی) اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔

میجر بلیو(Major Bellew) کا یہ دوسرا نظریہ قدیم تاریخ سے مطابقت رکھتا ہے اور درست استدلال پر مبنی ہے۔ قبیلہ سوادی کی تینوں شاخیں (گبری، ممیالی۔ متراوی) دراصل تاجک ہیں۔ ان میں ''سلطان (سلطانی) اور دہگان کی تقسیم محض نظامی اور معاشی تقسیم سے متعلق ہے۔

سلطانی اور دیگان (دہگان) کے خطاب کا استعمال:۔

''سلطانی'' یا ''سلطان'' گبریوں میں حکمران طبقہ کا خطاب تھا۔ میجر راورٹی لکھتا ہے:۔

"Sultan here do not refer to monorchs any more than Shah and Badshah by which title the chiefs of Kashkan are known, as well as sayyids. It is a mere title by which the Gibari Chief and their families were styled."

(یعنی سلطان کا مطلب مطلق العنان حکمران نہیں۔ بلکہ یہ کاشکار (چترال) کے حکمرانوں کے خطاب ''شاہ'' اور ''بادشاہ'' کی طرح ایک خطاب ہے۔ یہ محض ایک خطاب ہے جس سے گبری اپنے سرداروں اور انکے خاندان کو ظاہر کرتے تھے)

بالفاظ دیگر ''سلطان'' حکمران کے لئے استعمال ہوتا تھا اور سلطانی اسکے خاندان کے افراد کو دوسرے سے ممیز کرنے کے لئے استعمال ہوتا تھا عالمگیر نامہ میں بھی اس کا تذکرہ ان الفاظ میں موجود ہے:۔

''آخر الامر در سرزمین سواد و بجورا قامت ریختہ۔۔۔۔۔ ودر آں سرزمین گروہے کہ لقب سلطانی یافتند وخودرا از نژاد دختری سلطان سکندری پنداشتند مرزبان بودند۔۔۔ بہ چیرہ دستی وخیرہ زُوئی بر سلطانان انجاں تصرف واستیلاء یافتند''یعنی (یوسف زئی کا تذکرہ کرتے لکھتا ہے کہ یوسف زئی بالا آخر سواد اور باجوڑ میں اقامت پذیر ہوئے اور وہاں کے ایک گروہ جس کا لقب ''سلطانی'' تھا اور اپنے آپ کو سلطان سکندر کی دختری اولاد ظاہر کرتے تھے، سے یہ علاقہ قبضہ میں لیکر خود متصرف ہو گئے۔)

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ سواتی کی سیاسی اور معاشرتی تقسیم میں دو طبقوں کا وجود تھا۔ ایک وہ جو

حکمران تھا اور ''سلطان'' یا سلطانی'' کے خطاب سے مخاطب ہوتے تھے اور دوسرا طبقہ جس کو دیگان یا دہگان کہتے تھے۔ اس طبقے کے کنڑول میں اراضیات کا انتظام اور مالیات کی وصولی کا کام ہوتا تھا۔ یہ دیگان یا دہگان محض مزارع کی حیثیت نہ رکھتے تھے بلکہ اپنے مخصوص دائرہ ملکیت میں خودمختار حیثیت رکھتے تھے۔ اور دہگان لقب افتخار گردانا جاتا تھا۔

دہگان کی وضاحت:۔

اردو دائرہ معارف (انسائیکلوپیڈیا) جلد اول میں دہگان اور دہقان کی وضاحت کیگئی ہے۔ دہگان فارسی لفظ ہے جسے معرب کر کے دہقان بنایا گیا ہے۔ اور یہ لفظ رئیس دیہ (نمبردار یا مقدم) کے لئے استعمال ہوتا تھا۔ ساسانیوں کے نظام جاگیرداری میں دہگان کی حیثیت ابتدائی اکائی(Unit) کی تھی اور وہ اپنے گاؤں کی زمینوں کا مالیہ اکھٹا کرتا تھا۔ مسعودی نے (مروج الذھب) میں لکھا ہے کہ ان کے پانچ طبقے تھے۔ ساسانیوں کے بعد جب عربوں نے ایران پر قبضہ کیا تو انہوں نے ساسانیوں کے نظام مالگذاری میں کوئی تبدیلی نہیں کی اور دہگانوں کی حیثیت برقرار رکھی البتہ لفظ دہگان کو معرب کر کے دہقان لکھنے لگے۔ مگر رفتہ رفتہ معاشی نظام میں تبدیلی کے سبب دہقان کی حیثیت ایک مزارع تک محدود ہوگئی جواب بھی قائم ہے۔ دراصل ساسانیوں نے بھی یہ نظام اسوریوں اور بابلیوں سے اپنایا تھا۔ اسکی ابتدا عبرانی لفظ ''دیگان'' سے ہے۔

مالگذاری کا نظام دیگانیہ (Deganya) اب بھی اسرائیل میں رائج ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹیکا (مائیکروپیڈا)۔ ریڈی ریفرنس انڈکس III ص 435 پر دیگانیہ کی تشریح حسب ذیل ہے:۔

"Deganya . Colloctive name of two Kibbutzim in Israel.

اور Kibbutzim کی تشریح انگلش ڈکشنری میں اس طرح ہے

Kibbutzm. Jewish Collective System of Agricultural Settlement

یعنی زرعی بندوبست کے اجتماعی نظام کو اسرائیل میں Kibbutzim کہا گیا ہے۔ اور جب دو یا دو سے زیادہ زرعی اجتماعی نظاموں کو اکٹھا کیا جائے تو یہ نظام ''دیگانیہ'' کہلاتا ہے۔ اور ''دیگان'' اس نظام کی اکائی ہے۔

عربوں نے جب ایران فتح کیا تو خراسان ''آذر بائجان'' طبرستان اور سیستان میں انہیں اکثر جنگیں دہقانوں اور مرزبانوں سے لڑنی پڑیں اور صلح نامے بھی دہقانوں سے کئے جاتے تھے۔ البلاذری نے (فتوح البلدان) کے ص ۴۳۲ پر دہقان کی تشریح اس طرح کی ہے۔

(دہقان۔ وہ شخص جو امور میں تصرف بکی و چستی کے ساتھ قادر و توانا ہو۔
دانائے کار، بازرگان، کشاورز اقلیم، رئیس دہ۔ یہ دہگان کا معرب ہے)

المثنیٰ نے زندَورد کے باشنوں کو مطیع کیا اور عروہ بن زید الخیل الطائی کو الزّوابی کی طرف بھیجا اور انہوں نے الزّوابی کے دہقان سے چار درہم فی کس کے حساب سے صلح کر لی۔

جلولا کی جنگ کے واقعات میں بھی لکھا گیا ہے کہ یزدجرد حلوان سے بھی بھاگ نکلا، ہاشم بن عتبہ تعاقب کرتے ہوئے دجلۃ الشرقی کی جانب سے نواحی السواد میں چھاپے مارتے ہوئے آگے بڑھا اور مہرود پہنچا۔ یہاں کے دہقان نے دراہم ادا کر کے صلح کر لی۔ جلولا کی جنگ ۱۶ھ میں لڑی گئی۔

'' کہتے ہیں دہاقین میں سے جمیل بن بَصُبَری دہقان الفلالیج، والنہرین اور بسطام بن نرسی دہقان بابل وخطیرنیہ اور الرفیل دہقان المال اور فیروز دہقان نہر الملیک وکوتی نے اسلام قبول کیا''۔

مذکروہ بالا عبارت سے دہقان کی اصلیت اور حیثیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ساسانی دور میں ان کی کیا پوزیشن تھی اور یہی حیثیت اسلام کے ابتدائی دور میں بھی قائم رہی۔ کچھ گبریوں نے (جو بابل اور السواد (عراق بین النہرین) سے تعلق رکھتے تھے) اسلام کے ابتدائی دور میں اسلام قبول کر لیا تھا مگر طبرستان اور سیستان (زابلستان) کے گبری حکمران بدستور دین زردشت پر قائم رہے اور تیسری صدی ہجری کے وسط تک مسلمان نہیں ہوئے تھے بعد میں سامانیوں کے عہد میں مسلمان ہوئے۔ سامانی بھی ایرانی النسب گبری (مغ) تھے مگر مسلمان ہو چکے تھے۔ سوادی بھی ابتدا میں عراق (السود) کے باشندے تھے جو بعد میں ھخامنشی اور ساسانی دور میں سیستان (زاربلستان) میں حکمران بنے اور صدیوں ان علاقوں پر حکمران رہنے کے بعد رتبیل نہم (جس کا نام گبر تھا)(۱) یعقوب لیث کے ہاتھوں شکست کھا کر قید ہوا اور زابلستان سے رتابلہ کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ ان واقعات پر مزید تبصرہ قبیلہ سوادی کے تاریخی واقعات کے سلسے میں آئندہ باب میں کیا جائیگا۔

---

(۱) [illegible]

گبری سواتی سامانیوں کے ہم قوم اور ہم مذہب ہونے کے سبب شریک اقتدار رہے ہیں اور مختلف علاقائی خطوں کے حکمران بھی رہے اس لئے جاگیردارانہ نظام مالگذاری ان کی سیاسی زندگی کا مستقل عنصر رہا ہے۔ تخت و تاج کی حکمرانی تو مخصوص خاندان تک محدود رہی مگر قبیلہ کے دیگر افراد گاؤں قریہ یا علاقے کا زمیندار ہونے کے سبب مرزبان اور دہگان کہلائے جو اپنے محدود دائرہ تصرف کے اندر خود مختار حیثیت سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شہروں اور گاؤں کے دہاقین نے عرب فاتحین کے ساتھ اپنے طور پر صلح نامے انجام دئے۔ ان دہگانوں کی کم از کم حیثیت رئیس دہ تھی اور آجکل کے غیر مالک مزارع کی طرح بے حس و بے جان نہ تھے۔ مگر بعض مورخین نے (خصوصاً انگریزی دور کے مورخین نے دہگان کے اصل پس منظر سے لاعلمی کے سبب ان کو محض Peasants لکھا ہے ''تواریخ خورشید جہاں'' کے مصنف نے ایک فقرے میں قبیلہ سواتی کے متعلق دوہری رائے قائم کرتے لکھ دیا ہے:۔

(بداں کہ طائفہ سواتھی را بعض مردم دیگان ہندی نسب تصور نمودہ وایشاں خود را دہقان تاجیک می دانند)

قبیلہ شلمانی کی وجہ تسمیہ لکھتے وقت لکھا ہے کہ ''شلمانی کہنہ در تاریخ افغانان دہگان گفتہ شدہ اند'' مگر دیگان کی تصریح نہیں کی گئی۔ دیگان یا دہقان کو نسب تصور کیا ہے حالانکہ یہ ان کا پیشہ تو ہو سکتا ہے مگر نسب نہیں ہے۔

میجر بلیو (Major Bellew) نے دہقان کی اصطلاح کو خالصتاً ایرانی اصطلاح قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس کا استعمال صرف ان علاقوں میں ہوتا تھا جو ایرانی اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ اصطلاح افغانستان اور ترکستان میں استعمال ہوتی تھی مگر ہندوستان میں اسکا استعمال نہ تھا۔ غالباً تواریخ خورشید جہاں کے مولف کو دہگان یا دہقان کے تاریخی پس منظر کا علم نہ تھا اس لئے اس نے ان کو دہقان ہندی لکھ دیا ہے۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قبیلہ سواتی بدخشاں اور کنڑ اور بلخ کے تاجک ہیں اور تاجک کا یہ مخصوص طبقہ ہے جو اسکندر ذوالقرنین کی نسل سے ہیں جبکہ یکر تاجک ضحاک تازی کی نسل سے ہیں۔ قبیلہ سواتی ذوالقرنین کی نسل سے ہونے کے سبب بلخ، سیستان، بدخشاں اور کنڑ کے علاقوں میں حکمران تھے۔ اس لئے حکمرانوں اور مرزبانوں کی سماجی و سیاسی تقسیم ان میں ان کے آخری دورِ اقتدار تک قائم رہی جب کہ نسباً (سلطان) اور (دہقان) ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے۔ میر ہندہ دودال حاکم، اشغر رتبے کے اعتبار سے

دہقان تھا(ا) مگر دودال قبیلہ کی مناسبت سے وہ سلطان داؤد کی نسل سے تھا جس کا تذکرہ ''سیر المتاخرین''
ص ۶۴ پر ہو چکا ہے۔ سلطان داؤد کا رتبہ (سلطان) تھا۔ گبری اور دری زبان میں لفظوں کو مختصر لہجہ میں ادا
کرنے کا رواج تھا جس کے سبب بعض حروف حزف کر دئے جاتے تھے۔ داؤد کو (دوَد) لکھا جاتا تھا اور
اسی لہجہ دری (دوَد) سے قبیلہ دوَدال (دودال) منسوب ہوا۔ سوات اور باجوڑ کے سلاطین کو سواتیوں کے
ابتدائی دور اقتدار میں سلطان لکھا جاتا تھا مگر بعد میں باجوڑ کے حکمرانوں کا درجہ (سلطان) سے کم کر
کے (ملک) لکھ دیا گیا حالانکہ یہ دونوں طبقے نسب کے اعتبار سے تاجک گبری تھے۔ میجر راورٹی نے باجوڑ
کے حکمران حیدر علی ملک اور سوات کے آخری حکمران سلطان اویس دونوں کو سوادی گبری لکھا ہے۔
یوسف زئیوں نے میر ہندا دودال سے اشنغر کا علاقہ فتح کیا تھا نہ کہ سلطان داؤد سے۔ سلطان داؤد (دوَد)
دودال شاخ کا مورث تھا۔ سیر المتاخرین کے ص ۶۴ پر غلطی سے میر ہندا دودال حاکم اشنغر کے بجائے
داؤد سلطان لکھا گیا ہے۔ لہذا سلطان اور دہقان (دہگان) میں کوئی نسلی اختلاف نہیں۔ یہ دونوں ایک ہی
خاندان اور قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جسے عرف عام میں تاجک کہا جاتا ہے۔ ساسانیوں کے عہد میں
حکمرانوں اور دہگانوں کی یہی نظامی تقسیم قائم تھی۔ دہگان کی کم از کم حیثیت رئیس دیہہ کی تھی البتہ حکومت
کے نظامی عہدوں میں اس کی دوسرے درجہ کی حیثیت تھی۔ اسکی مثال ''حدود العالم'' کے حوالے سے بھی
دی جاسکتی ہے ص ۹۸ پر درج ہے:۔

"Kukyal, Atlaligh, Lulgh(Ulgh) are three prosperous and pleasant villages, situated on the slope of mountain (Babarakuh); their princes (dihqan) were yabghuz's brothers."

علاقہ خلخ (قارلوق ترک) کے مذکورہ بالا تین گاؤں میں، سربراہ کو Prince (دہقان) لکھا گیا
ہے اور یہ تینوں دہاقین (شہزادے) خلخ کے بادشاہ (جس کو یبغو کہتے تھے) کے بھائی تھے۔

گبریوں کا سامانیوں سے مدنیت اور سیاست کا اشتراک تھا اور جہاں کہیں بھی ان لوگوں نے
حکومت قائم کی اپنے موروثی نظام مالگذاری کو قائم رکھا جس کے تحت ''سلطانی'' اور ''دیگان'' کی تقسیم بھی
قائم رہی جبکہ نسلی اعتبار سے ''سلطانی'' اور ''دیگان'' میں کوئی فرق نہیں۔ یہ دونوں تاجک ہیں اور ان کے
حکمرانوں کو خاندان رستم دار سے لکھا گیا ہے۔ سلطان ارغش کو ''لغت نامہ'' علی اکبر دھخدا میں (ملک از

خاندان ستمدار) لکھا گیا ہے سواتیوں کے تاریخی واقعات کے باب میں اس پہلو پر مزید بحث آئندہ
اوراق میں کی جائیگی۔

تاریخ سیستان میں ربیع بن زیاد کا شہر زرنج پر حملہ کے سلسلے میں درج ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں ربیع
بن زیاد نے شہر ذالق فتح کرنے کے بعد سیستان کے شہر (زرنج) کا رخ کیا۔ شاہ سیستان جس کا نام ایران
بن رستم بن آزادخوین بختیار تھا، نے شہر (زرنج) سے نکل کر مقابلہ کیا۔ طرفین کا کافی جانی نقصان ہوا اور
بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ اس کے بعد شاہ سیستان، ایران بن رستم نے ''مؤبد مؤبدان (قاضی
القضاۃ) اور سیستان کے بزرگوں سے مشورہ کرکے ربیع بن زیاد کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اور لکھا:۔

(ما بہ حرب کردن عاجز نیستیم، چراکہ شہر مردان و پہلوانانست اما با خدائے تعالیٰ حرب نتواں کرد
و شما سپاہ خدائید و ما اندر کتابہا درست بیرون آمدن شما د آں محمد ﷺ را ایں دولت دیر باشد
صواب صلح باشد تا ایں کشتن از ہر دو گروہ برخیزد۔ رسول پیغام بداد، ربیع گفت از خرد چنیں
واجب کند کہ دھقان می گوید و ما صلح دوستر از حرب داریم''

ترجمہ (ہم جنگ کرنے سے عاجز نہیں کیونکہ یہ شہر (زرنج) دلیر لوگوں اور پہلوانوں کا مسکن ہے مگر
ہم خدا سے جنگ نہیں کرنا چاہتے اور تم (مسلمان) خدا کے سپاہی ہو اور ہم نے (اپنی دینی) کتابوں کے
اندر یہ پڑھا ہے کہ (مسلمانوں) اور حضرت محمد ﷺ کا ظہور ہوگا اور مسلمانوں کا اقتدار کافی عرصہ تک
رہیگا۔ (اس لئے) بہتری صلح میں ہے تاکہ ہر دو گروہوں سے کشت و خون ختم ہو جائے پیغام رساں نے
پیغام پہنچایا۔ ربیع نے کہا دہقان (کے اس پیغام کے نتیجے میں) عقل سے واجب ہو جاتا ہے۔ (کہ صلح
قبول کر لی جائے) اور ہم بھی جنگ کی نسبت صلح کو زیادہ عزیز سمجھتے ہیں۔)

مذکورہ بالا عبارت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دین زردشت کے مطابق ﷺ کا ظہور
اور اسلام کی برتری کی بشارت کی گئی ہے۔ دوسرا یہ کہ شاہ زرنج (سیستان) کو دہقان کے خطاب سے پکارا
گیا ہے۔ اوا اسی صفحہ کے حاشیہ (۵) میں دہقان کی تشریح ذیل الفاظ میں کی گئی ہے۔

دہقان = (دراصل رئیس طبقہ سوم مردم ایران (و آستریوشاں) و بزرگ برزیگراں
بودہ۔ ولی در اسلام بہ بزرگان ایران دہقان می گفتند واحیانا بادشاہ و مرزبان یک شہر و
صفحی را ہم بنام دہقان می خواندہ اند و عرباں برائے دہقاناں از لحاظ حکمت و عقل و
درایتی کہ در آناں سراغ داشتہ اند احترامانی قائل بودہ اند در حقیقت ایں: دہقانان بعد از

محو شدن طبقۂ سواران کہ صنف عالئ ایرانیاں بودہ اند سمت ریاست وکلانتری برمردمانِ ایران داشتہ اند۔ واحساسات ملی وحکمۃ وآداب ایرانی بہ وسیلۂ آناں در ایران پابرجاو محفوظ بودہ است)(۱)

ترجمہ: دہقان دراصل رئیس طبقہ ٔسوم مردم ایران (یعنی شاہسواروں) کے رئیس ہیں اور یہ برزیگران کے بزرگ تھے۔ مگر اسلامی دور میں ایران کے بزرگون کو دہقان کہا جاتا تھا اوراحیاناً ایک شہر کے بادشاہ یا مرزبان کو دہقان کہتے تھے اور عرب انکی (دہقانوں) کی عقل، حکمت اور معاملہ فہمی کے قائل تھے۔ دراصل یہ دہقان، طبقۂ سوران کے محو (ختم) ہونے کے بعد (جو ایران کی عظمت کی علامت تھے) ایران کے لوگوں پر حکمرانی اور برتری رکھتے تھے اور ملی احساسات، وحکمت (تنظیم) اور ایرانی آداب انہی دہقانوں کے وسیلہ سے مستحکم ومحفوظ تھے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دہقانوں کی اصلیت اور حقیقت کا بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے۔ یہ جنگ میں شاہسواروں کا بیڑہ، امن میں بادشاہ ولایت صوبہ ومملکت اور کم از کم حیثیت میں رئیس دیہہ یا رئیس شہر اور ایرانی سیاست کے علمبردار اور تہذیب کے محافظ تھے۔ تاجک سواتیوں میں (سلطان) اور (دہگان) کا وجود ایرانی ثقافت کا مظہر ہے اور یہی امران کو فارسی الاصل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔

عرب فاتحین دہقانوں کی حکمت اور تدبر کے قائل تھے۔ اس کی زندہ مثال یہ ہے کہ جب عبدالعزیز بن عبداللہ بن عامر بن کریز نے بست اور کابل پر حملہ کیا تو کابل شاہ نے ترکوں کی فوج کے ساتھ مسلمانون کا مقابلہ کیا۔ اور نزدیک تھا کہ مسلمان شکست کھا جاتے مگر عمر بن شان العاری (بمطابق بلاذری (فتوح) ص ۴۰۵ ابو عفراء عمیر المازنی نے حملہ کر کے مسلمانوں کی شکست کو فتح میں بدل دیا۔ اور عبدالعزیز فتح یاب ہو کر سیستان لوٹا۔ ایک دن رستم بن مہر ہرمزد مجوسی اس کی محفل میں بیٹھا تھا کہ عبدالعزیز نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: (دہاقین راسخنان حکمت باشد مارا ازاں چیزے بگو) رستم نے جواب دیا، (ناداں مردماں اویست کہ دوستی بروے افتخال دارد) بے حقیقت۔ و پرستشِ یزدان چشم دیدی میکند و دوستی بازنان بدرشتی جوید ومنفعت خویش بہ آزار مردم جوید) عبدالعزیز نے کہا: (کہ کچھ اور بھی فرمائیں: تو رستم نے مزید کہا: (آب جوی خوش بود تا بدریا رسد، خاندان بسلامت باشد ہر چند فرزنداں

(۱) تاریخ سیستان بہ تصحیح ملک الشعرا بہار ص ۸۱ حاشیہ ۵۔

نہ زاید و دوستی میان دوتن بصلاح باشد چند بدگوئی درمیان نشود و دانا ہمیشہ قوی بود۔ چند ہوابر و غالب نہ گردد وکار پادشاہی و پادشاہ مستقیم باشد چندوزیراں بصلاح باشد)

رستم مجوسی دہقان تھا مگر اس کی اس پر مغز گفتگو سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ ایرانی معاشرہ میں دہقان کس عقل و دانش کا مظہر تھا۔ یہ لوگ خود حکمران اور دستور حکمرانی کے دانائے کار تھے۔ اس پس منظر میں دہقان لقب افتخار ہے۔ بعض مورخین نے (دہقان) کے اس ایرانی پس منظر سے لاعلمی کے سبب انہیں عام کاشتکار سمجھا ہے۔ انگریزی زبان، تمدن اور فکری عمل کا یہی نتیجہ ہونا تھا کہ ہم اپنی تہذیبی اساس کو اپنی نظروں سے گرادیں۔ اس نئی سوچ کے پر تو میں ان دہقانوں (سلاطین) کی اولاد اپنے آپ کو اپنے اس تاریخی ورثہ سے منسوب ہونے سے لرزاں اور خوف زدہ ہے۔ اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ سواتیوں کی موجودہ نسل کو اپنی اساس ملی اور تہذیبی ورثہ کے ضیاع کا احساس تک نہیں جس کی وجہ سے دور حاضرہ کے اکثر مورخین تضحیکاً ان کے متعلق بے سروپا قصے مشہور کر رہے ہیں۔ اکثر سواتی ذوالقرنین کی قدیم ترین معتبر تاریخی روایت کو بھی رد کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور اپنے آپ کو غلاموں کی نسل سے منسوب کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل ۵۰۰ سال تک مصر کے فرعونوں کے غلام رہے۔ پھر آشور کے بادشاہ سخیرب نے شام و فلسطین کو اجاڑ کر انکو قیدی بنایا اور ۷۰۵ ق م میں قید کر کے نینوا اور ماد لے گیا۔ اور اسکے بعد نبوکد نصر (بخت نصر) لاکھوں کی تعداد میں ۵۸[illegible] ق م میں قید کر کے بابل لے گیا۔ اور جب ۵۳۹ ق م میں کورش کبیر (سائرس) نے بابل کی فتح کے بعد ان کو آزادی دی تو صرف چند ہزار واپس ہوئے اور بقایا بنی اسرائیل نے غلامی کی آسودہ حال زندگی کو یروشلم کی آزادی پر ترجیح دی۔ ۷۰۵ ق م سے آئے ہوئے یہ بنی اسرائیل اپنے مدنی اور ثقافتی ورثہ سے کٹ گئے تھے اور مقامی لوگوں سے اختلاط کے باعث ان کی تہذیب، تمدن، ثقافت، زبان رسم و رواج مکمل طور پر تغیر پذیر ہو گئے تھے انہوں نے مذہب موسیٰ ترک کر کے عیسائیت، زردشت، ہندو اور بدھ مذہب اور بالآخر اسلام قبول کر کے ایک جدید ثقافت اختیار کی اور ایک خاص طرز معاشرت کے باعث مقامی لوگوں کے اشتراک سے نئے افغانی تمدن کو جنم دیا جس کی تشکیل میں لاکھوں بلکہ کروڑوں غیر بنی اسرائیل افغانوں کا حصہ بھی تھا۔ جو ایران اور افغانستان کے اصل باشندے تھے۔

المختصر تاجک سواتی سائرس (ذوالقرنین) کی نسل سے ہونے کے باعث تاجک کیانی ہیں۔

ہخامنشی دور کے بعد یہ بلخ بدخشاں اور سیستان کے حکمران تھے۔ سیستان کی حکمرانی کی حیثیت سے ان کا لقب رتبیل تھا۔ اور سیستان کا آخری فرمانروا رتبیل نہم جسکا نام گبر تھا ان کے نسب ناموں میں سلطان گبر لکھا گیا ہے۔ فارسی ادبیات میں لفظ رتبیل (زندہ پیل) کا مصحف ہے۔ پہلوانوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ فردوسی کا مصرع ملاحظہ ہو۔

"بہ تن زندہ پیل و بجاں جبرائیل"

تاجک سواتیوں کا ساسانیوں اور سامانیوں سے قومی اور مدنی رشتہ تھا۔ اسلام قبول کرنے سے قبل یہ سب دین زردشت کے پیروکار (گبری) اور پارسی الاصل خاندان ہیں۔ جو نسب کے اعتبار سے کیانی ہیں۔ صفت مکانی کے اعتبار سے تاجک سواتیوں کو تاجک غوری بھی کہا جاسکتا ہے۔ مملکت گبر کے قیام میں سلاطین پکھل اور سلطان بہرام کو عماالدین بلخی جو غوری امیر تھا۔ کی فوجی حمایت حاصل تھی جس کا تذکرہ آئندہ اوراق میں تفصیل سے کیا جائیگا۔

باب نہم — فصل اول

قبیلہ تاجک سواتی کے تاریخی حالات

پس منظر:۔

قبیلہ تاجک گبری سواتی اسکندر ذوالقرنین کے بیٹے "شموس" (Semus) کی اولاد سے ہیں یا بقول ابوالفضل و "سیر التماخرین" ذوالقرنین کی دختری اولاد ہیں اور اسی وجہ سے یہ خاندان بلخ بدخشاں اور کنڑ میں ہخامنشی دور میں صاحب اقتدار تھا اسکندر اعظم کے حملے کے وقت بلخ کا حکمران بسوس (Besus) اور بدخشاں کا حکمران خوری نس (Khoreines) دونوں ہخامنشی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بسوس (Besus) جس کو راقم الحروف نے قیاساً شموس (Semus) کی نسل سے گردانا ہے، نے اردشیر چہارم کا لقب اختیار کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا، مگر اسکندر نے اسکا تعاقب کیا، شکست دیکر گرفتار کیا اور ہمدان میں پھانسی پر لٹکا دیا۔ البتہ بدخشاں کے حکمران خوری نس (Khoreines) کو پہاڑی قبائل کی سرکوبی کے بعد اسکندر اعظم نے حسب سابقہ بدخشاں کی حکمرانی پر مامور فرمایا اور اس طرح تاجک گھرانہ جو اپنے آپ کو ذوالقرنین کی نسل سے گردانتا تھا اقتدار پر بدستور قائم رہا۔ اس زمانے میں کنڑ اور بدخشاں بلخ کا حصہ تھے۔

اسکندر کے حملوں کے نتیجے میں ہخامنشی اقتدار ختم ہو گیا، مگر اسکندر مقدونی سے بھی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ جون ۳۲۳ ق م میں فوت ہو گیا اور یونانی، ایران کی وسیع امپائر کو یکجا نہ رکھ سکے۔ اسکندر اعظم کی وفات کے بعد چونکہ اسکی بالغ اولاد نہ تھی جو تخت و تاج کی وارث ہوتی اس وجہ سے بھی یونانی قیادت تقسیم کا شکار ہو گئی۔ ابتدا میں یونانی امراء نے باہم مشورے سے طے پایا کہ اسکندر کے سوتیلے بھائی آریدہ کو جو فیلپ کی رقاصہ بیوی آرینہ سے پیدا ہوا تھا، اس وقت تک بادشاہ بنایا جائے جب تک اسکندر کی بیوی رکسانہ (جو حاملہ تھی) کی نومولود اولاد (بشرط بیٹا) جوان نہ ہو جائے۔ تھوڑے عرصہ بعد رکسانہ نے بیٹے کو جنم دیا جس کا نام اسکندر رکھا گیا۔ اُسے اسکندر چہارم کے نام سے ولی عہد نامزد کر دیا گیا۔ پردیکاس جس کو اسکندر نے اپنی انگشتری دی تھی آریدہ (فلپ سوم) اور (اسکندر چہارم) کا اتالیق (ریجنٹ) مقرر ہوا۔ مگر اسکے ساتھ ہی یونانی اور مقدونی امرا میں اقتدار کی جنگ شروع ہو گئی۔ اس کے نتیجے میں

(کاساندر) مملکت مقدونیہ کا دعویدار بن گیا اور اسکے دیکھا دیکھی (لیز یماک) تراکیہ (آنتی گون) بادشاہ آسیا اور (بطلیموس) مصر کی فرمانروائی کے دعویدار ہو گئے۔ اس کشمکش میں اسکندر اعظم کی والدہ اولپیاس (Olympias) نے آریدہ (فلپ سوم) اور اسکی بیوی کو قتل کرادیا اور بالآخرہ خود بھی کاساندر کے ہاتھون قتل ہوئی۔ کاساندر نے رکسانہ اور اسکے بیٹے اسکندر چہارم کو قید کر دیا اور بعد میں قتل کرادیا۔ اس طرح اسکندر اعظم کے خاندان کو ختم کر کے مقدونی، یونانی گورنر حکومت پر قابض ہو گئے۔ (سلوکس) (والی بابل) کاساندر کے خوف سے بھاگ کر مصر میں بطلیموس کے پاس چلا گیا اور اسکی مدد سے کاساندر کے خلاف جنگ کی اور کامیابی حاصل کی اور بابل پر قابض ہو گیا اور بالآخر کوہ ہندوکش کے علاقوں اور پنجاب کے مفتوحہ علاقہ پر بھی قابض ہو گیا۔

اسکندر اعظم کی پالیسی تھی کہ ایران اور یونان کے اشتراک سے اس عظیم مملکت کو قائم رکھا جائے۔ اس مقصد کیلئے اس نے حکم دے رکھا تھا کہ یونانی امرا ایران کے امرا کی بیٹیوں سے شادی کریں۔ چنانچہ اسی (۸۰) یونانی امرا نے ایرانی امراء کی بیٹیوں سے شادیاں کی تھیں۔ مگر اسکندر کی موت کے بعد یہ سلسلہ ختم کر دیا گیا اور ماسوائے (سلوکس) کے باقی تمام یونانی سرداروں نے ایرانی بیویوں کو طلاق دے دی تھی اور سکندر کے تمام مفتوحہ علاقوں میں چار الگ الگ خودمختار حکومتیں قائم ہو گئیں اور یونانی اس عظیم مفتوحہ دولت ایران کو ایک مرکز کے تحت یکجا نہ رکھ سکے اس دوران، ایرانی امرا اگرچہ یونانی حکمرانوں کے ماتحت تھے مگر مختلف علاقوں میں مقامی سطح پر بااختیار رہے۔ کنڑ اور بدخشاں کے مقامی تاجک امرا باختری یونانی دور میں اندرونی طور پر آزاد تھے۔

کوشانی دور:۔

یونانیوں کے بعد کاشانی حکمرانون نے افغانستان پر قبضہ کرلیا۔ (کجولا کدفیزس) پہلا کاشانی حکمران تھا جس نے (ھرمایوس) سے جو آخری یونانی حکمران تھا کاپیسا اور کابل کا علاقہ فتح کیا اور سن ۴۰ م میں کوشانی سلطنت کی بنیاد رکھی اور ۳۸ سال حکومت کرنے کے بعد (۷۸ء) میں فوت ہوا(۱)۔ کوشانیوں کا عہد جو تقریباً دوسو سال پر محیط ہے علم و ادب، فنون سنگ تراشی و مجسمہ سازی کے لئے بہت مشہور ہے۔

---

(۱) (افغانستان در پرتو تاریخ ص ۱۱۲ مقالہ چہل و پنجم از محمد علی کہزاد

ان کے دور میں بدھ مت دور دور تک پھیلا اور معابد اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں۔ کشن بادشاہ دین کے معاملے میں لبرل تھے اس لئے۔ ہندومت، دین زردشت بھی حسب سابقہ قائم رہے اور مقامی سطح پر چھوٹی چھوٹی علاقائی حکومتیں قائم کیں جن میں ہندوکش اور کابل کے درمیان مملکت کاپیسا مشہور ہے۔ ہندوکش کے جنوب میں ان مقامی نجباء اور حکمرانوں کو محمد علی کہزاد نے اپنی تصنیف (تاریخ افغانستان قدیم) میں رتبیل لکھا ہے۔ اور کابل کے حکمرانوں کو کابل شاہان لکھا ہے۔ مگر عبدالحیٔ حبیبی مرحوم مصنف (تاریخ افغانستان بعد از اسلام) کے مطابق لقب رتبیل صرف سیتان کے حکمرانوں کے لئے مختص تھا۔

ساسانی دور:۔

تیسری صدی عیسوی کے آخر میں کوشانی حکمران کمزور پڑ گئے۔ مرکزیت کے کمزور ہونے سے طوائف الملو کی کا دور شروع ہو گیا۔ اردشیر بابکان موس خاندانِ ساسانی نے استخر پر قبضہ کرنے کے بعد کرمان کے بادشاہ ولگاش سے کرمان فتح کر کے خلیج فارس کے ساحلی علاقوں پر بھی قبضہ کرلیا اور (گور) = فیروز آبا میں ایک محل اور آتش کدہ تعمیر کر کے اپنے بیٹے (اردشیر) کو وہاں کا حاکم مقرر کر دیا۔ اور بالآخر اشکانی بادشاہ (اردوان) کو شکست دیکر قتل کر دیا اور ساسانی خاندان کی حکمرانی کی بنیاد رکھی۔ ساسانی اپنے آپ کو بہمن کی نسل گردانتے تھے۔ ساسانی دور ایرانی (پارسی) تہذیب اور تمدن کی حیات نو کا دور تھا۔ اس دور میں دین زردشت کو شاہی سرپرستی حاصل رہی۔

اردشیر نے بابل کی فتح کے بعد (ماد) کے شہر ہمدان اور آذربائیجان، ارمنستان اور بلخ فتح کر کے اپنے اقتدار کو وسعت دی۔ مکران اس زمانے میں بجستان (سیستان) کا حصہ تھا اور اس علاقے کی حکمرانی خاندان رستم دار (جن کو رتبیل کہتے تھے) کے پاس تھی۔ لقب (رتبیل) زندہ پیل کا مصحف ہے جس کے معنی ہیں جسیم اور قد آور پہلوان۔

دور اسلام:۔

سن ۲۴ھ سے مسلمانوں نے بجستان (زابلستان) اور مکران پر حملے شروع کر دئے تھے جن کی تفصیل البلاذری کی (فتوح البلدان) میں موجود ہے۔ مسلمان فاتحین کو گبری دہقانون سے جنگیں لڑنا پڑیں۔ خلفاء راشدین کے زمانے سے ۲۵۸ھ تک زابلستان کے رتبیلوں کا تذکرہ عبدالحیٔ حبیبی نے حسب ذیل کیا ہے۔

۱۔رتبیلِ اول:۔

عصر خلفائے راشدین از ۱ تا ۳۳ھ طبری کی روایت کے مطابق وہی رتبیل جس کا بھائی شاہ ازویہ آمل بھاگا اور مارا گیا۔

۲۔رتبیلِ دوم:۔

رتبیل عصر امویان از ۳۴ تا ۶۶ھ جس کا تذکرہ بلاذری اور طبری دونوں نے کیا ہے۔ تاریخ سیستان میں بھی اس کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

۳۔رتبیلِ سوم:۔

یہ بھی عصر اموی کا رتبیل ہے۔ از ۶۸ تا ۱۰۰ھ جس کا تذکرہ بلاذری، مسعودی، یعقوبی، طبری اور مقدسی نے کیا ہے۔ تاریخ سیستان اور گردیزی نے بھی اسکا ذکر کیا ہے۔ یہ وہ رتبیل ہے جس نے ایک ملین درہم دے کر بست میں مسلمانوں سے صلح کر لی تھی اور ۸۵ھ میں اس (رتبیل) نے اشعث کو حجاج کے حوالے کر دیا تھا۔ طبری نے اسے رتبیل اعظم لکھا ہے۔

۴۔رتبیل چہارم:۔

یہ بھی اموی دور کا رتبیل تھا۔ از ۱۰۱ تا ۱۳۲ھ جو اموی دربار کے مقرر کردہ گماشتہ کو خراج ادا نہ کرتا تھا۔ اس کا ذکر بلاذری اور یعقوبی نے کیا ہے۔

۵۔رتبیلِ پنجم:۔

یہ عصر عباسی کے اوائل دور کا رتبیل ہے۔ از ۱۳۴ تا ۱۶۶ ماوندیا ماوید جو اس کا داماد اور خلیفہ تھا جسے بغداد بھیجا تھا۔ یہ خنچل کابل شاہ کا معاصر اور دربار بغداد کا مطیع تھا۔ اس کا ذکر بلاذری، یعقوبی اور تاریخ سیستان میں ہے۔

۶۔رتبیلِ ششم:۔

یہ بھی عباسی دور کا دوسرا رتبیل تھا۔ از ۱۶۷-۲۰۰ھ الھادی خلیفہ کے زمانے میں اس کا بھائی قید ہوا جسے عراق بھیج دیا گیا۔ (بلاذری اور تاریخ سیستان)

۷۔رتبیلِ ہفتم:۔

عصر عباسی کا تیسرا رتبیل از ۲۰۱ تا ۲۳۳ھ موجودہ ماخذ میں اس کا ذکر نہیں ملتا۔

۸۔رتبیلِ ہشتم:۔

رتبیل عصر صفاری از ۲۳۴ تا ۲۴۹ھ بقول تاریخ سیستان وگردیزی وعوفی وابن خلکان، صالح بن نصر کی حمایت کرنے کے سبب یعقوب لیث سے اختلاف پیدا ہوا۔ جنگ ہوئی اور مارا گیا۔ وہ تخت رواں پر حرکت کرتا تھا اور اسکا تخت چاندی کا تھا۔ (تخت سیمین) اور اس کا نام محمد بن وصیف کے قصیدے میں رتبیل لکھا گیا ہے۔ اس کا بھائی (احرسی) یعقوب کی قید میں آ گیا اور اسے سیستانی بھیج دیا گیا تھا۔ اس رتبیل کا ایک کا کازادہ بھی تھا جس کا اسلامی وعربی نام صالح بن حجر تھا۔ یعقوب لیث نے اسے (صالح) کو رخد کا حکمران مقرر کیا لیکن وہ ۲۵۲ھ میں عاصی ہو گیا اور بالآخر خودکشی کر ڈالی۔

۹۔رتبیلِ نہم:۔

(۲۵۰ھ تا ۲۵۸) یہ سابق الذکر رتبیل ہشتم کا بیٹا تھا اور تاریخ سیستان میں اس کا نام (گبر) لکھا گیا ہے۔ اپنے باپ کے قتل کے بعد بست میں قید تھا۔ مگر ۲۵۵ھ میں بھاگ نکلا اور فوج اکٹھی کر کے رخد (قندھار) پر چڑھائی کی اور قبضہ کر لیا۔ یعقوب لیث نے اس پر چڑھائی کی، شکست دی اور وہ کابل کی طرف بھاگ گیا۔ مگر جب یعقوب واپس ہوا تو اس نے (گبر نے) زابلستان پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ حتیٰ کہ ۲۵۸ھ میں یعقوب نے اسے (اجرستان) میں گرفتار کر لیا اور قید کر دیا۔ اس کے بعد اس قدیم اور تاریخی خاندان کے متعلق کوئی ذکر نہیں ملتا۔ سیستان کی بادشاہی مستقل طور پر صفاری خاندان میں چلی گئی۔

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد آقائے حبیبی لکھتے ہیں:

''ناگفتہ نماند کہ تاکنوں نام رتبیل بر مسکوک یا کتیبہ دیدہ نشدہ و در سفرنامہائے زائران چینی مورخان ہندی نیز ذکری از ایشاں نیست و چوں زائران چینی بہ اواسط زابلستان نگذشتہ اند، بنابرین ذکری از ملوک آنرا ھم ندارند۔ اما مورخان عرب و عجم راچوں در اولین مراحل فتوح اسلامی بعد از کشودن سیستان سروکاری با رتبیلان بود از ایشاں فراواں ذکرہا دارند کہ مالب لباب آنرا وریں فصل آوردیم و قسمت وقائع را در فصول آئندہ بجای خود ذکر خواھم کرد''

مفہوم:۔

چینی زائرین اور ہندی مؤرخین نے رتبیلوں کا ذکر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ چینی سیاح ان کے علاقے کے وسط سے نہیں گزرے مگر عربوں کو سیستان پر حملوں کے سبب رتبیلوں سے واسطہ پڑا۔ اس لئے ان کی تحریروں میں ان کا زیادہ ذکر موجود ہے۔ راقم الحروف کے خیال میں چونکہ چینی سیاح صرف بدھ مذہب کے علاقوں سے دلچسپی رکھتے تھے اس لئے رتبیلوں کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ زردشتی تھے۔

عبدالحئی حبیبی نے کلمہ ''رتبیل'' پر بھی بحث کی ہے۔ اکثر مؤرخین نے (ماسوائے عرب مورخین کے) اسے رتبیل، رتپیل، رتبال، زنبیل، زنتبیل لکھا ہے اور ملک الشعراء بہار خراسانی نے اس کو کلمہ ''زندہ پیل'' کے ریشہ سے تصور کیا ہے اور اس کو زنتبیل یا زنبیل لکھا ہے۔ راورٹی (Raverty) نے اسے رتن پال سے منسوب کیا ہے۔ مگر یہ سب قیاس غلط ہیں۔ عرب مورخین نے تسلسل سے رتبیل اور جمع مکسر میں رتابلہ لکھا ہے جو درست ہے۔ رتبیل پہلوانوں کے گھرانے سے تھے۔

رتبیلو کو تمام مورخین نے سیستان تا حدود غزنی کا حکمران گردانا ہے۔ چونکہ رتبیلوں کی قلمرو اور اقتدار غزنی سے ارغنداب تک تھا۔ کابل اور مشرقی افغانستان میں ان کا دخل نہ تھا اور نہ ہی دریائے سندھ کے مشرقی حصہ میں ان کے مقبوضات تھے۔ اس لئے ان کو شاہان کابل یا شیران بامیان اور دیگر لوگوں سے خلط ملط نہیں کیا جاسکتا۔

تاریخ طبرستان کے مطابق یہ لوگ زردشتی مذہب کے پیروکار تھے اور عربوں نے ان کو ''گبرکان'' لکھا ہے اس لئے ہندوستان یا کابل کے بادشاہوں سے ان کا مذہبی رشتہ بھی نہ تھا وہ بت پرست (ہندو یا بدھ) نہ تھے۔ رتبیلان زابلستان، کابل کے بادشاہوں اور شیران بامیان سے جدا خاندان تھا۔ الیعقوبی (جو قدیم مورخ عرب ہے اور جو ۲۸۰ھ میں زندہ تھا اور وسیع مطالعہ اور بصیرت کا مالک تھا۔ نے اپنی تاریخ میں کابل شاہ خنگل و شیر ملک بامیان و رتبیل ملک بجستان کا ذکر ایک ہی بحث میں کر کے ان کو الگ الگ حکمران شمار کیا ہے۔ (۱)

عبدالحئی حبیبی نے رتبیل ہشتم کے بھائی کا نام ''احرس'' لکھ کر اسکی توضیح فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ یہ نام

(۱) ''تاریخ الیعقوبی'' ۹/۲، ۳۷ بحولہ تاریخ افغانستان از عبدالحئی حبیبی ص ۶۸

مسکوکات میں بھی بے نقط ہے اور تاریخ سیستان کے نسخۂ خطی میں بھی بے نقط ہے۔ اور اس کو (احرینی) یا (احرس) وغیرہ بھی پڑھا جا سکتا ہے مگر میرے (حبیبی کے) خیال میں اس کی اصل ''خرشبون'' کے نام کے نزدیک ہے جو افغانوں کے اجداد میں دکھائی دیتا ہے۔ اور مطلع سعدین سمرقندی میں خرشوانی لکھا ہے۔ (مطلع سعدین ۳۵۹ طبع لاہور (۱)

اگر عبدالحئی حبیبی کے قیاس سے اتفاق کیا جائے تو پھر رتبیل ہشتم کے بھائی کا نام 'احرس' (خرشبوں) ہوگا اور رتبیل ہشتم کا نام شرخبوں ہوگا۔ جن کا نسب نامہ تواریخ خورشید جہاں کے ص ۱۸۰ پر درج ذیل ہے۔
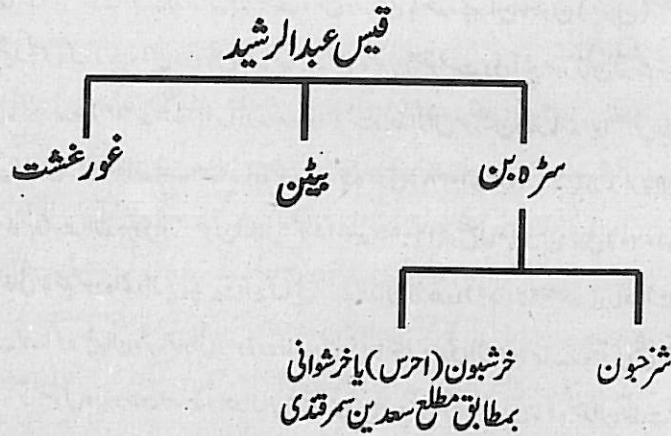
اگر اس قیاس کو تسلیم کیا جائے تو ''گبر'' رتبیل نہم جو رتبیل ہشتم (شرخبوں) کا بیٹا ہوگا اور ۲۵۲ھ میں یعقوب لیث کے ہاتھوں شکست کھا کر قید ہوا۔ یہ شخص قیس عبدالرشید کی چوتھی پشت میں ہوگا اور قیس عبدالرشید دوسری صدی ہجری کا بزرگ ہوگا جبکہ افغانوں کی تواریخ میں اُسے فتح مکہ کی جنگ میں شامل اور حضورؐ کے صحابہ کرام میں دکھایا گیا ہے جس کا تاریخ اسلام سے کوئی واضح ثبوت نہیں ملتا۔ اس قیاس کے مطابق قیس عبدالرشید افغان (بنی اسرائیل) کے بجائے (گبری) ثابت ہوگا کیونکہ رتبیلان گبری (زردشتی) ایرانی الاصل ہیں وہ بنی اسرائیل نہیں ہیں۔ چونکہ (احرسٰ) = خرشبنی = خرشبوں = خرشوانی)

(۱) ''تاریخ افغانستان'' از عبدالحئی حبیبی ص ۶۲ نوٹ ۱۔ (بحوالہ مطلع سعدین سمرقندی)

برادر رتبیل ہشتم کا ذکر ہو چکا ہے جسے عبدالحئی حبیبی نے قیاساً خرشبون تصور کیا ہے اور جسے عبدالرزاق سمر قندی نے اپنی تصنیف ''مطلع السعدین' میں خرشوانی لکھا ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ قیس عبدالرشید کے بیٹوں کے متعلق عبدالحئی حبیبی کا بیان قارئین کے غور وخوص کے لئے درج کیا جائے۔ عبدالحئی حبیبی اپنی تصنیف ''تاریخ مختصر افغانستان کے صفحہ ۱۲۵ پر لکھتے ہیں

حکمرانانِ پختون حدود (۳۰۰ھ):۔

دودمان بسیار قدیم کہ در کوہ سلیمان تا کوہ غور ونواحی آں در بین پنتوں ھا (پختون) حکمرانی ورہنمائی داشتند سہ برادر مشہورند کہ غور غشت، بیتنی وسر بن باشند، پسران پنتون (پٹھان) مشہور بہ عبدالرشید کیس کہ در بارۂ ایں دودمان افسانہائے محلی پشتون منقولست ولی آنچہ مورخان قدیم تر افغانی سلیمان ماکو در حدود (۶۱۲ھ = ۱۲۱۵ء) در تذکرہ خود نگاشتہ وبعد ازاں مورخین دیگر مانند ابوالفضل علامی در ''آئین اکبری'' (۱۰۰۶ھ = ۱۵۹۷ء) داخوند درویزہ متوفی (۱۰۴۸ھ = ۱۶۵۸ء) در تذکرۃ الابرار و فخرن اسلام ونعمت اللہ ہروی در ''مخزن افغانی'' (۱۰۱۸ھ = ۱۶۰۹) وشیخ امام الدین متوفیٰ (۱۰۶۰ھ) در تاریخ افغانی تائید نمودہ انددازیں پدیدمی اید کہ ایں سہ برادران در حدود (۲۵۰ تا ۳۰۰ھ) در افغانستان از کوہستان غور تا کوہ سلیمان، فرمانروائی ونفوذ روحانی وقبیلوی داشتند وبرخی از منا جاتہائے پشتوی شیخ بیتنی در ادبیات پشتو منقول ودر دست است وبعد ازاں خرشبون بن سرہ بن از کوہ سلیمان تا کوہ غندان قلات غلوی اقتدار داشت وبسال ۴۱۱ھ = ۱۰۲۰ء) در مرغہ دامنہ جنوبی کوہ سلیمان وفات کرد۔ ہمچناں اسماعیل بن بیتن در کوہ سلیمان نفوذ روحانی وحکمفرمائی داشت ودامنہ اقتدار او بطرف شمال غربی کوہ سلیمان (وازہ خوا) تا غزنی میر سید وازیں دونفر ہم اشعار قدیم پشتو منقولست حدود (۴۰۰ھ = ۱۰۰۹ء)۔۔ سہ نفر اولاد خرشبون بنام (کند) و (زمند) و (کاسی) از اجداد معروف اقوام افغانی اند کر سلسلہ، الادشاں در علم الانساب افغانی شرح شدہ است۔

مخفی نماند کہ افغانانِ خرشبونی در شرق افغانستان پراگندہ بودند۔ چنانچہ عبدالرزاق سمر قندی ذکر آناں را در غزنین وبرمل بنام افغانان (خرشوانی) میکند دایں در حدود (۸۲۰ھ) است (مطلع سعدین ج ۲ جزو اول ص ۳۵۹ طبع لاہور) در کتب الانساب افغاناں این سہ برادر غور غشت، بیتنی، سرہ بن سر سلسلۂ تمام قبائل پشتون شمردہ می شوند (شجرہ نسب نمبر ۴۵)۔

مندرجہ بالا طویل عبارت سے معلوم ہوا کہ ۲۵۸ھ میں رتبیل نہم جس کا نام (گبر) تھا، یعقوب لیث نے قید کر کے بعد ازاں قتل کر دیا تھا اور اسکے بعد سیستان میں رتابلہ کا کہیں بھی ذکر موجود نہیں اور یہ قدیم خاندان صفحہ تاریخ سے مٹ گیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رتبیل کسی شخص یا نسب کا نام نہیں بلکہ سیستان کے بادشاہوں کا نظامی لقب تھا اور یہ رتبیل نسب کے اعتبار سے پارسی الاصل (تاجک) تھے جبکہ مذنیت کے اعتبار سے (گبر) = (زردشتی) تھے۔ رتبیل ہشتم کے بھائی (احرس) کو خرشبنی یا خرشوانی تصور کر کے قیاساً ان کو افغانوں کی سڑہ بن شاخ سے منسلک کیا گیا ہے۔ اگر اس قیاس کو درست تسلیم کیا جائے تو تاریخی پس منظر میں درج ذیل نتائج اخذ ہونگے:۔

نتائج:۔

۱۔ سن ہجری کی ابتدا سے ۲۵۸ھ تک سیستان پر رتبیلوں کی حکومت تھی۔ اور کلمۂ رتبیل (زندہ پیل) کا مصحف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس خاندان کے حکمران، خاندانِ رستمدار سے تعلق رکھتے تھے۔

۲۔ پشتون قبیلہ خرشوانی (= خرشبون) رتبیل نہم (گبر) کے چچا (احرس) جسے سمر قندی نے مطلع السعدین میں خرشوانی اور عبالحئی حبیبی خرشبون تصور کرتے ہیں) کی نسل سے ہیں۔ بالفاظ دیگر اگر یہ قیاس درست مان لیا جائے تو پھر خرشبون اور شرخبون ابنان قیس عبدلرشید (۲۵۰ تا ۳۰۰ھ) کے قبیلوی سردار ہیں اور ان کا جد امجد قیس عبدالرشید حضرت محمد ﷺ کا ہمعصر نہیں ہوسکتا دوسری اہم بات یہ ہے کہ تیسری صدی کے وسط تک یہ لوگ بھی گبری (زردشتی) ثابت ہوتے ہیں اور یہ بنی اسرائیل نہیں بلکہ رتبیلان زابلستان کی طرح یہ بھی خاندان رستم دار کے پس ماندگان ہونگے۔

۳۔ اگر مذکورہ بالا قیاس سے اتفاق نہ ہو تو پھر ایک بات واضح ہے کہ کوہ سلیمان کی وادی اور رخد (قندھار) اور بلوچستان میں رہائش کے سبب یہ قبیلے رتبیلان زابلستان کی رعیت تھے اور کوچی گری کی زندگی بسر کرتے تھے کیونکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ ۲۲ھ کے بعد ۲۵۸ھ تک (سیستان) وکرمان پر حملوں کے سلسلے میں عرب فاتحین کو رتابلہ اور گبری دہاقین سے جنگیں لڑنی پڑی تھیں اور صلح نامے بھی ان گبری دہقانون سے طے پائے تھے یہ دہقان شہروں، قصبوں اور ملحقہ دیہات کے مالک ہوتے تھے اور متمدن سیاسی زندگی بسر کرتے تھے۔ (۱)

---

(۱) البلاذری (فتوح البلدان) دربارہ فتح سجستان وکرمان

۴۔ قیس عبدارشید کے بیٹوں یا پوتوں نے تیسری صدی ہجری کے وسط تک کسی قسم کی حکومت قائم نہیں کی تھی بلکہ وہ قبیلوی اور کوچی گری کی زندگی بسر کرتے تھے اور کوہ سلیمان کی وادیوں اور رخد (قندھار) اور ارغنداب کے دشتوں میں رہتے تھے۔ ان کی سرداری اپنے قبیلوں تک محدود تھی۔

۵۔ یعقوب لیث کے ہاتھوں رتبیل ہشتم کا قتل اور ۲۵۸ھ میں گبر (رتبیل نہم) کی شکست سے اس قدیم خاندان کا تسلط سیستان سے ختم ہوگیا اور اسکے ساتھ ہی لقب رتبیل جو سیستان کے لئے مختص تھا دوبارہ تاریخ میں سنائی نہیں دیا اور بقول عبدالحیٔ حبیبی یہ قدیم خاندان صفحہ تاریخ سے محو ہوگیا۔ قیاس یہ ہے کہ یہ گبری سیستان سے ہجرت کر کے کوہ ہندوکش کے جنوب میں بلخ، بدخشاں اور کنر کے علاقوں میں منتقل ہو گئے، جہاں ان کے ہم نسب وہم مذہب لوگ پہلے سے رہ رہے تھے۔ اور انہوں نے بدخشاں کنڑ اور بلخ کے مشرق میں چھوٹی چھوٹی علاقائی حکومتیں قائم کیں اور خلفائے عباسی کے عہد میں برمکیوں کے عروج کے دوران مسلمان ہوئے۔ فضل بن یحیٰی برمکی نے خلیفہ ہارون کے عہد میں ترکستان کے اکثر علاقے فتح کر کے شمالی افغانستان میں خلافت عباسیہ کو وسعت اور استحکام بخشا۔ چنانچہ قدیم جغرافیہ (حدود العالم۔ ۳۷۲ھ) کے مطابق خلیفہ مامون الرشید نے بدخشاں کے پہاڑی دروں میں ایک قصبہ بسایا تھا جس کا نام (درتازیان) = (عربوں کا دروازہ تھا)۔ یہ دروازہ دراصل ایک چک پوسٹ تھی جو تجارتی قافلوں کی گذر گاہ تھی۔ منورسکی (Mnorsky) جس نے (حدود العالم) پر کنٹری لکھی ہے (درتازیان) کا تعین (جرم) قصبہ میں کیا ہے جو مشرق کی طرف بلخ کی آخری سرحد پر واقع ہے۔ اسی طرح (سکاشم یا اشکاشم) جسے (قصبۂ ناحیت واخان است) لکھا گیا ہے گبریوں کا شہر تھا۔ اور اس میں مسلمان بھی رہائش پذیر تھے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عباسی دور کے ابتداء میں بدخشاں اور بلخ کے اکثر گبری مسلمان ہو چکے تھے۔ اور جو ابھی تک دین زردشت پر قائم تھے بعد میں محمود غزنوی کے دور تک مسلمان ہو گئے۔

صفاری عہد:۔

منہاج سراج جوزجانی نے طبقاتِ ناصری جلد دوم کے ص ۳۵۵ پر صفاریوں کا نسب یوں لکھا ہے:۔

''راوی کہتے ہیں کہ یعقوب لیث، عمرولیث، علی لیث اور معدل لیث چاروں بھائی لیث صفار کے بیٹے تھے جو بجستان کے کسیروں کا سردار تھا اور بجستان کا والی ابراہیم بن الحلین تھا جسے محمد بن طاہر امیر

خراسان نے مقرر کر دیا تھا۔ ابراہیم نے اپنی طرف سے بجستان کے لئے ایک نائب مقرر کر دیا تھا جس کا نام صالح بن نصر (۱) تھا۔ لیث صفاری بہت دولت مند تھا اسکے ملازموں اور پیرووں کی تعداد خاصی تھی۔

منہاج سراج ۶۱۳ھ میں خود بجستان گیا تھا۔ شہر کے جنوب میں ایک مقام دیکھا جس کو ''باب طعام'' کہتے تھے قابل اعتماد لوگوں نے منہاج سراج کو بتلایا کہ یعقوب لیث، اسکے بھائی، رفیق اور ملازم ہر ہفتے اس مقام پر کھیلنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ ایک روز وہ معمول کے مطابق آئے اور یعقوب کو کھیل میں ''امیر'' بنالیا اور یعقوب نے اپنے بھائیوں اور ساتھیوں میں سے ہر ایک کو وزیر یا کوئی اور عہدہ کھیل کے طور پر دیا تھا۔ صالح بن نصر کا (جو شکار سے واپس آیا تھا) وہاں سے گذر ہوا۔ وہ بھی لیث اور اسکے ساتھیوں کے کھیل کے تماشے کیلئے کھیل کے میدان کی طرف آ گیا۔ یعقوب لیث نے (کھیل کے دوران) حکم دیا کہ ''صالح'' کو ہماری بارگاہ میں پیش کرو۔ چنانچہ اسے پیش کیا گیا۔ پھر یعقوب لیث نے حکم دیا کہ صالح کو قتل کرو۔ اسکے ساتھیوں نے اسے قتل کر دیا۔

یعقوب فوراً سوار ہو کر ساتھیوں سمیت تیزی سے شہر میں داخل ہوگیا اور قصر امارت پر قبضہ کر لیا۔ نماز ظہر تک پورا بجستان یعقوب لیث کے قبضہ میں آچکا تھا اور یعقوب نے حکم دیا کہ اب میرے نام کا خطبہ پڑھا جائے۔ یہ ۲۵۱ھ کا واقعہ ہے۔ پھر اس نے حملہ کر کے، زابلستان، زمینداور غزنی پر قبضہ کر لیا۔ وہاں سے طخارستان اور بلخ کا رخ کیا۔ وہاں بھی قابض ہوگیا۔ پھر کابل آیا اور وہاں سے بجستان اور پھر ہرات پر حملہ آور ہوا۔ خاصی خونریزی کے بعد ہرات پر قبضہ کیا اور بعد ازاں بادغین۔ نیشاپور فتح کیا اور محمد بن طاہر کا پورا مال متاع اسکے ہاتھ آ گیا۔ گرگان اور طبرستان پر بھی حملہ کیا اپنے بھائی عمرولیث کو ہرات کا والی مقرر کیا۔ ۲۶۱ھ میں محمد بن طاہر کو اسکے ۷ امرا میں سے ایک شخص نے بغاوت کر کے قید سے چھڑا لیا جو امیر المومنین الموفق باللہ کے پاس پہنچ گیا۔ یعقوب لیث نے عراق پر لشکر کشی کر دی اور واپسی پر جندی شاہ پور (۲) میں ۲۶۵ھ میں قولنج میں مبتلا ہو کر فوت ہوگیا۔ اسکے بعد اسکا بھائی عمرولیث حکمران بنا مگر نجستانی نے نیشاپور میں عمرولیث سے جنگ کی اور اسے شکست دے دی۔ اور امیر المومنین موفق باللہ نے اسے خراسان کی حکومت سے ۲۷۱ھ میں معزول کر دیا۔ موفق باللہ نے محمد بن طاہر بن عبداللہ کو خراسان اور

---

(۱) یہ وہی صالح بن نصر ہے جس کی حمایت رتبیل ہشتم نے کیتھی اور لیث کے ہاتھوں رتبیل ہشتم قتل ہوا۔

(۲) اس کا پرانا نام خوزستان اور اہوز تھا۔

دیگر علاقے تفویض کردئے مگر محمد بن طاہر خلیفہ کے پاس چلا گیا اور خراسان کی حکومت نیابت کے طور پر رافع بن ہرثمہ اور ماوراء النہر کی حکومت احمد سامانی کو دیدی۔ رافع بن ہرثمہ نے خلیفہ کے خلاف بغاوت کردی (۲۸۴ھ اور عمرولیث کے ہاتھوں ایک لڑائی میں مارا گیا۔ یہ امیر المومنین المعتضد باللہ کا زمانہ تھا۔ عمرلیث نے ہرثمہ کا سر خلیفہ کے پاس بھیج کر خراسان، ماورالنہر، نیمروز، فارس کرمان، اہواز کی حکومت حاصل کر لی۔ امیر اسماعیل بن احمد (سامانی) نے مقابلہ کیا اور بلخ میں جنگ ہوئی عمرولیث گرفتار ہوا اور اسے قید کر کے خلیفہ کے پاس بھیجا گیا جہاں قید کی حالت میں ۲۸۹ھ میں فوت ہوا۔ صفاریوں کی حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

دور سامانی (۲۷۹ھ تا ۳۸۹ھ):۔

ان کے جد امجد کا نام سامان تھا۔ سامان سمرقند کے نواح میں ایک ضلع کا نام بھی ہے اور سامان رئیس سامان تھا اور بہرام (۱) چوبین کی اولاد میں سے تھا۔ سامان کا ایک بیٹا اسد ہوا اور اسد کے چار بیٹے تھے۔ ان کا نسب نامہ اور علاقہ درج ذیل ہے۔

اسد بن سامان

نوح	احمد	الیاس	یحیٰ
ولایت سمرقند جو بعد میں احمد کو دی گئی	سمرقند فرغانہ و مرو وکاشغر و ترکستان و چین	الیاس ھرات و مضافات	تاشقند و مضاف
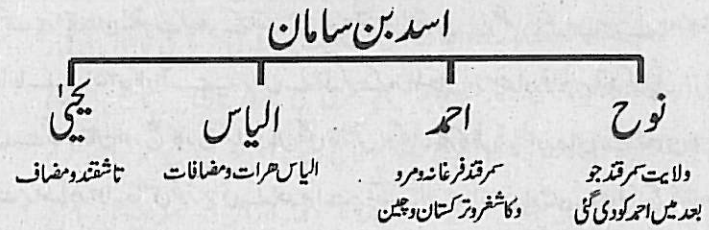
منہاج سراج جوزجانی لکھتے ہیں کہ جب امیرلمومنین مامون مرو آئے تو اسد اور اسکے بیٹوں کی دانائی سے متاثر ہوئے۔ مامون نے غسان بن عباد کو خراسان کا والی بنادیا۔ غسان نے اسد کے تمام بیٹوں کو ولایتوں کا امیر بنادیا۔ اس خاندان کے نو افراد امارت پر متمکن رہے۔ ایک نظم میں ان کا ذکر اس طرح ہوا ہے۔

اسمٰعیلے، واحمد و نصرے　　دو نوح و دو عبدالملک و دو منصور"

جب احمد بن اسد فوت ہوا تو اس نے اپنے بیٹے نصر بن احمد کو اپنا جانشین بنایا۔ دوسرا بھائی اسماعیل

(۱) بہرام چوبن کا دور اقتدار ۵۹۰ء تا ۵۹۶ء تھا۔ نوشیروان کی وفات کے بعد ایران میں اقتدار حاصل کرلیا۔ خسرو پرویز بھاگ کر قسطنطنیہ کے بادشاہ کے پاس چلا گیا اور اسکی مدد سے بہرام چوبین کو نکال کر ایران پر قبضہ کیا۔ بہرام ترکستان چلا گیا جہاں قتل ہوا (دیکھئے طبقات ناصر ص ۳۷۱ حاشیہ ۱۲ اور ۳۶۶)

بن احمد نائب کی حیثیت سے کام کرتا رہا۔ حاسدوں نے دونوں بھائیوں میں اختلاف پیدا کیا جنگ ہوئی۔ اسماعیل کو فتح۔ ہوئی مگر اسماعیل نے بڑے بھائی کا احترام کرتے ہوئے تمام علاقوں کی حکومت اسد کو ہی سونپ دی اور خود نائب کی حیثیت سے کام کرنے لگا۔ نصر بن احمد کی وفات کے بعد امیر المومنین المعتضد باللہ نے نصر کے تمام علاقے کی امارت اسماعیل کو سونپ دی۔ عمرولیث ابن یعقوب لیث نے اسماعیل بن احمد پر حملہ کیا۔ دونوں میں بلخ کے قریب جنگ ہوئی۔ عمرولیث قید ہوا اور اسے خلیفہ کے پاس بھیج دیا گیا۔ امیر المومنین نے اسماعیل بن احمد کو تمام خراسان و ماوراؤ النہر کا حکمران بنا کر پرچم بھی ارسال کیا۔ امیر المومنین کے حکم سے اسماعیل نے امیر محمد زید علوی سے جنگ کر کے طخارستان اور گرگان بھی فتح کئے۔ اسماعیل بن احمد سامانی ۲۹۵ھ میں فوت ہوا۔

اسکے بعد اسکا بیٹا احمد بن اسماعیل تخت نشین ہوا۔ وہ سخت گیر تھا۔ غلاموں نے اس کی سخت گیری کے سبب اسے ۳۰۱ھ میں قتل کردیا۔

اُسکے بعد نصر بن احمد اور نوح بن نصر اس کے بعد عبدالملک بن نوح اور منصور بن نوح اور اسکے بعد نوح بن منصور یکے بعد دیگرے تخت نشین ہوئے۔ اور اسکے بعد اسکا بیٹا منصور بن نوح تخت نشین ہوا۔ منصور نے خراسان کی سالاری بکتوزون کو دے دی جس نے ابوالقاسم سیمجور کو قتل کردیا۔ امیر محمود نے غزنی سے خراسان کا رخ کیا۔ بکتوزون امیر محمود کی خبر سن کر منصور کے دربار کی طرف روانہ ہوا۔ امیر منصور بخارا سے مرو آ گیا تھا۔ فائق خاصہ سپہ سالار بھی اسکے ساتھ تھا۔ بکتوزون بھی آ پہنچا۔ فائق خاصہ اور بکتوزون نے امیر منصور کو تخت سے ہٹانے کا منصوبہ بنایا اور ۳۸۹ھ میں اسے امارت سے معزول کر دیا اور ابو الفوارس عبدالملک بن نوح کو جو امیر منصور کا بھائی تھا تخت پر بٹھادیا۔ منصور بن نوح کی آنکھوں میں سلائی پھرا کر اسے اندھا کر دیا گیا۔ امیر محمود کو ان حالات کا علم ہوا تو وہ امیر منصور پر ظلم کا بدلہ لینے کے لئے مرو پہنچا۔ صلح کی گفتگو شروع ہوئی اور فیصلہ یہ ہوا کہ ہرات اور بلخ محمود کے حوالے کئے جائیں اور نیشاپور اور مرو بکتوزون اور فائق کے حوالے رہیں۔

اس زمانے میں امیر ابوالحسن ایلک نصر ابن علی (جو فرغانہ کے خان بزرگ کا بھائی تھا) نے پیش قدمی کی اور بخارا کے لوگوں پر ظاہر کیا کہ وہ امیر ابوالفوارس عبدالملک کی مدد کے لئے آیا ہے۔ عبدالملک نے استقبال کے لئے امرا بھیجے جن کو نصر بن علی نے گرفتار کرلیا اور ابوالحسن ایلک بخارا میں داخل ہوا۔ عبدالملک گرفتار ہوا اور روزجند (روزکند) بھیج دیا گیا۔ اس طرح سامانیوں کی سلطنت جو ۲۷۹ھ میں

قائم ہوئی تھی ۳۸۹ھ میں اختتام پذیر ہوئی۔ سامانیوں نے کل ۱۱۰ سال حکمرانی کی۔ سامانی گبری (مغ) تھے اور مامون الرشید کے عہد میں مسلمان ہو چکے تھے۔

سامانیوں کے عہد میں شمالی افغانستان میں بعض مقامی امرا نے قوت حاصل کی اور افغانستان کی تاریخ میں اپنے خاندان کو مخصوص مقام بخشا۔ ان میں (گوزگان) کے فریغونی (۲۵۰ تا ۴۱۰ھ)۔ تخارستان کے آل بانیجور (۲۳۲ تا ۲۷۲ھ) شاران غرستان (۲۸۹ تا ۵۵۰ھ) امرائے اندراب، امرائے چغانیاں (آل محتاج) یکجوریاں دتگین (غزنویاں) مشہور ہیں۔ غزنویوں کے دور میں سلجوقیوں اور خوارزم شاہان نے قوت حاصل کی۔ سلجوقی شمالی ترکستان کے لوگ تھے جو دریائے سیحون و دریائے ارال کے شمالی علاقہ سے نکل کر ماورائے النہر کے علاقہ میں آباد ہو گئے تھے اور سامانیوں کے عہد میں اسلام قبول کیا۔ طغرل بیگ (۴۲۹ھ تا ۴۵۵ھ) نے جنگ دندانقان میں سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی کو شکست دیکر (۴۲۹ھ = ۱۰۳۷م) میں نیشاپور میں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا اور اپنے بھائی لینجو کو مغربی افغانستان ہرات و سیستان کا فرمانروا مقرر کیا اور دوسرے دو بھائیوں داؤد اور چغری بیگ نے شمالی افغانستان پر (مرو اور سرخس سے بلخ تک) قبضہ جمالیا۔ الپ ارسلان پسر چغری بیگ (۴۱۵ تا ۴۵۵ھ) = (۱۰۶۳ تا ۱۰۷۲ء) نے طخارستان، بلخ، ترمذ، قبادیان، وخش ولوالج پر قبضہ کر لیا۔ الپ ارسلان کے بیٹے ملک شاہ (۴۶۵ تا ۴۸۵ھ) نے سلطان ابراہیم غزنوی سے دوستانہ روابط رکھے۔ ملک شاہ کے بھائی (تکش) نے بلخ میں بغاوت کر دی مگر ملک شاہ نے اسے قید کر کے اندھا کر دیا۔ اس خاندان کا مشہور حکمران (سلطان سنجر) حدود (۵۱۱ھ تا ۵۵۲ھ بمطابق ۱۱۱۷ء تا ۱۱۷۵ء) تھا۔ سلطان سنجر سلجوقی اور علاالدین جہاں سوز (غوری) کے مابین ہرات میں جنگ ہوئی۔ علاوہ الدین جہاں سوز گرفتار ہو گیا مگر رہا کر دیا گیا اور اسے واپس غور بھیج دیا گیا (۵۵۰ھ) لیکن بعدازاں وسط ایشیاء سے غزا اور قرا خطائی ترکوں نے سنجری حکومت کا ۵۵۲ھ میں خاتمہ کر دیا۔ مگر غزوں کی شورش کو خوارزم شاہیوں اور غوریوں نے بہت جلد ختم کر دیا۔ سلجوقیوں کے عہد میں خوارزم شاہی خاندان خراسان اور شمالی افغانستان پر قابض ہو گیا۔ غوریوں اور خوارزم شاہیوں میں کافی عرصہ تک جنگیں ہوتی رہیں بالآخر علاوالدین محمد (خوارزم شاہ) نے ۶۱۱ھ (۱۲۱۴ء) میں غور ''فیروزکوہ'' ہرات تا غزنی فتح کر لئے اور خاندان غوری کو غور سے بے دخل کر دیا۔ خوارزم شاہی دور میں سلطان جلال الدین خوارزم شاہ پر ۶۱۷ھ میں چنگیز خان نے حملہ کر دیا۔ خوارزم شاہ چنگیز سے شکست کھا کر فرار ہوا اور جزیرۂ آب سکوں میں بے سروسامانی کی حالت میں فوت ہو گیا۔

غوری عہد:۔

غوری دراصل افغانوں کے طائفہ سوری سے تعلق رکھتے ہیں جو خراسان و غور میں (زوری) نام سے یاد کئے جاتے تھے اور اب بھی بادغیس، ہرات اور زور آباد میں موجود ہیں۔ قبل از اسلام اس خاندان کی حکمرانی، کوہسار تخارستان، و غور و ہرات اور خراسان میں رہی ہے۔ اور تاریخ میں ان کا لقب (غرشا) تھا۔ نسباً یہ قدیم افسانوی شخصیت ضحاک تازی سے منسوب ہیں جبکہ بعض مورخین ان کو سہاک کی نسل سے شمار کرتے ہیں۔ فردوسی، طبری، البیرونی اور ابن بلخی کے مطابق یہ ضحاک (بیوراسب اژدھاک) کی نسل سے ہیں اور (ادستا) میں اس کا نام (دھاکہ = ازی دھا) اژدھا آیا ہے۔ اس خاندان کا ایک معروف شخص (شنسب غوری) تھا جو حضرت علی کے معاصرین میں تھا اور ان کے ہاتھ پر اسلام لایا تھا اور ان سے خراسان و غور کی فرمانروائی کا پروانہ بھی حاصل کیا تھا۔ امیر پولاد حکمران غور اسی کی نسل سے تھا۔ اسکا بیٹا امیر کرور (لقب جہاں پہلوان) مشہور تھا۔ المختصر تاجک غوری اسی پہلوان کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ حضرت علیؓ کے دور میں ایک اور شخص (ماہو یہ سوری) بھی مسلمان ہوا اور حضرت علی سے خراسان و غور کا باج اکھٹا کرنیکا پروانہ لایا تھا اور یہ دونوں اشخاص شنسب غوری اور ماہو یہ سوری حضرت علی کے دور میں مسلمان ہوئے اور صاحب اقتدار ہوئے۔ ابو مسلم خراسانی نے جب خلافت اموی کے خلاف خراسان میں جنگ کی تو امیر پولاد نے غوری افواج سے ابو مسلم خراسانی کی مدد کی اور اموی اقتدار کا خاتمہ اور عباسی دور کا آغاز ہوا۔ تاریخ مختصر غور تالیف غوث الدین مستمد ص ۲۹ کے مطابق جب امیر سبکتگین کی وفات (۳۸۷ھ = ۹۹۶ء) کے بعد محمود غزنوی تخت پر بیٹھا تو اس وقت غور کا حکمران (امیر محمد سوری) تھا جس کو محمود غزنوی نے قلعہ آہنگراں میں محصور کر کے قید کر دیا اور اسے غزنہ لے گیا مگر محمد سوری نے زہر کھا کر خود کشی کر لی تھی۔ غوری خاندان کے سلاطین میں سے قبیلہ تاجک سواتی کا تعلق سلطان بہاؤ الدین سام حکمران بامیان سے ہے جو ۵۸۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ (تاریخ مختصر غور) تالیف غوث الدین مستمند غوری کے ص ۵۱ پر بہاؤالدین سام کے متعلق درج ذیل عبارت لکھی گئی ہے۔

''بہاؤ الدین سام بادشاہ بزرگ علم دوستی بود۔ ہر تخت بامیاں نشست (۵۸۷ھ) = (۱۱۸۹ء) دربار دی مجمع علماء بود۔ امام فخر الدین رازی، شیخ الاسلام جلالالدین ورسا دوا فصیح العجم مولانا سراج الدین بدر بار او بوند۔ سلطانت دی از کشمیر تا کاشغرو

ترمذ و بلخ و جنوباً تا اقاصی غور و غرجستان می رسید و (غور) و غزنہ)، (بامیان) در تحت فرمانِ او بود"

"چوں سلطان معز الدین بہ شہادت رسید (۶۰۲ ھ = ۱۲۰۵ء) امرای مملکت اورا بہ غزنہ طلب کردند ولی در گیلان از جہاں رفت۔ مدت شاہی او چہاردہ سال بود" (۱) بہاؤ الدین سام کی مشرقی سرحد کشمیر تک لکھی گئی ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کابل تا کشمیر کا علاقہ جو سلطان پکھل اور سلطان بہرام نے فتح کیا تھا ابتداء میں سلطنت غوری کے توابع کا علاقہ تھا۔ سلطان بہرام نے یہ علاقے عماد الدین بلخی کی مدد سے فتح کئے تھے اور ننگر ہار سے کرمان اور شلوزان کا علاقہ فوجی خدمات کے عوض اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی کو بطور تعلقہ (Fief) دئے تھے۔ اس کی تفصیل آئندہ فصل میں بیان کی جائیگی۔

(۱) تاریخ مختصر غور" تالیف غوث الدین مستمند غوری ص ۵۱

باب نہم

فصل دوم

قبیلہ تاجک سواتی کا تاریخی دور

گذشتہ ابواب کے مطالعہ سے قبیلہ تاجک سواتی کے حسب و نسب پر بحث ہو چکی ہے۔ ان ابواب کے متون کو اختصار سے ترتیب دی جائے تو تاجک سواتی کی تاریخ جواب تک قدیم مستند کتب تاریخ میں بکھری پڑی ہے ایک جامع اور واضح انداز میں بالتصریح مرتب ہو سکتی ہے جو مبہم، غیر مصدقہ افسانوی روایات سے ہٹ کر تاریخی پس منظر میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ان کا تاریخ ساز دور غوریوں کے عہد سے مربوط ہے اور یہی وہ دور ہے جس میں اسلام وسطی اور شمالی ہندوستان میں ایک نئی اور ولولہ انگیز تہذیب کی حیثیت سے پھیلا۔ محمود غزنوی کے حملوں سے ہندوستان کے بت خانے اور ان میں رکھے بت تو ٹوٹ گئے مگر سلطان محمود نے مال غنیمت اور ثروت پر اکتفا کیا اور اسکے دور میں اسلام کی مستقل اور پائیدار حکومت کا اجرا نہیں ہو سکا۔ اس کے برعکس شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان میں مستقل اسلامی نقوش چھوڑے جو کئی صدیوں سے اس خطے میں استقلال اور پائیداری سے قائم ہیں۔ غوریوں نے ایک طے شدہ منصوبے کے تحت ہندوستان پر حملہ کرنے اور اسلامی فوجوں کی نقل و حرکت کو محفوظ بنانے کے لئے غور سے ہندوستان کی شاہراہ کو محفوظ بنانے کی خاطر شمالی علاقہ جات جو بدھ مذہب اور ہندوں کے آبائی مساکن تھے پر قبضہ کرنے کا منصوبہ بنایا تا کہ اسلام دشمن قوتوں کا ان علاقوں سے خاتمہ کیا جائے۔ لغمان، ننگر ہار، وادی گندھارا با جوڑ سوات اور کشمیر و پکھلی (ہزار) بدھ دھرم یا ہندومت کے علاقے تھے۔ اسلئے سب سے پہلے ان علاقوں پر تصرف جمانے کے لئے کاروائیاں کی گئیں۔ شہاب الدین محمد غوری نے خود بھی کرم پشاور پر حملے کئے اور اسکے والد بہاالدین سام کی ایما پر بلخ اور کنڑ کے مسلمان مقامی فرمانرواؤں نے کابل تا کشمیر تمام شمالی سرحدی علاقے فتح کئے۔ چنانچہ سلطان بہاؤ الدین سام کی سلطنت کی سرحدات (از کشمیر تا کاشغر و ترمذ و بلخ و جنوباً تا اقاصی غور و غرجستان، رسید و غور و غزنہ و بامیان در تحت فرمان او بود)۔ یہ علاقہ سلطان پکھل اور سلطان بہرام (ہر دو برادران) نے جو سلاطین درہ پیچ کنڑ کی نسل سے تھے، عماد الدین بلخی کی مدد سے فتح کئے۔ ان کی افواج میں تاجک غوریوں کے علاوہ خلج اور غذ ترک بھی شامل تھے۔ سلطان پکھل اور سلطان بہرام کی فتوحات کے متعلق درج ذیل تاریخی بیانات قابل غور ہیں۔

۱۔ پہلا تاریخی بیان:۔

اخوند درویزہ نے اپنی تصنیف (تذکرۃ الابرار والاشرار ص ۱۱۰۔۱۰۷) میں لکھا ہے

''سلطان بہرام و سلطان فکہل ہر دو براداراں بودند از سلطانان پچ چوںؒ نوبت سلطنت بدیں دو برادر رسید، سطان فکہل روئے بہ کوہائے باجوڑ وصوات وکشمیر نہادہ وتمامی اولس ایں حدود در تحت وتصرف خویش درآورد۔ سماع است کہ بعد از رحلت او۔۔ پسران او در مملکت سوات نزاع بحدے کردند کہ جنگ عظیم و محاربہ علیم درمیان ایشاں افتاد''

''سلطان بہرام روئے بہ لمغان وننگر ہار آوردہ۔۔ سلطان بہرام از تمام ننگر ہار موضع پاپین راپسندیدہ متوطن گشت وسائر مملکت راروز بروز از مردمان خویشی آباداں می ساخت مدتی بریں بود کہ فرزند خویش سلطان تومنارا در ننگر ہار ماندہ خود متوجہ خطہ کشمیر گشتہ بعد از فتح آں بلاد یکے از پسران خود دراں حدود ماندہ خود توجہ نمود تا سلطان تومنا رامع اہل وعیال بہ کشمیر برد اما قضائے قدیر برآں رفتہ کہ چوںؒ در موضع کوٹ ننگر ہار رسید اجل دست تطاول دراز نمودہ۔۔۔ الی یومنا اولاد کشمیری او در کشمیر متوطن اند۔۔ اولاد ننگر ہاری او در ننگر ہار متوطن اند''

مفہوم:۔

(سلطان بہرام وسلطان فکہل (پکھل) ہر دو بھائی جو سلاطین (پچ)= دراصل پیچ کنڑ، کی نسل سے ہیں جب حکمران بنے تو سلطان پکھل نے باجوڑ، صوات وکشمیر کے پہاڑی علاقوں کا رخ کیا اور یہاں کے تمام لوگوں کو اپنے تصرف میں لایا۔ اسکی وفات کے بعد اسکے بیٹوں میں جھگڑا پیدا ہوا اور ان میں ایک تباہ کن جنگ ہوئی۔

سلطان بہرام نے لمغان اور ننگر ہار کا رخ کیا (ان علاقوں کو فتح کرنے کے بعد بہرام نے موضع پاپین کو اپنا دارالخلافہ بنایا اور کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد اپنے بیٹے سلطان تومنا کو پاپین میں چھوڑ کر خود کشمیر کیطرف متوجہ ہوا اور اس علاقے کو فتح کرنے کے بعد اپنے ایک بیٹے کو کشمیر میں چھوڑ کر واپس پاپین لوٹا مگر جب ننگر ہار پہنچا تو قضائے الہی سے فوت ہو گیا۔ چنانچہ اسکی کشمیری اولاد کشمیر میں اور ننگر ہاری اولاد ننگر ہار میں آج تک موجود ہے۔

۲۔ دوسرا تاریخی بیان:۔

عبدالحیٔ حبیبی مصنف ''تاریخ مختصر افغانستان'' ص ۱۹۲ پر لکھتا ہے۔

''درحدود (۸۰۰ھ بمطابق ۱۳۹۷م) کہ تاخت وتاز تیمور در صفحات افغانستان جاری بود در درہ ہائے کنڑ خانوادہ محلی حکمرانی داشتہ کہ آنہارا بلقب (سلطان) می خواندند۔ ایں دودمان در درۂ پیچ کنڑ مرکز داشتند وافسانہ ہائے محلی آنہارا بہ اولاد ذوالقرنین منسوب می دانستند۔ از مشاہیر ایں دودمان سلطان پکھل وسلطان بہرام دو برادرند فرزندان سلطان کہجامن بن ہندو کہ سلطان پکھل از لغمان تا کنڑ وباجوڑ وسوات وکشمیر حکم میراند موضع پکھلی (واقع ضلع ہزارہ صوبہ سرحد) منسوب باوست ودر درہ ہائے کنڑ کتیبہ ہائے ازو باقیماندہ است وبعد ازو پسرانش در سوات بہم آویختند وجنگی عظیم کردند۔

اما سلطان بہرام لغمان وننگر ہار رابہ تصرف آوردہ وبرخی از مخالفان خود رابہ پشاور نفی کرد مرکز حکمرانی او پاپین دامنہ سپین غر بود وبعد از برادر، اراضیٔ متعلقہ را تا کشمیر بدست آورد وبر مملکتی از حدود کابل تا کشمیر حکم راند وبعد از وسلطان تومنا زمام حکمرانی بدست گرفت ولی حکمرانی ایں خاندان در سلاسل کوہائے شنوار وکنڑ وسوات وباجوڑ تا ضلع ہزارہ وکشمیر محدود ماندہ در دامنہ کوہ ہا ودشت ہائے کابل وننگر ہار وپشاور مہاجرت ہائے اقوام پختون صفحات قندھار ومجرائے نہر ارغسان در عصر اولاد تیمور آغاز شد۔''

۳۔ تیسرا تاریخی بیان:۔

میجر راورٹی اپنی تصنیف Notes on Afghansitan and Baluchistan P51-52 پر لکھتا ہے:۔

"This place (Nangrahar), Sultan Behram, a descendent of Sulktans of Pich, who claimed descent from a son of Alexander of Macedon took possession of and conquerred the tract up as far as sufed Koh of Nangarhar and drove out a trbe which predominated over the Nangraharis as the Akhun styles the Tajzik inhabitants of that part, called Budni and appears to have been a clam of those Turkish tribes."

"When Jalal-ud-din Khwarazm shah, overthrew the Moghals at Barwan (actually Parwan) near the source of the Logar River in 618 higra (1222 AD) a quarrel arose about some of the booty between the Yamin-ul-Mulk (Khan of Herat) and Malik Saifud-Din Ighraq , the Khalj, who had joined the Sultan (i.e. Khwarazm Shah), with 40,000 men, composed of Khalj and Kankuli Turks, Ghauz Turkuman and Ghoris who were Tajziks. The dispute not having been settleed to the satisfaction of the khalj Malik Saifud-Din, he with the whole of troops he had brought to the Sultan's army, left his camp in the night and marched away in the direction of Pershawar, supposed to be the present Peshawar district, towards the mountains of Karman and Shanozan... of Amir Timur's compaign. with Saifud Din was the Azam Malik, the son of Imad-ud-Din, the Balkhi, Ghori chief and several others. These disloyal chiefs proceeded into Nangarhar which was the fief of the Azam Malik. Arrived there, the latter(i.e. Azam Malik) entertained them for a while but as enmity existed between Nuh the Jandar who was at the head of a khel of some five or six thousand families, and Malik Saifud Din Ighraq. the khalj, the latter with his 20,000 follwers (his immediate followers) turned his face towards

Peshawar, while Nuh, the Jandar stayed behind in the Pasture lands of Nangarhar.""

۴۔ چوتھا بیان:۔

یہ بیان منہاج سراج جوز جانی کی تصنیف (طبقات ناصری) سے لیا گیا ہے جو میجر راورٹی کے بیان کی تصدیق کرتا ہے۔ جوز جانی (طبقات) ناصری کے ص ۱۴۶ اور ۱۴۷ پر لکھتا ہے۔

جلال الدین کی کامیاب یورش:۔

۶۱۷ھ میں جب ملک خان (خان آف ہرات) جوتاتاریوں کے سامنے سے ہٹ کر غزنہ پہنچا تھا۔ دوبارہ گرم سیر کیطرف نکل گیا۔ اس کا قصد سیستان کا تھا۔ راستے سے اس نے رضی الملک کو ولایت پشاور دے دی۔ جب رضی الملک اس غرض سے غزنہ آیا کہ وہ پشاور جائے تو اہل غزنہ نے اسے جانے نہ دیا۔ پھر وہ پشاور گیا مگر وہاں جو عراقی لشکر تھا (غالباً اغراقی لشکر) اس نے رضی الملک کو واپس کر دیا۔ جب رضی الملک پشاور سے لوٹا تو اعظم ملک سپہ سالار نے، جو عماد الدین بلخ کا بیٹا اور ننگرہار کا امیر تھا۔ رضی الملک کو گرفتار کر لیا اور زیر نگرانی کر دیا"

"اچانک سلطان جلال الدین منکبرنی اور ملک خان (ہرات) غزنہ پہنچ گئے۔ ان کے پاس ترکوں، غذا اور تاجک کے امیروں، خلجیوں اور غذوں کی بے شمار فوج جمع ہوگئی۔ چنانچہ سلطان جلاالدین نے اس فوج کے ساتھ تخارستان کی طرف پیش قدمی کی۔ اس وقت تاتاری فوج قلعہ والیان (ولخ) کے پاس تھی اسے شکست دی۔ پھر فوج کے ساتھ واپس آ گیا۔۔۔ چنگیز نے اپنے داماد "فیقونوین کو ہرات و خراسان سے غزنہ کی طرف بھیج دیا۔ جب تاتاری پروان کی حدود میں پہنچے تو سلطان جلال الدین ان کے مقابلے کے لئے دوسری مرتبہ جا پہنچا اور ان سے جنگ کی، شکست دی اور بے شمار کافروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

"سلطان کے لشکر میں اغراق قبیلے کے آدمی زیادہ تھے۔ بڑے مرد میداں اور خونریز جنگوں میں پیش پیش رہتے تھے۔ انہیں مال غنیمت کے متعلق عجمیوں اور عراقیوں سے عداوت ہوگئی۔ چنانچہ وہ سلطان کے لشکر سے الگ ہو گئے۔ اور دوسری طرف چلے گئے۔ سلطان کے ساتھ صرف ترک رہ گئے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ دریائے سندھ کے کنارے چنگیز نے سلطان جلال الدین منکبرنی کو شکس دے دی۔

پانچواں بیان:۔

عبدالحئ حبیبی مصنف تاریخ مختصر افغانستان ص ۳۷۳ پر لکھتا ہے:۔

''دریں وقت (۶۱۸ ھ بعد از فتح تخارستان بدست چنگیز) جلال الدین منکبرنی خوارزمشاہ از
از ہرات بغزنی آمد و روٴسائے بومی افغانستان مانند امین ملک با ۳۰ ہزار لشکر خود و سیف
الدین اغراق و اعظم ملک و مظفر ملک روٴسای افاغنہ نیز باد پیوستند و در پروان (شمالی کابل)
اکنوں جبل السراج) با ۴۵ ہزار لشکریاں کہ بہ سالاری قوتوقومی جنگید ند، مضاف آراستند، و
بعد از دو روز لشکریان چنگیزی را شکست فاحش دادند و چنگیزیاں حصار ولخ (تخارستان) را رہا
کردہ گریختند ولی ملکان لشکریان فاتح جلال الدین بہ جان یک دیگر افتادہ و بہ پشاور برگشتند و
در آں جا نیز مدت سہ ماہ یکدیگر را میکشند تا چنگیز خان بہ انتقام شکست پروان بعد از گرفتن
نصرت کوہ تالقان از راہ بامیان برغزنہ تاخت آورد۔ وجلال الدین از غزنی برآمد بطرف گر
دیز عقب نشت۔ چنگیز بہ غزنی آمد و بعد از نصب حاکم خود در آنجا بطرف دریائے سندھ پیش
رفت و در معبر نیلاب (واقع جنوبی اٹک) جلال الدین را کہ از دریائے سندھ می گذشت گیر
کردو۔ فرزند ہشت سالہ اورا بکشت۔ جلال الدین مادر و زوجہ و اہل حرم خود را در سند غرق کردہ
وخود با ہفت صد نفر مقابل اردوی چنگیز جنگ میکرد ولی در آخر خود را براسپ بدریا زد و زندہ از
آب سند گذشت۔ چنگیز بقیہ اتباع و اقارب سلطان را کشتہ و مدت سہ ماہ در پشاور و تغور
پنجاب کشتار نمود و بر سواحل راست سند تا چترال تاخت و تاز کرد۔ بعد ازیں دو پسر خود اوگدائی
و چغتائی را در آں حوالی بگذاشت وخود از راہ کابل و بامیان بلب جیحون مراجعت کرد (شوال
۶۱۸ ھ) و سہ سال بعد در ۶۲۱ ھ تربی نوین سردار لشکر چنگیز ناصر الدین قباچہ را در ملتان بہ روز
محاصرہ کرد و واپس بدون، نیل مرام بازگشت''

تجزیہ:۔

مذکورہ بالا پانچ تاریخی بیانات فاضل علماء و مورخین نے لکھے ہیں جنکی تحقیق و تصدیق کی
چنداں ضرورت نہیں۔ اور اگر چہ بظاہر یہ بیانات بے ربط دکھائی دے رہے ہوں، مگر واقعاتی پس منظر میں
قبیلہ سواتی کے فاتح مورثین سلطان پکھل اور سلطان بہرام کے حالات سے ان کا گہرا تعلق ہے اور یہی

بیانات قبیلہ سواتی کی تاریخ (جواب تک اخفا میں پڑی ہے) کا سرچشمہ ہیں۔ اس لئے ان کا واقعاتی پس
منظر میں تجزیہ ضروری ہے۔

پہلا بیان اخوند درویزہ کی تصنیف (تذکرہ) سے لیا گیا ہے جس میں سلطان پکھل کو فاتح کنڑ،
باجوڑ، سوات و ضلع ہزارہ تا سرحد کشمیر لکھا گیا ہے اور سلطان بہرام کو فاتح لغمان وننگر ہار لکھا گیا ہے۔ مگر ان
دونوں کے زمانے (دور) کا ذکر نہیں کیا گیا۔ سلطان پکھل کی وفات کے بعد اسکے بیٹوں میں باہمی
اختلاف کے بعد سوات میں جنگ عظیم ہوئی جس کے نتیجے میں سلطان پکھل کے بیٹے اور بہت سے رشتہ
دار مارے گئے اور حالات ابتر ہونے کے باعث سلطان بہرام فاتح، حکمران ننگر ہار کو سلطان پکھل کے
بعد دوبارہ ان مفتوحہ علاقوں (باجوڑ۔ سوات و کشمیر) پر حملہ کرنا پڑا۔ چنانچہ سلطان بہرام نے کشمیر کو فتح کر
کے کابل سے (ضلع ہزارہ صوبہ سرحد) تا بحد کشمیر سلطنت قائم کی۔ مگر اس سلطنت کا نام نہ اخوند درویزہ
نے لکھا ہے اور نہ ہی عبدالحئ حبیبی نے لکھا ہے۔ البتہ عبدالحئ حبیبی نے اخوند درویزہ کے بیان میں ایک
اضافہ کیا ہے کہ سلطان پکھل اور سلطان بہرام سلاطین درہ پیچ کنڑ کی نسل سے تھے اور مقامی روایات
کے مطابق ان کا لقب (سلطان) تھا۔ عبدالحئ حبیبی نے (ذوالقرنین) کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے
ان کے دور کو امیر تیمور کے حملوں کے دور سے منطبق کر کے (۸۰۰ ھ بمطابق ۱۳۹۷ م) لکھ کر افغانوں
کے دور سے خلط ملط کر دیا ہے جو تاریخی اعتبار سے درست نہیں۔ اس کی صحیح تشریح میجر راورٹی کے بیان
سے ہوتی ہے جسکی مزید تائید منہاج سراج جوزجانی کی طبقات ناصری سے ہوتی ہے۔ میجر راورٹی نے
اپنی یادداشتوں کے ص ۵۲۔۵۱ پر چنگیز خان اور جلال الدین خوارزم شاہ کے درمیان ۶۱۷ ھ میں
پاروان (جبل السراج) میں ہونے والی جنگ کا ذکر کیا ہے جس میں چنگیزی فوجوں کو شکست فاش ہوئی
تھی۔ اس جنگ میں ملک خان (ھرات) اور سیف الدین اغراق (خلج) اور اعظم ملک ابن عماد الدین
بلخی خوارزم شاہ کے اتحادی تھے۔ یمین الملک (خان آف ہرات) اور ملک سیف الدین اغراق میں مال
غنیمت پر ناچاقی پیدا ہوگئی۔ چونکہ معاملہ کا تصفیہ ملک سیف الدین اغراق کی توقعات کے مطابق نہ ہوا
اسلئے وہ رات کی تاریکی میں اپنے چالیس ہزار جوانوں اور اعظم ملک اور دیگر سرداروں کے ساتھ اپنے
کیمپ سے نکل کر پشاور کیطرف روانہ ہو گئے اور اعظم ملک کے علاقے کرمان (وادی کرم) اور
شنوزن (شلوزان) موجودہ کرم ایجنسی میں قیام پذیر ہو گئے۔ کرمان اور شلوزان کے علاقے ننگر ہار کا
حصہ تھے جو سلطان بہرام کا مفتوحہ و مقبوضہ علاقہ تھا، مگر چنگیز کے حملے کے وقت جنوبی ننگر ہار اعظم ملک

کے پاس بطور تعلقہ (Fief) تھے۔ جس سے یہ ظاہر ہوا کہ ان علاقوں کے فتح کرنے میں عماد الدین بلخی نے سلطان بہرام کی مدد کی تھی جس کے عوض کرمان اور شلوزان کا علاقہ بطور فوجی خدمات اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی کے قبضہ میں بطور تعلقہ تھا۔

چونکہ سیف الدین اعراق اور نوح جاندار میں دشمنی تھی اس لئے ملک سیف الدین اغراق (خلج) اپنی فوجوں سمیت پشاور کی طرف چلا گیا جبکہ باقی اتحادی اعظم ملک کے علاقے میں رہ گئے۔

اعظم ملک کا ذکر کرتے میجر راورٹی نے یہ تو تسلیم کر دیا کہ وہ کرمان اور شلوزان پر فوجی خدمات کے سلسلے میں قابض تھا مگر سلطان بہرام کا تذکرہ صرف اس حد تک کیا کہ اس نے لغمان اور ننگرہار کو فتح کر کے یہاں کے بدھ (بدنی) فرمانرواؤں کو نکال دیا اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو روز بروز یہاں آباد کرنے لگا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلطان بہرام چنگیز خان کے حملے سے کافی پہلے وفات پا چکا تھا اور یہ دور سلطان تومنا سے تعلق رکھتا ہے جو سلطان بہرام کے بعد حکمران بنا تھا۔

ان واقعات سے یہ قیاس یقین میں بدل جاتا ہے کہ سلطان بہرام و سلطان پکھل بہاؤ الدین سام (غوری) کے عہد کی تاریخی شخصیات ہیں جس کے عہد حکومت کے دوران عماد الدین بلخی (پدر اعظم ملک) کی مدد سے ان دو بھائیوں نے کابل سے کشمیر تک کا علاقہ فتح کیا اور تعلقہ کے طور پر سلطان بہرام نے کرمان وشلوزان کا علاقہ عماد الدین کے بیٹے اعظم ملک کو دیا جو چنگیز کے حملے کے وقت اعظم ملک کا مقبوضہ علاقہ تھا۔ نتیجتاً یہ کہا جا سکتا ہے کہ عبدالحئی حبیبی نے سلطان پکھل اور سلطان بہرام کا دور (۸۰۰ھ) درست نہیں لکھا کیونکہ چنگیز سے پاروان کی جنگ ۶۱۷ھ میں اور دریائے سندھ کے کنارے اٹک کے جنوب میں ۶۱۸ھ میں ہوئی تھی اور اس سے کافی عرصہ قبل یہ علاقہ سلطان بہرام کا مفتوحہ ومقبوضہ علاقہ تھا اور پاپین جو کوہ سفید کے دامن میں واقع تھا بہرام کا دار الخلافہ تھا۔ المختصر لغمان اور ننگرہار سلطان بہرام نے ۱۱۹۰ء یا اس سے قبل فتح کئے تھے اور کابل سے کشمیر کی سرحد تک (دریائے جہلم تک) کے علاقوں کو اپنے تسلط میں لا کر مملکت گبر کا قیام عمل میں لایا تھا۔ کتب تاریخ میں صریح حوالوں کے باوجود مورخین نے اس وسیع مملکت کا ذکر بحیثیت ایک سیاسی یونٹ کے نہیں کیا حالانکہ چنگیز خان نے تین ماہ تک اس مملکت

میں قیام بھی کیا جس کا ذکر طبقات ناصری کے مذکورہ بیان میں بھی ہو چکا ہے اور میجر راورٹی نے بھی اس کی تصدیق اپنے بیان میں کی ہے۔ میجر راورٹی کا بیان (طبقات ناصری) اور میجر بلیو کی کتاب (Kashghar History) پر مبنی ہے۔ میجر بلیو نے چنگیز خان کے قیام کے متعلق لکھا ہے کہ وہ تین ماہ مملکت گبر (آتش پرستوں کے علاقے) میں قیام کے بعد ترکستان چلا گیا تھا جس کی تشریح میجر راورٹی نے اپنی یادداشتوں کے ص ۱۵۶ پر کی ہے اور لکھا ہے گبری اس وقت آتش پرست نہ تھے بلکہ وہ پکے مسلمان تھے اور چنگیز کے حملے سے کافی عرصہ پہلے مسلمان ہو چکے تھے۔ اس موضوع پر گزشتہ اوراق میں بھی بحث ہو چکی ہے البتہ یادداشت کی تازگی کی خاطر میجر راورٹی کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

"The Gibaris were orthodox Musalmans and had been for a very long period"

(Notes on Afghansitan and Baluchistan P 128)

"In the srping of (620 = 1223 AD) he (Changiz Khan) brote up his camp in the Gibar Country.... near Peshawar taking the same very route as he had entered the Gaznin territory by, through Bamian and Tukharistan."

اور اسی صفحہ پر نوٹ پارٹ میں میجر راورٹی لکھتا ہے:-

"The Badshahs of Badakhshan, who were Musalmans, who claimed descent from Sikandar-e-Zulqarnain, and who had hither to been independtant, and jôined Amir Timur agaist Amir Hussain."

مذکورہ بالا بیان سے صاف عیاں ہوجاتا ہے کہ سلطان بہرام نے جس حکومت کا کابل تا کشمیر قیام ٹیا تھا وہ مملکت گبر (Gibar Country) کہلاتی تھی اور یہ گبری بدخشاں کے بادشاہوں کی طرح اپنے آپ کو ذوالقرنین کی نسل سے منسوب کرتے تھے اور آتش پرست نہ تھے بلکہ پکے مسلمان تھے۔

طبقات ناصری کے مصنف (منہاج سراج) نے اپنے بیان میں چنگیز خان کے قیام کا ذکر ولایت گبر میں کیا ہے جبکہ عبدالحئ جیبی نے اس قیام کو پشاور اور دریائے سندھ کے دائیں کنارے کے علاقے میں دکھایا ہے۔جس کا مطلب بھی (سوات) ہے کیونکہ چنگیز نے سوات اور چترال میں اغراقیوں (خلجیوں) کے تعاقب میں تاخت کی تھی۔

منہاج سراج جوز جانی نے (طبقات ناصری) میں سوات اور باجوڑ کو ولایت گبر تو لکھا ہے اور اعظم ملک کا تذکرہ بھی کیا ہے مگر اس امر کی وضاحت نہیں کی کہ ولایت گبر یا مملکت گبر کا بانی کون تھا یا اسے ولایت گبر کیوں کہتے تھے اور اعظم ملک کس حیثیت میں ننگر ہار کا امیر تھا۔ ان سوالوں کا جواب میجر راورٹی کے بیان میں دستیاب ہے۔جس نے لکھا ہے کہ اعظم ملک ننگر ہار کے علاقے کرمان اور شلوزان پر بطور تعلقہ (fiel) قابض تھا جو دراصل سلطان بہرام کا مفتوحہ و مقبوضہ علاقہ تھا۔

مملکت گبر کے حدودات:۔

اخوند درویزہ اور عبدالحئ جیبی کے مذکورہ بالا بیانات سے صاف ظاہر ہے کہ مملکت گبر میں کابل تا ضلع ہزارہ تا سرحد کشمیر کے علاقے شامل تھے۔ان علاقوں میں موجودہ صوبہ کابل، صوبہ کنڑ، صوبہ لغمان وصوبہ ننگر ہار جو اب افغانستان کا حصہ ہیں اور باجوڑ، سوات، بنیر، (پکھلی تا دریائے جہلم) بشمول وادی گندھارا (پشاور۔ اشنغر) اور قارلغ ہزارہ شامل تھے۔ یہ ایک وسیع مملکت تھی جسکو میجر راورٹی نے امپائر (Empire) لکھا ہے۔راورٹی لکھتا ہے:۔

"The Jahangirian Sultans in ancient time possessed an Empire xtending from Nangrahar to the Jhelum, but at
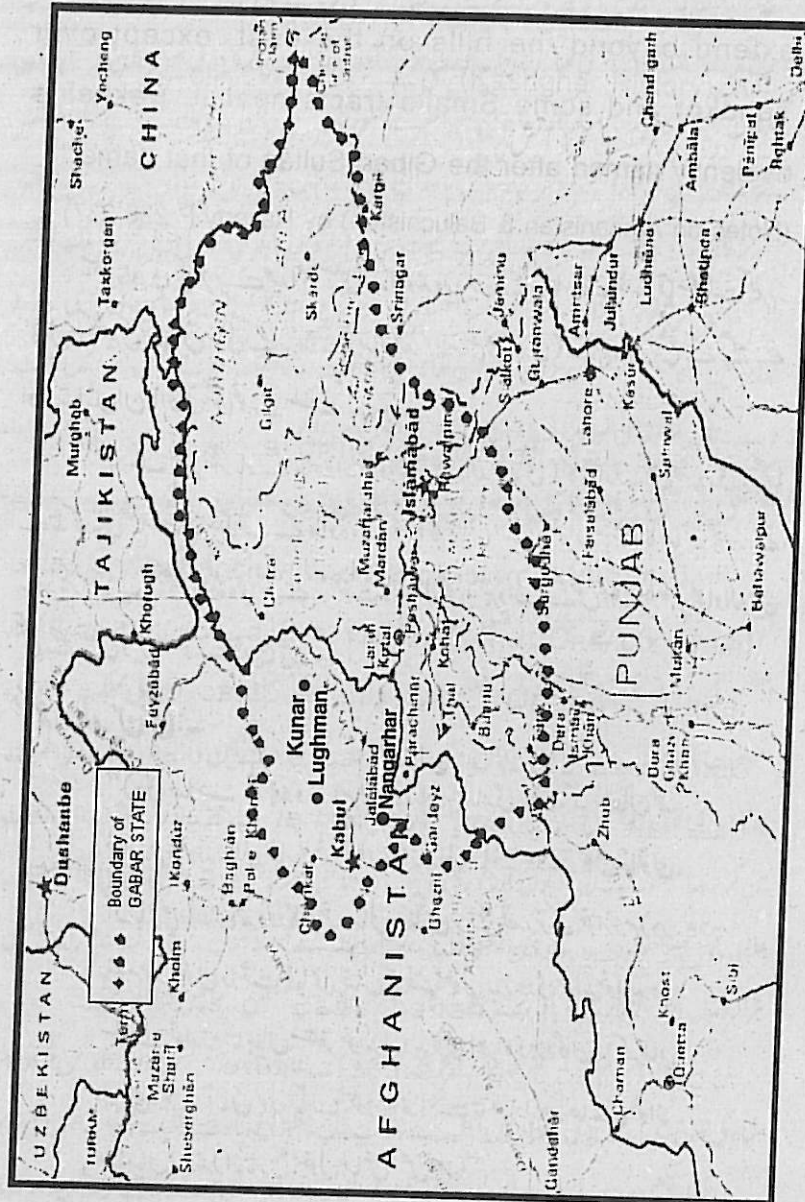
the time the Khakhi over-ran Suwat their sway did not axtend beyond the hills on the east, except over Tahakot and some Smalle tracts near it. Pakhel is evidently named after the Gibari Sultan of that name."

(Notes on Afghanistan & Baluchistan) by Raverty P 236-237)

میجر راورٹی کی تحریر سے عبدالحئی حبیبی اور اخوند درویزہ کے بیانات بہ سلسلہ قیام مملکت گبراز کابل تا کشمیر کی تصدیق ہوتی ہے یہ علاقے بہاؤالدین سام (غوری) کے عہد میں فتح کئے گئے تھے اور ابتدا میں ان کا الحاق بھی غوری سلطنت سے تھا۔

اعظم ملک امیر ننگر ہار کے علاوہ اسکے والد (عمار الدین بلخی) کا تعارف بھی ضروری ہو گیا ہے تا کہ مال غنیمت پر اختلاف کے علاوہ، ان امرا کا جلال الدین خوارزم شاہ کا ساتھ چھوڑنے کے دیگر اسباب کا بھی جائزہ لیا جا سکے۔ ''لغت نامہ'' از علی اکبر دہخدا کے ص ۲۹۲_۲۹۱ پر عماد الدین بلخی کے متعلق ذیل معلومات درج ہیں۔

''عماد الدین بلخی:۔

''(وی صاحب بلخ بود و از امرا و بزرگانی بشماری رفت کہ سلطان محمد خوارزم شاہ در زمانی حیات خود آناں را زندانی ساختہ بود۔ ترکان خاتون کہ با حرم سلطان محمد و کودکان خرد سال و نفائس خزائن قصد ترک خوارزم (در ہنگام حملہ مغول داشت) بایں خیال کہ فتنہ مغول بہ زودی خواہد خوابید و سلطنت خوارزمشاہیاں مستقر خواہد گردید ایں امرا و بزرگان را کہ عماد الدین نیز از آناں بود، بآب جیحون انداخت تا مبادا بعد ھا مدعی خوازمشاہیاں گردند (از تاریخ مغول عباس ص ۱۳)''

مذکورہ بالا تعارف سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خوارزم شاہ نے غوریوں کی حکومت ختم کرنے کے بعد ان افراد کو قید کر لیا تھا۔ کیونکہ وہ غوری حکومت کے دعوے دار تھے اس کی ماں ترکان خاتون

نے پایہ تخت (خوارزم) کو خیر باد کہنے سے قبل ان امرا کو دریائے جیحون میں ڈبو کر ہلاک کر دیا۔ ان امرا میں عماد الدین بلخی بھی تھا جو تاجک غوری سردار تھا اور مملکت غور کا داعی تھا اسکا بیٹا اعظم ملک سلطان بہرام کا سپہ سالار تھا اور سلطان بہرام سے شلوزان اور کرمان کے علاقے اسے بطور تعلقہ ملے تھے اگرچہ وہ اور اسکے دوسرے ساتھی پاروان کی جنگ میں چنگیز خان کے خلاف لڑ رہے تھے، مگر ترکان خاتون کے سفاکانہ اقدام نے بہت سے امرا کو لازماً بدظن کر دیا ہو گا رضی الملک کو ننگر ہار میں قید کر کے زیر نگرانی رکھنا اور ملک اختیار الدین خر پوست کا قتل ان واقعات کی کڑی ہے۔ جلال الدین منکبرنی خود متلون مزاج حکمران تھا۔ اپنی سلطنت کے مختلف صوبے بعض امرا میں بانٹ دئے۔ تا کہ وہ مقامی طور پر اپنے اپنے علاقوں کا دفاع کریں۔

پکھلی (ضلع ہزارہ) میں ترکوں کی آبادکاری:۔

اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ اعظم ملک سلطان بہرام کا سپہ سالار تھا جس کی افواج میں خلج ترک اور غوری تاجک شامل تھے۔ پکھلی (ضلع ہزارہ) تا بارہ مولا کا علاقہ جب سلطان بہرام نے فتح کیا تو اعظم ملک کی فوج کے خلج ترکوں کو پکھلی میں بسا کر یہ علاقہ مستقل طور پر اسلامی مملکت (غوری حکومت) کا حصہ بنا دیا گیا تھا۔ یہاں کے سابقہ باشندے ہندو تھے جن کو کشمیر اور پنجاب کی طرف بھگا دیا گیا تھا۔ جو پکھلی میں ٹھہرے وہ مسلمان ہو گئے، یا انہوں نے جزیہ اور خراج دینا اور رعیت بن کر رہنا منظور کیا۔ خلج ترکوں اور غوری تاجک کی خاصی تعداد پکھلی میں رکھی گئی تھی تا کہ مفتوحہ علاقے کشمیر اور پنجاب کے ہندو راجاؤں کے خطرات سے محفوظ ہوں۔ خلج ترک نہ صرف پکھلی ہزارہ میں بلکہ ننگر ہار میں آباد کئے تھے کیونکہ یہ اعظم ملک کی مستقل سپاہ میں شامل تھے۔

سلطان بہرام اور اعظم ملک کے ترک فوجیوں کے علاوہ، وہ ترک جو جلال الدین خوارزم شاہ کی فوج میں تھے بڑی تعداد میں اٹک کے جنوب میں چنگیزی سپاہ سے شکست کھا کر خوارزم شاہ کے دیکھا دیکھی دریائے سندھ میں کود گئے تھے۔ اور (طبقات ناصری) کے مطابق کچھ شہید ہوئے کچھ ڈوب گئے اور کچھ جان بچا کر دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئے۔ یہ بھگوڑے ترک واپس نہیں ہوئے بلکہ علاقہ چھچھ اور (کھوکروں) کے علاقے میں پناہ گزین ہوئے اور وہیں آباد ہو

گئے تھے۔ بعد کے دور میں ان ترکوں نے ناصر الدین محمد کے عہد میں سلطنت دہلی کے لئے مسائل کھڑے کئے تو ناصر الدین محمد بادشاہ دہلی نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے ان ترکوں کی شورش کو فرو کرنے کے لئے حملہ کیا اور دریائے راوی سے گذر کر موجودہ وزیر آباد سے گیارہ کروہ کے فاصلے پر کیمپ لگایا اور (الغ خان اعظم جو بعد میں غیاث الدین بلبن کے نام سے مشہور ہوا) کو فوج دیکر روانہ کیا جس نے ان ترکوں اور کھوکروں کے علاقے پر یلغار کی۔ کھوکر اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ چونکہ (الغ خان اعظم) نے دریائے سندھ کو عبور کر کے مغرب میں کسی علاقے پر حملہ نہیں کیا تھا اس لئے جس (بنیان) کا ذکر کیا گیا ہے وہ موجودہ بنوں نہیں بلکہ راورٹی کی تحقیق کے مطابق یہ ہری پور کے قریب موضع (بنیاں) ہے جو قارلغ ترکوں کا مرکز تھا۔ اس وقت اس موضع میں افغان آباد نہ تھے۔ بہت بعد میں جب کاکڑ افغان اس علاقے میں آئے تو اس جگہ آباد ہو گئے اور (بنیاں) سے (پنیاں) بن گیا۔ راورٹی کے مطابق امیر تیمور نے قارلغ ترکوں کا ایک منگ ان سابقہ ترکوں کو مضبوط کرنے کے لئے چھوڑا تھا (۱) یہ قارلغ ترک دراصل (خلخ) یا (خلج) ترک ہیں اور (اغراق) ان کا مشہور قبیلہ ہے جس کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں جلال الدین خوارزم شاہ کی افواج میں شامل تھے۔ ان کا سپہ سالار سیف الدین اغراق (خلج ترک) تھا جو پاروان کی جنگ میں شریک تھا اور مال غنیمت کی تقسیم کے سلسلے میں ناراض ہو کر خوارزم شاہ کی حمایت سے دست بردار ہو کر پشاور چلا آیا تھا چنگیز خان نے انہی اغراقیوں کے تعاقب میں سوات پر چڑھائی کی تھی اور تین ماہ قیام کیا تھا۔

الختصر قارلغ ترک پکھلی (ضلع ہزارہ) میں سلطان بہرام نے بسائے تھے اور اس کے تھوڑے عرصہ بعد کچھ اور خلج ترک چنگیز کی افواج سے فرار ہو کر علاقہ چھچھ اور کھوکروں کے علاقہ اٹک میں آکر آباد ہو گئے تھے اور دو سو سال بعد ۱۳۹۹ء میں ایک ہزار کا منگ امیر تیمور نے بھی قارلغ ہزارہ میں چھوڑ دیا تھا۔ تزک جہانگری کے مطابق جہانگیر کے استفسار کے باوجود سلطان

---

(1) "Notes on Afghanistan and Baluchistan" by Maj. Raverty P 282

حسین اُسے یہ نہ بتا سکا کہ سب سے پہلا آدمی جس کے ساتھ وہ آئے تھے کون تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پکھلی کے ترک سلاطین نے ابوسعید میرزا کی اولاد سے ہونے کا دعویٰ نہیں کیا تھا اگر وہ واقعی ابوسعید میرزا کی نسل سے ہوتے تو پھر یہ کوئی اتنا دور کا رشتہ نہ تھا۔ اکبر اعظم اور جہانگیر کشمیر جاتے ہوئے دونوں ترک سلاطین کے علاقے میں قیام کرتے تھے وہ اس قرابت داری کا تذکرہ ضرور کرتے اور نہیں تو کم از کم ابوالفضل جو ہمیشہ اکبر کے ساتھ رہتا تھا آئین اکبری میں اس بات کا تذکرہ ضرور کرتا کہ پکھلی کے ترک سلاطین ابوسعید میرزا کی نسل سے تیموری شہزادے اور اکبر اور بابر کے قرابت دار ہیں مگر اس قسم کا کوئی تذکرہ کہیں بھی نہیں کیا گیا جس سے عیاں ہو جاتا ہے کہ یہ ترک سلاطین خلج اور قارلغ ترک تھے جو اعظم ملک ابن عماد الدین بلخی کی فوج میں شامل تھے اور پکھلی (ہزارہ) فتح کرنے کے بعد سلطان بہرام نے ان کی کافی تعداد پکھلی میں بسا دی تھی تا کہ کشمیر اور پنجاب کے ہندو راجاؤں کے اثر سے پکھلی کا علاقہ محفوظ رہے۔ دراصل کشمیر کے گبری سلاطین اپنے آخری دور میں کمزور ہو چکے تھے خصوصاً سلطان شمسی ابن سلطان محمد شاہ کے بعد ان میں استقلال کا فقدان تھا جس کے باعث پکھلی کے قارلغ ترکوں نے ان کی اس کمزوری کے سبب اپنی آزاد ریاست قائم کر دی تھی جسے ۱۶۴۷ء میں سواتیوں نے دوبارہ فتح کر دیا۔

مملکت گبر کا قیام 1190 میں ہوا اور یہ مملکت امیر تیمور کے حملے تک مستحکم رہی (یعنی ۱۱۹۰ تا ۱۳۹۹ء)۔ یہ حیرت کی بات ہے کہ اتنی وسیع سلطنت جو دو سو سال تک مستحکم رہی، کسی مورخ نے اس کو ایک علیحدہ سلطنت کے طور پر پیش نہیں کیا اور نہ ہی اسکی ایک جامع تاریخ مرتب کی گئی۔ سلطان پکھل کا مرکز کنڑ ہی رہا ہے اور اسکی وفات کے بعد کنڑ سے مرکز تبدیل ہو کر پاپین اور سوات منتقل ہوا۔ کنڑ سے سلطان پکھل کے کتبے دریافت ہوئے ہیں مگر ان کی تفصیل تاریخ افغانستان میں موجود نہیں۔ شاید گبری یا پہلوی زبان یا منجی زبان آڑے ہو۔ سواتی سلاطین کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنی ثقافت اور اندرونی نظام اور زبان کو ۱۵۲۰ء تک قائم رکھا جب یوسف زئیون نے سوات کے میدانی علاقے پر قبضہ کرلیا تو سوات کی زبان گبری اور دری تھی۔ ان کا حکومتی نظام بھی دو طبقوں پر مشتمل تھا یعنی (سلطانی) اور (دہگان)۔

مملکت گبر ۱۱۹۰ تا ۱۳۹۹ء قائم رہی مگر امیر تیمور کے حملے کے نتیجہ میں نغمان، ننگرہار اور کابل کا علاقہ انکے تسلط سے نکل گیا۔ چنگیز کے حملہ کے بعد مملکت گبر کے اندرونی انتظام میں خلل نہیں آیا کیونکہ سلطان

پکھل کا پوتا سلطان جہانگیر، پکھل اور بہرام کے بعد مضبوط ترین حکمران تھا اور اسکی مدبرانہ مضبوط قیادت کے سبب (سواتی سلاطین) سلاطین جہانگیر یہ کے نام سے بعد کے ادوار میں مشور ہوئے۔

سوات پر سلطان پکھل کے حملے کی روئیداد:۔

سوات کے سلاطین کی مطبوعا تاریخ دستیاب نہیں اس سلسلے میں روایات یا قلمی تاریخ اور نسب ناموں پر تقیہ کرنا پڑیگا۔(۱)

فتح سوات کے حالات:۔

سلطان فکہل نے اپنے بیٹوں اور سرداروں کی معیت میں سوات پر حملہ کیا۔ اس وقت سوات پر راجا گرا (گرا کافر) کی حکومت تھی۔ جسکا پایہ تخت اوڈی گرام کے عقب میں پہاڑوں پر ایک مضبوط قلعہ تھا۔

راجا گرا مقابلہ کے لیئے نکلا دونوں میں پہلی جنگ، ''ہیبت گرام'' میں ہوئی جو موضع تھانہ، مالاکند ایجنسی کے قریب واقع ہے۔ راجا (گرا) کو شکست ہوئی اور وہ فرار ہو کر اپنے قلعہ اوڈی گرام میں قلع بند ہو گیا۔ ہیبت گرام کی جنگ میں مندرجہ ذیل گبری سلاطین زادے کام آئے۔

۱۔ سلطان زبردست

۲۔ سلطان عالم شیر

۳۔ سلطان دشرا فرزند سلطان پکھل (مورث دشرائی گبری سواتی)

۴۔ سلطان قرزا

ان کی قبور موضع الدڈھنڈ میں ہیں۔

ہیبت گرام کی فتح کے بعد سلطان فکہل نے تعاقب کر کے راجا گرا کا اوڈیگرام میں محاصرا کرلیا۔ قلعہ سنگین تھا مگر سخت جنگ کے بعد فتح ہو گیا اور اس طرح سوات کی پوری وادی گبریوں کے قبضہ میں آگئی۔ اس کے نتیجے میں بنیر اور باجور بھی مطیع ہو گئے۔ باجوڑ کے علاقے کی حکمرانی سلطان شاموڑ (شمھوڑ) کو دی گئی جو سلطان بہرام اور سلطان فکہل کا خسر بھی تھا۔

تاجک سواتی سلاطین نے سوات میں قلعہ منگلور اور باجوڑ میں قلعہ گبر تعمیر کئے اور یہ دونوں مستحکم قلعے

---

(۱) ''نسب نامہ و تاریخ'' مرتبہ لال خان مرحوم جاگیردار گلی باغ گبری جہانگیری (حسنی) ص ۱۵

تھے۔ باجوڑ کا قلعہ گبر بابر بادشاہ کے ہاتھوں ۱۵۱۹ء میں بھاری توپ خانے کے استعمال سے فتح ہوا جبکہ قلعہ منگلور (Manglowar) کو آخری سلطان اویس گبری خود خالی کر کے درہ نیاگ کی طرف فرار ہوا تھا۔ یوسف زئیوں نے قلعہ منگلور (Manglawor) کو مسمار کر دیا اس طرح یہ دونوں قدیم تاریخی قلعے (منگور اور گبر) صفحہ ہستی سے مٹ گئے۔ سلطان پکھل کی وفات کے بعد چونکہ سلطان بہرام نے کابل سے کشمیر تک علاقے کو دوبارہ فتح کیا تھا اس لئے وہ ان تمام علاقوں کا واحد حکمران تھا ابتداء میں ان مفتوحہ علاقوں کو مملکت گبر کا نام دیا گیا۔ سلطان بہرام کشمیر سے واپسی پر کوٹ ننگرہار میں فوت ہو گیا۔ اور زمام حکومت سلطان تومنا نے سنبھالی چنگیز کا حملہ اسی دور سے تعلق رکھتا ہے

ننگرہار کا جنوبی حصہ (وادی کرمان اور علاقہ شلوزان) اعظم ملک ابن عمادالدین بلخی کے پاس بطور تعلقہ (Fief) فوجی خدمات کے سلسلے میں بدستور رہا۔ سلطان تومنا کی وفات کے بعد ننگرہار اور لغمان پر سلطان خواجہ ابن تمنا اور لغمان میں سلطان کالا ابن تومنا کی حکمرانی رہی مگر امیر تیمور کے حملے کے نتیجے میں لغمان اور ننگرہار پر گبری خاندان کی حکومت ختم ہو گئی جبکہ عوام کے معاملہ میں نچلی سطح پر اختیار ان کے پاس تھا میجر راورٹی نے لکھا ہے:۔

"Sultan Bahram died at Kot, in Nangnahar, and his deseandants were still dwelling there in the Akhun (Darwezah) time. They continued to rule over those parts untill the period of AMIR Timur's invasion, when they became vassals to his government and that of his successors, but in course of time they lost this nominal power likewise"(1)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۱۹۰ تا ۱۳۹۹ء مملکت گبر سلطان بہرام کی اولاد کے تسلط میں تھی امیر تیمور کے حملے کے نتیجے میں لغمان کنڑ اور ننگرہار ان کے قبضے سے نکل گئے اور امیر تیمور نے ان علاقوں میں اپنے گورنر مقرر کر دیئے جب کہ سوات، بنیر، باجوڑ، اشنغر اور پکھلی (ہزارہ) بدستور سواتی سلاطین کے قبضے

Notes on Afghanistan and Baluchitan by Maj. Raverty P 51 (۱)

میں تھے اور ۱۳۴۲ء کے بعد بنیر، سوات اور باجوڑ کو پکھلی سرکار بنا کر کشمیر سے الحاق کر دیا گیا اور اس طرح پکھلی ہزارہ اور پکھلی سوات ہر دو کشمیر کے توابع کے علاقے تھے۔ کشمیر کے سلطان قطب الدین نے پشاور کی پوری وادی فیروز تغلق کے گورنر گونداخان سے فتح کر لی تھی اور سید علی ہمدانی نے فیروز تغلق اور سلطان قطب الدین کے درمیان صلح کرادی جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔

جہاں تک سوات کا تعلق ہے۔ سلطان تومنا کی وفات کے بعد معلوم نہیں ہوسکا کہ سوات پر کس کی حکومت تھی۔ البتہ اخوند درویزہ کے بیان کیمطابق سلطان فکہل کے فرزندوں میں شدید لڑائی ہوئی جس میں اکثر شہزادے مارے گئے تھے۔

سلطان ارغش:۔

اس دور کا ایک سلطان جس کا نام ارغش (ارغوش) تھا اور جو شجرہ نسب کے لحاظ سے سلطان فکہل کا پوتا اور سلطان دشرا (شہید ہیت گرام) کا بیٹا ہے شاید انہی اندرونی خلفشار اور باہمی جنگوں سے فرار کر کے سلطان سنجر کے امراء میں شامل ہو گیا اور قندھار اور بلوچستان کے کچھ حصہ پر قابض ہو کر الگ حکومت قائم کی۔ "لغت نامہ" (ا) میں دو ارغش کا ذکر موجود ہے۔

۱۔ ارغش۔ ملک از خاندان رستم دار:۔

۲۔ ارغش امیر از امرائے ملک شاہ سلجوقی کہ بدست عبدالرحمن خراسانی (از پیروان حسن صباح) بہ سال ۴۸۸ھ کشتہ شد۔

سلسلہ نمبر ا پر درج ارغش، گبری قبیلہ کا سلطان ارغش بن سلطان دشرا بن سلطان پکھل ہے چونکہ ان کے اسلاف سیستان کے حکمران تھے جن کا لقب رتبیل تھا اس لئے اس خاندان کے افراد کو خاندانِ رستم دار لکھا گیا ہے لغت نامہ علی اکبر دہخدا میں زابلستان (سیستان) کی تشریح میں لکھا ہے (زابلستان نام ولایت سیستان کہ آں را نیمروز خوانند۔۔۔۔ درزمان کیانیاں آں ولایت باسیستان وسندھ درزیر حکم گرشاسپ و زال و رستم بودہ ۔ بدیں سبب رستم را زاولی می نامیدند) بعض مورخین نیسلطان محمود غزنوی کو بھی زاولی لکھا ہے۔

سلطان ارغش ساتویں صدی ہجری کے وسط کا حکمران قندھار و بلوچستان ہے جس کا ذکر اخوند پنجو

کے باب میں قاضی عبدالحلیم اثر افغانی کے حوالے سے کر دیا گیا ہے بلوچستان اور قندھار میں اکثر علاقے اس کے نام سے منسوب ہیں اور ارغشان، ارغشال اور ارغوان ناموں سے مشہور ہیں تاریخ طبرستان میں میں ایک ارغش کا ذکر ہے جسے سلطان سنجر نے اصفہبد کے خلاف جنگ پر بھیجا تھا اس نے قلعہ جہینہ اور بالمن فتح کرنے کے بعد استر آباد کا معاصرہ کیا مگر استر آباد فتح نہ کر سکا چنانچہ اپنے ایک مصاحب جس کا نام شوذیل تھا کے مشورے سے محاصرہ اُٹھالیا تاریخ طبرستان کے الفاظ یہ ہیں

"نزدیک دو پارہ قلعہ مثل جہینہ و بالمن بستدم چرا آنجا (آستر آباد) نتوانم شد۔
علی شوذیل گفت۔ خداوند قلعہ ہا مردہ بودند۔ تو کودکاں رایافتی۔ بحرمت باز گرد
کہ کار اصفہبد و شہریارہ کوہ دیگر است، ارغش دانست کہ راست می گوید۔ از آنجا با
پیش سلطان شد" (ا)

تاریخ طبرستان میں ارغش کا نام (ارغوش، ارغونی اور یرغش) تینوں ہجون سے لکھا گیا ہے مگر زیادہ تر ارغش لکھا گیا ہے۔ تاریخ میں ایک اور ارغون بھی گذرا ہے جو ابوسعید مرزا کا محاصر تھا اور کابل پر قبضہ کر لیا تھا۔ ظہیر الدین بابر نے (۹۱۰ = ۱۵۰۵ء) میں اس کے بیٹے مقیم بن ارغون سے کابل فتح کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا تھا۔

سلطان ارغش تاجک گبری قبیلہ کا نامور فرد تھا اور سلطان پکھل کنڑی کے پوتے کی حیثیت سے ان کے خاندان کا لقب (سلطان) تھا اور نسباً مقامی روایات کے مطابق ان کو ذوالقرنین کی اولاد سے منسوب کیا گیا ہے یہ تاجک گبری تھے مگر سید نہ تھے جیسا کے عبدالحلیم اثر نے ان کو سید ثابت کرنے کے کوشش کی ہے اثر مرحوم نے سوات کے تاجک سلاطین کو سلطانانِ پیچ (کنڑ) کے بجائے عددی اعتبار سے سلاطین پنج سمجھ کر ان کے خاندان کو پانچ مختلف گھرانے تصور کیا ہے۔ جن میں سے ایک گھرانہ یعنی مولانا شیخ عبدالوہاب (اخوند پنجو) کا گھرانہ سید محمد طاہر الملقب بہ تارن کے نسب سے منسوب کر دیا ہے حالانکہ یہ ایک ہی گھرانہ ہے جن کے اسلاف سلطان پکھل اور سلطان بہرام نے کابل تا کشمیر مملکت گبر قائم کر کے مقبوضہ علاقوں میں اسلامی سلطنت قائم کر دی تھی۔ یہ خاندان اسلام کے ابتدائی دور سے تیسری صدی کے

(ا) تاریخ طبرستان تالیف بہاؤالدین محمد بن حسن بن اسفندیار (کاتب ص ۶۴)

وسط تک گبری مدنیت سے تعلق رکھتا تھا۔مگر فضل بن یحیٰی برکی کی فتوحات اور سامانیوں کی حکومت کے زمانے میں شکنان تخارستان کے علاقے تاجک غوریوں کے مقبوضات تھے جو مسلمان ہو چکے تھے قبیلہ تاجک سواتی بھی تاجک غوریوں کی اس شاخ سے ہیں جو بدخشان کے حکمرانوں کی طرح اپنے آپ کو ذوالقرنین کی نسل سے منسوب کرتے تھے ان کو تاجک غوری یا تاجک کیانی یا خاندان رستم دار لکھا جا سکتا ہے مگر یہ کسی صورت بھی عرب نژاد نہیں اور نہ ہی آل حسین ہیں۔ سلطان ارغش کے خاندان کو تاجک سواتیوں سے الگ گھرانہ تصور کر کے سلاطین کے گھرانے میں تارن سادات کو شامل کرنا غلط استدلال کا نتیجہ ہے۔حلیم اثر مرحوم کی یہ نشاندہی کہ سلطان ارغش سلاطین کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں درست ہے مگر اس کو تارن سید ثابت کرنے کا عمل درست نہ تھا۔عبدالحلیم اثر کے مطابق قندھار اور بلوچستان کے کچھ علاقے سلطان ارغش کے نام سے منسوب ہو کر ارغش ،ارغشال ،ارغوان کہلائے۔ آقائے علی اکبر دھخدا نے ''ارغش'' کو از خاندان رستم دار لکھا ہے۔خاندان رستم دار طبرستان الجبال اور سیستان کے حکمران تھے۔اگرچہ وہ مسلمانوں کے باجگذار تھے ہارون الرشید کے زمانے تک گبری تھے اور مسلمان نہیں ہوئے تھے۔''جس کا ذکر (فتنہ مردم رستم دار) کے عنوان سے تاریخ طبرستان میں ص ۲۲۳ ۔۱۸۹ میں درج ہے۔ان واقعات میں مولف لکھتا ہے کہ ہارون کے دور میں ملک الجبال (اسفہبد شروین) اور (ونداد ہرمزد) کا آپس میں گٹھ جوڑ تھا۔ان کے آدمیوں نے (نافع) کو قتل کر دیا تھا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے عبداللہ بن سعید الحرشی کو طبرستان کا والی بنا کر بھیجا تو عبداللہ (آمل) آیا اس نے خراج اور مساح کی وصولی کے لئے جعفر کو بھیجا جعفر کو (ونداد اسفان) نے قتل کر دیا۔خلیفہ نے اسفہبد شروین اور ونداد ہرمزد کو طلب کیا ان دونوں نے یہ شرط رکھی کہ خلیفہ ایک گروہ کو بطور ضمانت ان کے پاس بھیجے تو وہ تب استقبال کے لئے آئینگے خلیفہ یہ جواب سن کر خشمناک ہوا۔تاریخ طبرستان کے الفاظ یہ ہیں

''خلیفہ خشم گرفت وگفت مسلماناں را بہ گرو گبر کان چہ گونہ دھم''(۱)

ان واقعات کی تفصیل اس لئے دی گئی ہے تا کہ یہ واضح ہو سکے کہ طبرستان کے حکمران ہارون الرشید کے عہد تک گبری (زردشتی) تھے۔

---

(۱) تاریخ طبرستان ص ۷۹ از بہاؤالدین بن محمد بن حسن بن اسفندیار

تیموری حملوں کا اثر:۔

وسط ایشیا میں امیر تیمور کی بڑھتی ہوئی قوت کا مقابلہ ان گبری سلاطین کے لئے مشکل تھا اس لئے مملکت گبر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو گئی اور اگرچہ بدخشاں کے حکمرانوں نے امیر تیمور کی اطاعت قبول کر لی تھی اور بقول راورٹی امیر حسین کے مقابلے میں امیر تیمور کی مدد کی تھی مگر اس کے باوجود امیر تیمور نے بدخشاں کو اپنی سلطانت میں شامل کر کے اپنے بیٹے سلطان محمد کو بدخشاں اور بخارا کا والی مقرر کر دیا تھا جس کا گذشتہ اوراق میں ذکر ہو چکا ہے۔البتہ امیر تیمور کے حملے سے قبل باجوڑ، سوات اور بنیر کو یکجا کر کے سرکار پکھلی تشکیل دی گئی اور اسکا الحاق کشمیر سے کر دیا گیا تھا۔ چونکہ کشمیر کے سلطان سکندر بت شکن نے امیر تیمور کی اطاعت قبول کر لی تھی اس لئے سرکار پکھلی (سوات باجوڑ اور بنیر) امیر تیمور کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہے مملکت گبر کا وجود بکھر گیا اور نئے سیاسی اتحاد نے جنم لیا اور سرکار پکھی (سوات وغیرہ) کشمیر کے توابع کا علاقہ بن گیا۔کشمیر کے شاہ میری سلاطین بھی سوات کے گبری سلاطین کے قرابت دار ہم نسب تھے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین سوات کا ذکر کرنے کے ساتھ کشمیر کے سلاطین کا بھی مختصر ذکر کیا جائے۔

باب نہم — فصل سوم

گبری سلاطین کا کشمیر میں ورود وقیام سلطنت اسلامی:۔

گبری سلاطین نے لغمان، ننگرہار، سوات، باجوڑ، بنیر، اشنغر اور پکھلی (مانسہرہ) پر مشتمل مملکت گبر کے قیام اور کچھ توقف کے ساتھ وادیٔ کشمیر میں میں اسلامی سلطنت کی بنیاد ڈالی اس سے قبل دریائے جہلم پکھلی کی حد تھی جو مملکت گبر میں شامل تھی مگر کشمیر کی وادیٔ بدستور ہندو فرمانروائی کا علاقہ تھا۔سوات کے گبری سلاطین کا ایک مرد مجاہد جس کا نام شاہ میر تھا راجہ سہدیو کے زمانے میں کشمیر میں وارد ہوا اور اس مرد مجاہد نے بمصداق (مومن ہو تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی) کشمیر میں اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھی اور اگرچہ ابتداء میں کشمیر کی گبری سلطنت ایک جدا ریاست تھی مگر سلطان شہاب الدین حکمران کشمیر کے عہد میں پکھلی سرکار (بنیر، سوات، باجوڑ) اور پکھلی ہزارہ دونوں کا الحاق کشمیر سے کر دیا گیا اور مملکت گبر کا وسیع علاقہ سلطنت کشمیر کا حصہ بن گیا باجوڑ کے جنوب میں اشنغر کا علاقہ جو دریائے کابل اور دریائے سندھ کا درمیانی علاقہ ہے پکھلی سرکار (بنیر وغیرہ) کا حصہ تھا مگر فیروز تغلق نے اس علاقے پر قبضہ کر لیا تھا چنانچہ سلطان شہاب الدین حکمران کشمیر نے حملہ کر کے فیروز تغلق کے گورنر گونده خان سے وادیٔ گندھارا کا علاقہ فتح کر کے سلطنت کشمیر سے ملا دیا تھا۔اس پر تبصرہ سید میر علی ہمدانی کے باب میں ہو چکا ہے۔علی ہمدانی نے میدانِ جنگ میں بنفس نفیس پہنچ کر فیروز تغلق اور شہاب الدین کے درمیان صلح کرا دی اور ازدواجی رشتے استوار کر دیئے۔

شاہ میر گبری کا ورود کشمیر:۔

''تاریخ کشمیر'' از محمد الدین فوق کے مطابق ''شاہ میر'' ابن شاہ طاہر ابن قورشاہ سواد گبر کا باشندہ تھا۔730ھ (1340ء) میں عیال واطفال ودیگر متعلقین کے ساتھ بارہ مولا آ پہنچا راجہ سہدیو نے اس کی شرافت ونجابت کو ملحوظ رکھ کر ایک موضع جاگیر میں دیا اور اپنے مصاحبوں میں بھی شامل کر لیا۔آخر کار عروج پاتے پاتے شاہ میر کشمیر کا بادشاہ بن گیا اور سلطان شمس الدین کے نام سے مشہور ہو کر سلاطین کشمیر کے خاندان کا بانی ہوا۔

ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم اپنی تالیف ''میر سید علی ہمدانی'' کے ص45 پر رقم طراز ہیں:۔

''در اوائل قرن ہشتم ہجری، جوانمردے مسلمان وادیٔ سوات (بخشی از پاکستان کنونی) وارد

کشمیر گردانمش شاہ مرزا یا شاہ میر بوده است۔ایں جوانمرد پرکار در خدمت نظامی راجا سنبھا وارد گردید بنا بہ استوار او وفریحۂ خداداد خود در اندک مدتی مورد توجہ راجۂ کشمیر واقع شد۔ولی عہد ایں راجہ بنام ''سہدیو'' شاہمیر را جانشین ووکیل مطلق خود تعیین نموده در ہر کار مہم با او مشورت میکرده است''

''واقعات کشمیر'' (تاریخ کشمیر اعظمی) میں خواجہ محمد اعظم دیدہ مری نے ص60 پر شاہ میر کی کشمیر آمد کے بارے میں ذیل عبارت لکھی ہے:۔

''اس کے (راجہ سنبہا کے) مرنے کے بعد اسکا بیٹا سہہ دیو اسکی جگہ تخت نشین ہوا اُسکا سپہ سالار رام چند تھا۔اس کے عہد سلطنت میں شہمیر نامی ایک شخص کشمیر میں آیا جو سلاطین سواد و کر (یہ سواد گبر ہو گا) کی اولاد میں سے تھا۔اور اب سلطان شمس الدین کے نام سے مشہور ہے۔اس کے کشمیر میں انے کا سبب یہ تھا کہ اس کا دادا قورشاہ ایک صاحب کرامات اور خوارق عادات صوفی تھا۔لوگ اس سے رجوع کرتے تھے۔ایک روز وہ کہنے لگا کہ مجھے رب جلیل کی طرف سے یہ الہام ہوا ہے کہ تیرے (قورشاہ) بیٹے کے گھر شہمیر نامی ایک بچہ پیدا ہو گا جو ولایت کشمیر کا بادشاہ بنے گا اور اسکی نسل سے چند افراد تخت پر بیٹھیں گے۔چنانچہ شاہ میر نے اپنے دادا کی کرامات پر اعتماد کرتے ہوئے اپنے اہل وعیال سمیت بارہ مولا میں آ کر سکونت اختیار کر لی۔جب راجہ کو اس کی سکونت کی خبر ملی تو اُس نے حکم صادر کیا کہ وہ قریہ دوارہ دبر میں سکونت اختیار کرے اور وہاں کے محصولات سے اپنے روزمرہ کے اخراجات پورے کرے۔جن سلاطین اسلام نے باری باری حکومت کی شہمیر ان کا جد ہے''۔

مذکورہ بالا تینوں تحریروں سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ شاہ میر (شاہ مرزا) سوات کے سلاطین گبر میں سے تھا۔مورخین نے لکھا ہے کہ اس زمانے میں فرماندار (۱) ارتش والی کابل بنام ذولچو یا ذو لقدر خان نے کشمیر پر حملہ کیا۔یہ شخص غیر مسلم اور سفاک تھا اور ایلخانیوں کا دست نشاندہ تھا۔مال غنیمت سمیٹنے اور کشمیر کو فتح کرنے کے خیال سے حملہ کیا۔آٹھ ماہ تک کشمیر میں غارت گری کا بازار گرم کیا۔اور بالآخر شاہ میر کی مقاومت اور پائیمردی کے سبب کشمیر سے واپس ہو کر کابل چلا گیا۔

---

(۱) ''میر سید علی ہمدانی'' از ڈاکٹر محمد ریاض ص ۴۵ تاریخ واقعات کشمیر از خواجہ محمد اعظم دیدہ مری ص ٦١

تاریخ اعظمی میں ذولجو کے انجام کا واقعہ دگرگوں بیان کیا گیا ہے۔ لکھا ہے کہ موسم سرما کی آمد اور ضروری خوراک و پوشاک کی عدم دستیابی کے سبب ذولجو نے کشمیر سے ہندوستان جانے کا ارادہ کیا۔ کشمیری اسیران جنگ سے راستہ دریافت کیا اُسے بتایا گیا کہ پرونچ پہاڑ کا راستہ نزدیک ہے۔ چنانچہ ذولجو نے پرونچ کے راستے سپاہ کو ہندوستان جانے کا حکم صادر کیا جونہی پہاڑ پر پہنچے تو طوفان بادوباران اور برف نے گھیر لیا۔ حتیٰ کہ سب سپاہ برف تلے دب کر فنا ہوگئے اور ایک ظالم اپنی فوجوں سمیت اپنے انجام کو پہنچ گیا۔

ابھی ذولجو کا خطرہ ٹلا ہی تھا کہ پہاڑی باشندوں جنکو کسان کہتے تھے' نے لوٹ مار شروع کر دی۔ اس شورش کو رنچن شاہ (صدرالدین) اور شاہ میر نے مل کر فرو کیا اور کسان کو گرفتار کر کے دار پر لٹکایا گیا۔ کشمیر کے لوگ رنچن شاہ کے اس اقدام سے خوش تھے۔ اس کامیابی کے سبب رنچن شاہ کے دل میں حکومت پر قبضہ کرنے کا خیال وامنگر ہوا۔ اس نے شاہ میر کو اپنا ہم خیال بنا کر رام چند وزیر کو ایک رات اُس کے محل میں داخل ہو کر قتل کر دیا اور کشمیر کے تخت پر قابض ہو کر اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔

رنچن شاہ نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد سید بلبل شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر کے صدر الدین کا لقب اختیار کر کے حکومت شروع کی مگر زندگی نے وفا نہ کی صرف 2 سال 7 ماہ حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا۔ اسکا دور سلطنت (725ھ =1325ء) تا (727ھ =1327ء) رہا۔ رنچن نے رام چند کی بیٹی کوٹہ رانی کو مسلمان کر کے اُس سے شادی کر لی تھی مگر رنچن کی وفات کے بعد کوٹہ رانی نے رنچن کے بھائی اودیان دیو (جو مسلمان نہ ہوا تھا) سے شادی کر لی اور پھر ملحد ہوگئی۔ کوٹہ رانی نے اودیان دیو کو حکومت سپرد کر دی۔

لیکن اودیان دیو بھی 1327ء تا 1343 حکومت کرنے کے بعد فوت ہوگیا اور کوٹہ رانی نے خود حکومت سنبھال لی۔ کوٹہ رانی نے شاہ میر کے اختیارات کم کر کے اُسے وزارت سے الگ کر دیا اور بھائیوں سمیت اندرکوٹ پہنچ کر امرا کی مرضی کے خلاف خود مختار حکومت چلانے لگی۔ امرا کی ناراضگی اور انتشار کو دیکھ کر شاہ میر نے بہت سے اراکین دولت سے رابطہ قائم کر دیا اور امراء و اراکین سلطنت نے بالاتفاق شاہ میر کو بادشاہ تسلیم کر لیا۔ کوٹہ رانی اور اسکے سپہ سالار رنچہ بٹ نے شاہ میر کے ساتھ جنگ کی۔ پنچہ بٹ قتل ہوا۔ کوٹہ رانی اور دیگر ساتھی قید ہوئے مگر شاہ میر نے اُن کو معاف کر دیا۔ کوٹہ رانی جو ملحد ہو چکی تھی' شاہ میر نے اُسے دوبارہ مسلمان بنا کر اُس سے عقد کر لیا مگر کچھ دنوں بعد کوٹہ رانی نے خودکشی کر لی۔ شاہ میر شمس الدین کا لقب اختیار کر کے کشمیر کا بادشاہ بن گیا اور سلاطین کے خاندان کا بانی ہوا۔ اس خاندان میں دو سو

سال تک کشمیر کی حکمرانی رہی۔ شاہ میر 1343ء (744ھ) تا 1347ء (748ھ) حکومت کر کے فوت ہوا۔ اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان جمشید تخت پر بیٹھا مگر چند ماہ حکومت کرنے کے بعد اپنے بھائی علی شیر کے ہاتھوں مارا گیا اور علی شیر سلطان علاؤالدین کا لقب اختیار کر کے تخت پر بیٹھا۔

سلاطین کشمیر جو سید علی همدانی اور اُسکے بیٹے میر سید محمد همدانی کے معاصر رہے یہ ہیں

(1) سلطان علاؤالدین (748ء تا 755ھ) = 1347ء تا 1354ء

(2) سلطان شہاب الدین (755ھ تا 775ھ) = 1354ء تا 1374ء

(3) سلطان قطب الدین (775ء تا 796ھ) = 1374ء تا 1395ء

(4) سلطان اسکندر بت شکن (796ھ تا 820ھ) = 1395ء تا 1419ء

سلطان علاؤالدین (748ھ تا 755ھ) بعض مورخین کے مطابق 760ھ تا 780ھ) کے دورانِ عہد کے سلاطین سوات نے مملکت گبر کی تین ولایتوں (بنیر، سوات و باجوڑ) کو یکجا کر کے سرکار پکھلی (پاخلی) کے نام سے کشمیر کے ساتھ الحاق کر دیا تھا (۱) اور کشمیر اور سوات کے سلاطین کے درمیان ازدواجی رشتے اور باہمی روابط کافی عرصہ تک قائم رہے۔ سوات اور کشمیر کے سلاطین کے باہمی تعلق کا اندازہ درج ذیل عبارت سے بھی ہو سکتا ہے:-

''علی همدانی در سال 781ھ یعنی در دورهٔ سلطنت قطب الدین دوباره به کشمیر آمد سلطان قطب الدین و مادر او (بی بی خورا) هر روز از محضر سید استفاده می کردند و در مجلس وعظ و ارشادؒ شرکت می جستند'' (۲)

حاشیہ نمبر 4 میں ''بی بی حورا'' کے متعلق ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم لکھتے ہیں ''این زن با سواد در امور سیاسی و نظامی دخیل بوده است'' (یعنی یہ عورت (بی بی حوا) سوات کے سیاسی اور نظامی امور میں دخیل تھی) جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بی بی حورا سلاطین سوات میں سے کسی کی بیٹی ہوگی۔ سری نگر میں شاہی قبرستان کے ایک حصے میں سوات کے شہزادگان (پکھلی سرکار کے شہزادوں) کے قبور موجود ہیں جو کشمیر میں رہائش کے دوران یہاں وفات پا گئے تھے۔

---

(۱) ''سیر التماخرین'' ص ۶۴ اور ''تاریخ بدھ شاہی' از محمد الدین فوق ص ۶۹

(۲) ''سید علی همدانی'' از ڈاکٹر محمد ریاض ص ۵۵ اور حاشیہ نمبر ۴

آٹھویں صدی ہجری میں سلاطین سوات وسلاطین کشمیر جو سید علی ھمدانی کے معاصرین میں شمار ہوسکتے ہیں ترتیب واردرج ذیل ہیں:۔

حکمرانان سوات		حکمرانان کشمیر
ا۔سلطان غیاث الدین		ا۔شہاب الدین (755ءتا775ھ)
۲۔سلطان علی الدین	730 تا 786ھ	۲۔قطب الدین775ءتا796ھ)
۳۔ملک خضر گبری حکمران باجوڑ		

سلطان علی الدین حکمران سوات اور ملک خضر حکمران باجوڑ 786ھ میں بوقت فوتیگی حضرت میر سید علی ھمدانی زندہ تھے۔ان کا دور بھی آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک ہوگا۔سید علی ھمدانی کے مکتوبات بنام میرزادہ میر کا سلطان محمد شاہ حاکم بلخ' سلطان غیاث الدین حاکم پاخلی (پکھلی سوات) سلطان قطب الدین (بادشاہ کشمیر) سلطان طغان شاہ حاکم کنٹر (کونار) اور سلطان علاؤ الدین (یا علی الدین) حکمران پاخلی (سوات) موجود ہیں۔

ان کے علاوہ سلطان بہرام شاہ بدخشی بھی سید علی ھمدانی کا مرید رہا ہے۔بہرام شاہ بعض اوقات بلخ اور بدخشاں کا حکمران ہوتا تھا اور بعض اوقات محض بدخشاں کا حکمران تھا۔ڈاکٹر محمد ریاض مرحوم لکھتے (ا) ہیں کہ ایک دفعہ بہرام شاہ سے بدخشاں کی حکومت بھی چلی گئی مگر میر سید علی ھمدانی نے فرمایا کہ اسے جلد دوبارہ بدخشاں کی حکومت ملے گی۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔بدخشاں کے بادشاہ، جیسا کہ گزشتہ اوراق میں راورٹی کے حوالے سے بتایا گیا ہے سلطان سکندر ذوالقرنین کی نسل سے تھے۔وہ بھی گبری تھے اور سلطان بہرام فاتح ننگر ہار ولغمان اور سلطان فلہل فاتح سوات وغیرہ کے ہم نسب تھے۔سلطان شہاب الدین حکمران کشمیر سال 774ھ کے دوران ''وے ہند'' (اوہنڈ) وادیٔ گندھارا (پشاور میں پنجاب اور گندھارا کے حاکم گونداخان اور دہلی کے حکمران فیروز شاہ تغلق (752-792ھ) کے ساتھ جنگ میں مصروف تھا شہاب الدین نے سید علی ھمدانی کو خوش آمدید کہنے اور ان کے طعام وقیام کے انتظام کے لئے اپنے بھائی قطب الدین کو مقرر کیا تھا۔سید صاحب نے جنگ کی خبر سنتے ہی' میدان جنگ کا رخ کیا اور فیروز شاہ تغلق

(ا) ''میر سید علی ھمدانی'' از ڈاکٹر محمد ریاض (بحوالہ رسالۂ مستورات برگ ۳۵) ص ۵۲

اور شہاب الدین کے درمیان صلح کرادی۔اس صلح کے نتیجہ میں پشاور کا علاقہ شہاب الدین کے تصرف میں رہا۔نیز دونوں بادشاہوں کے درمیان صلح کو تقویت دینے کے لیئے فیرز شاہ تغلق کی تین بیٹیوں کے رشتے اس طرح طے کیئے کہ ایک بیٹی سلطان شہاب الدین کے بیٹے حسن خان کے نکاح میں دوسری بیٹی شہاب الدین کے بھائی سلطان قطب الدین کے نکاح میں اور تیسری بیٹی سید حسن بہادر سمنانی پسر میر سید تاج الدین بیہقی (جو سہاب الدین کا سپہ سالار تھا) سے بیاہی گئی۔پشاور کی فتح اور فیروز شاہ تغلق کی بیٹیوں کے رشتوں سے اس بات کا کافی ثبوت فراہم ہوتا ہے کہ سلاطین کشمیر اس وقت کتنے طاقتور تھے۔

اسکے بعد 801ھ (1399ء) میں جب امیر تیمور نے ہندوستان پر حملہ کیا تو اسکندر بت شکن کشمیر کا حکمران تھا۔اسکندر بت شکن نے سیاسی سوجھ بوجھ کا مظاہرہ کرتے ہوئے امیر تیمور کی اطاعت قبول کرلی اور یہی وجہ تھی کہ نہ صرف مملکت کشمیر بلکہ پکھلی سرکار (سوات باجوڑ و بیز) بھی امیر تیمور کی یلغار سے بچے رہے جبکہ لغمان اور ننگر ہار کی گبری مملکتیں امیر تیمور نے فتح کر کے اپنے نامزد حکمران مقرر کردئے اور لغمان اور ننگر ھار میں گبریوں کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

امیر تیمور نے قارلغ ترکوں کا ایک منگ (رجمنٹ) پکھلی (مانسہرہ) کے سابقہ ترکوں کی مدد کیلیئے چھوڑ کر پکھلی (مانسہرہ) کی ترک ریاست قائم کردی اور اس طرح تھوڑے عرصہ کے لیئے پکھلی (مانسہرہ) کا علاقہ کشمیر کے سلاطین کی عملداری سے نکل گیا۔مگر بعد میں شاہی خان المعروف بہ سلطان زین العابدین بڈ شاہ کے زمانے میں پکھلی (مانسہرہ) دوبارہ کشمیر کے تواںع میں شامل ہوگیا تھا جو بعد میں سلاطین کشمیر کی باہمی کشمکش اور سلاطین سوات کی کمزوری کے سبب آزاد حیثیت سے ترک ریاست کے طور پر قائم رہا حتی کہ 1647ء کے لگ بھگ سواتیوں نے یلغار کر کے پکھلی خاص (مانسہرہ کے علاقے پر قبضہ کرلیا جبکہ مظفر آباد تا بارہ مولا کا علاقہ کچھ عرصہ سلطانان بوئی کے اجداد کے پاس رہا اور 1846ء میں انگریزوں نے اسے کشمیر میں شامل کر کے ۱۸۴۶ کے معاہدے کے تحت راجہ کشمیر کو دے دیا۔(ا)

سلطان قطب الدین کے بعد جن گبریٰ سلاطین نے کشمیر پر حکومت کی ان کے نام درج ذیل ہیں:۔

	دن	ماہ	سال
سلطان سکندر بت شکن ابن قطب الدین	6	9	22

(1) DOUIE'S Settlement Manual (8th Ed. P 7 & 8)

	دن	ماہ	سال
علی شاہ ابن سلطان سکندر	0	9	6
سلطان زین العابدین بڈشاہ ابن سلطان کندر	0	0	52
سلطان حاجی حیدر شاہ ابن زین العابدین	0	2	1
سلطان حسن خان ابن حیدر شاہ	5	0	12
سلطان محمد شاہ ابن حسن خان	0	7	2
فتح شاہ ابن آدم خان ابن زین العابدین	0	1	9
سلطان محمد شاہ (دوبارہ)	9	9	0
سلطان فتح شاہ (دوبارہ)	0	1	1
سلطان محمد شاہ مرتبہ سوم	11	11	11
سلطان ابراہیم بن محمد شاہ	25	8	0
سلطان نازک شاہ بن فتح شاہ	0	0	1
سلطان محمد شاہ مرتبہ چہارم	10	8	34
سلطان شمسی ابن سلطان محمد شاہ	0	10	0
اسماعیل شاہ برادر شمس الدین	0	9	2
نازک شاہ بن فتح شاہ مرتبہ دوم	0	9	13
اسماعیل شاہ مرتبۂ دوم	0	5	1
میرزا حیدر گورگان	0	0	10
نازک شاہ مرتبہ سوم	0	0	1

مذکورہ بالا ناموں میں مرزا حیدر گورگان سلاطین کے گھرانے سے نہ تھا سلسلہ نمبر 6 تا 19 کا کل دور 89 سال نو ماہ پانچ دن بنتا ہے جس میں سے 10 سال میرزا حیدر گوگان کے نکال دیئے جائیں تو گبری سلاطین کا دور 79 سال رہ جاتا ہے اس عرصہ ٰیں کل 18 حکمران رہے اور اکثر دو یا تین مرتبہ حکمران رہے جس سے ان کی باہمی رقابت اور انتشار کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کشمیر میں سلاطین کا دور مغل شہنشاہ اکبر اعظم کے عہد میں اختتام پذیر ہوتا ہے اور پھر چک خاندان مسند حکومت پر متمکن ہو کر مغلوں کے دست نشاندہ کی حیثیت سے حکومت کرتے ہیں۔

باب نہم — فصل چہارم

آٹھوی صدی کے سلاطین سوات:۔

آٹھویں صدی ہجری میں میر سید علی ہمدانی کے تذکرہ نویسوں اور خود میر سید ہمدانی کی اپنی تحریروں سے سوات کے مندرجہ ذیل حکمرانوں کا تذکرہ ملتا ہے:۔

۱۔ سلطان غیاث الدین حکمران سوات

۲۔ سلطان علی الدین (یا علاؤالدین) حکمران سوات

۳۔ ملک خضر گبری حکمران باجوڑ

مگر ان سلاطین کے ادوار کا الگ تعین نہیں ہوسکتا۔ سلطان جہانگیر ابن سلطان دشرا ابن سلطان پکھل، سلاطین سوات میں سلطان پکھل اور سلطان بہرام کے بعد ایک روایت ساز شخصیت گذری ہے اور سواتی سلاطین کو اُس کے نام کی نسبت سے سلاطین جہانگیر یہ بھی کہا جاتا ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فتنہ مغول کے بعد اُس نے سوات کی تباہ حال حکومت کو پھر سے مستحکم بنایا ہوگا۔ اس کا دور بھی قیاساً سلطان تومنا ابن سلطان بہرام کے بعد ہی ہوگا اور ساتویں صدی ہجری کے آخر پر محیط ہوگا۔ سلطان جہانگیر کے دو اور بھائی تھے ایک سلطان ارغش جس کا ذکر ہو چکا ہے اور دوسرا سلطان ملک جس کی نسل سے موضع ڈھوڈیال کے ملکال ہیں۔ مگر تاریخ میں سلطان ملک کا کوئی واضح تذکرہ موجود نہیں اور نہ ہی سلطان جہانگیر کی طرح روایتاً اُسکے متعلق کوئی قابل قدر روایت مشہور ہوئی ہے۔ ان کے علاوہ سواتیوں کے نسب ناموں میں بہت سے سلاطین کے نام موجود ہیں مثلاً سلطان غالب، سلطان شام، سلطان دوَد (داؤد مورث دودال) سلطان کا ندراجد شاخ کاندرائی سلطان مومیا (ممیا۔ جد قبیلہ ممیالی) سلطان بیگ (جد بیگال) سلطان مترا (مہتر۔ جد قبیلہ متراوی) سلطان قرا (ابن سلطان بہرام جسے سلطان بہرام کشمیر میں چھوڑ کر خود ننگر ہار واپس آ گیا تھا۔ سلطان کالا والئی لغمان سلطان خواجہ والتی ننگر ہار سلطان فرمان، سلطان پرویز وغیرہ۔ مگر ان میں ماسوائے سلطان تومنا باقی سلاطین کے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی تاریخی حیثیت کیا تھی۔ یا وہ کس دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ تاریخی اعتبار سے سلطان پکھل اور بہرام کے بعد صرف سلطان تومنا کا نام بحیثیت حکمران ننگر ہار آیا ہے۔ سلطان جہانگیر کا عہد بھی قیاساً تعین کیا گیا ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کے مذکورہ بالا تین سلاطین جو میر سید علی ہمدانی کے معاصر تھے کے

علاوہ باقی سلاطین کا تذکرہ کہیں بھی موجود نہیں۔ مگر میر سید علی ہمدانی کی تحریروں سے پتہ چلتا ہے کہ مملکت گبر سواتی سلاطین کے گھرانے میں آٹھویں صدی کے آخری دور تک قائم تھی۔

نویں صدی ہجری کے سواتی حکمران:۔

نویں صدی ہجری میں یوسف زئیوں اور بابر بادشاہ کے حملوں کے ضمن میں تاریخ حافظ رحمت خانی میں مندرجہ ذیل نام آئے ہیں:

سلطان اویس حکمران سوات یوسف زئیوں کے مورخ اسے سلطان پکھل کا فرزند لکھتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو پھر یہ سلطان پکھل دوم ہوگا۔ کیونکہ بانی سلطنت گبر (سلطان پکھل) چھٹی صدی ہجری کے آخری دور کا حکمران ہے، جس نے چنگیز کے حملے سے قبل مملکت گبر کے علاقے باجوڑ، سوات، بیز، اشنغر اور پکھلی (ضلع ہزارہ) فتح کئے تھے۔ اسی طرح تواریخ حافظ رحمت خانی کے مصنف نے سلطان پکھل کو سلطان جہانگیر کا بیٹا لکھ کر اضافہ کیا ہے کہ (جملہ سلاطین سوات از اولاد سلطان جہانگیر اند) اگر اس عبارت کو درست تسلیم کریں تو پھر سلطان جہانگیر بھی نویں صدی کے ابتدائی دور کا حکمران ہوگا جو صاحب روایت نہیں ہوسکتا کیونکہ سوات کے کے سلاطین بہت پہلے، سلاطین جہانگیری مشہور ہو گئے تھے۔ پیر معظم شاہ مولف (تواریخ حافظ رحمت خانی) نے سلاطین سوات کا مکمل نسب نام نہیں لکھا حالانکہ اس نے خود لکھا ہے کہ سلاطین سوات جو کافی پشتوں سے سوات وغیرہ علاقوں کے حکمران چلے آرہے ہیں، ان کا تذکرہ اپنے محل پر کیا جائیگا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اُن کے تذکرہ میں سلطان پکھل کی حکومت کی حدود دی ہوئی ہیں اور یہ لکھا گیا ہے کہ سلطان اویس ابن سلطان پکھل ابن سلطان جہانگیر سوات کا آخری سلطان تھا جس سے یوسف زئیوں نے سوات کا علاقہ سترہ (17) سال کی جنگوں کے بعد فتح کیا اور سلطان اویس درہ نیاگ کو فرار ہو کر چلا گیا۔ درہ نیاگ میں اسکی نسل سے فیروز شاہ، سلطان ماہ، سلطان زین اعلی یکے بعد دیگرے حکمران بنے اور طبعی موت مرے۔ سلطان اویس 1519ء میں منگلور خالی کر کے درہ ینا گ کو فرار ہوا تھا۔ وہاں پر چار پشت تک اُن کی سلطانی کا ریکارڈ تو تاریخ حافظ رحمت خانی کے مولف نے حاصل کر لیا مگر سلطان اویس سے اوپر چھٹی صدی کے سلطان پکھل تک یا سلطان بہرام تک کے نام ترتیب وار لکھنے سے

قاصر رہا ہے۔ سلطان اویس کے علاوہ ملک حیدر علی حکمران باجوڑ، میر ہندہ دودال قلعہ دار اشنغر، میر ویس اور حسن خان متراوی کا ذکر کیا ہے۔ اسکے علاوہ بابر نے اپنی تزک میں سلطان علاؤ الدین سوادی کا ذکر کیا ہے جو میر سید علی ہمدانی کے معاصر سلطان علاؤ الدین (علی الدین) سے الگ اور بہت بعد کی شخصیت ہے ان تمام زعما میں ملک حیدر علی کے علاوہ دیگر سب کا رتبہ دہگان کے برابر تھا۔ میر ہندہ دودال (دہگان) اشنغر کا قلعہ دار تھا اور اشنغر کے علاقے میں شلمانی بطور دہقان قابض تھے۔ پیر معظم شاہ (تواریخ حافظ رحمت خانی) بہ زبان پشتو شلمانیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''القصہ اشنغر اس وقت شلمانیوں کے قبضہ میں تھا۔ اور شلمانی سوات کے سلطان پکھل کی رعیت تھے۔ کہتے ہیں کہ اشنغر سے سوات بگیاڑے تک حصار بہلول (سری بہلول مردان) شیر خانہ اور مہورے تک۔ سوات ٹوٹئی اور سروبے اور سیورنے اور مالاکنڈ پہاڑ کے دامن تک۔ سارا سوات و مصافات اور سارا بنیر سلطان پکھل کے ماتحت تھے اور جہاں کہیں بھی سواتی دھگان کا قبضہ تھا وہ سلطان پکھل کی رعیت تھے اور اسکے مالگذار تھے۔ سلطان پکھل کے حاکم اور گماشتہ (ان علاقوں) میں مقرر تھے اور شلمانی سلطان پکھل کے حکم سے اشنغر میں رہتے تھے جبکہ اشنغر کا حاکم قلعہ اشنغر میں رہتا تھا یوسف زئی اُسے بے دخل کر کے خود متصرف ہو گئے۔

اور آگے لکھا ہے:

''وی گویند ایشاں بسیار پشت سلطنت ملک سوات کردہ آخر ایشاں اویس بود کہ مردم یوسف زئی بہ محاربات عظیم متعددہ از آں جا مستاصل ساختہ بدر نمودند و بر ملک سوات خود متصرف شدند۔ چنانچہ سلطان اویس از آنجا فراری شدہ در ملک نیاگ درمیان کوہ کفار قلعہ محکم بنا ساختہ متحصن شد تا وقتیکہ در آں جا بود کہ سواران اجل بر سروے تاخت نمودہ رخت وجود اورا بہ غارت بردند او در آں جامدفون شد۔ و سلطان اویس پسر سلطان پکھل بود کہ احوال تمامی سلاطین ایشاں بر محل خود بہ تفصیل مرقوم خواہد شد''

سلطان اویس فرار ہو کر درہ ینا گ میں چلا گیا اور کفاروں کے درمیان ایک محکم قلعہ تعمیر کر کے رہنے لگا۔ حتیٰ کہ موت کے فرشتے نے اسے جالیا اور اسکی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ اس کو وہیں (درہ نیاگ میں) دفن کیا گیا۔ سلطان اویس، سلطان پکھل کا بیٹا تھا۔ ان کے تمام سلاطین کا حال تفصیل کے ساتھ اپنی جگہ پر لکھا جائیگا۔

مولف پیر معظم شاہ نے سلطان پکھل کے زیرِ تسلط علاقے کا ذکر کیا ہے مگر اس میں باجوڑ کا علاقہ شامل نہیں جو ملک حیدر علی کے تسلط میں تھا اتنے وسیع علاقے کا حکمران ہوتے ہوئے بھی سلطان اویس یوسف زئیوں کا مقابلہ نہ کرسکا اسکی بڑی وجہ سواتی سلاطین کی لاپرواہی اور عیاشی کے علاوہ بدانتظامی کا عنصر بھی شامل ہے۔ اس دور میں گبری سواتی' سلطان نکہل کے زمانے کے گبری نہ رہے تھے تین سو سالہ حکومت کے دوران خود پسندی' کاہلی' عیش وعشرت ان کا مقصود حیات تھا اور اپنی روایتی حمیت سے عاری تھے۔ اگرچہ یوسف زیوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اُن کو سخت جنگیں لڑنی پڑیں۔ مگر ان جنگوں کے حالات سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سواتی امرا نے پائے استقامت برقرار نہیں رکھا۔ ان جنگوں کے حالات اجمالاً درج ذیل ہیں:۔

میر ہند کا اشنغر سے بغیر جنگ لڑے اخراج:۔

میر ہندہ دیگان خصوصاً از قبیلہِ دودال کا ذکر کرتے ہوئے ''تاریخ حافظ رحمت خانی'' کا مولف لکھتا ہے کہ وہ ایک دلیر آدمی تھا مگر یوسف زئیوں نے جب قلعہ اشنغر کا محاصرہ کیا تو میر ہندہ نے بغیر جنگ لڑے قلعہ خالی کردیا۔

اسکے بعد وہ اپنے آدمیوں سمیت قلع حصار بلول چلا گیا وہاں بھی یوسف زئیوں نے تعاقب کیا تو حصار بلول سے نکل کر حصار بیغم کی طرف چلا گیا جو ایک فرسنگ کے فاصلہ پر تھا۔ یہ دونوں قلع حدود کالا پانڑی میں واقع تھے۔ یوسف زئیوں نے تعاقب جاری رکھا اور میر ھندا دودال درہ پلئی کے راستے موضع تھانہ پہنچ گیا جو اسکا آبائی گاؤں تھا۔ اس طرح اشنغر اور سمہ کا تمام علاقہ جس پر میر ہندا کا کنٹرول تھا یوسف زئیوں کے قبضہ میں آ گیا اور وہ اس علاقے میں منتقل ہوکر آباد ہوگئے۔ یہ علاقہ مالاکنڈ کے پہاڑوں کے دامن سے لیکر حصار بلول' حصار بیغم' شیر خانہ' کاٹلنگ' سنگاؤ' درہ' مورا' اور اشنغر پر مشتمل تھا۔ باالفاظ دیگر دریائے کابل سے شمالاً تمام علاقہ اشنغر بغیر جنگ لڑے یوسف زئیوں کے قبضے میں آ گیا۔

یوسف زئیوں نے سوات پر حملے کی غرض سے مورا پہاڑ کے دامن میں ڈیرے ڈال دیئے۔ مگر اس اثناء میں دلازاکوں اور یوسف زئیوں میں اختلاف پیدا ہوگیا۔ اور دلازاک نے کافی فوج اکٹھی کرکے یوسف زئیوں کا گھیرا ڈال دیا ملک احمد چونکہ دو محاذ ایک وقت میں نہیں کھولنا چاہتا تھا اُس نے یوسف زئی سرواروں کو اکٹھا کرکے ان سے کہا کہ دلازاک پشاور کالا پانڑی' ننگرہار اور تیراہ کے علاقوں پر قابض ہیں

اور یہ ایک جنگجو قبیلہ ہے اس لیئے لڑنے کے بجائے ان سے صلح کرلی جائے۔ چنانچہ ملک احمد ملک محمد خان دلازاک کے پاس صلح کی غرض سے روانہ ہوا۔ محمد خان نے اپنے قبیلہ کے بزرگوں کو طلب کرکے مشورہ کیا اور یوسف زئیوں سے صلح کرلی۔ ملک احمد واپس آیا اور سوات پر چڑھائی کی فکر میں لگ گیا۔ مگر اس دوران بابر بادشاہ نے گگیانیوں کی ایما پر کالا پانڑی کے دلازاکوں پر حملہ کردیا۔ اس حملے میں بابر کو گگیانیوں کے علاوہ یوسف زئی سرداروں کی مدد حاصل تھی اور ان تینوں اتحادیوں نے دلازاکوں پر حملہ کردیا۔ دلازاک بے جگری سے لڑے مگر بابر بادشاہ اور اسکے اتحادیوں سے کاٹلنگ میں فیصلہ کن شکست کے بعد سمہ کے علاقے سے چھچھ ہزارہ کے علاقے کو منتقل ہوگئے۔ اب یوسف زئی فارغ تھے اور سوات پر حملے کے سلسلے میں مورا پہاڑ کے دامن میں ڈیرے لگادیئے۔ دلازاکوں سے جنگ کے دوران بابر بادشاہ کے سپاہیوں کے ہاتھوں ایک بہادر دلازاک خاتون شاہ بوڑی جو رستم خان کی بیوی اور دلازاک سردار عبدالرحمان خان عمر خیل کی بیٹی تھی۔ لڑتے ہوئے ماری گئی۔ کہتے ہیں کہ ''شاہ بوڑی'' کی موت پر بابر کو بھی تاسف ہوا کیونکہ وہ بہت اچھی تیرانداز تھی اور مغل فوج کے بہت سے سپاہیوں کو تیر چلا کر قتل کرچکی تھی۔

ملکہ سوات کا قتل اور یوسف زئیوں کا سوات پر حملہ:۔

علاقہ اشنغر اور سمہ پر قبضہ کے بعد یوسف زئیوں نے پلئی درہ میں مورا پہاڑ کے دامن میں ڈیرے ڈال دیئے اور سوات پر چڑھائی کی تیاری کرنے لگے۔ اس دوران سلطان اویس نے اپنے امرا کو موضع تھانہ (مالاکنڈ ایجنسی) میں جمع کرکے صلاح مشورہ کیا۔ بعض امرا نے اسے کہا کہ اسکی اپنی بیوی (جو یوسف زئی سردار ملک احمد کی بہن تھی) سوات کے متعلق خبریں اور اطلاعات یوسف زئیوں کو پہچاتی ہے۔ چنانچہ سلطان اویس نے منگلور لوٹ کر اپنی یوسف زئی ملکہ کو قتل کردیا۔ (۱) یہ ملکہ یوسف زئی سردار ملک احمد کی بہن تھی اور یوسف زئی جب کابل سے دوآبہ آئے تھے تو ان دنوں ملک احمد کا سوات آنا جانا ہوگیا تھا اور اس نے اپنی بہن کا رشتہ سلطان اویس کو دے دیا۔ کیونکہ اس وقت یوسف زئی سوات کے محتاج تھے۔ سلطان اویس کی یہ کارروائی انتہائی بزدلانہ اور ناعاقبت اندیشی پر مبنی تھی۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنی بیوی کو یوسف زئیوں کے ساتھ مفاہمت پیدا کرنے کے لیئے استعمال کرتا اس نے اس کو بے دردی سے قتل کردیا

---

(۱) ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' ۔ پیر معظم شاہ ص ۱۱۶۔

اورشاہی قبرستان کے بجائے منگلور شہر سے باہر کھیتوں میں دفن کردیا اس سے یوسف زئیوں کے جذبات اور بھڑک اٹھے۔ ملک احمد نے صبر سے کام لینے کی تلقین کی اور دعائے مغفرت کے لیئے سوات جانے کے لیئے سلطان اویس سے اجازت مانگی۔ اجازت ملنے پر وہ بیس سرکردہ یوسف زئی امرا کے ہمراہ سوات کے لیئے روانہ ہوا۔ اُن کو موضع تھانہ کے نزدیک بختہ ڈھیری کے مقام پر شاہی مہمان خانہ میں ٹھہرا دیا گیا کیونکہ سلطان اویس منگلور سے تھانہ آچکا تھا۔ ملک احمد کو اکیلے سلطان اویس کی ملاقات کے لیئے شاہی محل لے جایا گیا جبکہ دیگر افراد کو مہمان خانہ میں روک دیا گیا۔ ان لوگوں کے پاس میر ہندا وودال بھی مہمان خانہ میں تشریف لے آیا۔ لیکن اُس نے بدمزاجی اور تلخی کا مظاہرہ کیا جو ایک میزبان کو زیب نہیں دیتا تھا۔ کہتے ہیں کہ دوپہر کے کھانے کے لیئے لائے گئے چاول میر ہندا نے انڈھیل دئے اور مہمان خانے سے نکل کر گھر چلا گیا۔ اتنے میں ملک احمد بھی سلطان اویس سے مل کر واپس مہمان خانہ میں آگیا تو اسکے ساتھیوں نے میر ہندا کا واقعہ سنایا۔ ملک احمد خود بھی سلطان اویس کی ملاقات سے مطمئن واپس نہ آیا تھا اپنے آدمیوں کو فوراً وہاں سے نکل جانے کو کہا اور واپس فوراً کیمپ تشریف لے آئے ملک احمد نے یوسف زئیوں کو سوات پر حملے کا حکم دے دیا۔ ادھر میر ہندا نے اپنے جوانوں کو لیکر مورہ پہاڑ کی چوٹی پر چوکی ڈالی یوسف زئی اس طرف سے حملہ کرنے میں ناکام ہوئے تو انہوں نے مالاکنڈ کی چوٹی کی طرف سے حملے کی ترکیب بنائی۔ ایک رات مارچ کر کے مالاکنڈ کو عبور کرنے میں کامیاب ہوگئے۔ مالاکنڈ کی چوٹی میرویس (شاہ ویس) اور فرخ زاد کی نگرانی میں تھی۔ یہ دونوں غافل سوئے ہوئے تھے۔ یوسف زئیوں نے تمام جوانوں کو جو پہرے پر تھے، قتل کردیا اور شاہ ویس اور فرخ زاد بھاگ کر تھانہ پہنچ گئے۔ یوسف زئیوں نے چوکی فتح کرنے کے بعد موضع خار میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اس طرح بٹ خیلہ سے مغرب کی طرف موضع طوطکان تک کا علاقہ یوسف زئیوں کے قبضہ میں آگیا۔ یوسف زئیوں نے اس میدانی علاقے میں ڈیرے ڈال دئے۔ یہاں وہ مختلف مواضعات میں دہگانوں کے ساتھ مل کر رہتے تھے اوران دہگانوں کو سلاطین سوات سے متنفر کرنے کے لیئے تسلیاں دیتے تھے اور اس طرح سوات کی رعایا کو بھی سلاطین سے بدظن کردیا۔ کچھ عرصہ بعد موضع تھانہ پر چڑھائی کردی۔

جنگ تھانہ:۔

جنگ تھانہ پہلی منظم جنگ تھی جس میں طرفین کو کافی تیاری کا موقع ملا تھا، سوات کے تقریباً اکثر امرا

اسی جنگ میں شامل تھے جب جنگ شروع ہوئی تو تھوڑی ہی دیر میں سواتی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے اور میدان جنگ سے بھاگنے لگے۔ اس بھاگ دوڑ میں اکثر سواتی مارے گئے اور بقول تواریخ حافظ رحمت خانی صرف میر ہندا وودال اکیلا بچ گیا تھا۔ سلطان اویس بھاگ کر تیسرے روز بڑی مشکل سے پیادہ چل کر اپنے دارالخلافہ منگلور پہنچا جبکہ اسکے اہل وعیال اسکا سوئم منا رہے تھے کیونکہ ان کو اطلاع ملی تھی کہ وہ جنگ میں مارا گیا ہے۔ سلطان اویس لنڈاکی کے قریب بھیس بدل کر تاج خیلہ اور دمغار کے راستے سے منگلور گیا تھا کیونکہ وہ متراویوں کے علاقے سے گذرنا نہیں چاہتا تھا جن سے اُس کی دشمنی تھی۔ یوسف زئیوں نے موضع تھانہ پر بھی قبضہ کرلیا اور اس طرح متراویوں کی حدود تک کا تمام علاقہ جو اس وقت مالاکنڈ ایجنسی میں شامل ہے اُن کے قبضہ میں آگیا تھا۔ اس جنگ میں سلطان اویس کے امرا اور رشتہ دار کافی تعداد میں مارے گئے تھے ان میں شاہ ویس اور فرخ زاد جو مالاکنڈ کی چوٹی پر متعین تھے بھی مارے گئے تھے۔

''تاریخ حافظ رحمت خانی'' کے مولف نے منگلور شہر کا نقشہ یوں کھینچا ہے:۔

قلعہ منگلور:۔

''او منگلور شہریست در سوات کلان' کہ قلع رفیع و منیع دارد' تخت گاہ سلاطین جہانگیریہ است۔ چنانچہ واڑہ سلطانانو او بعضے امیرانو جہانگیریہ محلونہ قصرونہ عجیبہ رنگینہ دننہ پہ قلعہ وو گرد اگرد شہر پروت وو۔ لوئے لوئے بازارونہ وو پہ ہغہ وقت چہ یوسف زیو سوات لاندے کڑو۔ ہغہ شہر وران کڑہ۔ اما قلعہ او قصرونہ او محلونہ چہ پختہ سنگین وو (تاحال قائم و برقرار دی)(۱)

(یعنی منگلور سوات کلاں کا شہر ہے جس میں ایک مضبوط بلند قلعہ ہے جو سلاطین جہانگیریہ کا دارالخلافہ ہے۔ تمام سلطانوں اور بعض جہانگیری امرا کے محلات اور عجیب وغریب قصور اس قلعہ کے اندر ہیں۔ شہر قلعہ کے گرد ہے اور شہر میں بڑے بڑے بازار تھے یوسف زئیوں نے قبضہ کرکے شہر کو مسمار کردیا تھا مگر قلعہ اور محلات کے آثار اب بھی باقی ہیں)۔

---

(۱) ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' از پیر معظم شاہ ص ۶۴

متراوی:۔

متراویوں نے اس جنگ میں سلطان اویس کا ساتھ نہ دیا تھا اور غیر جانب دار رہے تھے۔ پیر معظم شاہ لکھتے ہیں:

''اور معلوم دوی چہ متراوی پہ سواتیو کہ یو لوئے تو من دے۔ پہ اصالت پہ شجاعت تر سواتیو زان بہتر گنڑی او مور خان انساب د متراو یو داز نگ وائی چہ مونگ پہ ذات یوسف زئی یو اما آمدن مایاں دریں جا ایں سبب شدہ کہ قدماء مایاں از قوم یوسف زئی از حدود قندھار از موضع گاڑی و نشکی بہ یکے حادثہ از حادثات جدا شدہ آمدہ دریں جا متوطن شدند و مایاں از اولاد و اوشانیم''

(یعنی معلوم رہے کہ متراوی سواتیوں میں ایک بڑی قوم ہے۔ اصالت اور شجاعت میں سواتیوں سے اپنے آپ کو بہتر سمجھتے ہیں۔ اور مور خان متراویوں کا نسب یوں بیان کرتا ہے کہ ہم بھی دراصل یوسف زئی ہیں۔ اور ہمارے یہاں (سوات میں) آنے کا سبب یہ ہے کہ ہمارے بزرگ قبیلہ یوسف زی سے از حدود قندھار' موضع گاڑے اور نشکی سے ایک حادثہ کے باعث جدا ہوئے اور یہاں آ کر متوطن ہو گئے۔ ہم اُن کی اولاد سے ہیں)۔ مور خان کے اس بیان کو یوسف زئیوں نے بھی تسلیم نہیں کیا تھا اور میجر راورٹی کے مطابق (گبری، متراوی اور ممیالی) تاجک ہیں البتہ تواریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق حسن خان متراوی قلعہ بالاگرام کی شکست کے بعد اپنے چند رشتے داروں کے ساتھ جنگلوں میں روپوش ہو گیا تھا جبکہ باقی متراوی بعد میں یوسف زئیوں کی اجازت سے اپنے اپنے گھروں میں آ کر رہنے لگے۔ یہ متراوی یوسف زئیوں کے اندر (غالیخیل) مشہور ہیں اور ان کو نیکی خیل میں شمار کیا گیا ہے۔ موضع کز بانڈی بر بانڈی) غوریجا اور ننگولئی میں آباد ہیں۔ حسن خان متراوی کے ساتھ جو لوگ جنگلوں میں روپوش ہو گئے تھے انہوں نے چکیسر کے پہاڑ کی چوٹی پر ایک گاؤں جس کا نام (جودبا) ہے آباد کیا اور اسی گاؤں کے غالیخیلوں کی ایک شاخ علاقہ پکھلی میں موضع ملک پور تر ہا اور بھیر کنڈ میں آباد ہے۔ سمیع اللہ جان مرحوم نے اپنی کتاب (تحقیق الافغان) میں متراویوں کا ذکر کیا ہے ان کی اکثریت اب بھی سوات میں آباد ہے۔ اور یوسف زئیوں میں زم ہو چکی ہے ان کا قدیم مسکن لنڈاکی سے بالاگرام تک دریائے سوات کے مشرقی میں تھا۔ ان کی اکثریت اب اپر سوات میں

ائیر پورٹ سے شمال کی طرف مختلف مواضعات میں بستے ہیں اور کچھ تعداد ضلع دیر کے (اوچ) کے علاقے میں ہے۔

یوسف زئیوں کا منگلور پر حملہ:۔

تھانہ کی فتح کے بعد یوسف زئیوں کے لشکر نے تھانہ' چکدرہ اور دمغار میں ڈیرے لگائے کچھ عرصہ بعد یوسف زئیوں نے دمغار سے گزر کر حسین ڈھیری میں جرگہ کیا۔ اکثر نے رائے دی کہ منگلور کا قلعہ سنگین ہے اس لیئے حملہ نہ کیا جائے مگر مندنڑ قبیلے کے لوگ اس سے متفق نہ ہوئے ان کی قیادت دالکی بن بہزاد صدوزی کر رہا تھا۔ شہر منگلور کے مضافات میں قتل و غارت کر کے لوٹ آئے کیونکہ قلعہ کو فتح کرنے پر کسی کو دسترس نہ تھی۔

تالاش پر دھاڑا:۔

منگلور سے واپسی پر کچھ توقف کیا اس دوران عید آ گئی۔ یوسف زئی نوجوانوں نے تالاش کے علاقے میں دھاڑا ڈال دیا۔ تالاش کے اکثر لوگ کفار تھے جو سواتی سلاطین کی رعیت کے طور وہاں رہتے تھے۔ یوسف زئیوں نے تالاش کے لوگوں کے مال مویشی ہانکے۔ تالاشیوں نے کاٹگلہ کے تنگ راستہ میں گھات لگا دی تاکہ جب یوسف زئی اس تنگ راستہ سے گذریں گے تو اُن پر حملہ کر کے اپنے مویشی چھڑا لائینگے مگر یوسف زئیوں نے دو گروہ بنا لئے ایک مویشی ہانک کر لے جا رہا تھا دوسرا گروہ اُن کی حفاظت پر مامور تھا۔ کاٹگلہ میں جنگ ہوئی کافی تالاشی مارے گئے۔ اس لڑائی میں مزید بن ملک قرہ بن بہزاد صدوزئی نے بڑی بہادری دکھائی اس نے گھاٹی (جو اکبری نوگز کے برابر تھی) کو گھوڑے سے پار کر لیا اور تالاشیوں کے سردار کو قتل کر ڈالا۔ یہ تنگ ناؤ اب بھی (گھوڑ ترپ) کے نام سے منسوب ہے یوسف زئیوں کا رباط تک قبضہ ہو گیا۔

بابر بادشاہ کا باجوڑ اور سوات پر حملہ:۔

اس زمانے میں یوسف زئیوں نے بابر بادشاہ کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ بابر بادشاہ نے ملک احمد کو اپنے دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔ وہ کابل چلا گیا دراصل دلازاکوں (۱) نے ستر ہزار روپیہ بابر

(۱) تواریخ حافظ رحمت خانی از پیر معظم شاہ ص ۸۳،۸۹

بادشاہ کواس شرط پر دینا منظور کیا تھا کہ ملک احمد کو دربار میں بلا کر قتل کر دیا جائے۔ بابر بادشاہ نے ملک احمد کی دربار میں حاضری کے وقت تیر کمان لے کر اسے مارنے کا قصد کیا مگر ملک احمد چالاکی سے اپنا گریبان چاک کر کے بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے وجہ پوچھی تو جواب دیا کہ گریبان اس لیئے چاک کیا تا کہ بادشاہ کا وار خطا نہ جائے اور اسے محفل میں ندامت نہ ہو۔ بابر بادشاہ اس جواب پر خوش ہوا اور ملک احمد کو مارنے سے باز رہا اور بعد میں اسے بڑی عزت کے ساتھ رخصت کر دیا۔ دوسری مرتبہ ملک احمد کو پھر طلب کیا مگر اس بار ملک احمد خود حاضر نہ ہوا اور ملک شاہ منصور کو بھیج دیا شاہ منصور بابر بادشاہ سے رخصت ہوا تو اسکے بعد بابر نے بھی اپنی فوجوں کو کوچ کا حکم دیا اور باجوڑ پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے اور حیدر علی ملک کے قلعہ گبر کا محاصرہ کر لیا۔ میر حیدر علی گبریوں کا سلطان تھا اور بقول ''تواریخ حافظ'' رحمت خانی'' اس نے قبل ازیں مرزا الغ بیگ سے کچھ شوخی کی تھی اور بابر بادشاہ نے اُس کا بدلہ لینا تھا۔ پیر معظم شاہ لکھتا ہے:

(میر حیدر علی بہت ظالم تھا اس سے اپنے عزیز نالاں تھے ایک تربور (رشتہ دار) کی طرف سے بابر بادشاہ کو خط ملا کہ ہم آپ کے فرمانبرداروں میں ہیں اور اگر بادشاہ چاہے تو میں اپنے عزیزوں کے ساتھ بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو سکتا ہوں)(۱)۔ بابر بادشاہ کو جب یہ خط ملا تو مسرت کا اظہار کر کے ان کی درخواست منظور کر لی حیدر علی کا یہ رشتہ دار بادشاہ کے پاس آیا اسے انعام واکرام سے نوازا گیا اسکے دیکھا دیکھی دیگر گبری جو حیدر علی کے مخالف تھے بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے۔ اور حیدر علی کے ماموں زاد سے ملحق ہو گئے۔ حتیٰ کہ حیدر علی کو روز بروز تنزل ہوتا گیا۔ ''آخر الامر حیدر علی از ترس جان وشرمندگی خود زہر خوردہ مرد بعد ازاں بادشاہ ایں ابن العم حیدر علی را سلطان گبراں نمودہ قلعہ را بادسپردہ وآنچہ مخالفان ابن العم حیدر علی بودند جمیع آنہار اطلبیدہ بکشتند واز سرہائے ایشاں در آنجا چبوترہ ساختند''

تزک بابری کا اقتباس:۔

مگر تواریخ حافظ رحمت خانی'' کا یہ بیان تزک بابری سے مختلف ہے۔ تزک بابری میں لکھا ہے:۔

محرم کی پہلی تاریخ دوشنبہ کے دن ہم نے ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے ارادے قلعہ بجور کا سفر

(۱) ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' از پیر معظم شاہ ص ۹۲

اختیار کیا۔ سلطان بجور کو پیغام بھجوایا کہ ہتھیار ڈال دے اور قلعہ ہمارے سپرد کر دے۔ مگر سلطان بجور نے یہ پیغام رد کر دیا محرم کی چوتھی تاریخ کو قلعہ کا محاصرہ کر دیا۔ ہماری توپوں نے خوب گولہ اندازی کی۔ دوست محمد کی سپاہ نے نقب مکمل کر لی برج کے مسمار ہوتے ہی فوج اندر کی طرف لپک پڑی اور خدا کی مہربانی سے دوساعت کے اندر اندر بجور جیسے مضبوط قلعے کو فتح کر لیا۔ بجور پر قبضہ کے دوران تقریباً تین ہزار بجوری قتل ہوئے شہر فتح ہوا تو میں خود شہر کے اندر داخل ہوا۔ سلطان بجور کے محلات کی سیر کی اور جائزہ لیا اور پھر بجور کو خواجہ کلیوں کے سپرد کر کے لشکر میں لوٹ آیا دوسرے دن، چشمہ بابا فراز پر چھاؤنی ڈالی۔ کچھ ملکوں کے سر کاٹ کر کابل اور کچھ کے بدخشاں روانہ کیئے اور فتح نامے لکھ دئے۔ اسم منزل پر یوسف زئی کا شاہ منصور حاضر خدمت ہوا۔ میں نے اسے خلعت فاخرہ سے نوازا اور یوسف زئی علاقے کی حکومت اسے تفویض کر کے اُسے اسکے علاقہ کی طرف رخصت کیا''۔(۱)

''سوات پر چڑھائی کے ارادے سے اس سنگم کا رخ کیا۔ دریائے چنداول (جندل) دریائے بجود اور دریائے پنج کوڑہ آپس میں ملتے ہیں۔ سنگم پر پہنچے تو شاہ منصور یوسف زئی نے حاضری دی اور بہت لذیز کجالی کھانے کے لیئے نذر کیں۔ یہاں سے ہم نے درہ کھراج اور درہ پیش گرام کا راستہ لیا اور پنج کوڑہ کے دھانے پر نزول کیا۔ سلطان اویس ''سواتی'' کے مشورہ سے درہ کھراج کے باشندوں سے خردار چاول وصول کیئے۔ تیئسویں محرم کو ہندو بیگ کو کچھ فوج دی اور حکم دیا کہ پنج کوڑہ کے مقام پر حملہ آور ہو جائے۔ وہاں کے لوگ گھر چھوڑ کر بھاگ چکے تھے۔ وہ ان کی بکریاں اور گائیں ہانک لایا۔ یہاں میں نے ایک بہت بڑا چبوترا تیار کرایا...... یہیں یوسف زئیوں کا بادشاہ شاہ منصور حاضر ہوا۔ اس خیال سے کہ یوسف زئی پٹھانوں سے مضبوط رشتہ استوار ہو جائے اُس سے درخواست کی گئی کہ اپنی بیٹی شاہی حرم میں داخل کر دے۔ یہ اٹھائیسویں تاریخ تھی جبکہ شاہ منصور کا بھائی طاؤس خان اپنی بھتیجی دختر شاہ منصور کو دلہن بنا کر اپنے ساتھ لایا''

دوسرے دن (آٹھ صفر) اس قرارداد کے مطابق سلطان ویس سلطان علی اور سلطان علاؤالدین کو خلعت ہائے فاخرہ سے نوازا اور گھوڑے عطا کر کے رخصتی بخشی اور خود یہاں سے روانہ ہو کر خواجہ خضر پر اترے''

(۱) توزک بابری ص ۱۶۳۔۱۴۷

اسکے بعد بابر شہباز ملحد کا ذکر کرتا ہے، اور بھیرہ کی صرف روانگی کرتا ہے۔ کوہ جودہ کی فوجوں کا ذکر کرتا ہے۔ ابراہیم لودھی کے پاس سفارت بھیجنے کا ذکر کرتا ہے اور لکھتا ہے:۔

"ہندوستانی خصوصاً یہاں کے پٹھان احمق ہیں"

اسکے بعد بھیرہ کی حکومت، جٹ اور کھوور (گجر) قوموں کا ذکر کرتا ہے اور پھر کابل کی طرف واپسی کا ذکر کرتا ہے۔ کابل پہنچنے کے بعد تیئیس ربیع الاول کو یوسف زئیوں کا سردار ملک شاہ منصور چند دوسرے سرداروں کے ساتھ حاضر خدمت ہوا۔ ان میں سے ہر ایک کو خلعت ہائے فاخرہ سے نوازا بڑے احترام کے ساتھ رخصت کیا اور انہیں سمجھایا کہ الوہیہ بالا کا کوئی آدمی سوات کے معاملات میں دخیل نہ ہو اور جو افغان بجور اور سوات میں کھیتی باڑی کریں تو وہ چھ ہزار بوری دھان بطور خراج (عشر) شاہی خزانہ میں داخل کریں" (۱)

تزک بابری کے اس طویل اقتباس اور تواریخ حافظ رحمت خانی میں بیان کردہ واقعات سے درج ذیل نتائج اخذ ہوتے ہیں:۔

۱۔ بابر ہندوستان پر قبضہ کرنے کا خواہشمند تھا مگر راستہ میں گبریوں کی مضبوط سلطنت حائل تھی جو لودی حکمرانان دہلی کے بہی خواہ تھے۔ ملک حیدر علی والئی باجوڑ نے الغ بیگ کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بابر کو اس کا علم تھا۔ ملک حیدر علی نے بابر کی اطاعت بھی قبول کرنے اور قلعہ گبر اُسکے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ بابر چاہتا تھا کہ وہ گبریوں کی طاقت کو یوسف زئیوں کی مدد سے ختم کرے اسی لیئے اُس نے ملک منصور کی بیٹی سے شادی کی تھی۔ توزک بابری میں بابر کے اپنے الفاظ ہیں کہ چونکہ یوسف زئی ایک طاقتور قبیلہ ہے ان سے مضبوط تعلقات استوار کرنے کے لیئے شاہ منصور کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ بابر ایک مدبر حکمران تھا۔ اُس نے خود بھی باجوڑ اور سوات پر حملے کیئے اور یوسف زئیوں کو بھی مدد دیتا رہا اور بالآخر سترہ 17 سالوں کی مسلسل جنگوں کے بعد گبری سلاطین کا اقتدار ختم ہو گیا۔

2۔ گبری سلاطین کے علاوہ افغان کا ایک قدیم قبیلہ دلازاک بھی کالا پانڑی کے علاقہ پر قابض تھا جو آئے دن تجارتی قافلوں کو لوٹتے تھے۔ گگیانیوں کی ایما پر بابر نے دلازاکوں پر بھی حملہ کر دیا گگیانیوں یوسف زئیوں اور بابر بادشاہ کی متحدہ فوجوں نے دلازاکوں پر حملہ کر دیا۔ دلازاک بڑی بہادری سے لڑے

---

(۱) توزک بابری ص ۱۶۳۔۱۴۷۔ سنگ میل پبلیکشن ترجمہ رشید احمد ندوی

مگر بالآخر کاٹلنگ کی جنگ میں شکست کھانے کے بعد دریائے سندھ کو عبور کر کے چھچھ کے علاقے میں منتقل ہو گئے۔

3۔ جب یوسف زئیوں نے تھانہ کی جنگ جیت لی اور تالاش پر بھی قبضہ کر لیا تو بابر کابل سے یوسف زئیوں کی سرکوبی کے بہانے نکلا مگر باجوڑ پہنچ کر یوسف زئیوں کے بجائے ملک حیدر علی گبری والئی قلعہ گبر پر حملہ کر دیا۔ اس دوران ملک شاہ منصور بھی اس سے ملاقات کیلیئے آیا اور بابر نے اسکی بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ ملک حیدر علی نے خودکشی کر لی تھی اور قلعہ گبر مسمار کر کے بابر نے باجوڑ کا تمام علاقہ یوسف زئیوں کے سپرد کر دیا اور جب بھیرہ سے واپس کابل آیا تو ملک شاہ منصور کو ہدایت کی کہ الائی بالا کے گبری سواتیوں کو سوات کے معاملات میں دخل اندازی نہ کرنے دی جائے اور یوسف زئیوں پر چھ ہزار بوری دھان خراج مقرر کر دیا۔

سوات میں یوسف زئیوں کے اقتدار کے سبب بابر اپنے اپ کو محفوظ سمجھتا تھا اس لیئے اُس نے ملک شاہ منصور کو خصوصی طور پر تاکید کی کہ الائی بالا (الوہیہ بالا) کے کسی فرد کو سوات کے معاملات میں دخل اندازی کی اجازت نہ دی جائے۔ واضح رہے کہ الائی بالا اور شانگلہ کا پہاڑی علاقہ بشمول کوہستان ہزارہ کوہستان سوات اور تھاکوٹ اب بھی سواتیوں کے قبضہ میں تھے اور الائی بالا کے سواتیوں کو دخل اندازی سے اس لیئے روکا کہ کہیں گبری دوبارہ سوات پر قبضہ نہ جما لیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ الائی بالا قارلغ ترکوں کی سلطنت کا حصہ نہ تھا۔ پکھلی کے ترکوں کی حدود صرف چھانجل تک محدود تھی۔ تھاکوٹ اور اس کے قریب پہاڑی درّے اور دریائے سندھ کے مغرب میں شانگلہ (چکیسر) کا علاقہ سواتی کے قبضے میں تھا میجر راورٹی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے۔

7۔ مملکت گبر کا خاتمہ صرف یوسف زئیوں کے ہاتھوں نہیں ہوا بلکہ بابر اور یوسف زئیوں کے لشکر کے حملوں کے نتیجہ میں گبریوں کی حکومت ختم ہوئی۔

8۔ بابر کے اپنے بیان کے مطابق ملک شاہ منصور کی بیٹی سے رشتہ اس وقت طلب کیا جب بابر نے بجور کو فتح کیا اور علاقہ یوسف زئیوں کو تفویض کر دیا اور رشتہ داری کے قیام کا سبب سیاسی تھا نہ کہ رومانی جیسا کہ یوسف زئیوں نے تاریخ حافظ رحمت خانی میں بیان کیا ہے

9۔ بابر بڑا دور اندیش بادشاہ تھا اُس نے افغانوں کو آپس میں بھی لڑا کر اُن کی طاقت کو مجتمع نہیں ہونے دیا ساتھ ساتھ گبری سلاطین سوات کی طاقت کو بھی کچل دیا۔

10۔ ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' کا یہ بیان کہ یوسف زئیوں نے بابر کی اطاعت قبول کر لی تھی مگر وہ کسی قسم کا باج ادا نہیں کرتے تھے اور نہ پرواہ کرتے تھے حقیقت پر مبنی نہیں کیونکہ بابر نے چھ ہزار بوری دھان شاہی خزانہ میں داخل کرنے کا حکم صادر کیا تھا۔ اولف کیرو کا بیان کہ بابر ھمایوں کے عہد حکومت میں مغلوں کا یوسف زئیوں کے علاقے پر کوئی کنٹرول نہ تھا بھی درست معلوم نہیں ہوتا۔ بابر بادشاہ نے اپنے مقاصد حاصل کر لیئے تھے اور یوسف زئی اسکے مطیع ہو چکے تھے اور چھ ہزار بوری دھان ان پر خراج مقرر ہو چکا تھا۔ مغلوں کے ابتدائی عہد میں یوسف زئیوں نے بابر اور ھمایوں کے عہد میں کوئی گڑ بڑ نہیں کی ھمایوں کے فرار کے بعد وہ خود مختار حیثیت میں ابھرے اور مغل سلاطین خصوصاً اکبر اعظم کے لیئے مشکلات پیدا کیں۔

قلعہ بجور (باجوڑ) کی فتح اور ورہ کھراج کے لوگوں سے خراج کے طور پر چاول وصول کرنے کے بعد ظہیر الدین بابر نے منگلور کا محاصرہ کیا۔ قلع سنگین تھا اس لیئے اردگرد کے دیہات کو تاراج کر کے واپس ہو گیا تھا۔ بابر کی اس تاخت سے دیہات میں بسنے والے دہگان سواتی حراساں ہو کر تتر بتر ہو گئے تھے اور سلطنت کی نظامی حالت ابتر ہو چکی تھی اس لیئے یوسف زئیوں نے آسانی سے قلعہ منگلور کا محاصرہ کر کے سلطان اویس کو فرار پر مجبور کیا۔

منگلور پر یوسف زئیوں کا دوسرا حملہ اور سلطان اویس کا درہ نیاگ کی طرف فرار:۔

منگلور پر اس سے قبل دو دفعہ چڑھائی ہو چکی تھی۔ ایک دفعہ یوسف زئیوں کے مندنڑ قبیلے نے گردو نواح میں تاخت کی۔ دوسری مرتبہ بابر بادشاہ نے تاخت کی اور تیسری مرتبہ یوسف زئیوں کا حملہ تھا جو 915ھ بمطابق 1519ء میں کیا گیا۔ سلطان اویس نے بابر کے حملوں کی وجہ سے یہ جان لیا تھا کہ یوسف زئی اکیلے نہیں ہیں اس لئے اُس نے مقابلہ کرنا بے سود سمجھا اور ایک رات اپنے اہل وعیال اور دیگر رشتہ داروں اور عمال کو ساتھ لیکر قلعے سے فرار ہو کر براستہ تاج خیلہ درہ نیاگ کی طرف چلا گیا۔ درہ نیاگ میں اُس وقت غیر مسلم (کافر) رہتے تھے۔ وہاں اپنے لیئے ایک مستحکم قلعہ (جسکا نام لاہور رکھا) تعمیر کر کے حکمرانی کرنے لگا۔ تواریخ حافظ رحمت خانی کی عبارت کا مفہوم درج ذیل ہے:۔

''چنانچہ سلطان اویس سوات کے دریا سے پار ہو کر تاج خیلہ کو پہنچا اور پھر پہاڑوں پر چڑھ کر تین چار راتیں وہاں گذار کر بالآخر درہ نیاگ میں پہنچ گیا اور وہیں قیام کیا اور وہ مقام نیاگ

پہاڑوں کے درمیان ہے۔ سارا ملک زیم داد چشمہ دار اور سبزہ زار ہے اطراف و جوانب میں کفاروں کی بستیاں تھیں۔ علاقہ زرخیز اور جنگلوں سے پر تھا سلطان اویس نے وہاں ایک بلند اور مضبوط قلع تعمیر کیا جسکا نام لاہور رکھا۔ کفاروں کو اپنے تصرف میں لے آیا اور جیسا کہ پہلے حکمران تھا اسی طرح دوبارہ حکمران بن گیا بہت عرصہ وہاں حکمرانی کے بعد عارضہ بدن میں مبتلا ہو کر فوت ہوا اور وہیں دفن کیا گیا۔ فیروز شاہ اور قزان شاہ دو بیٹے رہ گئے فیروز شاہ بڑا ہونے کے سبب قائم مقام ہوا جس نے کئی سال حکومت کرنے کے بعد وفات پائی اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان ماہ اور سلطان ماہ کے بعد اسکا بیٹا زین اعلیٰ حکمران ہوئے اور اس طرح درجہ بدرجہ ان کی اولاد سلطان رہی اور کافی عرصہ تک درہ نیاگ کی حکمرانی اُن کے پاس رہی''۔(۱)

قزان شاہ کی سرگرمیاں اور انجام:۔

قزان شاہ کفار کی مدد سے دریائے سوات کے مغرب میں اپر سوات کے علاقے اور چندہ خورہ (کبل) کے علاقے پر دھاڑے مارتا رہا۔ ایک بار چترال سے لشکر لا کر حملہ بھی کیا مگر کامیاب نہ ہو سکا بالآخر یوسف زئیوں نے جنگلوں میں اُسکے پیچھے گھات لگائی اور اسے قتل کر دیا جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے۔ قزان شاہ کے قتل کے وقت ملک احمد فوت ہو چکا تھا اسکا لڑکا بابر کی ملازمت اختیار کر چکا تھی۔ یوسف زئیوں کی قیادت خان کجو کے ہاتھ آ گئی جس کو غوریاخیل سے جنگ کرنی پڑی۔ غوریاخیل اس وقت ''دو آبہ اور دلازاکوں کے علاقے کالا پانڑی پر قابض تھے غوریاخیلوں کو شکست ہوئی اور یوسف زئی اشنغر سمہ اور سوات باجوڑ اور بنیر پر قابض ہو گئے جبکہ دریائے کابل کا جنوبی علاقہ غوریاخیل کے پاس رہنے دیا۔

سواتیوں کا میدانی علاقے سے انخلاء:۔

گبری سواتی منگلور سے نکل کر قریب ہی درہ کشورہ کے پہاڑوں میں چلے گئے اور سیر تلگرام کشورہ مالم جبہ اور خوازہ خیلہ کے پہاڑی دروں میں آباد ہو گئے۔ ان علاقوں میں پہلے سے سواتی دہگان رہتے تھے۔ اسکے ساتھ چکیسر اور غوربند کا علاقہ بھی سواتیوں کے تصرف میں تھا چونکہ میدانی علاقے کے گبری کافی تعداد میں ہجرت کر کے ان پہاڑی علاقوں میں آ گئے تھے اس لیئے کچھ عرصہ بعد یہ پہاڑی علاقہ بھی ان

(۱) ''تواریخ حافظ رحمت خانی'' از پیر معظم شاہ ص ۱۰۴-۱۰۳

کے لیئے تنگ ہو گیا اور معاشی طور پر گبری سواتی بہت کمزور ہو گئے۔ بالآخر تقریباً ایک سو سال سے زائد عرصہ ان پہاڑوں میں گذارنے کے بعد اخون سالاک کی قیادت میں یوسف زئیوں کے اشتراک سے دریائے سندھ کو عبور کر کے چھانجل (حدود پکھلی ہزارہ) پر حملہ آور ہوئے اور پکھلی کا شمالی علاقہ فتح کر کے وہاں منتقل ہو گئے۔ ان حالات کا تذکرہ آئندہ اوراق میں کیا جائیگا۔

مذکورہ بالا جنگوں اور بابر کے حملوں کے علاوہ قلمی تاریخ اور نسب نام از لعل خان جاگیردار گلی باغ کے مطابق سترہ جنگیں لڑی گئیں۔ جن کا اجمالی مذکرہ حسب ذیل ہے:۔

قلمی تاریخ قبیلہ سواتی از لال خان مرحوم جاگیردار گلی باغ:۔

قبیلہ سواتی کی ایک قلمی تاریخ اور نسب نامہ مرتبہ لال خان جاگیردار گلی باغ جس میں یوسف زئیوں کے ساتھ سترہ جنگوں کے حالات درج ہیں دلچسپی سے خالی نہیں۔ خلاصہ درج ذیل ہے۔

پہلی جنگ:۔

یہ جنگ موضع تانرہ (تھانہ مالاکنڈ ایجنسی) میں لڑی گئی۔ اس کی تفصیل تاریخ حافظ رحمت خانی کے مطابق گذشتہ اوراق میں درج کر دی گئی۔ شاہ ولیس اور فرخ زاد (جو مالاکنڈ کی چوکی کی حفاظت پر مامور تھے اور یوسف زئیوں نے ان کی غفلت سے چوکی فتح کر لی تھی بٹ خیلہ اور خارتنک کا علاقہ قبضہ کر لیا تھا) اس جنگ میں مارے گئے۔ ان کے علاوہ کئی اور نامور سواتی بھی کام آئے۔

دوسری جنگ:۔

یہ جنگ ہیبت گرام میں لڑی گئی جس میں جمال، ہندال اور روکم جو قوم ارغوش (ارغش) سے تعلق رکھتے تھے مارے گئے۔

تیسری اور چوتھی جنگ:۔

یہ جنگیں موضع اللہ ڈھنڈ میں لڑی گئیں اور ان میں دو بھائی سلطان شاہ اور میران شاہ ابن شیر شاہ بن سلطان جہانگیر مارے گئے تھے

پانچویں جنگ:۔

یہ جنگ جلال (مالاکنڈ ایجنسی) میں لڑی گئی۔ اس میں حسن شاہ اور عبداللہ مارے گئے۔ جبکہ لال

شاہ ابن حسن شاہ زخمی ہوا۔

چھٹی جنگ:۔

یہ جنگ منگلتان (سوات) میں لڑی گئی اور اس میں پئیندہ خان (پائندہ خان) اپنے بیٹوں سمیت مارا گیا۔

ساتویں جنگ:۔

یہ جنگ اوڈی گرام میں ہوئی اور اس جنگ میں فتح شیر برادر شاہ موڑ بمعہ گیارہ بیٹوں کے مارا گیا۔

آٹھویں جنگ:۔

یہ جنگ لبڈیر نے عالم گنج میں لڑی اور لبڈیر زخمی ہوا۔

نویں جنگ:۔

یہ جنگ چہار باغ میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں زنیور خان (دنیور خان) مارا گیا اسکے علاوہ قمر دین جو سلطان داؤد کی اولاد میں تھا مارا گیا۔

دسویں جنگ:۔

یہ جنگ شکر درہ میں ہوئی اور اس جنگ میں ہشملی خان (ہاشم علی خان) بمعہ گیارہ بیٹوں کے مارا گیا۔

گیارھویں جنگ:۔

یہ جنگ شلپلم میں ہوئی اس جنگ میں سربلند خان بمعہ پانچ بیٹوں کے مارا گیا۔

بارھویں جنگ:۔

یہ جنگ کوٹے گرام میں ہوئی اور امیر خان از اولاد سلطان ملک اس جنگ میں مارا گیا۔

تیرھویں جنگ:۔

یہ جنگ تالاش میں ہوئی اور اس جنگ میں ''جوین'' (یا جون خان) مارا گیا۔

چودھویں جنگ:۔

یہ جنگ دوشخیلہ (دیر) میں ہوئی۔

پندرھویں جنگ:۔

یہ جنگ ہمبنٹر (دیر) میں ہوئی اور اس جنگ میں جمال خان بمعہ پانچ بھائیوں کے مارا گیا۔

سولھویں جنگ:۔

یہ جنگ رباط (دیر) میں ہوئی یہ جنگ خزان اور ھمدان نے لڑی۔ نسرالی (ناصر علی) جوکی اور (بدرالی) (بدرعلی) زخمی ہوئے۔

سترھویں جنگ:۔

یہ جنگ تالاش میں ہوئی۔ نازوخان اور شمسی خان نے لڑی اس جنگ میں نازوخان بمعہ دو بھائیوں اور نو بیٹوں کے مارا گیا شمسی خان کو فتح ہوئی اور وہ مزید بارہ سال تک تالاش میں اپنی زمینوں پر قابض رہا۔ اسکی وفات کے بعد اسکا بیٹا علی خان قابض و مقیم رہا۔

مذکورہ بالا جنگوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ سواتیوں نے باہم متفق ہو کر یوسف زئیوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ بلکہ ہر علاقے اور موضع کے خوانین اپنی اپنی الگ جنگ لڑتے رہے۔ مذکورہ قلمی تاریخ میں مرقوم ہے کہ سواتیوں کو محض نااتفاقی کے سبب شکست ہوئی اور وہ متحد ہو کر سلطان اویس کے جھنڈے تلے بھی نہیں لڑے۔ اور لیڈر جو عالم گنج کی جنگ میں زخمی ہوا تھا سیر تلی گرام کے درہ میں مرگیا تو اکثر سواتی سردار اُسکے جنازے میں شریک ہوئے اور آپس میں اتفاق کرنے اور دوبارہ سوات پر حملہ کرنے کی تجویز پیش کی مگر شیر شاہ ابن سلطان جہانگیر نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا شیر شاہ اگرچہ پیراں سالی میں تھا مگر سواتی اُسے رہنما مانتے تھے۔ شیر شاہ نے مشورہ دیا کہ وہ بجائے سوات کے پکھلی کا رخ کریں اور سلطان غیاث الدین ترک حکمران پکھلی سے اجازت طلب کر کے اسکے علاقے میں چلے جائیں۔ چنانچہ سلطان غیاث الدین ترک سے اجازت لیکر کچھ سواتی علاقہ ڈکری (ٹکری) اور ندھاڑ میں منتقل ہوگئے۔ (۱) ان میں سن کولی شلمانی، بدیشی (دیشان) اور بنگش اور چند دیگر شامل تھے۔

---

(۱) ''قلمی تاریخ ونسب نامہ (مملوکہ مرحوم لال خان) (جاگیردار) گلی باغ حسنی گبری جہانگیری۔

باب نہم — فصل پنجم

قبیلہ سواتی ۱۵۱۹ تا ۱۶۴۷ء، دورِ ابتلاء

قبیلہ سواتی کا یہ دور ابتلا کا دور تھا۔ سلطان اویس ۹۱۵ ھ (۱۵۱۹ء) میں منگلور سے فرار ہو کر اپنے مصاحبین کے ساتھ درہ نیاگ میں جا کر پھر سے ایک مختصر حکومت قائم کر کے رہنے لگا۔ درۂ نیاگ میں ایک مضبوط قلعہ تعمیر کیا جس کا نام لاہور رکھا اور اس کی چار پشتیں یکے بعد دیگرے درۂ نیاگ میں کفار رعیت پر حکمران رہیں۔ سلطان اویس کے علاوہ دیگر سواتی جن میں گبری، متراوی اور ممیالی شامل تھے سوات کے پہاڑی دروں خصوصاً سیر تلی گرام کشورہ غوربند اور چکیسر میں اپنے ہم نسب سواتیوں کے درمیان مقیم تھے۔ کیونکہ ان پہاڑی دروں پر یوسف زئیوں نے ابھی تک کنٹرول حاصل نہیں کیا تھا۔

سواتیوں کے اس دور کی زندگی کا اجمالی تذکرہ عالمگیر نامہ میں ان الفاظ میں موجود ہے:

''پوشیدہ نماند کہ ایں قوم عصیاں منش (یوسف زئی ...... روئے بطرف لمغانات نہادند واز آنجا تا کاشغر شتافتند وآخر الامر در سرزمین سواد و بجور اقامت ریختہ رحل سکونت انداختند ودراں سرزمین گروہے کہ بلقب سلطانی یافتند خودرا از نژاد دختری سلطان سکندرمی پنداشتند مرزبان بودند۔ نخست ایں نابکاران غدار از راہ خدمت گزاری در آمدہ خویش را دراں ناہیت جائے کردند وآخر الامر۔ چہرہ وفا ورفاق خراشیدہ طریقہ کفران نعمت و ناحق شناسی پوئیدہ....... برسلطانان آنجا تصرف واستیلاء یافتند .... وجمعی ازاں ستم دیدگان ہنوز بہ تقاضائے حب الوطنی دراں مرز و بوم مسکن دارند...... وبالفعل زیادہ از صد سال است کہ متغلبان اں یوسف زائی دراں حدود بساط تمکن گستردہ''

مفہوم:۔

مخفی نہ رہے (کہ کابل سے نکالے جانے کے بعد) یوسف زئیوں نے لمغانات کا رخ کیا اور کاشغر (چترال) تک پھیل گئے اور بالآخر سرزمین سواد و بجور میں اقامت اختیار کی۔ اس سرزمین میں (سوات بجور) ایک گروہ جن کا لقب (سلطانی) تھا اور اپنے آپ کو سلطان سکندر کی دختری اولاد سے ظاہر کرتے تھے اور اس علاقے کے مرزبان تھے۔ ابتداء میں خدمت گزاری کے طور پر یہاں مقیم ہوئے اور بالآخر رفاقت چھوڑ کر ناحق شناسی کا جامہ پہنا اور اس علاقے کے سلطانوں سے علاقہ چھین کر قابض ہوگئے

۔(سواتیوں) کی کافی تعداد اب بھی حب الوطنی کے سبب سوات میں رہ رہے ہیں اور ان کو ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہوتا ہے (کہ ان پہاڑی علاقوں میں) قیام رکھے ہوئے ہیں۔

اس عبارت سے سواتیوں کی زبوں حالی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ مگر ایک بات قابل غور ہے کہ سوادیوں کو سوادی نہیں لکھا گیا بلکہ ان کے حکمران گروہ کو ''سلطانی'' لقب سے مخاطب کیا گیا ہے اور ان کے نسبؔ کے متعلق صرف اتنا لکھا گیا ہے کہ یہ سلطان سکندر کی دختری اولاد سے ہیں۔ سوادیوں کے نسب پر میجر راورٹی نے واضح تبصرہ کیا ہے، لکھا ہے:

"The Tajjik tribes referred to are the Gibaris, Mutrawi and Mumiali which contain several ramifications, such as the the Dud-Al, Jahangiri, Beg-Al etc. The Gibaris, who in their native country, were the ruling race, spoke a dialect different from the other tribes.......These Tajiks spoke two languages or dialects, the Gibari and the Dari, the former being spoken by the tribe of that name and the latter by the other two tribes of Mutrawi and Mumiali."

"Having, for the most part, come from Suwad, they are styled Suwadis or Suwathis by their immediate neighbours.(1)

مذکورہ بالا اقتباسات سے واضح ہوجاتا ہے کہ سواتی دراصل تین شاخوں پر مشتمل ہیں، گبری، متراوی اور ممیالی، اور یہ تینوں شاخیں تاجک ہیں۔ ان میں گبری حکمران طبقہ تھا جبکہ متراوی اور ممیالی دہگان تھے۔ دیگان اور (دہگان) کی گزشتہ اوراق میں تشریح کردی گئی ہے کہ ان کی کم از کم حیثیت رئیس دہ کی ہوتی تھی اور حکمران طبقہ کے بعد یہ دوسرے درجہ کا بااختیار اور رئیس طبقہ تھا۔ ان کی حیثیت بے زمین کاشتکاروں جیسی نہ تھی جیسا کہ بعض لوگوں نے تصور کیا ہے۔ نسب اور قوم کے اعتبار سے سلطانی اور دہگان طبقہ میں

(۱) Notes on Afghanistan and Baluchistan "By Major Raverty)P 277.278

کوئی فرق نہ تھا۔ یہ سب قدیم فارسی الاصل تاجک تھے اور مدنیت کے لحاظ سے سب کے سب گبری تھے۔ جہاں تک زبان کا تعلق ہے، ''گبری'' اور ''دری'' میں کوئی نمایاں فرق نہ تھا۔ یہ دونوں قدیم فارسی یا پہلوی زبان سے تعلق رکھنے والی مقامی زبانیں ہیں۔ سواتیوں کا سیاسی اور سماجی نظام ساسانی دور کا طبقاتی نظام تھا جس کی بنیادی پیش دادی دورِ حکومت کے مروجہ نظام میں پائی جاتی ہے۔ جس میں حکمرانی کا شرف پہلوانوں اور مرزبانوں کو حاصل تھا اور یہ نظام پیش دادی دور سے لیکر اسلام کے ابتدائی دور تک خراسان، سیستان (زابلستان) اور طبرستان میں رائج رہا اور یہ علاقے فارس (ایران) کے لازمی جز تھے۔ حکومتیں بدلتی رہیں مگر نظام تقریباً وہی رہا۔

اسوریوں سے اقتدار بابل اور ماد کے ہاتھ لگا۔ ماد سے پارس اور بالآخر ماد اور پارس کے اشتراک سے ایک عظیم ایرانی ایمپائر وجود میں آئی جس کی بنیاد ماد اور پارس کے مشترکہ وارث کورش کبیر (ذوالقرنین) نے رکھی جو دو سو سال بعد یونانیوں کے ہاتھوں تباہ ہوئی۔ یونانیوں نے ہخامنشی ایمپائر کو فتح تو کردیا مگر اسے متحد نہ رکھ سکے اور اسکندر اعظم کے بعد چار حصوں میں بٹ گئی۔ پھر اشکانی دور آیا جو دو سو سال پر محیط رہا اور ۲۲۴ء میں ساسانی دور شروع ہوا اور ایران کی نشاط ثانیہ ہوئی۔ مگر ان تمام ادوار میں نظام سلطنت کی سیاسی وسماجی ترکیب تقریباً ایک جیسی رہی۔ اس سیاسی نظام میں گبریوں کا مخصوص کردار رہا ہے۔ وہ ہمیشہ سے کسی نہ کسی انداز میں حکمران رہے ہیں۔ حتیٰ کہ اسلامی دور کے آغاز میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ تمام شمال مشرقی ایران انہی گبریوں کے تسلط میں تھا۔ مسلمانوں کو خلفائے راشدین اور اس کے بعد تیسری صدی ہجری کے وسط تک انہی گبریوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ خواہ وہ سلطنتوں کے حکمران تھے یا مخصوص علاقوں کے دہاقین اور مرزبان اور جب یہ مسلمان ہوئے تو انہی کے طفیل پورا عجم اور ہندوستان اسلام کی روشنی سے منور ہوا۔

میجر راورٹی کے مذکورہ بالا بیان سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ کوہستان سوات کے توروال (تور-آل) اور گاروی قبائل جو بحرین سے کالام اور گبرال تک سکونت پذیر ہیں، سواتیوں کی انہی تین شاخوں (گبری، متراوی، ممیالی) میں سے کسی ایک سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور ان تینوں تاجک قبیلوں کو صفت نسبتی کے اعتبار سے سواتی (سوادی) کہا گیا۔ کیونکہ ان کی اکثریت مملکت سوات سے تعلق رکھتی تھی۔ ان میں نعمان اور ننگرہار کے گبری بھی شامل ہیں جو سلطان بہرام کی نسل سے ہیں۔

ان سواتیوں میں کچھ اور لوگ بھی تھوڑی تعداد میں شامل تھے جو ان کے شریک اور ہمسایہ تھے مگران

کے درمیان فوجی خدمات کے سلسلے میں شروع سے موجود تھے اور ان کے معاشرے اور قبیلہ میں ضم ہوگئے۔ مثلاً شلمانی اور بنگش ۱۵۱۹ھ کے دوران پکھلی کے سلطان غیاث الدین ترک کی اجازت سے ان کے چار قبیلے دریائے سندھ عبور کر کے علاقے ٹکری -اورندھار ایں آباد ہوگئے تھے۔ ان میں بنگش، شلمانی، دیشان (بدیشی) اور سن کولی شامل ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ میں سن کولی کو پکھلی کے علاقے میں معلوم نہیں کر سکا۔ ان کا ذکر قلمی تاریخ ونسب نامہ مرتبہ لال خان میں موجود ہے۔ کولئی نام کا قصبہ تو کوہستان کے جنوبی حصہ میں موجود ہے مگر سن کولی قبیلہ کا صحیح تعین نہیں ہوسکا۔ کولائی نام کا علاقہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے نیر دربند اور تربیلا کے درمیان واقع ہے مگر قبیلہ سن کولائی (سن کولی) کا پتہ نہیں چل سکا۔

الائی بالا کے سواتی:۔

تزک بابری کی ایک عبارت کا تذکرہ گزشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ بابر بادشاہ نے یوسف زئیوں کے سردار شاہ منصور کو ہدایت کی تھی کہ الوہیہ بالا (الائی بالا) کے لوگوں کو سوات کے معاملات میں دخیل نہ ہونے دیا جائے اور جو افغان سوات اور بجور میں کاشتکاری کریں وہ چھ ہزار بوری دھان شاہی خزانہ میں جمع کرائیں۔(۱)

بابر بادشاہ کے ساتھ ملاقات میں شاہ منصور اور وفد کے دیگر یوسف زئی عمائدین نے الائی بالا کے لوگوں کی دخل اندازی کے متعلق رپورٹ پیش کی ہوگی جس کے نتیجے میں بابر کو ایسی ہدایات دینے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میجر راورٹی کے مطابق سوات کے شمال مشرقی پہاڑی علاقے اور تھاکوٹ بہت عرصہ تک سواتیوں کے تصرف میں تھے راورٹی قبیلہ سواتی کی تینوں شاخوں (گبری، ممیالی اور متراوی) کو تاجک تصور کرتا ہے۔ راورٹی کے خیال میں کوہستان سوات کے دو قبیلے طوروال (طور آل) اور گاروی جو بحرین تا گبرال رہ رہے ہیں۔ ان تاجک (سواتی) قبیلوں کی کسی ایک شاخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ راورٹی لکھتے ہیں:

"These tribes (Tor-Al & Gawri) were evidently portions of one of the these Tajjik tribes namely the Gibaris, Mutravis or

(۱) توزک بابری" ص ۱۶۳ (ترجمہ رشید اختر ندوی)

Mamialis, the greater part of which people abandoned their native country and took possession of Pakhal when the khakhi Afghans conquerred Suwat." (P237)(1)

"The whole of Swat was conquerred as far as Pia in the time of Malik Ahmed and Sheikh Mali." (P 236)

(یعنی ملک احمد اور شیخ ملی کے زمانے میں سوات تا بجدے پیا فتح کیا گیا تھا)

"The Jahangirian Sultans in ancient time posessed an Empire extending from Nangarhar to the Jhelum but at the time when the Khakhis over-ran Suwat their way did not extend beyond the hills on the east except over Tahakot and some smaller tracts near it. Pakhal is evidently named after the Gibari Sultan of that name." (P277)

اس عبارت سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ سوات کے مشرقی پہاڑی علاقوں کے علاوہ تھاکوٹ اور اس کے قریب کے کچھ علاقے سواتیوں کے قبضے میں تھے۔ ان میں الائی بالا (جسے بابر نے الوہیہ بالا لکھا ہے) بھی تھا۔ الائی بالا کا علاقہ اور کچھ علاقہ کوہستان محمد ایوب خان مرحوم خان آف الائی اور زرین خان مرحوم کے بزرگوں کے قبضے میں تھا۔ گلگت کا علاقہ کشمیر کے گبری سلاطین نے فتح کر کے اپنے زیر کنٹرول رکھا تھا۔ اس علاقے کا انتظام بھی ابتداء میں زرین خان کے اسلاف کے پاس تھا۔ یہ سلطان بہرام کی نسل سے ہیں۔

محمد ایوب خان مرحوم خان آف بہاری گیلال شاخ سے تعلق رکھتے ہیں جبکہ زرین خان مرحوم ڈویٹال شاخ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ دونوں گھرانے اب الائی بالا کے بجائے الائی پایاں (کز الائی) میں مالک ہیں جبکہ الائی بالا میں شاخہائے بیبال، جلنگیال اور اشرال کا قبضہ ہے۔ گیلال اور ڈویٹال نہ ترکوں کے محکوم رہے اور نہ ہی یوسف زئیوں کے ماتحت رہے۔ یہ ہمیشہ آزاد رہے ہیں۔ یوسف زئیوں

"Noteson Afghanistan & Baluchistan " By Maj. Raverty P 237 and 236, 277 (1)

نے جب سوات کا میدانی علاقہ فتح کیا تو اس وقت گبری، متراوی اور مسیالی مشرقی پہاڑوں (چکیسر اور غور بند) اور تھاکوٹ کے قریبی علاقوں) میں رہ رہے تھے۔ مگر ایک سو سال سے زیادہ گذرنے اور آبادی میں اضافہ ہونے کے سبب یہ مختصر پہاڑی علاقہ ان کی گنجائش کیلئے تنگ تھا۔ اس تردد سے ان کو ۱۶۴۷ء میں اخون سالاک (ملا چالاک) کی قیادت میں دور شاجہان میں نجات ملی۔

الائی بالا کے گبری امراء نے لازماً دریائے سندھ کے مغربی علاقوں میں بیدخل سواتیوں کے تحفظ یا اپنے مقبوضات کو بچانے کی خاطر دخل اندازی کی ہوگی۔ جس کی شکایت بابر بادشاہ کو کی گئی اور اس کی مذکورہ بالا ہدایت کا سبب بنی جس کا ذکر بابر نے اپنی تزک میں بھی کیا ہے۔ سید جبار شاہ نے اپنی کتاب (العبر ۃ) خطی میں لکھا ہے کہ سواتیوں میں اشراف وارزال میں کوئی فرق نہ رہا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ معاشی طور پر سواتیوں کی حالت ابتر ہوتی چلی جارہی تھی مگر اشرف وارزال کی تمیز پھر بھی قائم تھی۔ جس کا ثبوت پکھلی کی فتح کے دوران ہوگیا تھا۔ انہوں نے اپنے اندر سے یا کسی دوسری قوم کے کسی ایک فرد کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم نہیں کیا۔

قبیلہ سواتی کی حیات نو (پکھلی سرکار کی فتح (1647ء)):۔

1۔ سوات سے حکومت کے خاتمہ کے بعد تقریباً ایک سو بیس سال تک سواتی سوات کے پہاڑی دروں میں بے سروسامانی کی حالت میں زندگی بسر کرتے رہے (۱)۔ اس دوران سلطان اویس اور اس کی اولاد درہ نیاگ میں کفاروں کے درمیان پھر سے صاحب اقتدار حکمران رہے۔ الائی بالا کے سواتی بھی آزاد حیثیت میں رہتے تھے مگر سواتیوں کی اکثریت ابھی تک سوات میں رعیت کے طور پر موجود تھی۔ جہانگیر کے عہد میں یوسف زئیوں کے حالات بھی خراب ہوتے جارہے تھے۔ اس زمانہ میں یوسف زئیوں کی سرداری بہاکوخان خدوخیل کے پاس تھی جو دورِ شاجہان میں سربرآوردہ یوسف زئی سردار تھا۔ یوسف زئیوں کی بڑھتی ہوئی آبادی کیلئے اسے مزید علاقوں کی ضرورت تھی۔ مگر وہ مغل حکمرانوں کے مقبوضہ علاقوں میں دخل اندازی نہیں کرسکتا تھا۔ چنانچہ ڈوما کفار جو تاتاری النسل ہندو تھے اور دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر رہ رہے تھے، کو اس علاقے سے نکال کر یوسف زئیوں کو آباد کرنے کا منصوبہ بنایا۔ اسی

(۱) عالمگیر نامہ "140

مقصد کیلئے اس نے مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف بہ اخون پنجو سے مدد کی درخواست کی۔ اخون پنجو بابا نے اپنے دو مریدوں اخون سالاک اور اخون سباک کو بہاکوخان کی مدد پر مامور کیا۔ چنانچہ ڈوما کفار کے خلاف اعلان جہاد کر دیا گیا اور جہاد کے علمبردار اخون سالاک بنے۔ کابلگرام میں مستقل رہائش اختیار کر کے درس و تدریس کا کام شروع کیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں قبائلیوں کا ایک جم غفیر ان کے تابعین اور مریدوں کا اکٹھا ہوگیا اور جہادی کارروائیوں کا آغاز ہوا۔ وقتاً فوقتاً اخون سالاک پشاور بھی آتا جاتا اور اخون پنجو بابا سے مشورت کرتا تھا۔ اخون پنجو خود بھی قبیلہ ارغشال سواتی سے تعلق رکھتے تھے۔ انہیں سواتیوں کی زبوں حالی کا علم تھا۔ یوسف زئی صرف ڈوما کفار کے علاقے میں دلچسپی رکھتے تھے۔ اسی لئے اخون سالاک نے ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت سب سے پہلے قبیلہ تنولی کو جو اس وقت عشراء میں قیام پذیر تھے۔ ڈوما پر حملے کے لئے دُعائے نصرت کے ساتھ بھیجا۔ تنولی سرداروں نے اخون سالاک کو عشرا میں لاکر ان کی خاطر مدارت کی اور ان سے علَم حاصل کیا۔ تنولیوں نے دریائے سندھ عبور کر کے ڈوما کفار سے کولائی کا علاقہ فتح کر کے اندر تک پہاڑی علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ تنولیوں کا یہ حملہ (۱) غیر مسلم ترکوں (ڈوما کفار) کے خلاف تھا مگر بعض مؤرخوں نے اسے پکھلی سرکار کے مسلمان ترک حکمرانوں پر حملے سے تعبیر کیا ہے، جو غلط ہے۔ اس کے بعد اخون سالاک نے بیدخل سواتیوں کو سوات سے نکال کر پکھلی سرکار منتقل کرنے کا منصوبہ بنایا اور بہاکوخان کو یہ باور کرایا کہ علاقہ سوات سے سواتیوں کے انخلاء سے یوسف زئیوں کو سوات کے پہاڑی علاقوں میں آباد ہونے سے بھی حالات بہتر ہوں گے۔ چنانچہ اخون سالاک نے سواتیوں اور یوسف زئیوں کے ملے جلے لشکر کی بذات خود قیادت کرتے ہوئے قلعہ چھاچل (چھانجل) پر حملہ کر دیا اور سلطان شمشیر ترک (۲) (جو سلطان شادمان کا گماشتہ تھا) سے قلعہ فتح کر کے پکھلی سرکار کے شمالی علاقے پر سواتیوں کا قبضہ ہوگیا۔ اس کے بعد اخون سالاک نے ڈوما کفار کے باقی ماندہ علاقے یعنی مداخیل اور امازئی اور کالا ڈھاکہ کا مغربی حصہ پر یوسف زئیوں سے حملے کرائے اور یہ علاقہ کفار سے خالی کر کے یوسف زئی افغانوں کے تصرف میں دیا جو آج تک ان علاقوں پر قابض ہیں۔

(۱) تاریخ تنولیاں از سید مراد علی شاہ (ملاحظہ ہو تعارف از محمد عبدالقیوم جلال)

(۲) سلطان شمشیر ترک، حملے میں مارا گیا تھا۔ یہ وہ سلطان شمشیر نہیں جو اورنگ زیب کے حکم سے کابل سے پانچ ہزار کا لشکر دے کر اٹک بھیجا گیا تھا جو قوم کا ترین اور سہ ہزاری منصب دار تھا۔ (دیکھئے تاریخ پشاور از ہسٹنگز ص ۲۴۱ گلوب پبلشرز لاہور)

بہا کو خان خدو خیل اور یوسف زئیوں نے علاقہ چھچھ میں پیش قدمی کر کے کچھ علاقے پر قبضہ کر لیا چونکہ چھچھ کا علاقہ مغل سرکار کے ماتحت تھا۔ اس لئے یوسف زئیوں کی پیش قدمی روکنے کیلئے اورنگزیب عالمگیر کو قدم اُٹھانا پڑا۔ ان حالات کا تفصیلی ذکر عالمگیر نامہ میں موجود ہے۔ پکھلی سرکار کے شمالی حصہ پر قبضہ کرنے کے فوراً بعد سواتیوں نے گلی باغ پر حملہ کر کے اس علاقے سے ترکوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ گلی باغ پر حملے کے سلسلے میں شاید سید جلال بابا نے ان کی سیاسی حمایت کی ہو مگر جیسا کہ میجر راورٹی نے لکھا ہے سواتیوں کی سردار کسی ایک شخص کے پاس نہ تھی۔ یہ اپنے ہی قبائلی سرداروں کے زیر کمان جتھہ کی صورت میں گلی باغ پر حملہ آور ہوئے تھے۔ اس امر کی تصدیق (تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس) سے بھی ہوتی ہے جس کا تذکرہ گذشتہ اوراق میں ہو چکا ہے۔ جو یوسف زئی حملے میں شامل ہوئے تھے واپس چلے گئے تھے۔ اخون سالاک ۱۰۶۷ھ بمطابق ۱۶۵۷ء فوت ہوگئے۔ چھانجل پر ان کی قیادت میں حملہ ۱۶۴۷ء کے دوران ہوا تھا۔ بعض مورخین نے چھانجل کی فتح ۱۶۶۶ لکھی ہے جو غلط ہے کیونکہ اس وقت اخون سالاک زندہ نہ تھا جبکہ عالمگیر نامہ کے مطابق چھانجل پر حملہ اخون سالاک کی ذاتی قیادت میں ہوا تھا۔ اخون سالاک خود بھی قبیلہ درانی (ابدالی) سے تعلق رکھتے تھے اور مولانا شیخ عبدالوہاب (اخون پنجو) کے مرید خاص کی حیثیت سے انہوں نے اپنے پیر طریقت کے ہم نسب قبیلے کو بدحالی سے نجات دیکر پھر سے صاحب اقتدار بنا دیا اور اس طرح قبیلہ سواتی کی حیات نو کا آغاز ہوا۔ اخون سالاک مجاہد ہونے کے ساتھ ساتھ مبلغ اور مصنف بھی تھے۔ انکا مزار کابل گرام علاقہ جنزئی (سوات) میں ہے۔

تاریخی حقائق:۔

موضوعی روایات اور تاریخی حقائق میں واضح فرق موجود ہے۔ روایات اگرچہ تاریخ کا ماخذ ہوتی ہیں مگر ان روایات کو حالات کے پس منظر میں پرکھنے اور تجزیہ کے بعد قابل فہم بنانے سے تاریخ وجود میں آتی ہے۔ ایسی روایات جن کا قابل فہم تاریخی پس منظر نہ ہو، محض قصے کہانیاں ہوتی ہیں جو دل بہلاوے کا کام دے سکتی ہیں مگر صداقت کے فقدان کے باعث تاریخ نہیں کہلاتیں۔ قبیلہ سواتی کی تاریخ بھی غیر مصدقہ روایات کے باعث داستان گوئی کے نذر ہوئی ہے۔ حالانکہ ان کی تاریخ صحیح پس منظر میں معلوم کرنا مشکل نہ تھا۔ ان کے حالات کے تاریخی ماخذ موجود ہیں۔ اگرچہ یہ قدیم تاریخی کتب عام آدمی کی دسترس سے باہر ہیں۔

سواتی، سلاطین بلخ کی نسل اور سلطانان پیچ (کنڑ) کے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ غوریوں کے عہد سے لیکر مغلوں کے عروج تک سلطانان پیچ کا شمال مغربی ہندوستان میں ایک اہم کردار رہا ہے۔ گزشتہ اوراق میں بحث سے یہ عیاں ہوگیا ہے کہ کشمیر سوات لغمان اور کابل ننگرہار میں سنی عقیدہ کو انہی کی وجہ سے فروغ ملا اور امیر تیمور کے ہاتھوں سینکڑوں مشائخ اور سادات نے اہل سنت والجماعت ہونے کے باعث کشمیر کے سلاطین کے ہاں پناہ لی اور صوبہ سرحد میں مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف اخون پنجو ارغشال سواتی کی دینی اور سیاسی خدمات کے ذریعہ دین اسلام اپنی اصل حالت میں جاری وساری ہے۔ سلطنت گبر اگرچہ ایک مخصوص علاقے میں قائم تھی مگر ان کی تین سو سالہ حکمرانی کے دوران اسلام نہ صرف کابل تا کشمیر بلکہ ہندوستان میں بھی پھیلا۔ اخون پنجو کے والد بزرگوار سلطان غازی بابا بہلول لوری اور ابراہیم لودی کے زمانے میں ہندوستان میں دینی خدمات انجام دیتے رہے اور آپ کے چچا خواص خان سکندر لودھی کے امیر الامراء تھے اور حکومت کے استحکام کے سلسلے میں اپنی انتظامی قابلیت کے سبب اس عظیم منصب پر فائز رہے۔ اگر سوات کے گبری سلاطین کی تاریخ تلف ہوئی تو کم از کم کشمیر کے سلاطین (جو انہی کے نسب سے ہیں) کی تاریخ تو محفوظ تھی جس کے مطالعہ سے سوات کے حالات پر بھی کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ مگر ان تمام واضح اور تاریخی اثبات کے باوجود سواتیوں کے متعلق من گھڑت افسانے مشہور کیے گئے جن کو 1872ء میں انگریزوں کی ضلعی اور صوبائی گزیٹر میں نمایاں اشاعت ملی حالانکہ انگریز مورخین نے بھی ان کی صحت کا یقین نہیں کیا اور ان روایات کو مبالغہ سے پر روایات سے منسوب کیا ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہزارہ گزیٹر کی مطابقت میں لکھی جانے والی کتب تاریخ میں ان افسانوی پہلوؤں کو حقیقت کا جامہ پہنا کر غلط روایات کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ حالانکہ ہزارہ گزیٹر اور تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس میں تضادات کو اگر مدنظر رکھا جائے تو پھر بھی ایک مؤرخ اور پڑھے لکھے آدمی کیلئے غیر جانبدارانہ نتیجہ پر پہنچنا مشکل نہ ہوتا۔ گزشتہ اوراق میں ان تمام تضادات پر مختلف ابواب میں بحث کی گئی ہے مگر پھر بھی ایک دو مثالیں پیش کرنا یادداشت کی تازگی کیلئے ضروری ہے۔

1۔ تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس ص ۹۴۵ (۱) پر خاندان بمبہ کے عنوان سے تحریر ہے کہ اس خاندان کا مورث سلطان کاشف جہانگیر کے عہد میں پکھلی سرکار آیا اور ترک حکمران کی بیٹی سے شادی کی مگر ترک

---

(۱) تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس ص ۹۴۵ (کیپٹن ویلس ضلع ہزارا کا افسر بندوبست بھی تھا)

حکمران نے اُسے قتل کرادیا اوراس کا بیٹا سلطان قاسم جو باپ کے قتل کے بعد پیدا ہوا تھا، اپنے نانا کو قتل کر کے مظفر آباد تا بارہ مولا کے علاقے پر قابض ہوگیا۔ پکھلی کے ترک سلاطین سلطان قاسم کو قید کرنے یا اس پر حملہ کرنے کی تدبیر کر رہے تھے کہ اسی اثناء میں گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ ہوگیا اور ترکوں کی حکومت ختم ہوگئی۔ خاندان بمبہ کا مورث سلطان کاشف جہانگیر کے عہد میں قتل ہوا۔ اس کا بیٹا سلطان قاسم اس کی موت کے بعد پیدا ہوا۔ مگر جہانگیر کے آخری دور میں یا شاہجہان کے ابتدائی دور میں جوان ہوا اور نانا کو قتل کر کے علاقے پر قابض ہوگیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نے شاہ جہان کے دور میں ہی حکومت پر قبضہ کرلیا تھا اور گلی باغ کے ترک سلاطین اُسے قید کرنے یا قتل کرنے میں اس لئے ناکام ہوئے کہ اس دوران گلی باغ پر سواتیوں نے ۱۶۴۷ء میں قبضہ کرلیا تھا۔ سواتیوں کے اس قبضہ کو ۱۷۰۳ء یا ۱۷۱۳ء میں لکھنا تاریخ سے مذاق ہے۔(۱)

قبیلہ بمبہ کی اس روایت کی تصدیق "تاریخ اعظمی کشمیر" کے صفحہ ۲۴۷ سے بھی ہوتی ہے، لکھا ہے:

"حضرت میر محمد جناب حضرت شیخ یعقوب صرفی کے خلیفہ ہیں۔ اواخر میں والی پکھلی کی استدعا پر کشمیر سے پکھلی منتقل ہوگئے۔ وہاں کے سلطان نے ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔ ۱۴ محرم ۱۰۱۵ھ (۲۴ مئی ۱۶۰۶ء) میں رحلت فرمائی۔ حضرت میر محمد کو سلطان ابدال ترک حاکم، مظفر آباد تھا جو خود بھی ۱۶۰۶ء سے قبل فوت ہوگیا اور اس کے بعد اس کا بیٹا سلطان کمال عہد جہانگیر میں مظفر آباد کے علاقے کا حکمران تھا جسے اپنے نواسے سلطان قاسم نے عہد شاہجہان میں قتل کردیا تھا۔ (بمطابق روایت قوم بمبہ) اور علاقے پر خود قبضہ کرلیا تھا۔ گلی باغ کے ترک سلطان اس کے خلاف کوئی کارروائی اس لئے نہیں

---

(۱) قبیلہ بمبعہ کی اس روایت کی تصدیق "تاریخ اعظمی کشمیر کے ص ۲۴۷ سے بھی ہوتی ہے۔ لکھا ہے:۔

"حضرت میر محمد خلیفوں کے خلیفہ جناب حضرت شیخ یعقوب صرفی کے خلیفہ ہیں۔۔ اواخر میں والئی پکھلی کی استدعا پر کشمیر سے پکھل منتقل ہوگئے۔ وہاں کے سلطان نے ان کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کروائی۔۔ ۱۴ محرم ص ۱۰۱۵ھ (۲۴ مئی ۱۶۰۶ء میں رحلت فرمائی" حضرت میر محمد کو سلطان ابدال تک حاکم، مظفر آباد لایا تھا جو خود بھی ۱۶۰۶ء سے قبل فوت ہوگیا اور اسکے بعد اسکا بیٹا سلطان کمال عہد جہانگیر میں مظفر آباد کے علاقے کا حکمران تھا جسے اپنے نواسے سلطان قاسم نے عہد شاہجہان میں قتل کردیا تھا (بمطابق روایت قوم بمبعہ) اور علاقہ پر خود قبضہ کرلیا تھا۔ گلی باغ کے ترک سلطان اسکے خلاف کوئی کاروائی اس لئے نہیں کرسکے کہ گلی باغ میں سواتیوں کے ہاتھوں ترکوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ عہید شاہجان میں ہوا ہے۔

کرسکے کہ گلی باغ میں سواتیوں کے ہاتھوں ترکوں کی حکومت کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ عہد شاہجہان میں ہوا ہے۔

2۔ سید جلال بابا کے باب میں ثابت کردیا ہے کہ وہ دور شاہجہان کے بزرگ ہیں۔ پیر بابا کی چوتھی پشت میں ہونے کے باعث وہ اورنگزیب کے دور کے بزرگ نہیں ہوسکتے۔ ان کے اپنے ہم نسب سید عبدالجبار شاہ نے بھی سواتیوں کے قبضہ کو دور شاہجہان کا واقع قرار دیا ہے اور اس سلسلے میں سید جلال پر ایک طویل باب اپنی کتاب "العبرۃ" میں تحریر کیا ہے۔ العبرۃ کا خطی نسخہ سید جبار شاہ کے فرزند محمد علی شاہ کے پاس اب بھی دستیاب ہے۔

3۔ دور شاہجہان میں اخون سالاک نے ڈوما کفار کے علاقے میں کارروائیں شروع کردی تھیں۔ تاریخ "یوسف زئی پٹھان" از اللہ بخش یوسفی (۱) کے مطابق شاہجہان نے اخون سالاک کو خط لکھا تھا کہ وہ یوسف زئیوں کی حمایت سے باز رہے اور ڈوما کفار سے تعرض نہ کرے۔ جس کے جواب میں اخون سالاک نے شاہجہان کو جواب لکھا تھا کہ اگر بادشاہ خود کفار کے خلاف جہاد نہیں کرتا تو اس کار خیر سے کیوں روکتا ہے؟

4۔ عالمگیر نامہ میں واضح طور پر اخون سالاک کا چھانجل پر حملہ کرنے کا ذکر ہے اور یہ شکایت پکھلی کے وقائع نگاروں نے لکھی ہے۔ اگر یہ حملہ سید جلال بابا سے منسوب ہوتا تو اس کا ذکر عالمگیر نامہ یا ماثر عالمگیری میں ضرور ہوتا۔

5۔ ہزارہ گزیٹر اور تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویس میں سواتیوں کے گلی باغ پر حملے کی تاریخ ۱۷۰۳ء اور محمد ارشاد خان نے اپنی تصنیف "تاریخ ہزارہ" میں ۱۷۱۳ء لکھی ہے۔ جبکہ اس سے کافی عرصہ پہلے اورنگزیب کے حکم سے مبارز الدین گکھڑ نے مقرب خان ترک حاکم دھمتوڑ پر حملہ کر کے ترکوں کی حکومت ختم کردی تھی اور اصالت خان گکھڑ کو پکھلی کا فوجدار مقرر کیا گیا جسے ۱۶۹۹ء میں شہزادہ بہادر شاہ نے کابل جانے سے پہلے تبدیل کر کے بنوں کا فوجدار مقرر کیا۔ "حیاتِ افغانی" صفحہ ۶۲۵ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"جب بہادر شاہ نے کابل کی طرف واپسی کا ارادہ کیا تو حسب صلاح محمد حسن مصاحب کے اصالت خان گکھڑ کو جو ضلع ہزارہ کے علاقے پکھلی کا فوجدار تھا واسطے فوجداری ملک بنوں طلب کیا اور

---

(۱) یوسف زئی پٹھان از اللہ بخش یوسفی ص

اصالت خان پکھلی کے انتظام کو سواتیوں کے ہاتھوں ویران کرا کے حسب الامر شاہی بنوں میں آیا۔"

اس سے ظاہر ہوا کہ اصالت خان اپنی تبدیلی پر خوش نہ تھا اور پکھلی کے سواتیوں کے ذریعے شورش برپا کر کے بنوں چلا گیا۔ جس سے ظاہر ہے کہ پکھلی میں اسی وقت سواتی موجود تھے۔ یہ شورش دراصل سواتیوں کی مدد سے قبیلہ جدوں کا علاقہ دھمتوڑ پر حملہ تھا۔ اصالت خان کے بعد رحمان داد خان کو ۱۶۹۹ء میں پکھلی کا فوجدار مقرر کیا گیا اور ۱۷۰۵ء میں اس کے تغیر سے یعقوب خان کو نامزد کر دیا گیا۔ ماثر عالمگیری صفحہ ۳۵۹ کی عبارت ملاحظہ ہو:

"یعقوب خان، ابراہیم خان کی تجویز کے مطابق رحمان داد خان کے تغیر سے فوجداریٔ پکھلی دھمتوڑ پر نامزد کیا گیا۔"

ترکوں کی حکومت کے خاتمہ پر اورنگزیب عالمگیر نے پکھلی کے انتظام کیلئے مرکز سے (خود) فوجدار مقرر کئے۔ ۱۶۹۸ء میں اصالت خان گکھڑ کو تبدیل کیا گیا جو کافی عرصہ پکھلی کا فوجدار رہا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سلطان مقرب کو سلطان مبارز الدین گکھڑ نے ۱۶۷۰ء کے عشرے میں یا اس سے قبل دھمتوڑ سے نکال دیا تھا۔ جبکہ گلی باغ پر سواتیوں کا قبضہ اس واقعے سے بھی تیس چالیس سال قبل ہوا تھا کیونکہ سلطان اصالت خان گکھڑ کے بنوں کا فوجدار مقرر ہونے سے قبل قبیلہ جدون نے دھمتوڑ اور اس کے توابع کے علاقوں پر قبضہ کر لیا تھا اور سواتیوں اور جدونوں سے خراج کی وصولی اصالت خان فوجدار کے سپرد ہوئی۔ جدونوں کے قبضہ سے قبل دھمتوڑ سے ترکوں کی حکمرانی ختم ہوگئی تھی اور اس علاقے پر تنولیوں اور کرڑالوں کا قبضہ ہو چکا تھا۔ ترک صرف موضع دھمتوڑ تک محدود تھے۔ سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ۱۶۶۶ء میں صالح محمد خان دلازک کی ثالثی میں اورنگزیب کے حکم سے ہزارہ قارلق کی تقسیم ہوئی تھی اور اس علاقے کو چار حصوں میں تقسیم کر کے ترکوں کو ایک پٹی (مانکرائے) جس کے ۲۱ مواضعات تھے دی گئی اور اس وقت ترکوں کے مقبوضات میں یہی مانکرائے کی پٹی رہ گئی تھی۔ دھمتوڑ سے مقرب خان کو اس سے قبل مبارز الدین گکھڑ نے شکست دیکر ترکوں کی حکومت کا خاتمہ کر دیا تھا۔

6۔ "تاریخ تناولیاں" از سید مراد علی کے صفحہ ۹ پر ذیل بیان درج ہے:

"سب سے پہلے مولوی محمد ابراہیم نے کہا ہے کہ اخوند محمد سلاق کابل گراویں ولی زمانہ اور مجیب الدعوات ہے۔ ان کی مدد و دعا دربار باری تعالیٰ میں کرا کر عبور ہونا چاہئے۔ سب اہل مجلس نے یہ صلاح پسند کی۔ بلکہ محمد ابراہیم کو بخدمت اخوند سلاق کے بھیجا کہ وہ بہ منت وسماجت اخوند موصوف کو موضع عشراہ

میں لایا۔ سردار ممارا خان پلال و سردار چاڑا خان ہندوال نے بہت تواضع و خاطرداری کر کے استمداد دعا کی۔ المختصر اخوند نے بعد از دعا ایک پیش قبض سردار ممارا خان اور سردار چاڑا خان کو ایک تلوار اپنے پاس سے عطا کی اور یہ کہا بسم اللہ جاؤ خدا تم کو فتح دے۔ اخون سالاک ۱۰۶۷ء میں فوت ہوئے یہ دعا لازماً ۱۵/۲۰ قبل کا واقعہ ہوگا۔ گویا تنولیوں کا حملہ ۱۶۴۵ء کے لگ بھگ ہوا ہوگا۔

اخوند سالاک کے باب میں ان کی زندگی پر تفصیل سے بحث ہو چکی ہے۔ ان کا ذکر عالمگیر نامہ میں بھی موجود ہے اور اجمالی تذکرہ "یوسف زئی پٹھان" از اللہ بخش یوسفی میں بھی موجود ہے۔ اخوند سالاک ۱۰۶۱ھ میں فوت ہوئے جب جنگ تخت نشینی شروع تھی اور اورنگزیب عالمگیر ۱۶۵۸ء میں حکمران ہندوستان بنا۔ اگر اخوند سالاک کی عمر ایک سو سال بھی تصور کر لی جائے تو اس کی پیدائش ۱۵۵۸ء ہوگی۔ ۱۴۷۲ء میں تو شاید اس کے والد ماجد بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اس لئے ۱۴۷۲ء میں تنولیوں کا اخوند سالاک سے دعا کرانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تنولیوں نے سواتیوں سے تقریباً دو یا تین سال قبل حملہ کیا تھا اور قیاس ۱۶۴۵ء کے لگ بھگ کیا ہوگا۔

کتابِ مذکور کے تعارف میں جناب محمد عبدالقیوم جلووال تحریر فرماتے ہیں "ان کی (اخوند سالاک کی) دُعا کی برکت سے چار ہزار تناولیوں نے بارہ ہزار غیر مسلم ترکوں کے مقابلے میں فتح پائی"۔ محمد عبدالقیوم جلوال (تنولی) کی تعارف میں لکھی ہوئی یہ عبارت درست ہے کیونکہ اخون سالاک نے ڈوما کفار کے خلاف جہاد شروع کیا تھا جو دریائے سندھ کے مغربی اور مشرقی کنارے پر آباد تھے اور ان کی آزاد حیثیت تھی۔ یہ ممکن ہے کہ ڈوما کفار جو تاتاری نسل ہندو تھے، کی مدد کیلئے قارلق ترک حکمران نے گلی باغ سے بھی فوج ارسال کی ہو۔ مگر یہ حملہ دراصل ڈوما کفار کے خلاف تھا جن کے قبضے میں علاقہ کولائی اور اس کے ملحقہ کالا ڈھاکہ کے پہاڑی درے تھے۔ غالباً یہی وجہ تھی کہ بعد میں یوسف زئی اور سواتیوں کے ملے جلے لشکر نے قلعہ چھانجل پر چڑھائی کی اور ترکوں کا اقتدار پکھلی کے شمالی حصہ سے ختم کر دیا تا کہ وہ کالا ڈھاکہ اور مہابن (امازئی، مداخیل) کی مہم کے دوران ڈوما کفار کی مدد نہ کر سکیں۔ ۱۴۷۲ء میں تنولی جمرود سے عشراہ آئے تھے اور ۱۴۷۲ء تا ۱۶۴۰ء وہاں مقیم رہے۔ اخوند سالاک کی جہادی مہمات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے دریائے سندھ کو عبور کر کے ڈوما کفار (جن کو "تعارف" میں غیر مسلم ترک لکھا ہے) پر حملہ کر کے علاقہ تناول پر قبضہ کر لیا۔ اخوند سالاک کا بلگرامی نے بہا کو خان خدوخیل کی درخواست اور مولانا شیخ عبدالوہاب المعروف بہ اخون پنجو کی ایماء پر ڈوما کفار کے خلاف عہد شاہجہان میں جہاد شروع کیا تھا۔

جناب محمد ارشاد خان نے اپنی تصنیف ''تاریخ ہزارہ، ترکوں کا عہد'' میں تنولیوں پر تفصیلی بحث کی ہے مگر وہ بھی اس حملے کی صحیح تاریخ کا تعین نہیں کر سکے۔ تاریخی واقعات کو اپنے زمان و مکان کے لحاظ سے بیان کرنے سے صحیح تاریخ لکھی جا سکتی ہے۔ بے ربط بیان غلط تجزیہ کا موجب بن کر تاریخ نویسی کے عمل کو پروان نہیں چڑھا سکتا۔ انکے اپنے بیان کے مطابق ۱۶۷۲ء میں ہزارہ قالق کی تقسیم صالح محمد خان دلاراک کی ثالثی میں ہوئی تھی اور ۱۶۷۲ء سے قبل گلی باغ اور دھمتوڑ سے ترکوں کا اخراج ہو چکا تھا۔ ان کے حصہ میں صرف مانکرائے کے ۲۱ مواصفات رہ گئے تھے۔

7۔ تاریخ ہزارہ از کیپٹن ویلس ص ۹۸۲ پر سواتیوں کے متعلق لکھا ہے:

''ان میں بعض باہم گریکجدی، بعض ہم قوم اور بعض اقوام متفرق تھے۔''

غالباً اسی بیان کی وجہ سے اکثر مورخین نے ان کو سید جلال بابا کے متضاد الاصل تابعین (Hetrogeneous following) لکھا ہے۔ گزشتہ اوراق میں ثابت کر دیا ہے کہ سید جلال بابا کا سواتیوں کے حملہ چھانجل سے کوئی تعلق نہیں اور نہ ہی ان کا ذکر عالمگیر نامہ یا ماثر عالمگیری میں موجود ہے۔ یہ ایک موضوع روایت ہے جسے مشہور کر کے دو سو سال بعد ۱۸۷۲ء کے بعد بندوبست کے دوران لکھا دیا گیا ہے۔ سواتیوں کا یکجدی یا ہم قوم ہونے سے مطلب صاف عیاں ہے کہ اکثریت ایک ہی قبیلہ ہے جب کہ کچھ لوگ جو دراصل سواتی نہیں وہ بھی ان میں شامل ہیں مثلاً بنگش اور شلمانی۔ مگر یہ دونوں قبیلے اگرچہ ہم نسب نہیں مگر سلطان بہرام کی فتح ننگرہار کے بعد اسکی رعیت میں شامل تھے کیونکہ شلمان اور کرمان کے علاقے ننگرہار کا حصہ تھے۔ یہ لوگ سواتیوں کے مفتوحہ علاقوں میں رہنے کے باعث ان کے ''شریک'' ہیں اور Hetrogenous نہیں بلکہ (Homooogenous) ہیں۔ ضلع ہزارہ کی ولایت پکھلی سترھویں صدی کے سلطان پکھل کے نام سے منسوب نہیں بلکہ یہ سواتیوں کے پہلے گھرانے کے پہلے فاتح سلطان فکہل کے نام سے منسوب ہے جو چھٹی صدی ہجری کے آخری دور کا حکمرانِ سوات اور فاتح پکھلی تھا۔ سید علی ہمدانی اس کے ۱۲۰/۱۰۰ سال بعد کشمیر میں وارد ہوئے۔ سید علی ہمدانی کے دور میں کشمیر کے حکمران سلطان شہاب الدین اور سلطان علاؤالدین تھے اور اس زمانے میں سوات، باجوڑ اور بیر کی ولایتوں کو سلطان فکہیل کی مناسبت سے ''پکھلی سرکار'' لکھا جاتا تھا جن کا الحاق کشمیر سے تھا۔ ڈاکٹر محمد ریاض صاحب کے تحقیقی مقالہ ''میر سید علی ہمدانی'' کے مطابق سوات کی پکھلی سرکار مانسہرہ کی ولایت پکھلی سے ایک الگ ولایت (ا) اور سرکار تھی۔ سید علی ہمدانی کی موت قلعہ گبر (باجوڑ) کے قریب

ملک خضر گبری سواتی کی حدود میں واقع ہوئی تھی۔ جبکہ سلطان محمد خان (امیر زادہ) بدخشاں اور بخارا کا حاکم تھا۔ وہ مانسہرہ کی پکھلی کا حاکم نہ تھا اور نہ ہی وہاں آیا تھا۔ ڈاکٹر محمد ریاض نے اس پہلو پر تفصیلی بحث کی ہے۔ میر سید علی ہمدانی کے اپنے خطوط بنام سلطان غیاث الدین حکمران، سوات اور بہ م علی الدین (علاؤ الدین) والیٔ سوات موجود ہیں۔ پکھلی ہزارہ اس زمانے میں کشمیر کے زیر کنٹرول تھا اور سلطان سکندر بت شکن کے دور میں امیر تیمور نے اسے ترکوں کی ولایت کے طور پر آزاد حیثیت دی تھی مگر شاہی خان جب سمرقند سے واپس آیا اور زین العابدین بڈ شاہ کے نام سے کشمیر میں حکومت شروع کی تو اس نے دوبارہ پکھلی اور دھمتوڑ کو فتح کر کے کشمیر کے توابع میں کر دیا تھا۔ (ا)

محمد ارشاد خان مصنف تاریخ ہزارہ کو غالباً ڈوما کفار کے وجود کا علم نہیں تھا۔ تاریخی شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ دریائے سندھ کے دونوں کناروں پر موجود علاقہ مہابان (مہابن) (مداخیل اور امازئی) اور کالا ڈھاکہ کے غربی حصہ سے تقریباً کولائی تک کا ساحلی علاقہ ہندوؤں کی راجدھانی تھی۔ جو مملکت سوات جنیر اور ترکوں کی پکھلی سرکار کے درمیان ایک بفر اسٹیٹ تھی۔ سواتی پکھلی (ہزارہ) کو ہمیشہ اپنا موروثی علاقہ تصور کرتے تھے کیونکہ یہ ان کے اولین حکمران سلطان پکھل کا مفتوحہ علاقہ تھا اور اُسی کے نام سے منسوب ہے۔ سلطان پکھل اور سلطان بہرام نے مملکت گبر کا قیام کیا تھا جس میں کابل سے کشمیر کی سرحد تک کا علاقہ شامل تھا اور ابتداء میں یہ مملکت بہاؤالدین سام (غوری) کی مملکت کا حصہ تھا۔ غوری حکومت کے خاتمے کے بعد خوارزم شاہی دور میں یہ علاقہ خود مختار ہو گیا تھا۔ کیونکہ چنگیز کے حملے کے دوران خوارزم شاہیان بھی دیرپا ثابت نہ ہوئے۔ ہندوستان محمد غوری کے خانہ زادوں اور مملکت گبر سواتیوں کے قبضہ میں بدستور رہ گئے۔

☆☆☆☆☆

(ا) ملاحظہ ہو سیر المتاخرین ص ۶۴ ورذکر سرکار پکھلی شباب کشیر ص ۲۶ اور تاریخ بڈ شاہی ص ۶۴ از محمد الدین فوق اور ''میر سید علی ھمدانی'' از ڈاکٹر محمد ریاض ص ۷۱